

۶۸۶

دفترِ فرعون

جلد اول

یعنی

ج مارٹز - ایبرس مشہور جرمنیٔ ماہر علوم مصریہ کی معرکۃ الآرا تصنیف کا

ترجمہ

از

لطافت حسین خاں

زیر نگرانی سید حسن زاہد جعفری حسن منزل شاہ گنج آگرہ

(باہتمام خواجہ صدیق حسین)



عرض مترجم

جلد اول

اس کتاب کے قابل مصنف کی طرح مجھے بھی اندیشہ ہے کہ کہیں بعض سنجیدہ مزاج کتب علمی کے مقابلہ میں ایک افسانہ کا ترجمہ تضیع اوقات نہ سمجھیں۔ لیکن یہ خیال انصاف وراستی سے دور ہوگا۔ کیونکہ اگر تاریخ وسیر کا مطالعہ یا آثار قدیمہ کا مشاہدہ فضول و بے کار ہے تو البتہ یہ الزام ایک تاریخی افسانہ پر بھی عاید ہوسکتا ہے جس کا خاص منشا و مقصد یہ ہو کہ انھیں مضامین کو عوام کے سامنے زیادہ دلچسپ و خوش آیند پیرایہ میں بیان کیا جائے تاکہ اس سے معلوم ہو کہ اقوام پارینہ کا تمدن اور طرز معاشرت کیا تھا۔ ان کی تہذیب و شائستگی کس پایہ پر پہنچ چکی تھی۔ ان کے خیالات و عقائد کس قسم کے تھے اور ان تمام باتوں کا اثر اب موجودہ دنیا میں کہاں تک موجود ہے۔ اگر یہ علم مفید نہ خیال کیا جائے تو اس ہٹ دھرمی و تعصب پر افسوس ہے کیونکہ علاوہ دلچسپ ہونے کے اس سے وہ روشن خیالی اور وسعت نظری پیدا ہوسکتی ہے جو ایک کامل و مکمل تعلیم کی بہت بڑی خصوصیت سمجھی گئی ہے اور جس کا حاصل کرنا صرف امتحانات پاس کرنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہ مشاہدہ۔ سیر و سیاحت اور بنی نوع انسان کے مختلف حالات پر غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اب رہا یہ امر کہ

"دختر فرعون" کا مطالعہ کہاں تک اس مقصد کے لئے کافی ہے میں ناظرین کی رائے پر چھوڑتا ہوں۔ میری محنت ٹھکانے لگے گی اگر اسے پڑھ کر نہ صرف مصر و ایران بلکہ خود اپنی ملک کی پرانی تاریخ و آثار قدیمہ کی طرف ناظرین کے دلوں میں وہ ذوق و شوق پیدا ہو جائے جو پہلے موجود نہ تھا۔

ایبرس کی "ایجپشین پرنسز" کا ترجمہ جہاں تک ممکن ہو سکا ہے سلیس و عام فہم زبان میں کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کوشش کہیں مبالغہ آمیز ہو اور طرز گفتگو میں "موجودہ زمانہ" کا انداز نظر آئے۔ لیکن اس سے بچنا ناممکن تھا کیونکہ اول تو ہمارا علم ناقص ہے دوسرے شاید بلا اس تدبیر کے اس کا سمجھنا آسان اور عوام کی دلچسپی کا باعث نہ ہوتا۔ بد قسمتی سے مترجم کو اس افسانہ کا وہ ایڈیشن دستیاب نہ ہو سکا جسمیں لایق مصنف نے اپنی نوٹ اور زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھے تھے نیز اسے یہ بھی خیال تھا کہ ایبر کے بعد بہت سی نئی تحقیقاتیں ظہور میں آئی ہیں جن کا شاید اس کے زمانہ میں علم نہ ہوگا اسلئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ایسی متعدد کتابوں سے مدد لینے کی ضرورت ہوئی جو جدید ہیں۔ اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ افسانہ دختر فرعون صرف ایک فسانہ کی حیثیت سے نہ دیکھا جائے بلکہ اقوام ماضیہ کے اخلاق۔ آداب۔ رسم و رواج۔ پولیٹکل و سوشل حالات کا ایک صحیح مرقع سمجھا جائے جس کا مطالعہ ناظرین کے لئے نہ صرف دلچسپ بلکہ سود مند ثابت ہو سکے۔ فقط

لطافت حسین خاں

لطافت حسین خاں (۱)

مصنف کی زندگی کے مختصر حالات

جارج مارٹز۔ ایبرس مشہور جرمنی ماہر علوم مصریہ تھا۔ یکم مارچ ۱۸۳۷؁ء کو بمقام برلن پیدا ہوا۔ گوٹنجن میں اس نے قانون کی تعلیم حاصل کی اور برلن میں السنہ مشرقیہ اور علوم آثار قدیمہ کی تحصیل میں اپنا وقت صرف کیا اور مصر کو اپنے مطالعہ کے لئے خاص طور پر انتخاب کیا۔ کارل رچرڈ لیپسس جو اس زمانہ میں ایک مشہور ماہر علوم مصریہ سمجھا جاتا تھا ایبرس نے اس کی شاگردی اختیار کی اور بعد میں اپنے اُستاد کی سوانح عمری بھی لکھی۔ ایبرس ۱۸۶۵؁ء میں بمقام جینا السنہ مصریہ اور آثار قدیمہ کا معلم مقرر ہوا اور ۱۸۷۰؁ء میں لیپزگ میں انہیں مضامین کا پروفیسر ہوا۔ تحصیل علوم کے لئے اس نے دو مرتبہ مصر کا سفر کیا ہے۔ ۱۸۷۲؁ء میں اس نے ایک قدیم مصری طبی رسالہ دریافت کیا جو پیپوروس ایبرس (Papyrus Ebers) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ رسالہ اُسے تھیبز (Thebes) میں ملا تھا۔ اس کا ترجمہ ایچ جوشم (H. Joschim) نے انگریزی زبان میں ۱۸۹۰؁ء میں کر دیا ہے۔ اس رسالہ میں ایبرس کے خیال کے مطابق قدیم مصری موتیا بند کا علاج عمل جراحی سے کیا کرتے تھے۔ ایبرس کا خیال یہ تھا کہ تاریخی ناولوں کے ذریعہ سے مصری علوم اور تواریخ کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا جائے۔ اس کے مشہور ناول حسب ذیل ہیں۔ جن کا ترجمہ سب سے پہلے ۱۸۸۰؁ء میں کتب خانہ بوہن (Bohn) نے شائع کیا تھا۔ ان میں سے بعض کئی بار مکرر طبع ہو چکے ہیں۔ جس ناول کا ترجمہ

ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے وہ اُس کا سب سے بہتر اور مشہور و مقبول تاریخی ناول ہے
جس میں تمدن یونان کا آغاز۔ تمدن ایران کا شباب اور تمدن مصر کے آخری زمانہ
کا حال بہت عمدگی سے درج کیا گیا ہے۔ انگریزی ترجمہ میں اس کا نام "ایک مصری شہزادی"
(An Egyptian princess) ہے اور اردو میں حالات کے مناسبت
کے لحاظ سے "دختر فرعون" رکھا گیا ہے۔ ایبرس کے ناولوں میں تاریخی دلچسپی
کے علاوہ ادبی خوبی بھی ہے۔ اس نے مصر کے آثار قدیمہ اور تمدن قدیم پر متعدد
کتابیں لکھی ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں اسکی صحت خراب ہونے لگی جس کی وجہ سے لیپزگ
کی پروفیسری سے اسے وظیفہ لینا پڑا۔ لیکن پھر بھی اس کی صحت درست نہ ہوئی
اور بالآخر بویریا میں بمقام ٹتزنگ ۷ اگست ۱۸۹۸ء کو اس عالم فانی کو وداع کیا۔

اس کے مشہور تاریخی ناول حسب ذیل ہیں:-

(1) Eine Agyptische Konigstochter

ایک مصری شہزادی۔
یہ ۱۸۶۴ء میں طبع ہوا اور بہت پسند و مقبول عام ہوا۔

(2) Uarda

اوارڈا
یہ ناول ۱۸۷۷ء میں طبع ہوا۔ اس میں رمیسیس ثانی کے زمانہ کے حالات ہیں جو بنی
اسرائیل پر ظلم کرنے والا فرعون کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے ابتدائی زندگی کا تھا اور اس مصری تہذیب و تمدن کا نہایت اچھا مرقع ہے جسکی
اصلاح کے لئے خدائے عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا تھا۔ اس
زمانہ کو مصری تمدن کی ترقی کی انتہا کہا جاتا ہے۔

(3) Homo Sum

ہوموسم
مطبوعہ ۱۸۷۸ء۔ اس میں اس زمانہ کا حال ہے جبکہ مصر میں مذہب عیسوی پہلے
پہل پھیلنا شروع ہوا تھا۔

(4) Die Schwestern — مطبوعہ ۱۸۸۰ء

(5) Der Kaiser — قیصر روم

مطبوعہ ۱۸۸۱ء۔ اس میں شہنشاہ ہڈرین کے دورہ مصر اور اس زمانہ کے مصری حالات و تمدن کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل روما کے حکومت کے زمانہ میں مصر کی حالت کیا تھی۔

(6) Die Nilbraut — مطبوعہ ۱۸۸۷ء

(7) Kleopatra — کلیوپٹرا

مصر کی مشہور ملکہ کا حال ہے۔ مطبوعہ ۱۸۹۴ء

(8) Die Frau Burgermeisterin — مطبوعہ ۱۸۸۲ء

(9) Die Gred. — مطبوعہ ۱۸۸۷ء

[illegible signature] 7-8-82

Today is 7th August 1982 AD, when
Today I appeared in the last paper of my LL.B. 1st Exam of the law of torts which was
on this very day eighty four years ago
i.e 7-8-1897 AD the famous writer
of original text of this book
Mr George Martner Abress died
He was a German.
Abress was an author...
an Egyptian [illegible]
[illegible] LL.B. 1st [illegible]

مقدمہ

جو مصنف نے کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں لکھا

میں یہہ بات اپنے آپ سے مخفی نہیں رکھ سکتا کہ علما کی ایک ایسی بڑی
تعداد موجود ہے جو اگر کوئی محقق علوم و حکمت اپنی تحقیقاتوں کے نتیجوں کو
افسانوں کے دلچسپ پیرایہ میں لکھنا چاہے تو اُسے پسند نہیں کرتی اور اُسے
نامناسب خیال کرتی ہے۔ مجھے ایک حد تک ان سے اتفاق بیشک ہے لیکن
جس سرعت کے ساتھ اس کتاب کی پہلے ایڈیشن فروخت ہوئی اس سے یہ
ضرور پایا جاتا ہے کہ عوام الناس اس محقق کے رہین منت ضرور ہوا کرتے ہیں جو
اپنے مساعی اور تحقیقات کے نتیجوں کو ایک ایسی شکل میں ان کے سامنے پیش کرنے
میں دریغ نہ کرے جو انہیں سب سے زیادہ دلچسپ معلوم ہو۔ بہرحال عوام الناس
میں اکثر لوگوں کو تعلیم دینے اور اُن کے دل میں ذوق و شوق پیدا کرنے کے اس
طریقہ کے علاوہ جس کا میں نے ذکر کیا اور جو طریقے ہیں وہ بہت کم ہیں۔ جو شخص
سائنس و حکمت کی کوئی کتاب پڑھنے کے لئے ہاتھ میں لیتا ہے اُسے سائنس و
حکمت سے ضرور دلچسپی معلوم ہونے لگتی ہے لیکن جو کوئی اس موجودہ کتاب کو

دلچسپی سے پڑھے گا اور ختم کر کے جب اسے ایک طرف رکھے گا تو شاید وہ ایک ایسی دلچسپی اپنے ساتھ لیکر اُٹھے گا جو اُسے اس سے زیادہ عالمانہ اور محققانہ کام کی طرف مائل کر دے گی اور ممکن ہے کہ اس دلچسپی کے تقاضے سے وہ ان قوموں کے آثار کے مطالعہ اور تحقیق کی طرف متوجہ ہو جائے جو قدیم زمانہ میں گذری ہیں۔

جنگ فارس کے قبل یونانیوں اور ایرانیوں کی گھریلو زندگی کیسی تھی ہم بہت کم جانتے ہیں (اس سے زیادہ تو ہم مصریوں کے تمدن و خانگی زندگی سے واقف ہیں) اس ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مہذب و متمدن قوموں کی چھٹی صدی قبل مسیح کے خانگی زندگی کی تحقیق کرنے والا اور پھر انہیں قلمبند کرنے والا ایک ایسا مورخ بھی جو علم و فضل میں درجۂ کمال رکھتا ہو اور افسانہ کو تاریخ کے ساتھ ملانا ہرگز پسند نہ کرتا ہو وہ بھی مجبور ہو جاتا ہے کہ تخیل کی امداد کا خواہاں ہو۔ ممکن ہے کہ وہ ایک ایسی غلطی سے جو محض تاریخ کے متعلق ہے بچ جائے مگر ایک ایسی کتاب کا مصنف نہیں بچ سکتا جس کی تالیف میں نے اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ گو محنت وسعی اور احتیاط و توجہ بڑی بڑی غلطیوں سے ایک مصنف کی حفاظت کر سکتی ہے لیکن میں اس نقطۂ نظر کو اپنی نگاہ کے سامنے سے محو نہیں کر سکتا تھا جو اس زمانہ اور اس ملک کے ساتھ مخصوص ہے جن کا تعلق ناظرین سے اور خود مجھ سے ہے اگر میں قدیم زمانہ کے شعار و حالات کو صرف سادہ طریقہ پر بیان کر دیتا تو یہی نہیں کہ میری کتاب کسی کے سمجھ میں نہیں آتی بلکہ زمانہ حال کے پڑھنے والوں کی نظر میں بالکل پھیکی اور دلچسپی سے خالی معلوم ہوتی۔ پس اس کتاب میں جن مصریوں اور ایرانیوں کا ذکر ہے وہ اپنی خصوصیت کے لحاظ سے بالکل مصری اور ایرانی معلوم ہوں گے مگر ان کے حرکات و سکنات کے مقابلہ میں زیادہ تر وہ الفاظ جو ان کی زبان

سے ادا ہوں گے اس راز کو فاش کرتے رہیں گے کہ اس کتاب کا لکھنے والا ایک جرمنی الاصل شخص ہے جو اپنے زمانہ کے جذبات کے تاثر سے گریز کرنے پر ہمیشہ قادر نہیں ہے اور جس کی پیدائش حضرت مسیح سے اونیس سو برس بعد ہوئی ہے

میں پروفیسر لیپسوس (Lepsius) کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے مجھے جتلا دیا کہ اہل مصر کے علوم و فنون و صنعت و حرفت کا مجرد بیان کتاب کے پڑھنے والے کو بہت زیادہ تھکا دے گا چنانچہ میں نے ان کے مشورہ پر عمل کیا اور پہلے ہی اڈیشن (طبع) میں ہیروڈوٹس سے جو مواد مستعار لیا تھا اس ترتیب سے اُسے جمایا کہ پڑھنے والا ایک ایسی یونانی سوسائٹی میں پہنچ جاتا ہے جسکے لوگ اُسے کلی طور پر اجنبی نہیں معلوم ہوتے اور وہ ایک ایسی سوسائٹی میں ہوتا ہے جس میں اور اس میں بعض چیزیں قدر مشترک نظر آتی ہیں مثلاً اشیائے جمیلہ کی محبت اور فنون لطیفہ کی جانب شوق و ولولہ۔ پڑھنے والا اس یونانی جلسہ اور سوسائٹی کی راہ سے گذر کر مصر میں اس طرح داخل ہوتا ہے کہ وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بالکل تیار ہوتا ہے۔ غرضکہ مقصود یہ ہے کہ اُسے ان تمام قوموں کے حالات میں یکساں لطف اور مزا آئے۔ اسی وجہ سے میں نے اس قصہ کو صرف ایک ہی ہیرو تک محدود نہیں کیا ہے۔ میں نے تینوں قوموں (مصری۔ ایرانی اور یونانیوں) کے حالات انہیں سے ایک ایک اہم شخص کو مثال کے طور پر لے کر بیان کیا ہے اور اس ناول کا نام "ایک مصری شہزادی" میں نے اس لئے رکھا ہے کہ نٹیٹس ایک مصری شہزادی تھی جس کے حالات اور انجام کا دوسرے لوگوں پر عظیم الشان اثر پڑا ہے اس لحاظ سے وہ اس کی مستحق ہے کہ اس ناول میں توجہ عام اور دلچسپی کا اسے مرکز سمجھا جائے۔

اماسیس کے حالات بیان کرنے میں میں نے ہیرڈوٹس کے اُستادا

طرز بیان کی تقلید کی ہے جس کی صحت اس بادشاہ کی اُس تصویر سے اب بالکل ہو گئی ہے جو ان قدیم لوگوں کے آثار میں نظر آتی ہے۔ ہیروڈوٹس نے کمبوجیہ کی طبیعت کی خصوصیات اور اخلاق کا جو حال بیان کیا ہے میں نے اسی کے مطابق اس کی تصویر کھینچی ہے اور اصل یہ ہے کہ یہ پورا ناول اس مورخ اعظم کی کتاب پر مبنی ہے جو اُن حالات و واقعات ہی کے صرف چند ہی نسل بعد پیدا ہوا تھا جو اس ناول میں بیان کئے گئے ہیں لیکن تاریخ کے اس ابو الآبا کی تقلید میں نے ہر شے میں نہیں کی۔ لوگوں کی خصوصیات طبع اور اخلاق و عادات کے بیان کرنے میں میں نے وہ راستہ اختیار کیا ہے جو سائیکالوجی نے بتائی ہر جگہ میں نے اُن کتبات سے کام لیا ہے جو خطوط پیکانی اور میخی حروف میں لکھے ہوئے ملے ہیں۔ یہ کتبات بلاشبہ ہیلی کارنیسین (Halicarnassian) کے بیان کردہ حالات کے اکثر مطابق ہیں۔ فتح مصر کے بعد ہی بردیہ (برتجا) کی موت کے واقعہ کا ذکر کرنے میں میں نے ہیروڈوٹس کا اتباع کیا ہے اس لئے کہ کتبہ بیستون کا جو معمولی ترجمہ کیا گیا ہے مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ کتبہ مذکورہ میں جو عبارت[۵]

[۵] اصل عبارت مذکور (معہ ترجمہ فارسی) حسب ذیل ہے

اصل	یتہا خشایاتیا اَبَمَ کمبوجیانا ماکوراوشش پترا اماکہام تاوبایا ہووم اِداخشایاتیا اہا ادھیا
ترجمہ	قبل از انکہ من بادشاہ شوم کمبوجیا نام پور کورش از تخمۂ ما او اینجا بادشاہی داشت او
اصل	کمبوجی یہیا براتا باردیا نایا آہا یہہ ماتا ہماپسہ وا کمبوجیا اَوَم باردیم اواجا یتہا
ترجمہ	کمبوجیا برادرے باردیا نام داشت از یک مادر و پدر پس کمبوجیا آن برادرش باردیا را اکشت چوں
اصل	کمبوجیا باردیم اواجا
ترجمہ	کمبوجیا باردیا را اکشت

ہے اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔

"ہمارے خاندان کا ایک شخص کمبوجیہ نام کورو کا فرزند پہلے یہاں
بادشاہ تھا اور اس کا ایک بھائی تھا بر تیا نام جس کے ماں باپ
وہی تھے جو کمبوجیہ کے تھے بنا برین[۵] کمبوجیہ نے بر تیا کو قتل
کر دیا۔"

میں اس کتاب میں جو عوام الناس کے لئے ہی زبان کی بحثوں میں نہیں پڑ سکتا، تاہم ناواقف سے ناواقف آدمی بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ لفظ "بنا برین"، اوپر کے مضامین کے تعلق کے لحاظ سے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ تمام دیگر امور میں کتبہ (بہستون)، ہیروڈوٹس کے بیان سے مطابقت رکھتا ہے۔ اور میں اچھی طرح اس اختلاف کو جو ہیلی کانیسین اور داریوش (دارا) دونوں کے بیانوں میں معلوم ہوتا ہے واضح کر کے دور کر سکتا ہوں لیکن فی الحال اس کام کو کسی دوسرے موقع کے لئے ملتوی رکھتا ہوں۔

میں نے کتاب ہٰذا میں (صفحہ ۶۳) اچھی طرح بیان کر دیا ہے کہ فلینس کو جو ہیلی کارنیسین ہے اتھنس کا باشندہ کیوں بنایا ہے۔ پہلے ایڈیشن ہی میں اس غلط بیانی سے میں گریز کر سکتا تھا لیکن اب اگر ایسا کروں گا تو سارا قصہ بدلنا پڑیگا۔ نی ٹیس (Nitetis) کو اس قدر کم سن ظاہر کرنے کے جو ذرائع اختیار کئے گئے ہیں ان کی بھی معذرت کرتا ہوں اسلئے کہ اماسیس کے طبیعت کی نیکی اور خوبیوں کے باوجود جس کی ہیروڈوٹس بھی تعریف کرتا

---

[۵] یخامنشی فارسی کے الفاظ یہ ہیں
"پسہ دا کمبوجیا اَدَم بار دیم اوا جا" پس کمبوجیہ آن برادرش بر دیار اکشت۔ یہ ترجمہ رالنسن کے ترجمہ کے مطابق ہے جس نے "پسردا" کا ترجمہ پس۔ یا پس ازاں لکھا ہے۔ ۱۲

ہے یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ شاہ ہوفرا (Hophra) اپنی سلطنت کے زوال کے بعد بیس برس اور زندہ رہا ہو لیکن پھر بھی یہ بات غیر ممکن نہیں ہے اس لئے کہ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ اماسیس نے اپنے پیش رو (بادشاہ ہوفرا) کے خاندان کو پامال جور و ستم نہیں کیا۔ جو شاہی خاندان معرض زوال میں آگیا تھا اس کا ایک شخص سمیتک نام اماسیس کے زمانہ حکومت کے سترہویں سال تک زندہ رہا ہے اور چھہتر برس کی عمر میں مرا ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو لیڈن کے میوزیم میں ایک پتھر کی تختی پر کندہ موجود ہے۔

روڈوفس کے متعلق بھی میں چند الفاظ درج کرنا چاہتا ہوں۔ ہیروڈوٹس اور دیگر مصنفین کے تاریخوں کے بہت سے مقامات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک یہ واقعی عجیب و غریب اور ممتاز عورت ہوگی۔ اس کا نام جس کے لفظی معنی "گل رخسار" (گلاب کے پھول کی طرح رخسار) کے ہیں یہ بتاتا ہے کہ یہ حسین بھی بہت ہوگی۔ افسانوں میں اور روایات تاریخی نے اس عورت کے نام کو بقائے دوام عطا کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اپنے زمانہ میں لوگوں کی نگاہوں میں اس کی کتنی بڑی جگہ تھی۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ روڈوفس نے مصری اہراموں میں سے جو سب سے زیادہ خوبصورت اہرام ہے۔ (یعنی ماہی سرینوس یا منکیرا) اُسے تعمیر کرایا تھا ہمارے یہاں کی سب سے زیادہ قدیم اور عمدہ کہانی "سنڈریلا" کی بنیاد شاید وہی قصہ ہے جو ایلین (Aelian) اور اسٹرابو (Strabo) نے بیان کیا تھا اور "لورلی" (Loreley) کا جو قصہ مشہور ہے وہ کچھ اس کہانی کے ہم مضمون معلوم ہوتا ہے جو اس حسین عورت کے متعلق مشہور ہے۔ ایلین کہتا ہے کہ ایک عقاب نے اور اسٹرابو کہتا ہے کہ ہوا نے روڈوفس کے جوتوں کو جبکہ وہ نوکراتیس میں دریائے نیل

کے کنارے نہا رہی تھی اُڑا کر بادشاہ کے قدموں پر ڈالدیا تھا جو اس وقت سوق میں اپنا فیصلہ سنا رہا تھا بادشاہ ان خوبصورت جوتوں کے حسن کو دیکھکر اس قدر مبہوت ہوا کہ اوس نے اس وقت تک چین نہیں لیا جب تک کہ ان جوتوں کے مالک کا اُسے پتہ نہ مل گیا۔ اور اُسے اس نے حبالہ عقد میں داخل نہ کر لیا۔

یہ بھی مشہور ہے کہ ایک نہایت حسین برہنہ عورت ایک اہرام مصری پر تخت پر بیٹھی ہوئی تمام آنے جانے والوں کو اپنے حسن سے دیوانہ بناتی رہتی ہے۔ اس کا نام روڈوفس ہے۔ طامس مور نے زوگاد (Zoega) سے یہ افسانہ لیکر اپنی نظم میں ذکر کیا ہے۔

یہ افسانے گو بالکل کہانیاں ہیں تاہم یہ ظاہر کر دیتے ہیں کہ روڈوفس ایک عجیب و غریب عورت تھی۔ بعض مصنفین ناواقفیت اور عدم احتیاط سے کہتے ہیں کہ تھریس کی یہ حسین عورت اور ایک اور حسین و بہادر ملکہ نائٹاکریس (Nitocris) جس کا ذکر مانی تھو اور یوسی بیوس دونوں کرتے ہیں اور جس کا نام (فتحمند بنیتھ) چھٹے خاندان کے آثار قدیمہ میں ملتا ہے اور جو ایک ملکہ کا نام ہے دونوں عورتیں ایک ہی تھیں گو یہ غلط ہے مگر اس سے اس خیال کی اور تقویت ہوتی ہے کہ ہمارے ہیروئن کی شخصیت کس قدر اہم تھی۔ اس میں شک نہیں جو کہانیاں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے بھی تعلق رکھتی ہیں غلط ملط ہو کر باہم ایک دوسرے کے نام سے مشہور ہو گئی ہیں۔ ہیروڈوٹس۔ روڈوفس سے بہت ہی کم عرصہ بعد گذرا ہے اور اس کی خانگی ماند و بود کا جو حال وہ بیان کرتا ہے وہ اس قدر تفصیل وار اور اصلی کے مانند ہے کہ ہم اس کو محض افسانوں کی ایک فرضی عورت نہیں کہہ سکتے

دارا کی طرف سے جو خط اس کتاب کے اخیر میں درج کیا ہے اوس کا مقصد صرف یہ ہے کہ یونانی روڈو دپس کا افسانوں کے روڈو دپس میں جو اہرام مصری کے بنانے والے تھے باہم ایک تعلق ظاہر ہو جائے - اوّل الذکر کو سافو - ڈوریکا کے نام سے یاد کرتی ہے - غالباً "گل عذار" (روڈو دپس) کے نام سے مشہور ہونے کے پہلے اس کا یہی نام ہو گا۔

برتجا اور سافو کے باہمی عشق و محبت کے جو سین میں نے دکھائے ہیں ان کے متعلق اعتراضاً یہ سوال کیا گیا ہے کہ کیا ان قدما میں عشق و محبت ایسی ہی ہوا کرتی تھی جیسی کہ ہم میں پائی جاتی ہے یا ایسی محبت صرف مذہب عیسوی کا نتیجہ ہے؟ اس کے متعلق اسکندر وان ہمبالٹ کا صرف یہ قول پیش کیا جا سکتا ہے۔

"اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ سسرو اور پلینی اصغر کے جو خطوط"
"ہیں ان میں بھی اوسی طرح کے انسانی جذبات کا پتہ"
"چلتا ہے جو اِس موجودہ زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ میرے"
"خیال میں اس قسم کا اظہار طبع انسانی کے عمیق جذبات"
"سے ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہوا کرتا ہے اور ہر پر درد"
"الم قلب میں عام طور سے ان کا نقش موجود رہتا ہے۔"

میں اپنے اس عظیم الشان ماہر علوم و حکمت اور فاضل شخص سے بالکلیہ متفق ہوں اور ہمارے پاس حسن و عشق کے ایسے افسانے بہ کثرت موجود ہیں جن کا تعلق بت پرستوں سے رہا ہے۔ مثلاً اپولیوس کی کتاب "امیر اور سائیکی" قدیم باشندوں میں یہ کہنا کہ محبت کا چرکا نہ تھا سراسر غلط ہے۔ سافو کی نظموں میں عشق و محبت کے جو قومی جذبات ہمیں نظر آتے ہیں کیا اُن سے لطیف تر

جذبات کی مثال کہیں اور مل سکتے ہیں؟ ھومر جو عشق و محبت کا دلولہ پن لوپ
میں دکھاتا ہے کیا اس سے زیادہ استقامت و استقلال کی محبت کی کوئی
اور اعلیٰ تر تصویر کوئی شخص ہمارے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ زینوفن نے پنتھیا
(Panthea) اور ابراداتاس (Abradatas) کے قصہ میں دو ایسے
وفاشعار قلوب کی باہمی مواصلت کی جو مرتے دم تک وابستہ اور باہمہ گرگرویدہ
رہے جو نظیر بیان کی ہے یا وپے سین (Vespasian) کے زمانہ کے
دو عاشق گال سابینوس اور اُس کی بیوی کا جو حال بیان کیا ہے کیا ان سے
لطیف تر کوئی مثال کہیں اور نظر آسکتی ہے؟
چکوا اور چکوی (Halcyon) کو جو محبت ایک دوسرے سے ہوتی
ہے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ جب نر بڑھاپے کی وجہ چلنے پھرنے سے معذور ہوجاتا ہے
تو جہاں جہاں وہ جانا چاہتا ہے مادہ اپنی پیٹھ پر بٹھائے لئے لئے پھرتی ہے۔ کیا
اس سے برتر عشق و محبت کا کوئی اور قصہ ہمارے علم میں آیا ہے۔ کہانیوں میں ہے
کہ ایسی محبت کا ثمرہ دیوتاؤں کی طرف سے ضرور ملتا ہے چنانچہ جب یہ جوڑا اپنا
گھونسلہ بناتا ہے اور اپنے بچوں کو لیکر نکلتا ہے تو ہوائیں اور موجیں ساکت و صامت
ہوجاتی ہیں اور "ہلکیان کے ایام" (یعنی اس خوشی کے زمانہ) میں سورج بھی تیز
چمکنے لگتا ہے۔ کیا عشق و محبت کے افسانوں میں پھر بھی کمی کہی جاسکتی ہے جب کہ
ہم دیکھتے ہیں کہ انٹونی سا عیاش آدمی اپنے وصیت نامہ میں یہ درج کرتا ہے
کہ جہاں کہیں میں مروں میرے جسم کو میری معشوقہ کلیوپٹرا کے بازو ہی میں دفن کیا
جائے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ محبت میں جان کو جان نہ سمجھنا اور اپنی معشوقہ کے
لئے بڑی سی بڑی بہادری دکھانا اُس ملک کے لوگوں کے حصہ میں نہ تھا جہاں
ملکہ برنیفس کے گیسوؤں کو اجرام سماوی کا ایک برج بنا دیا جاتا ہے۔ جب ہم دیکھتے

ہیں کہ ایک قوم ہے جو محبت اور عشق کی خاطر نہایت شدت اور استقلال کے ساتھ خطرناک سے خطرناک جنگ میں اپنا سر دیئے ہوئے ہے تو کیا وہ محبت کے لئے قربانیاں کرنے کی ناقابل کہی جاسکتی ہے؟ یونانیوں نے جو جنگ کی تھی وہ جہاں تک ان کا تعلق ہے۔ اس ہتک عزت کا انتقام تھا جو انھیں ہوئی تھی لیکن ٹروجن جو لڑے وہ ہیلن (Helen) ہی کو اپنے قبضہ میں لانے کے لئے لڑے تھے کہا گیا ہے کہ الیان (Ilion) کے بڑی عمر والے لوگ اس پر راضی ہیں کہ ایک ایسی عورت کے لئے (جیسی کہ ہیلن ہے) وہ تمام مصائب برداشت کریں"۔ کیا کرٹیوس کی نظم" جادوگرنی" اس کل مسئلہ کا تصفیہ نہیں کرسکتی ہے؟ .... یہ الفاظ (جو اوپر درج کئے گئے ہیں) صرف اس لئے ضروری معلوم ہوئے کہ اُن لوگوں کے اعتراضات کا جواب دیا جائے جو کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ کے لوگوں میں ایسی محبت اور عشق کے واقعات نہیں ہوا کرتے تھے جیسے سافو اور برتجا کے (اس ناول میں بیان کئے گئے) ہیں .... میں نے اس کتاب میں جو نوٹ درج کئے ہیں اُن سے معلوم ہوگا کہ اس موقعہ کے علاوہ کسی اور جگہ عشق و محبت کا فسانہ نہیں بیان ہوا ہے ان نوٹوں کی ضرورت اس لئے اور بھی کہ کم معروف ناموں کا حال بیان کیا جائے۔ اور علما کی نظر میں مصنفت کی برات ہوسکے۔

نوٹ :۔ ترجمہ میں حاشیہ کو بہت کچھ کم کر دیا گیا ہے اور جو باقی رہے گئے ہیں وہ صرف متن کی توضیح کی غرض سے باقی رہے گئے ہیں۔ وہ نوٹ جن سے حوالہ مقصود تھا۔ نیز وہ جن سے مصنفت کے بیان کی تصدیق مقصود تھی حذف کر دیئے گئے ہیں اس لئے کہ پروفیسر ایبرس کا صرف نام ہی واقعات کی صحت کی ضمانت کیلئے کافی ہے۔ نیز دیگر ضروری حاشئے اور نوٹ بڑھا دیئے گئے ہیں جو اصل میں نہیں تھے۔!!

مقدمہ

جو مصنف نے کتاب کے چوتھے ایڈیشن میں اضافہ کیا

اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کے پروف صحیح کرنے کے موقعہ پر
میں دریائے نیل کی جانب سفر کرنے کی تیاریاں کررہا تھا اور مصر کے اپنے
اس قیام کو جو ۱۸۷۲-۷۳ء میں ہوا تھا میں خاص اطمینان کی نگاہ سے دیکھتا تھا
کیونکہ اس زمانہ میں بالکل ایک حسن اتفاق سے مجھے نئے نئے خزانے دستیاب
ہونے کی نوبت آئی تھی - ان خزانوں میں ایک شے بے حد بیش قیمت تھی یعنی
وہ عظیم قلمی نسخہ جو خطوط ہیکانی میں لکھا ہوا ملا تھا اور اب تک لیپزگ کے میوزیم میں
موجود ہے اور میرے ہی نام پر "ایبرس پے پی روس" کے نام سے موسوم ہے
مصر قدیم کے متعلق جسقدر کاغذات و وثایق اس وقت تک ملے ہیں اور باحتیاط
تمام محفوظ ہیں ان میں یہ نسخہ خوبی وضخامت کے لحاظ سے دوسرے درجہ پر ہے
یہ چھٹی صدی قبل حضرت مسیح علیہ السلام میں لکھا گیا تھا - اس کے صفحوں کی تعدا
ایک سو دس (۱۱۰) ہے - یہ "پے پی روس" وہ کتاب ہے جو مذہبی عبادوزا
کے خانقاہوں میں بحفاظت تمام محفوظ رہتے تھے - جسمیں وہ تمام طبی علاجات او
نسخہ جات درج ہیں جو قدیم مصری استعمال کیا کرتے تھے اور جن سے اسکندر

کے یونانی باشندہ بھی واقف تھے۔ مصریوں کا دیوتا جس کا نام ٹاتھ ہے (جس کے مماثل یونانیوں میں ہرمیز تھا) طبیبوں کا راہ نما کہا جاتا ہے اور مختلف رسالے جن پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی دیوتا کے طرف سے بطور الہام کے نازل ہوئے ہیں۔ اس قدیم زمانہ کی کتاب میں تشخیص مرض کے اصول بتائے گئے ہیں اور خارجی اور داخلی امراض موثر جسم انسانی کے لئے نسخے اور ادویہ تجویز کی گئی ہیں۔ ہر دوا کے ساتھ ہندسے دئے گئے ہیں جن سے اسکا وزن اور پیمانہ معلوم ہوتا ہے۔ نسخوں کے ساتھ وہ عبارت بھی درج ہے جو طبیب دوا تیار کرتے وقت اور مریض کو دوا استعمال کرتے وقت پڑھ لیا کرتے تھے۔ پہلے صفحہ کی دوسری سطر میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب سیس (Sais) سے آئی ہے۔ ایک بہت بڑا باب بینائی کے رگ کے بیان میں لکھا گیا ہے۔ آنکھوں کے حالات صفحہ (۵۵) اور سطر (۵۰) سے شروع ہوتے ہیں اور آٹھ بڑے بڑے صفحوں میں ان کی بحث تمام ہوئی ہے۔ اس وقت تک ہم یہ بات معلوم کرنے کے لئے کہ قدیم مصریوں کا علم آنکھوں کی بابتہ کیا اور کس قدر تھا اُن بیانات کی طرف رجوع کیا کرتے تھے جو یونانی اور لاطینی مصنفوں نے لکھے ہیں۔ لیکن اب پے پی روس ایبرس ایک ایسی کتاب دستیاب ہوگئی ہے جس سے ہم یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ قدیم زمانہ کے لوگوں کو طب کی اس شاخ کے متعلق کیا علم تھا۔

مندرجہ بالا کلمات ایک ناول کے مقدمہ سے بظاہر خارج معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن مضمون ناول اس قسم کا ہے کہ اسکا بیان کرنا مناسب تھا۔ کیا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ جو شخص "ایک مصری شہزادی" کا مصنف ہے اسی کی تقدیر میں یہ لکھا جائے کہ (طبِ مصری کے) رسالہ کو بھی دریافت کرے۔ جو ناظرین اس ناول میں ایک ماہر امراضِ چشم سے دوچار ہونگے۔ جو سیس سے آتا ہے اور جو ایک کتاب تصنیف کرتا ہے

جس میں امراض چشم پر بحث کی جاتی ہے۔

اس بے بہا کتاب کا تعلق اس ناول کے واقعات سے بہت زیادہ ہے۔ یعنی ماہر امراض چشم کی کتاب جو اس ناول کی تاریخ تصنیف تک "ایک مصری شہزادی" کے صرف اس مصنف کے تخیل میں موجود تھی اب ایک واقعہ نفس الامری ہے پس میری مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے سڑک پر ایک ایسا خزانہ جو اسکے صرف خواب و خیال میں موجود تھا واقعی طور پر پڑا ہوا پا لیا ہو۔



دختر فرعون

جلد اول

باب اوّل

دریائے[1] نیل کا پانی کناروں پر چڑھ آیا تھا اور چاروں طرف جہاں پہلے لہلہاتے ہوئے کھیت و سرسبز باغات تھے اب پانی ہی پانی پھیلا ہوا تھا۔ بالائے آب شہر کے عالیشان مندر اور محلات جو بندوں سے محفوظ تھے اُن کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ اونچے اونچے تاڑ و

[1] اس دریا کے دو ماخذ ہیں (نیل سفید و نیل کبود) یہ چار ہزار میل لمبا ہے۔ اس کا پاٹ کہیں بہت کم ہے۔ کہیں دس سے لیکر تیس میل تک وسیع ہے۔ جب یہ سمندر سے سو میل رہجاتی ہے تو ایک ڈلٹا بناتی ہوئی متعدد دہانوں سے بحر قلزم میں گرتی ہے۔ اس دریا کے اُتار چڑھاؤ پر ملک کی زرخیزی کا بہت کچھ دارومدار ہے۔ جب یہ دریا بہت اتر جاتا ہے تو سخت گرمی ہوتی ہے۔ پچاس دن (خمسین) تک سموم چلتی ہے اور مختلف وبائیں اور بیماریاں آتی ہیں۔ طغیانی کا زمانہ برکت و خوشحالی کا سمجھا جاتا ہے۔ عرب مورخین لکھتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں دستور تھا کہ ایک دوشیزہ لڑکی کو خوبصورت لباس پہنا کر دریا پر بھینٹ چڑھاتے تھے۔ یہ رسم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مٹی۔ غرضکہ یہ خوشحالی کا زمانہ آخر ماہ مئی سے شروع ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ پہلے شمال کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چلتی ہے اور ستارہ سیریس

ببول کے درختوں کی صرف پھننگیں دکھائی دیتی تھیں۔ انجیر وکیلے کے درخت بالکل غرقاب تھے۔ مگر سفید چنار ابھی تک اپنی بلند شاخوں کو اوپر اٹھائے ہوئے پانی سے بچنے کی بے طرح کوشش کر رہا تھا۔ ماہِ کامل آسمان پر نکلا ہوا تھا اور لیبیا Lybia کے پہاڑوں پر جو سمت مغرب تھیں اسکی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی بڑی آب وتاب کے ساتھ پڑ رہی تھی۔ نیلے و سفید کنول کے پھول سطح آب پر تیر رہے تھے۔ چمیلی و بیلے کی خوشبو سے ہوا مہک رہی تھی اور رات کی خاموشی میں چمگادڑ اِدہر اُدہر اُڑ رہے تھے جنگلی کبوتر اور دوسری قسم کی چڑیاں بھی درختوں پر اپنے گھونسلوں میں سو رہی تھیں لیکن ماہی خور کلنگ و سارس کو آرام نصیب نہ تھا۔ وہ لبِ دریا پیپرس Papyrus کے سبز سبز کنڈوں یا اور کسی گھانس و پودے کی آڑ میں دبکے ہوئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ (کلب الجبار) آسمان پر نمودار ہوتا ہے۔ لوگ اسکو لیلۃ النقطہ کہتے ہیں کیونکہ زمانہ قدیم کی روایت کے مطابق اس ستارہ کی آنکھ سے ایک آنسو دریا میں گرتا ہے جس سے اس میں طغیانی پیدا ہوتی ہے۔ اس ستارہ کو قدیم زمانہ میں دیوی آتا کہتے تھے۔ غرضکہ سیلاب شروع ہوتے ہی تین دن تک کوڑا کرکٹ اور سیل وغیرہ کے سبب سے پانی سبز رنگ ہو جاتا ہے۔ پھر دو ہفتے بعد سرخ مٹی اسکا رنگ سرخ کر دیتی ہے (قدیم زمانہ میں خیال تھا کہ یہ مقتول دیوتا آسرس کا خون ہے) پھر شروع اگست میں دریا کناروں سے پار ہو کر وادی کو سیراب کرتا ہے بعدہٗ ماہِ اکتوبر میں اپنی سب سے زیادہ اونچائی پر پہونچکر گھٹنا شروع ہوتا ہے اس اُتار چڑہاؤ کو ناپنے والے خاص لوگ مقرر تھے جو پانی کی مقدار و پیمایش کا برابر اعلان کرتے رہتے تھے۔ طغیانی کے زمانہ میں تمام ملک کی حالت یکایک بدل جاتی ہے۔ گاؤں جزیرے بن جاتے ہیں۔ کسان جلدی جلدی اپنے اپنے مویشیوں کو کھدیر کر دور لے جاتے ہیں یا جو رہ جاتے ہیں وہ پانی میں کھیلتے نظر آتے ہیں۔ جگہ جگہ گھانس و پودے اُگنا شروع ہو جاتے ہیں۔ بکثرت حشرات الارض پیدا ہوتے ہیں۔ اور مچھلیوں کے غول پایاب مقاموں میں آجاتے ہیں جنہیں مصری کنارے پر بیٹھے بیٹھے پکڑتے ہیں اور یہ ملک کی آمدنی

کھڑے تھے۔ کلنگ اپنی لمبی چونچ اور سر کو پروں میں چھپائے ہوئے بے حس و حرکت کھڑا اونگھ رہا تھا۔ مگر سارس چوکنا و ہوشیار تھا اور جیوں ہی کسی ملاح کے گانے یا کشتی کھینے کی آواز سنائی دیتی وہ خوف زدہ ہو کر اپنی لمبی و نازک گردن اوپر اٹھا کر ادھر اُدھر غور سے دیکھنے لگتا۔

اس وقت ہوا بالکل بند تھی اور ماہتاب کا عکس جو ایک چاندی کے طبق کی طرح پانی پر پڑ رہا تھا بالکل ساکت و ہموار نظر آتا تھا کیونکہ وہی دریائے نیل جو کبھی آبشاروں و جھرنوں کی صورت میں شور مچاتا ہوا نکلا تھا اور مصر بالا کے عظیم الشان مندروں کے پاس سے بڑی تیزی کے ساتھ بہتا ہوا گذرا تھا اب اپنے دہانہ کے قریب مختلف شاخوں میں منقسم ہو جاتا ہے اور اسکا جوش و خروش دھیما ہو کر رفتار میں صلاحیت و آہستگی پیدا ہو جاتی ہے۔ (۵۲۸) برس قبلِ ولادت عیسیٰ علیہ السلام اسی چاندنی رات کا واقعہ ہے کہ ایک بجرا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے۔

زراعت جس سے تمام دنیا کی تہذیب و تمدن کا آغاز ہوا۔ قلدانیہ سے بھی پہلے یعنے چار ہزار برس قبل مسیح مصر میں شروع ہوئی۔ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ آسرس دیوتا نے یہ فن سکھایا۔ اور اسکی وجہ سے مختلف علوم و فنون مثلاً جبر و مقابلہ۔ مساحت و پیمایش۔ تعمیر انہار و بند وغیرہ کی ایجاد سب سے پہلے اسی ملک سے شروع ہوے۔ غرضکہ اس زراعت کا دار و مدار دریائے نیل کی طغیانی پر ہے۔

جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ اس زمانہ میں لوگ بڑی خوشیاں و تہوار مناتے تھے۔ پھر جب چڑھاؤ کے بعد دریا اپنے کناروں کے اندر آجاتا تو زراعتی سرگرمیاں شروع ہوتیں یعنے سب سے پہلے کھیتوں کے چار طرف مینڈیں بنا کر اور نہروں کا منہ بند کر کے پانی اندر روک لیا جاتا۔ جب یہ پانی بخوبی جذب ہو کر سوکھ جاتا تو مزدوروں کے گروہ نظر آتے جو A شکل کی کدال ہاتھ میں لئے نرم مٹی کو توڑتے تھے، یا دو بیل کے لکڑی کے ہل (مثل زمانہ حال کے) چلاتے تھے انکے پیچھے کچھ لوگ ہوتے جن کے ہاتھوں میں ٹوکریاں ہوتیں اور مٹھیوں سے بیج زمین پر بکھیرتے جاتے۔ پھر بعض جانوروں مثل بھیڑ۔

دریائے نیل کے چتر نما دہانہ پر سے گذرتا ہوا جہاں تموج بالکل نہ تھا نظر آیا۔ اسکے بالائی تختہ کے اونچی چھت پر ایک مصری شخص تپوار کے لمبے ڈنڈے کو پکڑے ہوئے کشتی کی رہنمائی کر رہا تھا اور نیچے چند نیم برہنہ ملاح جو چپوؤں سے کھے رہے تھے نہایت لاپروانہ انداز کے ساتھ ہم آواز ہوکر دھیمے سروں سے گا رہے تھے۔ سامنے کی طرف لکڑی کا ایک کھلا ہوا کمرہ تھا جہاں دو آدمی گدوں پر تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے۔ یہ بظاہر مصری نہیں معلوم

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ گدھے و بکرے وغیرہ کو بیج دبانے کی غرض سے کھیت میں چھوڑ دیا جاتا اکثر اس کام کے لئے سور زیادہ موزوں سمجھا جاتا تھا (ہیروڈوٹس) کیونکہ وہ بلانوش ہے اور خودرو جڑیں و کیڑے مکوڑے کھا جاتا ہے بعدہٗ فصل کی تیاری کے بعد اسکے کاٹنے کے مختلف طریقے تھے۔ شروع زمانہ میں کسان اپنے ہاتھ سے اکھاڑتے تھے۔ پھر چوبی دستے کی ایک لوہے کی ہنسیا جسکے آری کی طرح دانت تھے استعمال کئے گئے۔ بعدہٗ تانبے کے ہنسیا مقبول ہوئے۔ اناج کی بالوں کو ذرا نیچے سے کاٹتے تھے اور انکے پولے اس طرح باندھتے تھے کہ دونوں طرف سے نوکیں نکلی رہتی تھیں اور تلے اوپر جما کر زمین پر ان کی ڈھیریاں لگائے جاتے تھے۔ پھر جالوں یا ٹوکریوں میں ڈالکر اور انھیں ڈنڈوں پر لٹکا کر دو آدمی اٹھاتے تھے یا بید کے صندوقوں میں گدھوں کی پشت پر لاد کر لیجاتے تھے۔ مزدوروں کی نگرانی کے لئے متعدد نگرانکار (اور سیر) عصا ہاتھوں میں لئے ہوئے کھڑے رہتے تھے اور منشی برابر لکھتے جاتے تھے کہ کسقدر اناج کھیت سے باہر جا رہا ہے۔ دانوں سے بھوسا دور کرنے کے لئے کھلے ہوئے کھلیان تھے۔ جہاں بالوں کو جانوروں کے پیر سے کچلواتے تھے (آج کل ایک مشین استعمال کرتے ہیں) پھر کچھ لوگ لکڑی کے چھوٹے سوپوں میں انھیں پھٹکتے تھے۔ بھوسا و ڈنٹھل مویشیوں کے چارہ کے کام میں آتا تھا۔ صاف اناج گوداموں میں بھیجدیا جاتا تھا اور کاتب اسکی مقدار فوراً قلمبند کر لیتے تھے (یہ تمام سین ان تصاویر میں ابتک موجود ہیں جو تین ہزار سال سے زیادہ قدیم ہیں) دریا کی مٹی قدرتی طور سے زرخیز تھی۔ کھاد وغیرہ کی بہت کم ضرورت ہوتی تھی۔ پہلی فصل کاٹتے ہی فوراً دوسری بذریعہ آبپاشی بو دیتے تھے اور کبھی ایک ہی موسم میں تین تین مختلف فصلیں بوتے اور کاٹتے تھے۔ آبپاشی کا نہایت باقاعدہ انتظام تھا۔ خاص حکام مقرر تھے اور نہروں

ہوتے ہیں اور چاند کی دہندلی روشنی ہی میں انکا یونانی النسل ہونا صاف ظاہر ہوجاتا ہے انمیں سے ایک جو زیادہ معمر ہے ایک غیر معمولی لانبے قد کا نہایت مضبوط شخص ہے اسکی عمر قریب ساٹھ برس کے ہوگی اسکے بال سفید ہیں جن کی گھنی گھنی لٹیں نہایت بے ترتیبی کے ساتھ اسکی موٹی گردن پر بکھری ہوئی ہیں۔ اسکا لباس سادہ ہے یعنی ایک معمولی سا چغہ اسکے زیب بدن ہے وہ اس وقت کسی قدر اوداس اور افسردہ نظر آتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بند وغیرہ کی نہایت خوبی کے ساتھ نگہداشت کی جاتی تھی۔ بعض مقامات پر سپاہیوں اور سواروں کا پہرا رہتا تھا۔ مصنوعی جھیلیں بھی پانی کے ذخائر کا کام دیتی تھیں اور محلات و باغات کو بھی سیراب کرتی تھیں۔ بعض فصلوں کے لیے مصنوعی آبپاشی کی زیادہ ضرورت تھی۔ یوں تو ہر قسم کی اشیا بوئی جاتی تھیں مگر زیادہ تر عام حسب ذیل تھیں۔

گیہوں (یہ غیر مصری ہے) نومبر میں بوتے شروع اپریل میں کاٹتے۔ جو اور باجرا (یہ خود رو تھے) چاول۔ کپاس۔ پوستہ۔ سن (جس سے عورتیں ایسا کتان بناتیں جو ریشم سے زیادہ باریک ہوتا تھا۔ نیل۔ پیپرس (ایک قسم کی گھانس جس سے کشتیاں۔ رسی۔ جوتے و کاغذ وغیرہ بنتے تھے۔) حشیش (بھنگ) علاوہ بریں رائی۔ پیاز لہسن۔ دھنیا۔ روغنی پودوں میں آرنڈ اور تل (جسکی روٹیاں بنا کر کھاتے یا اسکے بیجوں کو جوش دیکر دبا کر تیل نکالتے اور جلانے اور پکانے کے کاموں میں لاتے) بادام زیتون۔ پھلوں میں خربزے۔ کھیرا۔ ککڑی وغیرہ اور ترکاریاں بکثرت تھیں (حضرت عمر رضی بن عاص کے زمانہ میں صرف اسکندریہ میں چار ہزار کنوے تھے۔) پلنی (یونانی مورخ) نے اور بہت سے پودے لکھے ہیں مختلف قسم کی کھجوریں۔ انار۔ انگور۔ املی۔ انجیر (جسکی ایک قسم متبرک سمجھی جاتی تھی) وغیرہ۔ درختوں میں تاڑ۔ دیودار۔ آبنوس۔ ببول۔ جھاؤ۔ شہتوت (ریشم کے کیڑوں کی پرورش کے لئے) اور بہت سے ایسے درخت جو آجکل ناپید ہیں۔ ادویات کے بکثرت پودے۔ خصوصاً ریگستانی تھے۔ نیز بعض ایسے پودے بوئے جاتے تھے جو صنعت و حرفت میں کام آتے تھے مثلاً چمڑے کو رنگنے اور نرم بنانے کے لئے۔

علاوہ بریں مصریوں کو باغبانی کا بھی بہت شوق تھا۔ چمن بندی و روشوں کے بنانے میں

اور کسی سوچ میں دریا کی طرف غور سے دیکھ رہا ہے۔ اسکا ساتھی جو شاید بیس برس اُس سے عمر میں کم ہوگا ایک چھریرے و کسرتی جسم کا خوشرو جوان ہے۔ وہ کبھی آسمان کی طرف غور سے دیکھتا ہے۔ کبھی ماجھی کو آواز دیتا ہے۔ کبھی اپنے گہرے ارغوانی رنگ کے شلامس[۱] (Chlamys) کو لپیٹ کر دُہرا کرلیتا ہے اور کبھی اپنے سر کی خوشبودار لٹوں یا ڈاڑھی کے گھونگروالے بالوں کو سنوارنے لگتا ہے۔

آدھا گھنٹہ گزرا ہوگا کہ یہ کشتی نوکراتیس[۲] (Naucratis) سے روانہ ہوئی تھی۔ یہ مقام مصر قدیم میں یونانیوں کا صرف ایک ہی بندرگاہ تھا۔ اس دوران سفر میں معمر و سنجیدہ شخص کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ مگر اسکا ساتھی بھی خاموش تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کمال حاصل تھا اور پودوں اور پھولوں کو لکڑی یا مٹی کے گملوں میں رکھنے کا عام رواج تھا۔

(ایجپشن مینرز اینڈ کسٹم۔ پروفیسر ولکنس)

[۱] شلامس یہ ایک قسم کا ہلکا چغہ تھا جسے اتھنز کے پرتکلف لوگ گرمی کے زمانہ میں پہنتے تھے۔ یہ حقیقت میں ایک لمبا سا کپڑا تھا جسے بائیں کندھے پر ڈالکر داہنے شانے پر اسکے کھلے ہوئے سروں کو کسی چیز سے باندھ دیتے تھے۔ اسکے دامن گھٹنوں تک لٹکے رہتے تھے۔ اور جنہیں سیدھا رکھنے کے لئے دھات وغیرہ کے وزنی ٹکڑے انمیں سی دیتے تھے۔ ہومر نے لکھا ہے کہ سیاح و سپاہی اسی کو پہنتے تھے۔ اہل سپارٹا کا چغہ نہایت سادہ تھا۔ یہ ایک چادر تھی جسے بائیں شانے پر ڈال کر جسم ڈھانپ لیتے تھے یا بغل کے نیچے سے نکال کر داہنا مونڈھا کھلا رہنے دیتے تھے۔

(لائف آف گریس۔ گول و کونر)

[۲] نوکراتیس۔ یہ ایک شہر تھا جسے قدیم یونانیوں نے دریائے نیل کے ڈلٹا کے شمال مغرب میں آباد کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ نیم خود مختار ہوگیا۔ اور انکا تجارتی مرکز بن گیا۔ یہاں انکے متعدد کارخانے تھے جہاں مصری وضع کی سستی چیزیں بناکر باہر تجارت کے لئے بھیجتے تھے۔ یہاں کے باشندے غیر ملک میں گھری ہونے کے سبب بڑے متحد و محب وطن تھے۔ کہتے ہیں کہ آجکل اسکندریہ اسی جگہ آباد ہے۔ (پروفیسر ایبر)

اور گفتگو کا سلسلہ چھیڑ کر اُسکے خیالات میں مخل ہونا چاہتا تھا۔ اتنے میں کشتی کنارے پر پہنچ گئی اور من چلے جوان نے سنبھلکر اپنے رفیق سے مخاطب ہو کر کہا۔ ارسٹومیقس Aristomachus اب عنقریب ہم اپنے ٹھکانے پر پہونچنے والے ہیں۔ وہ خوبصورت محل جو تم بائیں طرف دیکھتے ہو اور جسکے باغ کے کھجوروں کے درخت اُس بلندی پر سیلاب سے اونچے نظر آتے ہیں وہ میرے دوست روڈوفس Rhodopis کا قیام گاہ ہے۔ اُنکے مرحوم شوہر خرکسس Charaxus نے اُسے تعمیر کرایا تھا۔ اور اب اُنکے تمام دوست حتیٰ کہ بادشاہ تک ہر سال اس میں نت نئی آرائش اور اضافہ کرانے کے آرزومند رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غیر ضروری ہے۔ اگر وہ دنیا بھر کے بھی خزانے یہاں لاکر فراہم کریں تب بھی اس مکان کی سب سے بڑی زیبایش کی باعث میں اُس کی جلیل القدر مالکہ کو کہونگا۔"

معمر شخص نے اُٹھ کر ایک فوری نگاہ محل پر ڈالی اور اپنی سفید ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر یوں کہا:

"فینس Phanes تم روڈوفس کے بڑے گرویدہ معلوم ہوتے ہو۔ ایتھنز Athens کے باشندہ ہو کر بھلا بڑھیا عورتوں کی تعریفیں کب سے کرنے لگے ہو۔ یہ سنکر ساتھی نے مسکرا کر نرمی سے جواب دیا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ مجھے عوام الناس اور خصوصاً عورتوں کے پہچاننے میں ایک خاص ملکہ ہے۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمام مصر میں اس معمر خاتون سے بڑھکر میں نے کسی کو شریف نہیں پایا۔ جب تم اُسے اور اُسکی خوبصورت نواسی کو دیکھو گے اور اس کے گھر کی اعلیٰ درجہ کی ترتیب یافتہ لونڈیوں کے منہ سے اپنے مرغوب خاطر گیت سنو گے تو ضرور میرے احسان مند ہو گے کہ میں تمہیں یہاں تک لایا۔"

اسپارٹا کے رہنے والے نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔ "یہ کچھ بھی ہو مگر میں

ہرگز تمہارے ساتھ نہ آتا اگر مجھے ڈلفی[۵] کے فِرکس Phrixus سے ملنے کی اُمید نہ ہوتی"۔

دوست تم اُس سے بھی ملوگے اور ایسا اچھا گانا بھی سنوگے جو تمہاری افسردگی طبع کو دور کردیگا"۔

ارسٹومیقس Aristomachus نے گردن ہلاکر جواب دیا۔ تم ایتھنز Athens کے ایک زندہ دل سپوت ہو۔ شاید تمھیں اپنے وطن کے گیت سنکر مسرت ہو لیکن میں تو جب الکمن[۲] Alcaman کے اشعار سنونگا تو میری وہ حالت ہوجائیگی

---

۵ ڈلفی۔ ڈلفی قدیم یونان میں ایک شہر تھا جسکی جگہ اب ۱۸۹۱ء تک ایک گاؤں کسٹری نام آباد تھا۔ اس گاؤں کو اسی سنہ میں فرانسیسیوں نے خرید کرکے آثار قدیمہ برآمد کرنے شروع کئے۔ اس مقام پر جسکا نام ڈلفی تھا سورج کے یونانی دیوتا اپالو کا ایک بڑا مشہور بت اور مندر تھا۔ یہ مقام خلیج کارنتھ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ زمانہ سابق میں اس جگہ کو کھود کر قدیم عمارتوں کو برآمد کیا گیا ہے اور انکا پتہ لگایا گیا ہے زمانہ قدیم میں عوام کے عقائد کے مطابق یہاں اپالو کے بت کے پاس غیب کی باتیں معلوم ہوا کرتی تھیں جس طرح کاہنوں کے متعلق مشہور ہے کہ اسرار و معموں میں غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے اسی طرح اس بت کے پاس بھی اسرار و معموں میں احوال غیب معلوم ہوا کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سوالات لکھ کر دیئے جاتے تھے اور پِتھیا Pythia کے ایک پوجارن جواب دیا کرتی تھی۔ شروع زمانہ میں یہ ایک نوجوان دوشیزہ لڑکی ہوا کرتی تھی مگر بعد میں پچاس برس سے زیادہ عمر کی کنواری عورت یہ کام انجام دینے لگی۔ اسکے جوابات اکثر اشعار میں ہوا کرتے تھے۔

ڈلفی کی یہ غیب گوئی کہا جاتا ہے کہ اپالو کی پرستش کے پہلے سے رائج تھی اور اس زمانہ میں زمین کی دیبی کیطرف منسوب تھی۔

۲ یہ اسپارٹا کا مشہور شاعر ۶۵۰ ق م۔ زندہ تھا۔ اسکا باپ لیدیہ کا رہنے والا۔ ایک ملازم تھا جسے اُسکے مالک نے آزاد کرکے اسپارٹا کے شہری ہونے کا حق بھی دلوادیا تھا۔ (ایبرا)

جیسے کوئی شخص غربت میں اپنے گھر کے مزیدار خواب دیکھکر چونک پڑے اور اُسکے اشتیاق وتمنا میں بجائے تسکین ہونے کے اور افزونی ہو جائے۔

فینس Phanes نے یہ سنکر کہا کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مجھے اپنے پیارے ایتھنز Athens کی یاد نہیں آتی اور اپنے لڑکپن کے تماشہ گاہوں اور اپنے شہر کی سڑکوں اور بازاروں کے دیکھنے کو میری آنکھیں نہیں ترستی ہیں۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ جلاوطنی کی روٹیاں توڑنے میں مجھے بھی کچھ لطف نہیں آتا۔ لیکن ایسے گھرانے میں آ جانے اور میل ملاپ سے یہ اذیت کم ہو جاتی ہے اور جب اپنے پیارے یونان کے گیتوں کو خوش الحان میں طرب انگیز پاتا ہوں تو اپنے وطن کی تصویر میرے متخیلہ کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اسکے زیتون وصنوبر کے درخت۔ اسکے سرو اور زمرد کے مانند سرسبز کناروں والے دریا۔ اسکے نیلگوں سمندر۔ اسکی برف سے ڈھکی ہوئی سفید پہاڑی چوٹیاں اور اُسکے مرمر کے عالیشان محلات یہ سب میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتے ہیں اور انبساط وغم دونوں کی کیفیت دلپر طاری ہو کر بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں اور پھر چونک پڑتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ میں کہاں ہوں۔ ایسے ملک میں ہوں جسکی آب وہوا گرم وضرر رساں ہے۔ جسکے لوگ بے مروت وناآشنا ہیں۔ بہرحال شکر ہے کہ اب بہت جلد میں اس دیار نامرغوب کو خیرباد کہنے والا ہوں۔ لیکن ارسٹومیقش Aristomenes تمہارا تو یہ حال ہے کہ جیسے کسی کو ریگستان میں پانی کی تلاش ہیں ابھی ایک دشوارگذار سفر طے کرنا ہے مگر راستہ میں ایک سرسبز وزرخیز خطہ کو دیکھکر اس سے دور بھاگنا چاہتا ہے یا گھڑی بھر کے لطف محبت کو صرف اس وجہ سے کہ مصیبت کے دن سامنے آنے والے ہیں غنیمت نہیں سمجھتا۔ عزیز من۔ ذرہ اپنی طبیعت کو بشاش رکھنے کی کوشش کرو۔ یہ نامناسب ہے کہ ہم دان یُنا کی دیوی[۵] کے استھان میں پژمردگی وآزردہ دلی کے ساتھ داخل ہوں

[۵] یونانیوں کے یہ تین دیویاں تھیں جنہیں گریس، یا Grace Charity

اچھا تو اب ہم منزل مقصود پر پہنچ گئے "!
یہ گفتگو ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ کشتی باغ کی دیوار کے قریب جس پر دریا کا پانی ٹکریں مار رہا تھا جا کر لگ گئی۔ ایتھنسی پھرتی سے کود کر کنارہ پر جا کھڑا ہوا۔ اور اسپارٹی بھی سنبھلتا سنبھلتا پاس پہونچ گیا۔ ارسٹومیقس Aristomachus کی ایک ٹانگ لکڑی کی تھی لیکن وہ اس خوبی کے ساتھ فینس Phanes کے برابر برابر قدم رکھتا ہوا چل رہا تھا کہ کسی کو مطلق اس عیب کا گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ روڈوفس Rhodopis کا گلستاں چمن خوشبودار پھولوں سے لدا ہوا تھا۔ کہیں یاسمن، نافرمان و لالہ تھے کہیں انار کے پھول گلاب کی باڑیاں، چمیلی بلسان و گل مہندی کی جھاڑیاں۔ یا اونچے اونچے تاڑ اور ببول کے درخت قسم قسم کے لگے ہوئے اور پھولوں پر جھینگر اور حشرات الارض چہار طرف سے گونج رہے تھے۔ بڑے بڑے چمگادڑ بھی اپنے نازک بازوں کو پھیلائے ہوئے ادھر اُدھر اُڑ رہے تھے اور دور سے نغمہ و سرود و قہقہوں و چہچہوں کی آوازیں بھی کان میں آ رہی تھیں۔ اس باغ کے آراستہ کرنے والے مصری تھے جو زمانہ قدیم سے اس فن میں اُستاد مانے جاتے تھے چنانچہ کیاریوں کو خوبصورتی کے ساتھ لگانا۔ درختوں اور جھاڑیوں کو باقاعدہ بنانا۔ ٹٹیوں پر بیلیں چڑھانا۔ خوبصورت کنج و خلوت گاہیں مرتب کرنا۔ مصنوعی روشیں اور باڑیاں بنانا۔ نازک پودوں کو بلحاظ موسم خاص مکانوں میں رکھنا۔ غرضیکہ باغبانی کے یہ جتنے گر ہیں وہ سب انھیں معلوم تھے اور رنگ برنگ کی مچھلیوں کو پتھر کے حوضوں میں پالنا بھی آتا تھا۔ فینس Phanes پھاٹک کے قریب پہنچکر کھڑا ہو گیا۔ اور ادھر اُدھر بغور دیکھ کر سننے لگا۔ بعد ازاں اُسنے سر ہلا کر کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا معاملہ ہے مجھے نہ تو کسی کی آواز

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ (چیرٹی) کہتے تھے۔ اکی شکلیں تین حسین دوشیزہ لڑکیوں کی طرح جو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے کھڑی ہیں بنائی جاتی تھیں۔ ان کی پرستش ہوتی تھی اور انکے مندر میں سالانہ موسیقی کے جلسے ہوا کرتے تھے لوگوں کا خیال تھا کہ انسانی زندگی اور مناظر قدرت کی تمام حسن و خوبی انھیں دیویوں کی وجہ سے ظہور میں آئی ہے (ابیر)

سنائی دیتی ہے نہ کوئی روشنی دکھائی دیتی ہے اور نہ کوئی کشتی ہی یہاں نظر آتی ہے حالانکہ پھاٹک کے دو رویہ میناروں کے پاس رنگین چوب پر جھنڈا اُڑ رہا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ روڈوفس Rhodopis یہاں موجود نہیں؟ یا ہماری آمد کا کسی کو خیال نہیں رہا۔" اُسنے مشکل سے یہ جملہ ختم کیا ہوگا کہ ایک بھاری آواز یہ کہتی ہوئی سنائی دی۔

"اخاہ۔ باڈی گارڈ کے کپتان صاحب ہیں!"

فینس Phanes نے ایک بوڑھے آدمی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھکر کہا "سلام۔ ناسیس Cnaeis کہو یہ کیا بھید ہے کہ آج یہ دلفریب باغ مصر کی بتوں سے بھی زیادہ خاموش وسنسان نظر آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوش آمدید کا سفید پھریرا ہوا میں یوں ہی اُڑ رہا ہے اور اُسنے نووارد مہمانوں کو اب دہوکہ دینا سیکھ لیا ہے۔"

روڈوفس (Rhodopis) کو بوڑھے غلام نے ہنسکر یوں جوابدیا۔ "وہ کیونکر آپنے سمجھ لیا؟ جب تک پرکا[۱] Parcae اپنی دیا سے میری فیاض مالکہ کو زندہ رکھینگی یہ پرانا جھنڈا اتنے مہمانوں کو جن سے یہ سارا محل بھر جائے اپنی طرف کھینچکر بلاتا رہے گا۔ روڈوفیس Rhodopis گھر میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن ابھی واپس آنیوالی ہیں شام ایسی سہانی تھی کہ وہ اپنے تمام مہمانوں کے ساتھ دریا کی سیر کو نکل گئی ہیں۔ سورج ڈوبنے سے دو گھنٹے پہلے سب لوگ کشتیوں پر بیٹھکر روانہ ہوگئے تھے۔ اور اب کھانے کا وقت آپہونچا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آتے ہی ہونگے آپ مہربانی فرماکر مضطرب نہ ہوں بلکہ میرے ساتھ گھر کے اندر تشریف لائیے۔ خاتون مکرمہ کو اگر یہ معلوم ہوگیا کہ میں نے انکے عزیز دوست کی خاطر و مدارات نہیں کی تو مجھے ہرگز معاف نہ کرینگی۔ اور اجنبی (اسپارٹی) سے مخاطب ہوکر آپ سے بھی میری التجا ہے کہ اس گھر کو عزت بخشیئے۔ کیونکہ بوجہ میری مالکہ کے دوست کی

---

[۱] پارکا۔ قدیم رومیوں میں یہ قسمت کی تین دیبیوں کا نام تھا جو آدمی کے پیدا ہوتے ہی اوسکی تقدیر کی سرنوشت لکھدیا کرتی تھیں۔ یونانیوں میں موئرا دیبیاں تھیں جنکا یہی نام تھا۔

دوست ہونے کے آپ کا بھی خیر مقدم مجھ پر واجب ہے" دونوں یونانی غلام کے ساتھ ہو لئے اور باغ کے اندر داخل ہو کر درختوں کے کنج کے نیچے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

ارسٹومیقس (aristomachus) نے چاندنی رات کے دلکش منظر پر چاروں طرف نظر ڈالکر یوں کہا "فینس (Phanes) یہ تو بتاؤ کہ وہ کونسے اتفاقات اور خوبی قسمت تھی کہ روڈوپس (Rhodopis) جو پہلے ایک معمولی کنیز تھی اب مثل ایک ملکہ کے رہتی ہے۔ اور اپنے مہمانوں کی ایسے شاہانہ طریقہ سے خاطر و مدارات کرتی ہے"

اتھنیسی نے جواب دیا "میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ سوال تم مجھ سے ضرور کروگے اور میں خوش ہوں کہ قبل اسکے کہ ہم اپنی میزبانہ کے روبرو جائیں میں اسکی گذشتہ زندگی کے چند حالات سے تم کو واقف کر دوں۔ جب تک ہم کشتی پر تھے میں نہیں چاہتا تھا کہ تم کو مجبوراً اس قصہ کے سننے پر آمادہ کروں۔ کیونکہ معلوم نہیں اس پرانے دریا میں کونسی عجیب قوت ہے کہ سوائے سوچنے اور دھیان میں پڑے رہنے کے بولنے کو مطلق دل نہیں چاہتا میں بھی جب پہلے پہل رات کے وقت نیل پر سفر کو نکلا تھا تو تمہاری ہی طرح کیفیت تھی کہ معلوم ہوتا تھا گویا میری زبان کو کسی نے مفلوج و عاجز کر دیا ہے"!

اسپارٹی نے جواب دیا "میں تمہارا ممنون ہوں کہ میری طرف سے عذرخواہی کرتے ہو اور واقعی سچ کہتے ہو۔ کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں کریٹ[1] میں تھا اور سب سے پہلے

---

[1] کریٹ (Crete) بحیرۂ قلزم (بحر روم) میں ایک جزیرہ ہے جو ۳۴ درجہ ۵۰ حصہ اور ۳۵ درجہ ۴۰ حصہ کے مابین شمالاً عرض البلد میں اور ۲۳ درجہ ۳۰ حصہ اور ۲۶ درجہ ۲۰ حصہ طول البلد کے مابین مغرب کی جانب واقع ہے۔ اس جزیرہ کی شکل لمبی ہے جو طول میں شرقاً غرباً ۱۶۰ میل لمبا اور عرض میں شمالاً جنوباً ۳۵ میل سے لیکر ۶ میل تک ہے یہ جزیرہ پہلے ترکوں کے قبضہ میں تھا مگر دول یورپ کے خدع و شرارت سے اب ایک طرح پر یونان کے قبضے میں ہے۔ یہاں مسلمانوں کی ایک خاصی آبادی ہے۔ اس جزیرہ کے آثار قدیمہ کھودنے کے بعد معلوم ہوا کہ ایک زمانہ میں یہاں بڑا تمدن تھا پہلے قوم "مینائوں"

ناسوس کے اپی منائڈیز[۵] Epimenides سے ملاقات ہوئی جنکی عمر اُس زمانہ
میں ایکسو پچاس برس کی تھی تو ان کی پیرانہ سالی و تقدس کا اسقدر مجھ پر اثر پڑا کہ تمام بدن کانپنے
لگا۔ پھر بھلا اس قدیم دریا کا کیا کہنا۔ یہ تو کہیں زیادہ پراچین و پوتر ہے۔ اسکے اثر سے بھلا
کوئی محفوظ رہ سکتا ہے۔ خیر اب روڈوفس Rhodopis کا حال سناؤ۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ حاکم تھی۔ جن کے محلات کے کھنڈر اب تک اُنکی عظمت کے شاہد ہیں۔ کنوسس کے
محلات سے آثار قدیمہ برآمد ہونے سے یہ معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں فن تحریر یہاں بہت ترقی کی حالت میں تھا
اہل فنیشیا کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ اُنہوں نے حروف ایجاد کئے ہیں یہ ہمیں غلط ثابت ہوتا ہے بلکہ معلوم
ہوتا ہے انہوں نے ان کی شکل بدل دی ہے۔ غرضکہ "یناؤں" کے بعد قدیم یونانی آئے اور یہاں
بسنے لگے۔ ان کی تمدن کے بھی آثار نظر آتے ہیں۔ ان کے بعد رومیوں کا قبضہ ہوا۔ اُن کے بھی آثار
موجود ہیں۔ قدیم زمانہ میں اسی جزیرہ کے راستے سے قدیم مصری تمدن یونان میں پھیلا اور اہل کریٹ
کہتے ہیں کہ یونانیوں کے مشہور دیوتا زیوس Zeus کی ولادت یہیں واقع ہوئی تھی۔ مصر سے
اس جزیرہ کا قریبی تعلق ہمیشہ رہا ہے۔ نویں صدی عیسوی (سنہ ۸۲۳ء) میں عربوں نے اسے فتح کیا لیکن
سنہ ۹۶۰ء میں پھر انکے ہاتھ سے نکل کر عیسائیوں کے پاس چلا گیا۔ لیکن سنہ ۱۶۴۵ء و سنہ ۱۶۶۹ء کے درمیانی زمانہ میں پھر
مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا اور احمد کپریلی ترکی وزیر نے اسے فتح کیا۔ سلطنت عثمانیہ کے قبضہ میں یہ جزیرہ
سنہ ۱۸۳۰ء تک رہا اور آزادی یونان کے بعد سنہ ۱۸۳۲ء میں سلطان محمود خان ثانی پر جبر کر کے دول یورپ نے اسے مصر
سے ملحق کرا دیا لیکن سنہ ۱۸۴۰ء میں پھر ترکوں کے پاس آگیا۔ مگر دول یورپ خاصکر انگلستان کی سازش برابر جاری
رہی، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جزیرہ ترکوں کے ہاتھ سے نکال لیا گیا اور ۱۴ نومبر سنہ ۱۸۹۸ء کو آخری ترکی فوج نے اسے
خیرباد کہا۔ انگریزوں کے اثر سے یونان کا بادشاہ یہاں ہائی کمشنر مقرر ہوا۔ اُسکے دوسرے یونانی عہدہ دار
ہائی کمشنر مقرر ہوئے اور گو دول یورپ کا اثر اب بھی ہے مگر اب یہ جزیرہ تقریباً یونان کے ملک کا ایک
جزو ہے ۱۲ ۵ یہ زیس Zeus (یونانیوں کا بڑا دیوتا) کے مندر کا ایک پروہت تھا جسکی عمر بقول پلینی
(۲۹۹) یا بقول زنوفن (۱۵۶) سال کی ہوئی تھی۔ (پروفیسر ایبر)

فینس (Phanes) نے قصہ اسطرح بیان کرنا شروع کیا۔ جب روڈوپس
Rhodopis بچہ تھی تو تھریس[۵۱] میں سمندر کے کنارے ایک دن معہ اپنے
ساتھیوں کے کھیل رہی تھی کہ اتنے میں فینیقیہ[۵۲] Phanicia کے چند ملاحوں نے

۵۱ اس ملک کے حدود مختلف زمانوں میں مختلف رہے ہیں۔ رومیوں کے زمانہ میں یہ ملک ایک صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا اور اس ضلع کے نام سے موسوم تھا جو دریائے ڈنیوب (اسٹر) اور جبال بلقان (جبال ہیموس) میں کے درمیان واقع تھا۔ اس ملک کے حدود قدیم جغرافیہ میں یہ ہیں۔ شمال میں ہیموس (بلقان) مشرق میں بحر یوکسین۔ جنوب میں دریائے پروپان ٹیس۔ اور ہیلسپانٹ اور مغرب میں دریائے نسٹوس۔ اس ملک میں قدیم زمانہ کی قبریں جو مٹی کے ڈھیروں کی طرح ہیں ہزاروں نظر آتی ہیں۔ اور رومیوں کے زمانہ کے آلات و زیورات وغیرہ بھی پائے جاتے ہیں۔ اس ملک کو دارائے اعظم اور اسکے جنرلوں نے فتح کر لیا تھا اور تھریس کے یونانی باشندوں کی طرف سے (۱۲۰) جہاز زرکسیز کی فوج میں شامل تھے۔ قوم گاتھ نے بھی اسپر بارہا حملے کیے ہیں۔ وسطی زمانہ میں تھریس کے شمالی حصہ میں قوم بلغار آکر بس گئی اور ۱۴۵۳ء میں یہ ملک ترکوں کے قبضہ میں چلا گیا اور ان کا ایک صوبہ قرار پایا۔ یہ حالت ۱۸۷۸ء تک رہی جبکہ صلحنامہ برلن کی رو سے اسکا شمالی حصہ مشرقی رومیلیا کے نام سے علٰحدہ ہو گیا۔ اب اسکا بڑا حصہ اہل بلغار کے قبضے میں ہے جو خود مختار ہیں۔

۵۲ جغرافیہ قدیم میں یہ نام (یعنی فنیشیا یا فینقیہ) اس حصہ ملک کو دیا گیا تھا جو سمندر کے کنارے ملک شام میں نہر الکبیر (الوتھیروس) سے جنوب کی طرف جبل قرمل تک چلا گیا تھا اور دو درجہ عرض البلد سے زیادہ دور تھا۔ اس ملک میں صور۔ عکہ۔ بیروت۔ راس الناقورہ۔ راس الابیض۔ لبنان سے شمال دریائے قاسمیہ کا حصہ اس میں شامل تھا۔ یہاں قدیم باشندے سامی النسل اور کنعانی تھے۔ ان باشندوں کا خیال تھا کہ ہمارے آباؤ اجداد بابل سے منتقل ہو کر آئے ہیں اور ہم کنعانی ہیں لیکن توریت میں انھیں کنعانی اور کہیں سدونی بیان کیا گیا ہے اور بعض دفعہ اس ملک کے رہنے والے خود بھی اپنے آپ کو سدونی کہا کرتے تھے یعنے آل سدون جو کنعان کی اولاد اکبر تھا۔ جو کتبے نظر آئے ہیں ان سے معلوم

اُسے دیکھ پایا اور زبردستی پکڑ کر ساموس[۵] Samas لے گئے۔ اور وہاں کے ایک امیر ادمن Iadmon نامی کے ہاتھ اُسے بیچ ڈالا۔ یہ لڑکی جوں جوں بڑی ہوتی گئی۔ اتنی ہی زیادہ اسکے حسن وخوبی وناز وانداز میں افزونی ہوتی گئی اور جو اُسے دیکھتا اسکا گرویدہ وشیدا ہو جاتا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ہوتا ہے کہ انکی زبان شمالی سامی فرقہ کی زبان تھی جس میں عبرانی اور مواب کی زبان بھی داخل ہے۔ اہل فینیشیا کی زبان اور عبرانی زبان میں بہت مشابہت نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قدیم کنعانی زبان سے دونوں پیدا ہوئی ہیں۔ اس ملک پر ۱۶۰۰ سنہ ق م تک اہل مصر کی حکومت رہی ہے اور مصر کے اٹھارویں خاندان کا بادشاہ اہموسی تھا جسنے پہلے پہل اس ملک کو فتح کیا۔ پھر یہاں اسیریا والوں نے ۸۷۶ سنہ ق م سے ۵۳۸ سنہ ق م تک حکومت کی۔ پھر اہل بابل کی حکومت کا زمانہ آیا۔ پھر اہل مقدونیا نے ۳۳۳ سنہ ق م سے ۶۹ سنہ ق م تک حکومت کی جس کے بعد رومی سلطنت کا زمانہ آیا۔ جن سے مسلمانوں نے ملک فتح کیا۔ ان لوگوں کے دیوتا سب ارضی اور سفلی تھے سوائے بعل اور استارنی کے۔

۵ بحیرہ ایجین میں یہ سب سے بڑا اور زرخیز جزیرہ ہے۔ یہ تقریباً ۲۰ میل لمبا ہے اور عرض میں زیادہ سے زیادہ (۱۴) میل ہے۔ یہ ایک سلسلہ جبال ہے جس کے سب سے بلند ترین مقام کو کوہ کرکیس کہتے ہیں جو (۴۷۲۵) فیٹ بلند ہے۔ پہلے یہ جزیرہ ترکوں کے قبضہ میں تھا مگر اہل یورپ اور خاصکر انگریزوں کے اثر سے یونانیوں کے ہاتھ میں آگیا۔ ۱۹۰۶ء میں اسکی مردم شماری (۵۴۸۳۰) تھی۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں یہ یونان کی بڑے تجارت گاہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر مشہور یونانی بُت تراش فیثاغورث پیدا ہوا تھا جو مشہور یونانی حکیم فیثاغورث کا ہمنام اور بقول بعض ہموطن تھا۔
تاریخ وفنون میں یہ مقام بہت مشہور رہا ہے اور بت تراشی کا یہاں ایک بہت بڑا مدرسہ تھا۔ رہوکوس یہاں کا پہلا ماہر فن تعمیر تھا جسنے ہیرا کا دیول تعمیر کیا۔

ایسپ[۱] Aesop حکیم جس کی حکایتیں مشہور ہیں وہ بھی اتفاق سے اُسی
زمانہ میں اڈمن Iadmon کی غلامی میں تھا۔ اُسے اِس لڑکی کی ذہانت و
شائستگی نہایت پسند آئی۔ اور جس طرح ہم لوگ اپنے ملک میں بچوں کی تعلیم کے لئے
ملاؤں کو رکھتے ہیں اُسنے بھی زیادہ شوق اور دلدہی کے ساتھ اُسنے اِس لڑکی کو تمام
علوم و فنون پڑھانا شروع کئے۔ چنانچہ ایک اچھے اُستاد کو ایک نہایت ذکی الطبع و مطیع شاگرد
مل گیا تھا پھر کیا کہنا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ کنیزک گانے بجانے۔ پڑھنے و لکھنے میں ا
ایسی مشاق ہوگئی کہ اڈمن Iadmon کے تمام لڑکوں سے جنکو اتنی محنت کے ساتھ
تعلیم دی جاتی تھی سبقت لے گئی۔ مگر اسکے حسن و کمال کا اب یہ نتیجہ ہوا کہ امیر کی بیوی کو
رشک و حسد ہونے لگا اور اسنے اپنے خاوند کو مجبور کر کے اس حبیتی کنیزک کو ایک شخص
زینتھس Xanthus نامی کے ہاتھ بکوا دیا۔ اُس زمانہ میں ساموس Samos
میں ایسے امیروں کی حکومت تھی جو زیادہ متمول نہ تھے۔ یہ ظالم اپنے خزانوں کو دولت
سے اسطرح پر کرنا چاہتے تھے جس طرح ایک نیل کنٹھ اپنے گھونسلے کو خس و خاشاک جمع
کر کے بھر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ امیر اپنی لونڈی کو لیکر نوکراٹیس Naucratis
گیا۔ اور اسکے حسن کی بدولت بڑی بڑی رقمیں اسکے ہاتھ آئیں۔ یہ تین سال روڈوفس
Rhodopis کی زندگی کے ایسی ذلت و خرابی سے کٹے جسے اب وہ خیال

[۱] اسے بعض نے غلطی سے حضرت لقمان کہا ہے جو پایہ صحت سے عاری ہے۔ تاریخوں میں ہے کہ یہ شخص جو
مشہور کہانیوں کا مصنف ہے ۵۶۰ ق۔م میں پیدا ہوا۔ اور ۴۶۲ ق۔م میں مرا۔ کس ملک میں یہ پیدا ہوا
ابھی صحیح طور پر نہیں معلوم ہوا۔ تھریس۔ فریگیا۔ اتھیوپیا (حبش) ساموس۔ اتھینس اور سارڈیس
ان تمام مقامات کو دعویٰ ہے کہ اسکی ولادت ان میں ہوئی ہے۔ ساموس کے ایک باشندے مسمی
ایاڈمان (Iadmon) کا یہ غلام تھا مگر بعد میں آزاد ہو گیا تھا۔ ڈلفی کے باشندوں کے ہاتھ ظالمانہ
اور جابرانہ طریق پر اسکی موت واقع ہوئی۔ ۱۲۔

کرتی ہے تو خفت وشرم کے مارے اسکی گردن اوپر نہیں اٹھتی۔ تمام یونان میں اسکا
حسن شہرہ عام ہوگیا تھا اور دور دور سے اجنبی لوگ سفر کرکے اسکی خاطر نو کرائتیس
Naucratis آتے تھے۔

اسی زمانہ میں لس بوس[۵۱] Lesbos کے باشندوں نے بغاوت کرکے
اپنے امرا کو نکال دیا اور پتاکوس Pittacus کو جو ایک عقلمند شخص تھا اپنا حاکم
مقرر کیا۔ انہیں امرا میں جن میں سے اکثر سسلی (صقلیہ Sicily)

---

۵۱ بحیرہ ایجن میں یہ اک جزیرہ ہے جو خلیج سمرنا کے دہانہ کے شمال میں واقع ہے۔ اسکا نام ترکی
"مدلو" ہے اس جزیرے میں تین ضلع ہیں۔ ٹیلین - مولای وو - اور کلونی - وسطی زمانہ سے ان
سب کو ٹیلین ہی کہتے ہیں - یہاں زیتون بہت ہوتا ہے جو باہر جاتا ہے۔ صابن - پوستین -
ولونیا اور سارڈین مچھلی کی بھی برآمد بہت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جنگ ٹروجن کے زمانہ میں یہاں یونی
اور پلاسگی قومیں بہت بستی تھیں - تاریخ میں جب سے پتہ چلتا ہے - یہاں ایولین قوم آباد تھی اور
نوکرائتیس (مصر) میں جو نوآبادی تھی ان سے تجارتی تعلقات بہت تھے - چھٹی صدی قبل مسیح میں یہ
مقام ایک شخص پٹاکوس کی حکومت کے زمانہ میں جو اپنے عمدہ قوانین کی وجہ سے ہفت عقلای یونان
میں شمار کیا جاتا ہے۔ ترقی کے کمال کو پہنچ گیا تھا - یونان کی نغماتی شاعری ساتویں صدی کے لسباس
کے دو گویوں کی وجہ سے جنکے نام "مرپانڈ" اور "ایریان" تھے بڑے مرتبہ کو پہنچ گئی تھی - یہ لوگ
الکیوس اور سافو کے معصر تھے - ۵۰۵ ق م میں پای کرائتس ساموسی کے ہاتھ سے بحری شکست اٹھا کر
اہل لسباس کا زوال شروع ہوا - اور جب کروسس والی لدیا کو ایرانیوں نے ہاتھ سے شکست ہوئی
تو یہ جزیرہ بھی ایرانیوں کے پاس چلا گیا - ۳۳۳ ق م میں اس جزیرہ کو اپنا بحری مرکز بنا کر ایرانی امیر البحر نے
جس کا نام ممنان تھا سکندر اعظم سے جنگ کی تھی - سلطنت بازنطیم کے زمانہ میں بھی اس جزیرہ کو ترقی ہوتی
رہی ۱۰۹۱ء میں یہ ترکان سلجوق کے قبضہ میں آیا اور ابتک ترکوں کے پاس ہے - یہاں مسلمانوں کی آبادی
سے یونانیوں کی آبادی بہت زیادہ ہے۔

میگنا گریشیا[۱] Magnagraecia یا مصر بھاگ کر چلے گئے تھے ۔ دو
امیر تھے ایک الکایوس[۲] (Alcaeus) جو اپنے زمانہ کا بڑا مشہور شاعر
تھا اور دوسرا اخرکسس Charaxus جو سافو[۳] Sappho کا
بھائی تھا ۔ سافو بھی بڑی شاعرہ تھی ۔ اسکی نظمیں ایسی عمدہ تھیں کہ سولن[۴] تک نے انکی

---

۱ میگنا گریشیا (یعنی یونان اکبر) چھٹی صدی قبل مسیح میں وہ یونانی شہر جو جنوبی اٹلی میں ساحل پر واقع تھے اس نام سے مشہور تھے ۔ مشرقی ساحل پر شہر ٹارنٹوم سے لیکر شہر لوکری تک جسقدر مقامات تھے سب اس نام کے تحت میں داخل تھے اور قوم کا نام اطالیا طیس تھا ۔ یونانیوں نے صرف بیرونی حصہ کو مسخر کیا تھا لیکن اندرونی حصہ قبضہ میں نہیں آیا اور قدیم پہاڑی باشندوں کے پاس رہا جنہیں بروٹائی کہا کرتے تھے ۔ جیسے انگریز ہندوستان میں تجارت کے نام سے آئے اسی طرح یونانی بھی پہلے پہل وہاں تجارت کے بہانہ سے گئے اور تجارتی مرکز قایم کئے جو بعد میں بڑے شہر بن گئے ۔ اسکے بعد پھر اہل اٹلی آئے ۔ نوآبادیاں قائم کیں ۔ میگنا گریشیا ایک زمانہ میں فلسفہ فیثاغورث اور الیا (جو اٹلی کے نیچے کے حصہ میں ایک یونانی شہر تھا) کے لئے بہت مشہور ہے ۔ ان ممالک کی آبادی جس قدر بڑھتی گئی اسیقدر لمیریا بڑھتا گیا حتیٰ کہ سلطنت روما کے زمانہ میں مشکل سے اس مجمع البلاد میں کوئی شہر ایسا ہوگا جو کوئی اہمیت رکھتا ہو ۔ ٹارنٹوم کا وجود ابتک ہے اور ان تمام مقامات میں جو آثار قدیمہ نظر آئے ہیں وہ ان ممالک کے پرانی شان و شوکت اور عظمت کا اظہار کرتے ہیں ۔

۲ یہ زمانہ قدیم کا مشہور شاعر ۔ جو سافو کا دوست تھا لس بوس کے خاندان امرا سے تھا ۔ (وابیر)

۳ یہ مشہور شاعرہ جو لس بوس کے خاندان امرا سے تھی بمقام متی لین سنہ ۶۲۰ ق ۔ م پیدا ہوئی تھی اسکے متعلق بکثرت واقعات مشہور ہیں جو زیادہ تر بے بنیاد ہیں ۔

۴ یہ شخص مشہور اتھنیس کا حکیم اور مدبر سلطنت تھا جو ساتویں اور چھٹی صدی قبل مسیح میں گذرا ہے اسکے باپ کا نام الکسی سٹائیڈیز تھا جو کدردس کے خاندان سے تھا ۔ سولن تقریباً سنہ ۶۳۸ ق ۔ م میں پیدا ہوا تھا اپنے باپ کے فضول خرچیوں کی وجہ سے اسے غیر ملک سے تجارت کرکے پیٹ پالنا پڑا ۔ شباب میں یہ عشقیہ اشعار کہا کرتا تھا مگر آخر عمر میں حب وطنی اور نصیحت آمیز اشعار کہنے لگا ۔ اسکا نام ہفت عقلاے یونان میں ہے ۔ اس نے یونان میں کچھ اصلاحی قوانین جاری کرنا چاہے تھے مگر انہیں کی وجہ سے اسے اتھنیس سے دس سال باہر رہنا پڑا ۔ وہاں سے مصر چلا گیا ۔ بسر قبرس (سائپرس) گیا کہا جاتا ہے کہ سولن لڈیا جاکر کروسوس کو یہ نصیحت کی تھی کہ "کسی شخص کو خوش مت کہو جبتک وہ مرجائے" مگر یہ واقعہ صحت تاریخی کی معیار پر نہیں آترتا مگر

کچھ عرصہ بعد وہ اتھنس واپس آگیا ۔ ۵۵۹ ق م میں اس جہان سے رخصت ہوا ۔ دیوجانس لارتیوس کہتا ہے کہ

داد دی ہے۔ غرضکہ یہ دونوں میرا اپنا وطن چھوڑکر نوکراتیس آئے۔ یہ مقام ایک عرصہ سے مصر کا خاص بندرگاہ رہا ہے اور اسی کے ذریعہ باقیماندہ دنیا سے مصر کی تجارت و آمدورفت رہا کی ہے۔ یہاں پہنچکر اتفاق سے چرکسس نے روڈوفس کو دیکھ پایا اور اسکے حسن کا ایسا متوالا ہوگیا کہ ایک بہت بڑی رقم دیکر اُسے زینتھس سے جو اپنے گھر واپس جانے والا تھا خرید لیا۔ سافو نے اپنے بھائی کی حماقت اور اسکی لونڈی کے ہجو میں اشعار لکھے لیکن الکایوس نے چرکسس کی طرفداری کی اور روڈوفس کی تعریف میں ایک پورا قصیدہ لکھ ڈالا۔ شاعرہ کا بھائی جو نوکراتیس میں محض ایک اجنبی تھا اور اُسے کوئی پوچھتا تک نہ تھا۔ اب رُوڈوفس کی وجہ سے یکایک اس قدر مشہور ہوگیا کہ شرفا کی مجلسیں اُسکے مکان پر جمنے لگیں۔ اور اُسکی حوروش لونڈی کو طرح طرح کے بیش بہا تحائف ملنے لگے۔ حتیٰ کہ شاہ ہوفراز[۵۱] (Hophra) نے جب اسکے حُسن وجمال و ذہن و ذکاوت کی تعریف سنی تو ممفس (Memphis) میں اپنے پاس بلا لیا۔ اور چرکسس سے اُسے خرید لینے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن اُسنے ایک عرصہ ہوا کہ خفیہ طور سے اُسے آزاد کر دیا تھا اور اب اسپر ایسا جان و دل سے عاشق تھا کہ کسیطرح اپنے سے جدا کرنا گوارا نہ کیا۔ روڈوفس بھی اس خوشرو جوان سے محبت کرنے لگی تھی اور باوفا تھی۔ اور باوجود دوسروں کے اصرار و طمع دہی کے ہرگز اُس سے مفارقت کی خواہاں نہ تھی۔ بالآخر کچھ دنوں بعد چرکسس نے اِس عجیب وغریب عورت سے باضابطہ نکاح کر لیا اور مع اُسکے اور اسکی چھوٹی لڑکی کلیس (Clies) کے نوکراتیس میں

[۵۱] اسنے مصر پر ۵۸۸ ق م سے ۵۶۹ ق م تک حکمرانی کی۔ رعایا نے ناراض ہوکر اسے تخت سے اتار دیا اور اماسس کو بادشاہ مقرر کیا۔ تین سال بعد یہ قید سے بھاگ کر ایک آخری لڑائی لڑا اور اسمیں مارا گیا مگر اماسس کا قول ہے کہ خود اسکے ساتھیوں نے اسے قتل کر دیا تھا اور بعدہٗ پورے شاہانہ اعزاز کے ساتھ اسے دفن کیا گیا۔ (ایبر)

رہنا سہنا رہا۔ اس عرصہ میں پٹاکوس (Pittacus) نے جلاوطن امرا کا قصور
معاف کر دیا تو وہ اپنی بیوی کو لیکر لس بوس (Lesbos) کی طرف روانہ ہوا۔
یہاں اثنائے راہ میں وہ ایک مرض مہلک میں گرفتار ہوکر مٹی لین (Mitylene)
پہنچتے ہی فوت ہوگیا۔ سافو جو اولاً اپنے بھائی کی شادی پر تمسخر و تضحیک کرتی تھی۔ اسکے
مرتے ہی خوبصورت بیوہ کی بہت بڑی مداح بن گئی اور اسکی ثنا و صفت میں ایسے پُر
جوش اشعار لکھے کہ الکایوس (Alcaeus) کو بھی مات کر دیا۔ شاعرہ کی وفات
کے بعد روڈوفس اپنی چھوٹی لڑکی کو لے کر نوکراتیس واپس چلی گئی اور وہاں کے لوگوں
نے بڑی دھوم دھام کے ساتھ اسکا استقبال کیا۔

اب وہ زمانہ آگیا کہ اماسس (Amasis) موجودہ بادشاہ مصر
نے تخت فراعنہ کو اپنی قوم کے سپاہیوں کی مدد سے چھین کر حکومت کرنا شروع کی۔ چونکہ
اُس سے پیشتر شاہ ہوفرا کے ادبار کا باعث یہ امر ہوا تھا کہ وہ یونانیوں کو ترجیح دیتا تھا۔
اور غیر ملکیوں سے جن کو تمام مصری نہایت نفرت سے دیکھتے تھے زیادہ راہ و رسم رکھتا
تھا اور اسی لئے اسکی رعایا خصوصاً پروہتوں نے بغاوت کرکے اُسے تخت سے اتار
دیا تھا اس لئے ہر شخص کو یقین تھا کہ اماسس (Amasis) اجنبیوں
پر اپنے ملک کا دروازہ بند کر دیگا۔ یونانی سپاہیوں کو برخاست کر دیگا اور بجائے یونانیوں
کے صلاح و مشورہ پر چلنے کے اپنے پروہتوں کے احکام پر زیادہ عمل درآمد کریگا۔ لیکن تم
خود دیکھ سکتے ہو کہ معاملہ کس قدر دگرگوں ہے۔ چالاک مصریوں کو اپنے انتخاب میں سخت
دھوکہ ہوا بلکہ اس مرتبہ تو کڑھائی سے نکلکر چولھے میں گر پڑنے کی مثل ان پر صادق آگئی
اگر ہوفرا (Hophra) یونانیوں کا دوست تھا تو اماسس (Amasis) کو

[1] یہ مصر کے ادبار کا زمانہ تھا۔ غیر ملکی سپاہیوں پر بھروسہ کیا جاتا تھا۔ یہی حال آخر میں ایران کا
بھی ہوا۔ (رولنگس)

ہمارا والد رشید اسمجھنا چاہیے۔ اسلیے کل مصر والے خصوصاً پروہت و سپاہی اس قدر ناراض ہیں کہ اگر انہیں موقع ملے تو اوڈی سیس[۵۱] (Adisus) کی طرح جسنے اپنی ملکیت کے غضب کرنیوالوں سے کیسا سخت بدلہ لیا تھا۔ یہ بھی ہم سب کو فوراً تہ تیغ کر ڈالیں۔ بادشاہ کو سپاہیوں کی کچھ پرواہ نہیں۔ اُسے مصری و یونانی دونوں کی جرأت و قابلیت کا حال بخوبی معلوم ہے مگر پجاریوں کا کچھ نہ کچھ پاس و لحاظ اُسے ضرور کرنا پڑتا ہے کیونکہ اول تو عوام الناس پر ان کا بے انتہا اثر ہے دوم خواہ وہ بذات خود کتنا ہی روشن خیال ہو۔ تاہم اس عجیب و غریب[۵۲] مذہب کی جو اس عجیب و غریب ملک میں ہزارہا سال سے ایکساں چلا آتا ہے اسکے دل میں بھی عزت و حرمت ضرور باقی ہے

[۵۱] جسے غلطی سے یولی سیس بھی کہتے ہیں یونانی کہانیوں میں ایک مشہور ہیرو گذرا ہے۔ ہومر نے اسے سب سے اچھا اور بہادر ہیرو بتایا ہے جو اتھینا کی نظروں میں بہت مقبول تھا۔ دوسری کہانیوں میں اسے بڑا بزدل ظاہر کیا گیا ہے۔ اسکی بیوی کا نام پنیلوپ تھا۔ جنگ ٹروجن میں اسکی شرکت تھی اور یونانیوں کو اسکی دانشمندانہ مشوروں سے بہت فائدہ پہنچا ہے اور ٹرائی کو اسی نے فتح کیا ہے اور بڑی عمر پاکر اپنے بیٹے ٹیلے میکس کے ہاتھ ناواقفیت کے عالم میں مارا گیا۔ اسکے بعد مرگ دیوتا بنا دیا گیا جو ہر سال موسم کے آتے ہی مرجایا کرتا ہے اور موسم بہار میں پھر زندہ ہوا کرتا ہے۔ بعض نے اُسے زراعت کا دیوتا قرار دیا اور سورج کے دیوتا سے اسکا ناتا ٹھہرایا۔ ۱۲

[۵۲] مصریوں کے مذہب کے عجیب و غریب و پیچیدہ بن جانے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جونئی قومیں وقتاً فوقتاً آباد ہوتی گئیں وہ نہ صرف اپنے دیوتا ساتھ لائیں بلکہ ملکیوں کے پرانے بتوں کے بھی متعقد ہوتی گئیں۔ اور انکے مختلف صفات کے بھی جداگانہ دیوتا قایم کرتی گئیں جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ ہزاروں معبود پیدا ہوگئے۔ ہر کرشمہ قدرت۔ ہر فعل زندگی۔ بلکہ گھنٹے و مہینے تک دیوتا بن گئے۔ چنانچہ چار ہزار برس ہوئے ایک فرعون گذرا ہے جسنے ان سب کو ایک جگہہ جمع کرنے کے لئے ایک عالیشان مندر بنایا جسے یونانی لبرنتھ یا بھول بھلیاں کہتے تھے۔ اس میں تین ہزار حجرے مختلف دیوتاؤں کے لئے مخصوص تھے۔

ان پروہتوں نے فرعون کی زندگی کو عجیب عذاب میں ڈال رکھا ہے وہ ہمیشہ ہم لوگوں کو تنگ کرنے اور ضرر پہنچانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ اگر میں بادشاہ کی خاص امن و امان میں نہ ہوتا تو معلوم کب کا آغوش اجل میں پہنچ گیا ہوتا۔ میں بھی کیا کہہ رہا تھا اور کدہر بھٹک گیا۔ خیر تو روڈوفس جب نوکراتیس پہنچی تو بڑی دہوم سے اسکی آؤ بھگت ہوئی۔ اماسیس (Amasis) نے بھی اس سے شناسائی حاصل کر کے اپنے بے شمار مراحم خسروانہ سے سرفراز کرنا شروع کر دیا۔ روڈوفس کے مکان پر ہمیشہ ہر شام کے وقت معززین و مشہور لوگوں کی مجالس جمع ہوا کرتی ہیں۔ انمیں وہ ہرگز اپنی نواسی سافو کو شامل نہیں ہونے دیتی۔ اور اس سے پہلے یہی حال اسکی بیٹی کا تھا۔ کہ شہر کی تمام لڑکیوں سے زیادہ سختی کے ساتھ اسکو تربیت دی گئی تھی اور جب وہ جوان ہوگئی تو اسنے اسکی شادی ایک متمول و شریف خاندان فینشی تاجر کے ساتھ کردی۔ اس شخص نے جسکا نام گلوکس (Glaucus) تھا۔ ایرانیوں کے مقابلہ میں اپنے وطن کی طرف سے بڑے بڑے کارنمایاں کئے تھے۔ وہ اپنی بیوی کو لے کر مسیلیا[۱] (Massilia) چلا گیا۔ یہ ایک نیا شہر ساحل سلٹک[۲] (Celtic) پر آباد ہوا ہے وہاں سافو کی پیدائش کے چند ہی عرصہ کے بعد دونوں کا انتقال ہوگیا۔

روڈوفس کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ خود دور و دراز سفر کی تکلیفیں اٹھا کر وہاں پہونچی اور یتیم بچی کو اپنے ساتھ لے آئی۔ اور اسکی تعلیم و تربیت میں اپنا تمام وقت صرف کرنے لگی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ یہ عمارت عجائبات عالم سے تھی اور اہرام وغیرہ کی اسکے سامنے کچھ ہستی نہ تھی۔ مذہب کو اور زیادہ عجیب و غریب بنانے کی غرض سے پجاریوں اور پروہتوں نے بہت سی ایسی رسمیں قائم کیں جنہیں رازہائے سربستہ کہتے تھے اور صرف خاص لوگ انمیں حصہ لے سکتے تھے ان کا مزید بیان آگے چلکر کیا جائیگا۔ (ولکنس) [۱] موجودہ فرانسیسی بندرگاہ شہر مارسیلز جسے اہل فینیقیہ نے ۶۰۰ ق م میں آباد کیا تھا (ایبرا) [۲] مراد از بحر قلزم۔

اور اب سافو جوان ہو گئی ہے۔ وہ کسی مرد سے اسکو ملنے جلنے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ ابھی تک اُسے اپنی جوانی کی ذلت و شرم یاد ہے اور اسی لئے وہ اپنی نواسی کو اس قدر علیحدہ پردہ میں رکھتی ہے جو اس ملک کی راہ و رسم کے کسی قدر خلاف[۵۱] معلوم ہوتا ہے سافو کو اسکی چنداں پرواہ نہیں۔ وہ اپنی تنہائی کی ہی زندگی میں خوش ہے۔ بخلاف اسکے روڈوپس کے لئے اسکی پرانی طرز معاشرت اب ایک طبیعت ثانی ہو گئی ہے۔ اور لوگوں سے آزادانہ ملنا جلنا۔ مجالس میں اٹھنا بیٹھنا اسکے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا مچھلی کیلئے پانی اور پرند کے لئے ہوا۔ تمام مسافر و اجنبی جو اس طرف سے گذرتے ہیں۔ اُس سے ملنے کے لئے آتے ہیں اور جس کسی نے ایکمرتبہ بھی اسکی میزبانی کا لطف اٹھالیا پھر کبھی اُسے نہیں بھول سکتا۔ اور جب کبھی موقعہ ملیگا اور اسکے جھنڈے کو جو اذن ملاقات و استقبال کا نشان ہے اڑتا ہوا دیکھے گا تو ضرور یہاں آکر ٹھہریگا۔ اس ملک میں کوئی ایسا باوقعت یونانی نہیں ہے جو اس مکان میں اکثر آتا جاتا ہو۔ کیونکہ یہاں کی مجالس میں یہ بھی مشورے و صلاحیں ہوا کرتی ہیں کہ پردیسیوں کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا چاہئے۔ یہاں ہم اپنے وطن بلکہ تمام دنیا کی تازہ خبریں سنوگے۔ یہ مقام بے گناہ معذوریں و پناہ گزیروں کا سب سے بڑا امن ہے کیونکہ فرعون نے اس جگہ پولس کو مداخلت کرنے سے منع کر دیا ہے۔ یہاں آکر ہم اپنے وطن کی زبان اور گیتوں کا لطف اٹھاتے ہیں اور یہیں بیٹھکر ہم یہ صلاحیں کرتے ہیں کہ ہیلاس[۵۲] کو

---

[۵۱] مصر میں پردہ کا رواج نہ تھا۔ آجکل کے یورپ کی طرح مرد و عورت آزادانہ ملتے جلتے تھے۔ (ولکنس)

[۵۲] یونان کو اسی "ہیلاس" نام سے پہلے پکارتے تھے۔ اس موقع پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانہ سے اس عہد تک جسکا حال اس ناول میں مذکور ہے یونانیوں کی مختصر سیاسی و ملکی تاریخ یہاں لکھدی جائے جس سے اس زمانہ کے قدیم تمدن کا حال معلوم ہو سکے اور ایران و مصر کی حالت سے اسکا مقابلہ کرنے اور واقعات متعلقہ کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ جسے ہم ہندوستانی یونان کہتے ہیں اسکا نام یورپ میں اب گریس ہے اور اُس براعظم کے جنوب میں واقع ہے۔ اسکا قدیم نام ہیلاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تھا۔ رومی اسے گریشیا کہا کرتے تھے۔ یہ آخرالذکر نام ارسطاطالیس کے پہلے کسی مصنف نے نہیں استعمال کیا۔ قدیم ہیلاس میں تھسلی داخل تھا مگر ایپروس داخل نہیں تھا۔ جو زمانہ اسکے شباب کا تھا اس وقت اسکے حدود اربعہ یہ تھے۔ جانب مغرب خلیج امبریسیا۔ مشرق میں مقدونیا۔ تھریس اس میں ۳۰۶ ق م کے بعد داخل ہوا۔ مگر حقیقتاً ہیلاس اس تمام ملک کو کہتے تھے جہاں جہاں یہاں کے باشندے آباد تھے یعنے بحر قلزم کے ساحل اور جزائر کے تمام یونانی نوآبادیاں۔ ہیلسپانٹ باسفوس اور بحر سیاہ (جسے قدیم یونانی اکسی نوس کہتے تھے) بھی اس میں داخل تھے۔

اب سے تیس چالیس سال پہلے کے مورخوں نے یونانی تاریخ کا آغاز ۷۷۶ قبل مسیح سے شمار کیا تھا مگر موجودہ زمانہ میں جو آثار قدیمہ برآمد ہوئے ہیں انہوں نے کئی ہزار برس پہلے کے واقعات پر روشنی ڈالی ہے اس لئے اتنی ہی مدت قبل سے یونان کی تاریخ کا آغاز سمجھنا چاہیئے۔ ۱۶۰۰ ق م میں مای سینا (mycenae) میں جو قدیم آثار برآمد ہوئے ہیں اُن سے حکمرانان مای سینا کے زمانہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح کریٹ میں جو آثار برآمد ہوئے اُن سے حکمرانان مای نو (minoea) کے زمانہ کا حال معلوم ہوتا ہے جو ہزار ڈیڑھ ہزار برس پہلے گذرے ہیں۔ دونوں آثار کے زمانہ قریب قریب تھے گروٹ (Grote) نے تاریخ یونان کا آغاز ۷۷۶ء سے کیا تھا مگر موجودہ انکشافات نے اس سے دو ہزار برس پہلے کے آثار قدیمہ ظاہر کر دئے ہیں۔ تاریخ دانوں نے اب باختلاف بعض یہ فیصلہ کیا ہے کہ حکمرانان مای سینا کا زمانہ وہی تھا جس کا ہومر کی نظموں میں ذکر ہے۔ ان لوگوں کی جو تہذیب و تمدن تھی وہ بہت حد تک مقامی تھی لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ غیر ملکوں کے اثر سے متاثر نہیں تھے حکمرانان مای سینا اور مای نو کا جسقدر زمانہ گذرا ہے اس کل مدت میں ہر جگہہ مصری تہذیب و تمدن کا اثر صاف جلوہ گر نظر آتا ہے۔ کریٹ کے معمار بہت عمدہ مکانات بناتے تھے اور کنوسوس (Cnossus) میں بدررو کا جو طریقہ تھا وہ موجودہ عالم کے اُن تمام طریقوں سے بہتر تھا جو انیسویں صدی عیسوی سے قبل نظر آتے تھے۔ یہ زمانہ ایسا تھا جس میں کانسے کا رواج تھا۔ مای سینا کے حکمرانوں کے آخر زمانہ میں کہیں لوہے کا ذکر نظر آتا ہے۔ اس ملک میں اہل فنیقیہ کے حروف تہجی اسوقت تک

استعمال نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ حروف تھے جو ایشیائے کوچک اور قبرص Cyprus میں رائج تھے۔ ایک بادشاہ مطلق العنان حکومت کرتا تھا۔ اولمپیا کے دیوتاؤں کی پرستش ابھی رائج نہیں ہوئی تھی اور جو بت پرستی ایشیا میں تھی ویسی ہی وہاں تھی اور تقریباً وہی دیوتا تھے۔ ستونوں اور درختوں کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ زمانہ حجری سے لیکر پندرہ سو برس قبل مسیح تک فنون میں برابر ترقی ہوتی رہی اسکے بعد تنزل شروع ہوا جو نویں صدی قبل مسیح تک برابر نظر آتا ہے اسکے بعد پھر نئے سرے سے ترقی شروع ہوئی۔ ان لوگوں کے بعد وہ زمانہ نظر آتا ہے جسکے متعلق کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ یہ وہی زمانہ ہے جسکا حال ہومر کی نظموں میں موجود ہے۔ مردے پہلے دفن کئے جاتے تھے اب جلائے جانے لگے۔ بجائے کانسی کے لوہے کا استعمال زیادہ نظر آیا۔ بجائے قدیم اور غیر ملکی دیوتاؤں کے اب اولمپیا کے دیوتاؤں کا رواج زیادہ ہوا۔ بجائے مطلق العنان بادشاہی کے اس مطلق العنانی میں کسی قدر جمہوریت کے آثار نظر آنے لگے۔

پروفیسر رجوے (Ridgeway) کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اہل پلاسگیہ (Pelasgian) کا تمدن گیا۔ انکے بعد اہل مای سینا آئے۔ اسکے بعد وہ زمانہ آیا جسکا حال ہومر نے نظم کیا ہے لیکن یونانی ریاستیں جنکا مفصل حال تاریخوں میں موجود ہے۔ نویں صدی قبل حضرت مسیح سے ظاہر ہونی شروع ہوئیں۔ اور یہ ہومر کی نظموں کے واقعات کے بعد کا زمانہ ہے اور یونانی اپنے جزیرہ نما سے نکلکر ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل اور مقدونیہ۔ تھریس۔ جنوبی اٹلی اور صقلیہ پر قدم جماتے نظر آتے ہیں۔ اب اہل ڈورس (Dorian) کا حملہ شروع ہوتا ہے جو شمالی یونان میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ملک ڈورس پر حکمراں تھے اور وہ مقامات جو اہل اٹی لو اور مای سینا کے تہذیب و تمدن کے مرکز تھے رفتہ رفتہ اہل ڈورس کے پاس چلے جاتے ہیں جنکی تہذیب قدما سے بہت مختلف تھی۔ جو فتوحات اس قوم نے کیں ان سے تین سلطنتیں قائم ہوئیں۔ آرگوس (Argos) اسپارٹا (Sparta) اور مسینیا Messenia اہل ہیلاس زمانہ مابعد میں ساحل ایشیائے کوچک پر مسلط ہو گئے اور جو سلطنتیں قائم کیں وہ حسب ذیل تھیں۔

(۱) اہل ایولیا (Aeolian) یہ شمال کی طرف آ گئے اور جزیرہ لسباس (متی لین)

اور براعظم کے بارہ دیگر شہروں پر قابض ہوئے۔

(۲) اہل ڈورس (Dorians) یہ جنوب کی طرف گئے اور براعظم میں کنی ڈوس (Cnidus) اور ہیلی کارنسوس (Halicarnassus) پر اور جزائر روڈس (Rodes) اور کاس (Cos) پر قابض ہوئے۔

(۳) اہل ایونیا (Ionians) یہ وسط میں گئے اور براعظم کے دس شہروں اور جزائر ساموس اور خیوس (Chios) پر قابض ہوئے۔

مطلق العنان بادشاہت کے بعد جمہوریت کب ہوئی اسکا تعین کرنا مشکل ہے اسلئے کہ تمام مقامات پر وقت واحد میں تغیر نہیں ہوا لیکہ اسپارٹا۔ سائرین۔ قبرس اور غالباً آرگوس اور ٹارنٹوم میں چھٹی صدی قبل مسیح تک اک مطلق العنان بادشاہ کی حکومت رہی ہے لیکن اتھنیس (Athens) میں آٹھویں صدی ختم ہونے کے قبل یہ تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ بہرحال رفتہ رفتہ شخص واحد کے ہاتھ سے زمام حکومت نکلکر عوام الناس کے ہاتھ میں آگئی اور عوام الناس میں سے امرانے سب سے پہلے اپنا تصرف ظاہر کیا اور گویا یہی حکمراں ہو گئے جنکے مشورہ کے لئے ایک جماعت یا انجمن منعقد ہے۔ ملکی انتظام مجسٹریٹوں کے ذریعہ سے ہوتا تھا جو کبھی کانسل سے زیادہ اقتدار اور کبھی کم رکھتی تھی۔ اسکے بعد ایک اور انقلاب رونما ہوتا ہے اور بعض مقام پر پھر ایک مطلق العنان حاکم کے حکومت کا زمانہ آیا ہے جسے "جبار" (Tyrant) کہا کرتے تھے۔ "جبار" میں اور "بادشاہ" میں فرق تھا۔ "بادشاہ" وہ تھا جو آئینی طریق پر حکومت کرے اور رعایا اس سے راضی ہو۔ "جبار" وہ تھا جو غیر آئینی حکومت کرے اور رعایا اس سے ناراض ہو۔ انہیں "جبابرہ" میں سے اکثر نے علم ادب و دیگر علوم و فنون کی بڑی حمائت کی ہے۔ پنڈار۔ بکی لائیڈیز۔ اینشی اوس۔ اور سائمونائیڈ۔ بادشاہ ہائرو (Hiero) کے دربار میں پڑے رہے۔ پالی کراٹیس نے اینکریان و تیبری آنڈر کی سرپرستی کی۔ پای سسٹراٹوس نے ہومر کی نظموں کا پہلا تنقیدی متن شائع کیا۔ اسکے بعد ایتھنس میں پھر انقلاب ہوا۔ اور جمہوریت غالب آئی لیکن جسقدر ترقی کہ فلسفہ اور علم ادب و فنون نے کی وہ اب یونان خاص میں نہیں بلکہ ملی نوس وغیرہ میں نظر آتی ہے اور جتنے بڑے بڑے لوگ گذرے

ظالموں[۱] کے پنجے سے کسطرح چھڑانا چاہئے۔ مختصر یہ کہ یہ مقام آجکل مصر میں یونانی اغراض کا سب سے بڑا مرکز ہے اور پولٹکل حیثیت سے میرے خیال میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قریب قریب سب بحیرہ ایجین کے مشرقی جانب گذرے ہیں مثلاً تھفیلس فیثاغورث۔ زینوفانیس۔ ہرکلی توس۔ پارمی نائیڈیز۔ انکسی مانڈر۔ ہیکاٹوس۔ جنکے نام ریاضی ہیئت جغرافیہ۔ اور مابعد الطبعیات میں مشہور ہیں۔ سب بلا استثنا آیونی تھے۔ اور اسی نام کیوجہ سے دوسرے ملکوں میں یونانی مشہور ہوئے۔ یہ سب ایشیائی ساحل کے تھے اگر گریس میں ٹائیراٹوس اور تھیاگینیز ہوئے تو ایشیائی ساحل پر آرکی لوکوس۔ انیکریان۔ سافو اور الکیوس ان سے بہتر علم ادب میں گذرے ہیں۔ اہل فارس سے جو لڑائیاں ہوئیں انکی ابتدائی معرکہ اسی آیونیا (Ionia) میں ہوئے مگر کورش اعظم (Cyrus) کے زمانہ میں فارس کو جو ترقی ہوئی اسنے یونانی تاریخ ہی کو بدلدیا۔ (المصنف)
اسوقت تک یونانی ہر جگہ ایسے سمجھے جاتے تھے کہ گویا انکے بغیر کوئی چارہ ہی ممکن نہیں ہے۔ مصر میں سیٹی بادشاہوں کے زمانہ میں بھی لوگ فوج میں ملازم تھے۔ اماسیس (۵۶۹ سنہ الی ۵۲۵ سنہ قم) گو خود بادشاہ اسی وجہ سے ہوا کہ مصریوں کو ان رعایتوں کی وجہ سے جو یونانیوں کے ساتھ کی جاتی تھیں۔ رشک و حسد پیدا ہوگیا تھا مگر خود اسنے بھی یونانیوں کی فوج رکھی لیکن کورش اعظم کی فتوحات اور بلند حوصلگیوں نے مشرقی ممالک کا دروازہ یونانیوں کے لئے بند کردیا۔ ایران کا تمدن بالکل یونان کا ضد تھا اور ان دونوں قوموں کی طبیعتیں اسقدر مختلف تھیں کہ اختلاط ممکن نہ تھا۔ پہلے یونانی ایرانیوں سے نفرت اور ایرانی یونانیوں سے خوف کرتے تھے لیکن چھٹی صدی قبل مسیح یہ قضیہ معکوس ہوگیا۔ اہل ایونیا کو ایرانیوں کے مقابلہ میں کامیابی نہ ہوئی اور یونانیوں کی مختلف ریاستوں کی باہم تجارتی رقابت نے ان میں پھوٹ ڈالدی۔ یہی وہ زمانہ تھا جسکا تمدن اس ناول میں دکھایا گیا ہے۔ اس زمانہ میں ہخامنشی ایرانیوں کا غلبہ ہوتا جاتا تھا۔ انکی تمدن کا شباب تھا۔ یونانی اپنی پراگندگی اور باہمی حسد و نفاق کی وجہ سے ابھی ابھرنے نہیں پائے تھے اور مصریوں کے تمدن کا شباب قریب بہ غروب تھا۔ ۱۲

[۱] ہماری داستان کے شروع ہونے سے کچھ زمانہ پہلے چند یونانی شخص اپنے ملک کے شرفا کو

ہلینون[ا] (Hellenes) سے بھی زیادہ ممتاز ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد تم خود اس
عجیب وغریب عورت کا درشن کر لوگے اور اگر ہم دونوں اکیلے رہ گئے تو شاید اس کی
خوبصورت نواسی کو بھی دیکھنے کا موقعہ مل جائے۔ نیز یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ان
کو جو عزت وافتخار حاصل ہوا ہے وہ کوئی امر اتفاقیہ نہیں بلکہ تمام تر انہیں کی خوبیوں و
قابلیت کا نتیجہ ہے سمجھیے اب وہ لوگ آ گئے۔ مکان کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ کنیزوں
کے گانے کی آوازیں تمہیں سنائی دیتی ہیں نا؟ اب وہ اندر داخل ہوتے ہیں۔ پہلے انکو
بیٹھکر آرام لے لینے دو۔ پھر تمہیں اپنے ساتھ لے چلونگا اور جب رخصت کا وقت آئیگا
تو پوچھونگا کہ کہو آکر پچھتائے تو نہیں۔ اور روڈوپس میں ایک ملکہ کی شان زیادہ نظر آئی
یا آزاد شدہ لونڈی کی؟"

روڈوپس کا محل[۲] یونانی طرز کا تھا وہ ایک طویل یک منزلہ عمارت تھی جو باہر سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نکالکر حکومت پر قابض ہو گئے تھے۔ انمیں اتھنز کا پی سیس تراتوس اور ساموس کا پولی کارٹیس
زیادہ مشہور گذرے ہیں۔ یونان میں سب سے پہلے شخصی حکومت تھی۔ پھر حکومت شرفا ہوئی۔ بعدہ وسط
ساتویں صدی میں حکومت جابرہ قائم ہوئی۔ پھر جمہوریت کا آغاز ہوا۔ (ایبر)

[ا] یہ ایک قسم کی پولٹیکل جماعت تھی۔ (ایبر)

[۲] عام یونانی مکانات کا طرز نہایت سادہ تھا
دروازہ (۱) سے ایک تنگ راستہ (۲) ملتا
تھا جسکے دو رویہ خانگی ضروریات یا دربان وغیرہ
کے لئے حجرے (۳) تھے۔ اسکے سامنے ایک
کھلا ہوا صحن (۴) نظر آتا تھا جسکے تین طرف
ستونوں کی قطاریں تھیں اور دالانوں میں
کئی ایک کمرے کھلتے تھے جو مختلف کاموں

بالکل سادی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اندر جا کر اسکی خوبصورتی کا پتہ چلتا تھا۔ یہاں یونانی ترتیب وساخت مصری آرایش ورنگینی سے وصل ہو کر ایک عجیب دلکش اثر پیدا کرتی تھی۔ باہر سے دیکھنے والے کے سامنے ایک وسیع دروازہ تھا جہاں سے ایک دالان یا "ہال" پر نظر پڑتی تھی جسکے بائیں جانب دعوت کا کمرہ تھا جس کا رخ دریا کیطرف تھا۔ اس کمرہ کی سمت مقابل باورچیخانہ تھا جو صرف امرا کے مکانوں میں ہوا کرتا تھا اور غربا اپنے رہنے ہی کی ایک قریب کی کوٹھری میں چولھا بنا کر پکا لیا کرتے تھے۔ "ہال" میں داخل ہوتے ہی ملاقات کا کمرہ ملتا تھا۔ اسکی شکل مربع تھی اور چاروں طرف ستون تھے جن کے قریب مختلف کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ یہ "ہال" مردوں کے لیے مخصوص تھا۔ اور اسکی وسط میں ایک نہایت خوبصورت کام کیا ہوا دھات کا اگنی ہوتر (altar-hearth) تھا جس میں اس آتش خانہ میں آگ برابر جلتی رہتی تھی۔ اس کمرہ کی چھت میں ایک روشن دان بھی تھا۔ جہاں سے دن کے وقت روشنی آتی تھی۔ اور آگ کا دھواں بھی باہر نکل جاتا تھا۔ "ہال کے پیلے طرف ایک مضبوط دروازہ تھا جس سے ایک راستہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کے لئے مخصوص تھے مثلاً (۵) اور (۶) میں خاندانی دیوتا وغیرہ کی پوجا ہوتی تھی۔ (۷) اور (۸) نوکروں۔ گوداموں۔ خوابگاہوں یا دیگر ضروریات کے لئے مخصوص تھے۔ (۹) مالک مکان کے سونے کا کمرہ تھا۔ اور (۱۰) میں لڑکیاں رہتی تھیں۔ (۱۱) گھر کی چھوکریوں و باندیوں کیلئے تھا جہاں وہ اپنی مالکہ کے زیر نگرانی کام کرتی تھیں۔ (۱۲) ایک کشادہ وخوشنما ہال تھا۔ جہاں خاندان والے (الف) یعنے تبرک اگنی ہوتر کے گرد جمع ہوتے تھے یہیں نذر و نیاز چڑھاتے تھے۔ اور مہمانوں سے ملاقات کرتے تھے۔ صحن کے وسط میں مذبح (ز) میں بڑے دیوتا کا بت نصب تھا اور دروازہ کے قریب گھر کا محافظ دیوتا (ت) رہتا تھا۔ پشت مکان پر ایک خوشنما چمن بنایا جاتا تھا۔ امرا کے مکانات اس سے زیادہ کشادہ ووسیع تھے انمیں بجائے ایک کے دو صحن ہوتے تھے اور کمروں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ ہوڈوفس کا محل بھی قریباً اسی طرز کا تھا۔ (گول از گونر)

زنان خانہ میں جاتا تھا یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جسکے تین طرف کھمبے تھے اور فرصت کے
وقت عورتیں یہاں آکر بیٹھتی تھیں مگر چرخہ کاتنے یا بننے کے لئے اس کمرہ میں جاتی
تھیں جو باغ کے قریب پس پشت واقع تھا۔ علاوہ بریں دائیں اور بائیں طرف دیگر
ضروریات خانگی کے لئے اور بھی کمرے تھے اور ان کے درمیان خوابگاہ کے کمرے تھے
جہاں گھر کی جمع پونجی بھی حفاظت سے رکھی جاتی تھی۔ مردانے کمرہ کی دیواروں پر سرخ
و سبز رنگ تھا جس کے مقابلہ میں سنگ مرمر کی سفید مورتیں جو خیوس[1] (Chios)
کی صناعی کا نمونہ تھیں۔ نہایت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ فرش کو خوبصورت اور رنگ برنگی
پچی کاری کے کام سے مرصع کیا گیا تھا۔ ستونوں کے قریب نیچی نیچی کوچین باترتیب لگی
ہوئی تھیں۔ اور ان پر شیر و چیتے کی کھالیں پڑی ہوئی تھیں خوبصورت و منقش آتشدان
کے قریب عجیب طرح کی مصری صنعت کی آرام کرسیاں پڑی تھیں جن کے پاس
ہی تھیا[2] ([illegible]) لکڑی کی چھوٹی چھوٹی میزیں جن پر نہایت نازک کام کیا

[1] خیوس (Chios) ایشیائے کوچک کے مغربی کنارے پر یہ ایک جزیرہ ہے جسے یونانی "شیاس" یا "خیوس" کہا کرتے تھے اور اب ترک سکی آداسی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اسکا طول ۳۰ میل اور عرض ۸ میل سے لیکر ۱۸ میل تک ہے۔ قدیم زمانہ میں یہاں کی انجیریں بہت مشہور تھیں۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں یہاں کے ایک باشندے آسٹراپو اریوشیا نے لوہے کو وصل کرنے کا طریقہ دریافت کیا تھا۔ یہاں فن بت تراشی نے بھی بہت ترقی کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ہومر اسی جزیرہ میں پیدا ہوا تھا۔ سنہ ۵۴۶ ق م میں سائرس بادشاہ ایران نے اس پر قبضہ کیا اور جنگ سلامیس میں یہاں کا بیڑا ایرانیوں کے ہمراہ تھا۔ سنہ ۴۷۹ ق م میں یہ ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور ایک مدت تک آزاد و خودمختار رہنے کے بعد رومیوں اور شاہان بازنطیم کے قبضہ میں آیا۔ سنہ ۱۰۸۹ء سے سنہ ۱۰۹۲ء تک آل سلجوق کے قبضہ میں رہا۔ پھر اہل وینس کے پاس آیا۔ پھر سنہ ۱۴۱۵ء میں آل عثمان نے قبضہ کیا۔

[2] ایک قسم کی بیش بہا لکڑی جو صحرائے لیبیا سے آتی تھی۔ (ابیرا)

ہوا تھا بچھی ہوئی تھیں - ان میزوں پر طرح طرح کے آلات موسیقی مثل بانسری - ستھارہ ([illegible]) فارمنکس[51] ([illegible]) وغیرہ رکھے ہوئے تھے انواع و اقسام کے متعدد چراغ شیکلی[52] ([illegible]) کے تیل سے بھرے ہوئے دیواروں پر لٹک رہے تھے ان میں سے ایک کی شکل مچھلی کی طرح تھی جسکے منہ سے بجائے سانس کے آگ نکل رہی تھی - اور دوسرا ایک پردار ڈراونی جانور کی صورت کا تھا جسکے کھلے ہوئے جبڑوں سے شعلے نکل رہے تھے - ان سب کی روشنی آتش کدہ کے سامنے نہایت اچھی معلوم ہوتی تھی اور تمام کمرہ منور ہو گیا تھا -

اس "ہال" میں بہت سے لوگ موجود ہیں - یہ بلحاظ اپنی شکل و صورت و لباس کے ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظر آتے ہیں ایک طرف ایک فینقی ٹائر یعنی صور کا باشندہ ایک لمبا کشمشی رنگ کا لباس پہنے ہوئے ایک دوسرے شخص سے جس کا کھڑا ناک نقشہ اور سیاہ گھونگروالے بال یہودی النسل ہونے کا پتہ دیتے ہیں بڑی سرگرمی کے ساتھ مصروف گفتگو ہے - یہ یہودی اپنا وطن چھوڑ کر زیر تحیل شاہ یہودا (Judah) کے لئے مصر کے مشہور گھوڑے[53] اور گاڑیاں خریدنے آیا ہے - قریب

---

[51] یہ ایک قسم کا آلہ موسیقی کا تھا جس کی شکل قدیم کتھرا یا موجودہ گٹار سے مشابہ تھی - دونوں میں بہت کم فرق تھا - ۱۲

[52] رینڈی کا تیل - ۱۲

[53] حضرت سلیمان نے بھی [illegible] ق.م میں مصری سے گھوڑے اور رتھیں خرید کر منگوائی تھیں اور انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ یوسف علیہ السلام کو عہدہ وزارت پر سرفراز کرنیکے بعد فرعون نے اپنے ساتھ رتھ پر بٹھایا تھا - اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے گھوڑے اور رتھ کا استعمال مصر میں خاندان ہکسوس کے زمانہ میں ہوا جسنے مصریوں کی فوجی قوت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا - مگر مصر میں گھوڑا کہاں سے آیا ؟ غالباً مشرقی ایشیا سے جہاں قوم آریہ نے سب سے پہلے اسے قابو میں لا کر پالنا شروع کیا تھا (ایبروڈونلڈ مکنزی)

ہی تین یونانی ایشیائے کوچک کے رہنے والے اور اپنے وطن کا نہایت بیش بہا لباس پہنے ہوئے کھڑے ہوئے ہیں اور ایک سادہ لباس شخص سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں۔ آخر الذکر کا نام فرکس ([illegible]) ہے یہ اپنے وطن ڈلفی ([illegible]) سے مصر اس غرض سے آیا ہے کہ اپالو[۱] کے مندر کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کرے۔ دس برس ہوئے کہ یہ قدیم عبادت گاہ آگ سے جل کر بالکل تباہ ہو گئی تھی اور اب از سر نو اس سے بھی زیادہ خوبصورت عمارت بنانے کی

---

[۱] اپالو (Apollo) اولمپیا کے دیوتاؤں میں اپالو بڑا مشہور دیوتا تھا جس کے متعدد صفات تھے۔ ہومر کی نظموں کے بموجب اپالو۔ لیٹو کے بطن سے زیوس کا بیٹا ہے۔ اس سے پیشین گوئیاں کرنا اور طاعون کو بھیجنا متعلق تھا اور زراعت کا بھی دیوتا کہا جاتا ہے مگر بعد میں غلطی سے ہیلیوس سورج کے دیوتا کا مرادف ہو گیا اس دیوتا کو مویشیوں کا محافظ بھی کہا جاتا تھا۔ اسکے بعد نوجوان کا پرورش کرنے والا بھی سمجھا گیا۔ اور جنگ کا بھی دیوتا مانا گیا۔ ڈلفی میں پتھیا (Pythia) کے اور یکل (آواز غیبی) کی شہرت نے جسکے متعلق یہ قصہ مشہور تھا کہ دیوتا نے پیدا ہوتے ہی پائتھان (یعنی شیطان بہ صورت سانپ) کو قتل کر دیا۔ اس خون کا پھر اسنے کفارہ ادا کیا۔ پائتھان (سانپ) اس دیوتا کی علامت ہے جسکا گھر "اخبار" کی جگہ تھا اس رعائت سے اپالو کو خبر دینے والا دیوتا بھی کہا گیا ہے۔ اپالو کی پیشین گوئیاں زیوس (Zeus) کے طرف سے ادا ہوتی تھیں۔ یعنے زیوس سے اطلاع پا کر وہ خبر دیتا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اپالو نے پیدا ہونیکے بعد ہی ایک سال ہائپربوریا ([illegible]) کے لوگوں کے مقابلہ میں اس ملک میں صرف کیا جہاں ہمیشہ دہوپ رہا کرتی تھی۔ اسکے بعد ڈلفی واپس آیا اسکی اس واپسی کو دیوتا کی ولادت ثانیہ کہتے ہیں۔ اسی واپسی کے بعد اسنے موسم سرما کے دیوتاؤں پر فتح پائی تھی۔ اپالو کے ہاتھ میں بربط اور کمان عموماً رہا کرتی تھے اور تپائی اسکے لئے اسواسطے بنائی گئی کہ وہ "اخبار" کا بھی دیوتا ہے۔ اسکے لئے جو میلے اور تہوار ہوا کرتے تھے انمیں اہم تہوار یہ ہیں۔ کارنیا۔ ڈافنی فوریا۔ ڈیلیا۔ سنہتیا۔ پتہیا اور تھرگیلیا۔ رومیوں نے بھی اپالو کی پرستش یونانیوں سے سیکھی تھی۔ قدیم زمانہ کے بت تراشی کی صنعت میں اپالو کا بت اکثر نظر آتا ہے۔ ۱۲۰

تجویز ہوئی تھی یلیشیا[۵۱] (milesian) قوم وو باشندے جو انکسیمندر[۵۲] (Anaximand) اور انکسیمینی[۵۳] (Anaximane) کے شاگرد ہیں مصر اس غرض سے آئے ہیں کہ ہیلیوپولس[۵۴] (Heliopolis) میں جا کر کواکب نجوم

۵۱ ایک شخص تھا جس کا نام مای لیڈ (Milaid) تھا۔ اُسے لاطینی زبان میں مای لی سیوس کہا کرتے تھے۔ اسکی قوم اور اولاد کو آل ملیسیوس یا میلشیا قوم کہتے ہیں۔ اس شخص کے دو لڑکوں نے آئرلینڈ فتح کیا تھا اور عرصہ تک اس ملک میں حکمراں رہے۔ یہ قوم پہلے ستھیا سے آئی تھی اور کچھ دنوں مصر۔ کریٹ اور سنہیا میں بسر کر کے اندلس چلے گئے۔ اس قوم کے بعض خاندان مصر اور کریٹ میں زمانہ دراز تک رہے ہیں۔ ۱۲

۵۲ اس کا زمانہ ۶۱۱ ق۔م سے تا ۵۴۶ ق۔م۔ تھا۔ یہ ملیشیا کا نہایت مشہور و معروف فلسفی۔ ماہر علوم ہیئت۔ ریاضی۔ جغرافیہ داں تھا۔ اسی نے سب سے پہلے دنیا کا نقشہ کالسی کے پتھر پر بنایا تھا اور ایک قسم کی گھڑی بھی ایجاد کی تھی (ا یبر)

۵۳ یہ بھی ملیشیا کا ایک فلسفی تھا اور ۵۷۰۔ ۵۰۰ ق۔م۔ اسکا زمانہ گذرا ہے (ا یبر)

۵۴ ہیلیوپولس۔ یہ مصر کے صوبہ ڈلٹا میں ایک قدیم شہر موجودہ قاہرہ کے قریب واقع تھا جسے عربی جغرافیہ دانوں نے عین الشمس لکھا ہے کیونکہ یہاں آفتاب کا ایک مندر تھا۔ انجیل میں عون اور تورات میں بیت الشمس کے نام سے اسکا ذکر آیا ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اسی شہر میں پرورش پائی تھی اور حضرت یوسفؑ اور زلیخا کا واقعہ بھی یہیں ہوا تھا۔ ہیلیوپولیس کئی ہزار برس تک مصری علوم و فنون کا مرکز رہا۔ یہاں مشہور و معروف درسگاہیں تھیں جہاں تمام دنیا سے لوگ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے فلاطون و یوکلڈ (اقلیدس) بھی اسی خرمن کے خوشہ چین تھے۔ وہ مشہور مینار جو آجکل لندن میں ہے اور جسے "کلیوپٹرا کی سوئی" کہتے ہیں دراصل اسی شہر کے مندر میں قائم تھی۔

(ڈونلڈ مکنزی)

و دیگر مصری علوم کی تعلیم حاصل کریں۔ تیسرا شخص تھیوپمپوس (Theopompus)
نامی ایک نہایت معقول تاجر و مالک جہازات ہے اسنے نوکراتیس میں فی الحال اپنی
بود و باش اختیار کر لی ہے اور وہاں اسکا بہت بڑا کاروبار ہے مگر روڈوفس جن مہمانوں
سے بڑی دلچسپی کیساتھ باتیں کر رہی ہے وہ دو یونانی ساموس (Samas) کر رہنے والے ہیں
ایک جسکا نام تھیوڈوریس (Theodorus) ہے وہ نہایت مشہور و معروف شخص ہے فن معماری
بت تراشی زرگری و نقش و نگار کے فن میں اسے کمال حاصل ہے۔ دوسرا ابی کوس[1] (Ibycus)
ریجیم[2] (Rhegium) کا رہنے والا ہے پولی کارتیس (Polycartes) کے دربار کا بڑا شاعر
ہے اور مصر کے حالات دریافت کرنیکے لئے خاص طور سے آیا ہے اور نیز اپنے آقا کی طرف سے
فرعون کے لئے چند تحائف بھی ساتھ لایا ہے۔ آتشکدہ کے قریب ایک شخص جس کے
چہرے سے عیاشی و آرام طلبی کے آثار صاف طور سے نمایاں ہیں اور جس کا نام
فلونوس سی باریسی (Philoinus Sybaris) ہے۔ ایک آرام کرسی
پر جس پر رنگین سمور کی غلاف پڑا ہوا ہے۔ لمبا لمبا لیٹا ہوا ہے۔ وہ کبھی تو اپنے خوشبودار
بالوں پر جن کی لٹوں میں سونے کے تار پروئے ہیں ہاتھ پھیرتا ہے اور کبھی ان طلائی
زنجیروں سے کھیلتا ہے جو اسکی گردن سے لیکر پیروں تک زعفرانی لباس پر پڑی ہوئی

[1] چھٹی صدی قبل مسیح کے وسط میں یہ مشہور شاعر گذرا ہے۔ یہ آخر میں قاتلوں کے ہاتھ مارا گیا (ایبر)

[2] ریجیم جنوبی اٹلی کے ایک شہر کا نام ہے جہاں قدیم زمانہ میں بروتای قوم رہا کرتی تھی۔ یہ مقام اٹلی اور سسلی (صقلیہ) کے وسط میں آبنائے سینا کے مشرقی جانب واقع ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں یہاں ایک آزاد اور مستقل سلطنت تھی جو ۴۲۶ ق م میں اتھنس والوں کے ساتھ ہو کر سائراکیوز سے لڑی تھی۔ ۳۹۹ ق م میں سائراکیوز اول نے اسپر حملہ کر کے بارہ برس بعد اسے بالکل برباد کر دیا اور یہاں کے باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ جنگ پیونک میں یہ اہل اٹلی کے ساتھ وفادار رہے اور ہنی بال کی جنگ میں باوجود کوشش کے یہ مشہور جنرل اس شہر کو فتح نہ کر سکا۔ ۱۲

جگمگا رہی ہیں رہوڈوپس یوں تو اپنے ہر مہمان سے بڑے لطف و اخلاق کے ساتھ
پیش آتی ہے لیکن اس وقت اسکی تمام تر توجہ اُن دونوں اہالیان ساموس
Samos کی طرف جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے مبذول ہے - وہ ان سے صنعت و
حرفت و شاعری پر بحث کر رہی ہے اور بڑے دلپذیر انداز سے سرگرم گفتگو ہے - اسکی
آنکھوں سے شباب کی روشنی چمک رہی ہے ۔ اسکا قد لانبا جسم موزوں و گداز
اور تیر کی طرح سیدھا ہے - اُسکے خوشنما سر کے سفید بالوں کو ایک نازک طلائی جال پیچھے
کی طرف سمیٹے ہوئے ہے اور اسکی اونچی پیشانی پر ایک مرصع کار و بیش بہا تاج نما طرہ
لگا ہوا ہے - اور اسکے خط و خال یونانی ہیں چہرہ کسی قدر زرد مگر خوبصورت ہے اور باوجود
اتنی عمر ہونے کے کوئی شکن اور جھری نظر نہیں آتی - اسکے مختصر دہن کی موزونیت ابھی
تک باقی ہے - اسکی آنکھوں سے جو بڑی بڑی ہیں سنجیدگی و شرافت کے آثار نمایاں ہیں
اسکی جبین و بینی کی خوبصورتی اب بھی ایام شباب کو یاد دلاتی ہے - رہوڈوپس نے
کوئی بناؤ سنگار کر کے اپنے تئیں چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی - تاہم وہ اپنی اصلی
عمر سے بہت کم معلوم ہوتی تھی - اسکے انداز سے مادرانہ وقار و سنجیدگی مترشح تھی اسکی
اداؤں میں جوانی کا تصنع آمیز لبھاؤ نہ تھا بلکہ ایک بزرگانہ شفقت تھی جو دوسروں کو بھی اسکے
ساتھ الطافات کے ساتھ پیش آنے اور اسکا مناسب حال پاس و لحاظ رکھنے پر مجبور کرتی تھی - ہمارے
دوست اب "ہال" کے اندر داخل ہوئے سب کی آنکھیں انکی طرف اُٹھ گئیں اور جب
فینس[1] (Phanes) اپنے دوست کا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے بڑھا تو ہر طرف سے
نعرہ خوش آمدید نے اسکا خیر مقدم کیا اور ایک ملیشیا کے رہنے والے (Milesian)
نے چلا کر کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس جلسہ میں کسکی کسر ہے - اب معلوم ہوا کہ بغیر فینس

[1] یہ (یاے) ممدودہ و (ن) و (س) ساکن۔

کے یہ محفل سونی نظر آتی تھی۔"
اسپیر فلوینس سیبار یسی (Philoinus Spaarite) نے بغیر اپنی جگہ سے ہلے ہوئے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔
"ایتھنسی! مسرت و خوشی کی کوئی خبر لائے ہو تو میرا بھی سلام قبول ہو۔"
روڈوفس نے اپنے نووارد مہمانوں کی طرف بڑھکر نہایت جوش و انبساط سے کہا
"مرحبا! خواہ تم شادمند ہو یا مصیبت زدہ۔ میں بدل و جان تمہارا خیر مقدم کرتی ہوں۔ اس سے بڑھ کر میرے لئے کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کہ اپنے دوست کے کام آؤں۔ اور اُسکے چہرہ کی اُداسی کو خوشی و خرمی سے بدل دوں۔ اور تم کو بھی اسے اسپارٹی! اپنے دوست کے تعلق سے آج سے اپنے کرمفرماؤں میں شمار کرتی ہوں۔"
ارسٹومیقس (Arsiatomacus) سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔ لیکن ایتھنسی نے سی بار یسی (Sphaarite) اور روڈوفس دونوں کی طرف مخاطب ہو کر یہ کہا
"بہت خوب! میرے عزیز دوستو۔ مجھے امید ہے کہ میں تم دونوں کی خاطر جمعی کر سکونگا۔ تمہیں روڈوفس اپنے دوست کے غمزدہ دل کو تسکین دینا پڑیگی اس لئے کہ وہ بہت جلد تم سے اور تمہارے گھر سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والا ہے اور تم سیبار یسی (Sphaarite) یقیناً میری خوشی میں ساتھ دوگے کیونکہ میں عنقریب اپنے عزیز وطن یونان واپس جانے والا ہوں اور اس ملک کو جو میرے لئے ایک طلائی قفس سے کچھ کم نہ تھا چار و ناچار خیرباد کہنے والا ہوں۔"
یہ سنتے ہی چاروں طرف سے سب کی زبان سے نکلا۔
"ہیں! یہ تمہارا جانا کیسا؟ کیا تمہیں نوکری سے برطرف کر دیا گیا؟ کدھر جانے کا قصد رکھتے ہو؟"

فینس (Phanes) نے بلند آواز سے جواب دیا۔

"دوستو۔ ذرہ صبر سے کام لو مجھے تم سے ایک لمبی داستان کہنا ہے جسے دعوت کے بعد کے لئے رکھ چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ ابھی تو مجھے بھوک اس قدر لگی ہوئی ہے کہ جدائی کے غم سے کچھ کم تکلیف دہ نہیں ہے۔"

اسپر سی باری (Sybarite) نے فلسفیانہ انداز سے کہا۔

"بھوک بڑی اچھی چیز ہے مگر شرط یہ کہ مزیدار کھانوں کی امید ہو۔"

روڈوفس نے کہا۔

"آپ اطمینان رکھیں۔ میں نے اپنے باورچی کو حکم دیا ہے کہ اچھے سے اچھے کھانے تیار کرے اور یہ بھی ڈرا دیا ہے کہ دنیا کے سب سے زیادہ متمول شہر یعنی سی باریس (Sybaris) کے رہنے والے ایک دقیقہ سنج مہمان موجود ہیں اگر ذرا سا بھی عیب ہوا تو بے طرح نکتہ چینی کرینگے (غلام سے مخاطب ہوکر) ناسیس (Cnacias) جاؤ۔ دسترخوان کی تیاری کا حکم دیدو (مہمانوں کی طرف ہنستی سی) اب تو آپ بے صبروں کو چین آیا؟ فینس تم بڑے بُرے آدمی ہو کہ خبر بد سنا کر میری اچھی خاصی بھوک اُڑا دی۔"

فینس سر جھکا کر چپ ہو رہا۔ مگر سی باری (Sybarite) اپنے فلسفیانہ جملے کستا رہا۔

"قناعت و صبر اچھی چیز ہے بشرطیکہ کسی کے پاس اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے ذرائع بھی موجود ہوں۔ روڈوفس میں تمہارا بہت مشکور ہوں کہ تم نے میرے لاجواب وطن کی تعریف کرکے انصاف سے کام لیا۔ اناکریئن[1] (Anacreon) شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

[1] یہ مشہور شاعر اس زمانہ میں پولی کارٹیس کے دربار میں مقیم تھا (ایبر)

پروا ہے آج کی مجھے کل کی خبر نہیں	چھوڑو نہ شغل جام کو یارانِ ہمنشیں
لازم ہے پھینکتے رہو پاسے قمار کے	بیکس کی نذر کے لئے بھر زر گرو زمیں
ایسا نہ ہو کہ تن پہ ہو طاری کوئی مرض	طاقت شراب پینے کی زائل نہ ہو کہیں

کہو بھئی الی کوس (Alcaeus) میں نے تمہارے دوست کی نظم کو جن کے ساتھ تم پولی کاریتیس (Polycrates) کے محفل میں ہمیشہ ہم پیالہ و ہم نوالہ رہتے ہو گر صحیح طور سے پڑھا ہے یا نہیں؟ یقین مانو کہ اگرچہ اناکریون (Anacreon) کو مجھ سے زیادہ اچھے اشعار کہنا آتے ہوں۔ لیکن اس ناچیز کو بھی دعویٰ ہے کہ اصلیت و فطرت کے سمجھنے میں وہ بھی استاد سے کچھ کم نہیں ہے۔ اُن کی نظموں میں کھانے پینے کی تعریف کا کہیں پتہ نہیں۔ حالانکہ انصاف سے دیکھا جائے تو اسکے مقابلہ میں قماربازی و عشق بازی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مجھے گو ان دونوں مشاغل سے خاص الفت و دلچسپی ہے لیکن سچ کہتا ہوں کہ پیٹ کو سب پر ترجیح دیتا ہوں۔ اگر کھانا نہ ملے تو میری جان نکل جائے اور جوے اور عشق بازی کے بغیر تو آدمی پھر بھی کسی نہ کسی طرح مصیبت میں زندگی کے دن کاٹ سکتا ہے"!

سی باریسی (Sybarite) اپنے بھدے مذاق سے آپ ہی خوش ہو کر زور سے قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ دوسرے لوگ اسی طرح آپس میں باتیں کرتے رہے اتنے میں اسپارٹی۔ فرکسس (Phrexus) ڈلفی والے کی طرف مخاطب ہو کر ایک کونہ میں اُسے لے گیا۔ اور گھبرا کر مضطربانہ پوچھنے لگا کہ آریکل[1] (oracle) کا

٭ اس کتاب میں جس قدر نظمیں ہیں ان کا انگریزی ترجمہ پروفیسر ہاج نے اور اُردو ترجمہ پروفیسر وحید الدین سلیم نے کیا ہے۔

[1] یعنی پیام ربانی۔ ندائے غیبی۔ قول الہامی۔ یہ مشہور ڈلفی آریکل (آواز غیبی) ایک مندر کے اندر تھا جو ایک پہاڑ کی وادی میں واقع تھا۔ یہ پہلے ایک سانپ کے قبضہ میں تھا اپالو دیوتا نے اپنے تیر سے اسکو

جواب جس کا وہ ایک عرصہ سے مشتاق تھا وہ اپنے ساتھ لایا ہے کہ نہیں۔ یہ سنتے ہی فرکسس کا سنجیدہ چہرہ تمتما اٹھا۔ اُسنے اپنی شتان[۵] ([illegible]) کی جیب

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ مارکر اس سے یہ چھین لیا۔ اور اس گناہ کی سزا میں آٹھ سال جلاوطنی وغلامی کی سزا بھگتی۔ آریگل مندر کے ایک سب سے اندرونی حجرہ میں تھا۔ یہاں زمین میں ایک سوراخ تھا جس سے سرد بخارات نکلتے تھے اور آدمی پر بیخودی طاری کر دیتے تھے۔ اس سوراخ پر لکڑی کا ایک خوشنما میز تھا جسپر ایک کاہنہ بیٹھی تھی۔ یہ پہلے ایک اعلیٰ خاندان کی دوشیزہ لڑکی ہوا کرتی تھی بعدہٗ ایک سن رسیدہ عورت کو ترجیح دیگئی جسکی عمر پچاس سے زیادہ ہوتی تھی۔ اور جو لڑکیوں کا لباس پہنکر ایک تپائی پر بیٹھتی تھی عموماً یہ سال میں ایک بار ظاہر ہوتی لیکن اگر شگون اچھے ہوتے تو روزانہ نظر آتی۔ نکلنے سے قبل وہ نہاتی دھوتی پاک وصاف کپڑے پہنتی زیورات سے آراستہ ہوتی پھر ایک متبرک چشمہ جو اسی مندر میں تھا۔ اس کا پانی پیتی۔ اور ایک خاص قسم کا میوہ کھاتی بعدہٗ اپنی جگہ پر بیٹھتی پھر ایک بیخودی اور غفلت کی حالت اسپر طاری ہو جاتی۔ اس حالت میں اسکی زبان سے جو الفاظ نکلتے انھیں پروہت نظم میں بیان کرتا جاتا۔ یہ جوابات معمہ یا استعارہ کی صورت میں عموماً مبہم وذومعنین ہوا کرتے۔ مگر تمام یونان اسکا معتقد تھا۔ خصوصاً اسپارٹا والے تو بلا اس سے استفسار کئے کوئی کام ہی نہ کرتے تھے۔ تمام ضروری خانگی وملکی معاملات میں اس سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ مثلاً نئے مذہبی وملکی قوانین بنانا۔ نوآبادیاں بسانے کے لئے باہر جانا۔ جنگ وجدل شروع کرنا وغیرہ۔ اسکے علاوہ یونان میں اور بھی آریگل تھے جو عموماً چار قسم کے تھے۔ زبانی۔ لسانی۔ رویائی وروحانی۔ مگر ڈلفی سب سے زیادہ مشہور تھا اسکا مندر بھی جس میں بکثرت دولت جمع تھی اور جائداد بھی ملحق تھی سب سے زیادہ عالی شان تھا آخر کار اسپر تباہی آئی۔ ایرانی جنگوں کے بعد اسکے معتقدین کی تعداد میں کمی ہوگئی اور چوتھی صدی عیسوی میں اسکا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ (ذٹلشیپ کلاسکل ڈکشنری)

[۵] یونانیوں کا لباس عورت ومردوں کا قریباً ایک سا ہوتا تھا اور موسم کے لحاظ سے عموماً ڈھیلا اور کھلا ہوا اور ورزش جسمانی کے لئے نہایت موزوں ہوتا تھا۔ شتان ایک لمبا۔ سامنے سے بند کرتا۔ گھٹنوں تک پہنچتا تھا جسکی آستینیں مونڈھوں پر سے غائب تھیں اور کمر پر ایک ٹپکہ سے بندھا رہتا تھا۔ غلاموں اور

میں ہاتھ ڈالکر بھیڑ کی کھال کا کاغذ کی طرح پتلا ایک چھوٹا سا لپٹا ہوا ٹکڑا نکالا جس پر چند حروف

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اہل حرفہ کا "شتان" مختلف ہوتا تھا۔ اس کا ایک شانہ اور سینہ کا کچھ حصہ کھلا رہتا تھا۔ بعض اوقات آستینیں بھی اضافہ کر دی جاتی تھیں جو کہنی یا کلائی تک لمبی ہوتیں۔ ایشیائے کوچک کے یونانی لمبی آستینوں کو ترجیح دیتے تھے۔ عورتوں کا شتان پیروں تک نیچا ہوتا تھا اور مردوں کی طرح انکی بھی کمر پر ایک ٹپکہ سے بند ہارہتا تھا۔ شتان کے اوپر جو دوسرا لباس (چغہ نما) پہنا جاتا اس میں مردوں کے شلامس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ علاوہ اسکے مرد عورت دونوں ایک دوسری قسم کا چغہ جسے ہمائین کہتے تھے۔ پہنتے تھے یہ ایک لمبا سا کپڑا تھا جس کا ایک سرا عورتیں بائیں کاندھے پر ڈال لیتیں جس سے صرف انکا منہ کھلا رہتا۔ مرد بعض اوقات اسے چھوٹا کر کے پہنتے۔ پائجاموں کا رواج نہ تھا۔ یہ ایشیا والوں کا لباس سمجھا جاتا تھا۔ عموماً کپڑے اون۔ روئی یا کتان کے بنائے جاتے تھے۔ لیکن دیہاتی جانوروں کے چمڑے بھی استعمال میں لاتے تھے۔ لباس کا رنگ سفید ہوتا تھا لیکن مزدوروں کو اسکے پہننے کی اجازت نہ تھی۔ عورتیں کبھی کبھی رنگین کپڑوں کو ترجیح دیتی تھیں اور مرد بھی خاص موقعوں پر گہرا رنگ پسند کرتے تھے۔ سلائی کا عام طور سے کم رواج تھا۔ کیونکہ خیاط نہ تھے بلکہ گھر کے لونڈی غلام جسم کے ناپ کے مطابق کپڑے بن لیتے تھے۔

جوتے نہ تھے اور لوگ عموماً ننگے پیر رہتے تھے، یا اگر جوتے پہنتے بھی تو گھر میں آتے ہی اتار دیتے تھے۔ جوتا سادہ سا محض ایک تلہ کا ہوتا تھا جو پاؤں میں چمڑے کے تسمہ سے بندھا رہتا تھا گھٹنے تک (شوز) یا ٹخنوں تک اونچے بھی جوتے (سنڈل) جنہیں متعدد تسمے ہوتے لوگ پہنتے تھے۔

ٹوپی کا بھی رواج نہ تھا۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگ ننگے سر رہتے یا اپنے چغہ سے سر کو ڈھانپ لیتے تھے لیکن سفر و شکار وغیرہ کے موقعوں پر ٹوپیاں پہن لیتے جو چھجے دار بھی ہوتیں اور بلا چھجے کے بھی اور بمدے کی ہوتی تھیں۔ عورتیں نقاب ڈالکر باہر نکلتیں۔ چھتری اور پنکھے کا بھی استعمال تھا۔

زیورات کچھ تھے۔ عورتیں انگوٹھیاں۔ بروچ۔ بالیاں۔ ہار و چوڑیاں پہنتی تھیں۔ جو سونے کی مرصع کار ہوتی تھیں۔ (ٹلشپ کلاسکل ڈکشنری)

اور سطریں کندہ تھیں ۔ بہادر وجری اسپارٹی کے مضبوط ہاتھ اس ٹکڑے کو لیتے ہی تھر تھر کانپنے لگے ۔ اسنے جلدی سے اُسے کھول کر بے صبری کے ساتھ نوشتہ پر نظر ڈالی ۔ کچھ دیر تک ساکت کھڑا رہا ۔ پھر مایوسی کے ساتھ اپنا سر ہلا کر اسنے فرکس (Phryxus) کو واپس دیکر یہ کہا ۔

" ہم اسپارٹا والوں کو بھلا لکھنے پڑھنے سے کیا سروکار ۔ ہمیں دوسرے ہی قسم کے ہنر آتے ہیں ۔ تم خود اگر ہو سکے تو مہربانی کر کے اسے پڑھکر سناؤ ۔"

ڈلفی والے نے سطروں پر ایک نظر ڈالکر جواب دیا ۔

" خوش ہو کہ اپالو تمہارے بخوشی و بخیریت وطن پہونچنے کی پیشین گوئی کرتا ہے ۔ غور سے ندائے غیبی کے ان الفاظ کو سنو ۔

اترینگے برف پوش پہاڑوں سے درع پوش	اُس نہر تا بخم پہ جو وادی میں ہے رواں
دشمنوں کی حد پہ پھر تمہیں پہونچا کے آئیگا	آئیگا اک سفینہ جو کچھ دیر سے یہاں
رستے میں وہ دلکشا ہیں فضا جن کی دیکھکر	پائیں گے راحتوں کا غریب الوطن نشاں
وہ چیز پانچ بچ نہ جسے کر سکے عطا	آکر وہ درع پوش تمہیں دینگے بیگماں

اسپارٹی نے بڑی محویت و شوق کے ساتھ ان اشعار کو سنا اور فرکس (Phryxus) سے دوبارہ سہ بارہ سنکر ان کو زبانی یاد کر لیا ۔ پھر اُسنے شکریہ ادا کر کے نوشتہ کو احتیاط سے اپنے پاس رکھ لیا ۔ اتنے میں ڈلفی والا دوسرے مہمانوں سے جا کر بات چیت کرنے لگا اور اسپارٹی خاموش کھڑا ہوا آریکل (Oracle) کے الفاظ کو دل ہی دل میں دُہراتا رہا ۔ تاکہ بھول نہ جائے اور اسکے پُراسرار معنی کا مطلب حل کرنے کے لئے بڑی دیر تک غلطاں و پیچاں سوچتا رہا ۔

دوسرا باب

اولمپیا[1] کے کھیل اور بازیاں

دعوت کے کمرہ کے دروازے یکایک کھل جاتے ہیں اور سامنے دائیں بائیں

---

[1] یہ یونانیوں کا ایک قومی تہوار تھا جو زیئس دیوتا کے نام پر بمقام اولمپیا ہر چار سال بعد منعقد ہوا کرتا تھا۔ رومیوں کے عہد حکومت یعنی سنہ ۳۹۴ء تک جاری رہا۔ یہ پانچ دن تک رہتا تھا اور اس قدر متبرک سمجھا جاتا تھا کہ اگر دشمن بھی آتے تو انکے ساتھ بُرا برتاؤ کرنا منع تھا۔ یہاں دور دور سے تماشائی آتے مختلف ریاستیں اپنے اپنے نمایندے بھیجتیں۔ نامور لوگوں کا مجمع ہوتا۔ شعرا مصنفین۔ مقررین اور ماہرین فنون اپنے اپنے کمال دکھاتے۔ مگر سب سے زیادہ مشہور مختلف کھیلوں و دوڑوں کی بازیاں تھیں جن میں فتح پانا سب سے بڑی عزت و نام آوری سمجھا جاتا تھا۔ تہوار کا خاص مقام آلٹس (Altis) تھا جو دامن کوہ میں واقع تھا جسکے ایک طرف ندی دوسری طرف دریا بہتا تھا اور جس میں کیلے و زیتون کے شجر تھے۔ اور جو (۵۰۰) فٹ چوڑا (۷۰۰) فٹ لمبا ایک دیوار سے گھرا ہوا تھا۔ اس متبرک کنج و احاطہ کے اندر زیئس دیوتا کا وہ مشہور بت تھا جو ۴۲ فٹ اونچا۔ سونے و ہاتھی دانت کا بنا ہوا دنیا کے عجائبات سے سمجھا جاتا تھا۔ اسکے قریب ایک اگن ہوتر تھا جسکے گرد خاص دیوتاؤں کے بڑے بڑے مندر تھے

دو کم سن و خوش جمال غلام جن کے بال بھورے بھورے اور رنگ گورا ہے اپنے ہاتھوں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جن میں زیئس کا مندر سب سے زیادہ عالیشان تھا۔ علاوہ بریں دوسرے چھوٹے دیوتاوں کے بھی بکثرت بت و قربان گاہیں تھیں۔ ان مندروں پر لاجواب سنگ تراشی و نقاشی کا کام تھا اور مشہور مشہور واقعات کو کندہ کر کے دکھایا تھا۔

آلٹس کے احاطہ کے باہر مگر اس سے ملحق دو اور احاطے تھے۔ ایک کو ہپوڈرم اور دوسرے کو اسٹیڈیم کہتے تھے۔ اول الذکر ہلالی شکل کا (۱۲۰۰) فٹ لمبا اور (۱۵۰) فٹ چوڑا تھا اور رتھوں و گھوڑوں کے دوڑنے کے لئے مخصوص تھا۔ آخر الذکر جہاں کشتی وغیرہ کی بازیاں ہوتی تھیں اس سے عرض و طول میں قریبًا نصف تھا۔

ہپوڈرم میں حسب ذیل بازیاں ہوتی تھیں۔

(۱) رتھوں کی دوڑ۔ یہ دو پہیے والی گاڑیاں تھیں جن میں دو۔ تین یا چار گھوڑے جوتے جاتے تھے۔ یہ آٹھ یا دس مرتبہ پورے احاطہ کا چکر مار کر جیت کے نشان کے سامنے گذرتی تھیں ان میں دو آدمی بیٹھتے تھے جو بعض اوقات برہنہ یا اپنے تمام اسلحہ سے آراستہ ہوتے تھے اور کبھی ان میں سے ایک نیچے کود کر گاڑی کے ساتھ دوڑتا تھا۔

(۲) گھوڑ دوڑ۔ اس میں بھی سوار کبھی پشت اسپ پر کبھی نیچے لگام پکڑے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے اور پھر اُچک کر سوار ہو جاتے تھے۔

اسٹیڈیم میں اس سے زیادہ کھیل اور بازیاں تھیں۔ (۱) آدمیوں کی دوڑ کبھی کم کبھی زیادہ فاصلہ کی ہوتی۔ بارہ میل تک کی دوڑ تھی جس میں بہت سے غش کھا کر گر پڑتے تھے۔ دوڑنے والے عمومًا برہنہ ہوتے یا پورے زرہ بکتر خود و ڈھال پہن کر آتے یا رات کے وقت مشعلیں ہاتھ میں لیکر دوڑتے۔ (۲) کودنا جست مار کر خالی ہاتھ یا لوہے کے ڈمبل ہاتھ میں لیکر کودتے۔ ایک شخص کے متعلق مشہور ہے کہ (۵۵) فٹ کود گیا۔ موجودہ زمانے میں اسکا تہائی حصہ بھی بمشکل کوئی کود سکتا ہے (۳) لوہے کے رکابی نما بھاری ٹکڑے یا نیزے پھینکنا۔ (۴) مشت زنی (۵) کشتی۔ پہلوان تیل و مٹی

ہیں مہندی کے ہار لئے ہوئے نظر آتے ہیں بڑے کمر یکے وسط میں ایک لمبی سی نیچی اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ لنگا کر لڑتے تھے۔ بعدہ ایک چمچہ نما آلہ سے بدن پونچھ ڈالتے تھے۔ دھکا دینا۔ سر سے ٹکر مارنا۔ انگلیاں موڑنا۔ گلا دبا مارنا تھا جو شخص زمین پر تین مرتبہ گر پڑے یا دوسرا اپنے گھٹنوں سے دبا کر اُسے اٹھنے نہ دے تو ہار گیا سمجھا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا کھیلوں میں صرف وہی آزاد یونانی جنکا چال چلن بے لوث و بے عیب ہو حصہ لے سکتے تھے۔ غیر ملکی اور غلام صرف تماشائیوں کی حیثیت سے آسکتے تھے۔ عورتوں میں سوائے پروہتنوں یا اسپارٹا کی کنواری لڑکیوں کے اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی بازیاں شروع ہونے سے پہلے ججوں سرپنچوں و نقیبوں کا انتخاب ہوتا تھا۔ اول الذکر تعداد میں دس ہوتے اور ارغوانی چغے پہنے ہار گلے میں ڈالے بلند اعزازی مقام پر بیٹھکر انتظامات کرتے اور یہ دیکھتے کہ قوانین و قواعد کی پوری طور سے پابندی کیجاتی ہے یا نہیں۔ ان کے پیچھے بکثرت خدام عصا لئے ہوئے کھڑے رہتے اور کوئی خلاف ورزی کرتا تو اسکی خبر لیتے یا اسکا انعام ضبط ہو جاتا۔ یا اسپر سخت جرمانہ ہوتا تھا۔ اور اس رقم سے نئے نئے بت نصب کئے جاتے تھے۔

دنگل میں آنے سے پہلے تمام سورما پہلے زیئس کے اگن ہوتر پر جا کر قسم کھاتے کہ کم از کم دس ماہ تک انھوں نے پوری تیاری کی ہے اور کوئی دہوکہ و فریب نہ دینگے۔ پھر انکی ٹولیاں یا گروہ اندر داخل ہوتے۔ نقیب ان کے نام و وطن بآواز بلند پکار کر اعلان کرتا۔ نفیریں اور قرنائیں بجائی جاتی پھر کھیل شروع ہو جاتے۔ اولاً ایک گروہ کی بازی ہوتی۔ بعدہ انمیں جو سبقت لیجاتے انکا مقابلہ ہوتا پھر آخری جوڑ ہوتی اور جو اس میں جیت جاتا فاتح قرار دیا جاتا۔ اسکا نام و وطن نقیب بآواز بلند اعلان کرتے۔ اور جج تاڑ کے درخت کی ایک شاخ اُسے عطا کرتے۔ مگر اصلی انعام آخری دن بڑی عزت و شان کے ساتھ دیا جاتا۔ یہ پہلے کوئی قیمتی شے ہوا کرتی تھی مگر آرکل ڈلفی کے ارشاد کے بموجب رواج متروک ہو گیا۔ فاتح کو اس متبرک شجر زیتون کا تاج پہنا جاتا جسے دیوتا ہراکلیس نے خود اپنے ہاتھ سے لگایا تھا۔ یہ تاج بڑے اہتمام سے تیار کیا جاتا یعنے ایک شریف خاندان کا لڑکا جسکے ماں و باپ زندہ ہوں سونے کی

نہایت چکنی میز بچھی ہوئی ہے جس کے دونوں سروں پر ارغوانی رنگ کی کوچیں[51] مہمانوں کے آرام کے لئے بچھی ہیں۔ میز[52] کو رنگ برنگ کے پھولوں سے بڑی خوبی کے ساتھ سجایا ہے اور اسپر انواع واقسام کے کھانے[53] چنے ہوئے ہیں۔ کہیں قسم قسم کے گوشتوں کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ چھڑی سے متبرک درخت کے پتوں اور شاخوں کو کاٹ کر لاتا بعدہٗ تہوار کے خاتمہ پر فاتح اپنا تاج سر پر رکھے جب قربانگاہ پر نذر چڑھانے آتا تو ایک بہت بڑی دعوت ہوتی اور اگر اسکی خواہش ہوتی تو اسکا ایک بت بنا کر آلٹس میں نصب کر دیا جاتا اسی طرح جب وہ اپنے وطن واپس جاتا تو اسکی بڑی آو بھگت ہوتی۔ ہزاروں لوگ اسکی پیشوائی کو آتے اور وہ لباس فاخرہ پہنے ایک خوشنما گاڑی میں بیٹھا ہوا جسے چار سفید گھوڑے کھینچتے تھے شہر میں داخل ہوتا۔ چاروں طرف سے نعرہائے خوشی بلند ہوتے اور سب سے پہلے اُسے بڑی دیوتا کے مندر پر لیجاتے جہاں وہ اپنا تاج بطور نذر چڑھاتا پھر اسکی دعوتیں ہوتیں بڑے بڑے شاعر اسکی تعریف میں نظمیں لکھتے اور شہر کے معزز لڑکیاں باہم ملکر اسکے سامنے فتح وخوشی کے گیت گاتیں (ماخوذ از ٹلشپ کلاسکل ڈکشنری)

[51] شروع زمانہ میں یونانی کرسیوں پر سیدھے بیٹھکر کھانا کھاتے تھے۔ بعدہٗ کوچ یا سوفا پر ٹیک لگانے کا رواج ہوا البعض وقت میاں بیوی دونوں ایک ہی کوچ پر اسی طرح لیٹ کر کھاتے تھے مگر عموماً عورتیں اور لڑکے علٰحدہ کرسیوں یا تپائیوں پر بیٹھتے تھے یہ کوچیں لکڑی کی ہوتی تھیں جنپر نہایت خوبصورت کام بنا ہوتا تھا اور ان پر ملائم گدے اور تکئے بچھے ہوتے تھے۔ (گول وکونر)

[52] میزیں صرف کھانے کے لئے مستعمل ہوتی تھیں اور کوچ سے زیادہ اونچی نہ تھیں۔ انکی شکل چوکور۔ گول یا بیضاوی ہوتی تھی اور انکے پائے نہایت خوبصورت نقش ونگار کے ساتھ مختلف جانوروں کے پیروں کے مشابہ بنائے جاتے تھے میزوں پر دسترخوان بچھاتے یا رومال رکھنے کا رواج نہ تھا۔ (گول وکونر)

[53] غریبوں کی غذا جو کی روٹی اور پنیر تھی۔ امیروں کے کھانے مختلف ولذیذ ہوتے تھے۔ بکری۔ بھیڑ اور گائے کا گوشت۔ مچھلیاں۔ ترکاریاں۔ پیاز لہسن۔ مٹر کی پھلیاں وغیرہ۔ گوشت وغیرہ کاٹ کر میزوں پر رکھدیا جاتا پھر گیہوں کی روٹیاں ٹوکریوں میں رکھی ہوئی تقسیم ہوتیں۔ (گول وکونر)

مسلم رانیں برتنوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ شیشے کی رکابیوں اور قابوں میں طرح طرح کی فواکہات مثلاً کھجور۔ انجیر۔ انار۔ خربزے وغیرہ بھرے ہوئے ہیں اور قریب ہی مکھی کے چھوٹے چھوٹے چھتوں میں شہد خالص جھلک رہا ہے۔ خربزہ اور مزیدار پنیر کے ٹکڑے بھی تانبے کی چھوٹی رکابیوں میں جنپر ابھرا ہوا کام کیا ہوا ہے رکھی ہیں اور وسط میز پر ایک خوبصورت اگن ہوتر کی شکل کی نقرئی زیبائشی چیز رکھی ہے جسکے چاروں طرف گلاب و حنا کے پھول لپٹے ہوئے ہیں۔ اور اسکے منہ سے عود و عنبر کا خوشبودار دھواں نکل رہا ہے اس میز کے پرلے سرے پر چاندی کا ایک بڑا سا پیالہ رکھا ہوا ہے جس میں شراب ڈالکر ملائی جاتی ہے۔ یہ جام یونان کی اعلیٰ درجے کی صناعی کا نمونہ ہے اسکے خمیدہ دستے ڈبوؤں کی شکل کے ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ گویا برتن کے بوجھ سے جھکے ہوئے ہیں۔ اسکے بھی گرد پھولوں کے ہار لگے ہوئے ہیں اور نیز ہر ایک کاسہ کے منہ پر گل سرخ یا مہندی کا ایک ہار بندھا ہوا ہے۔ کمرے کے تمام فرش پر گلاب کی پتیاں بکھری ہوئی ہیں۔ اور سفید چکنی دیواروں کے قریب بکثرت لیمپ اور فانوس آویزاں ہیں۔

مہمانوں کے بیٹھتے ہی غلام ان کی طرف بڑھتے ہیں اور بڑے انداز و سلیقہ کے ساتھ حنا اور عشق پیچاں کے گجروں اور ہاروں کو انکے شانوں اور پیشانیوں پر باندھ دیتے ہیں اور پھر انکے پیروں کو چاندی کی سلفچیوں میں دھونے لگتے ہیں۔

ایک خادم اب آکر گوشت کی رانوں کو کاٹنا شروع کرتا ہے۔ مگر سی باریق [illegible] کو ابھی تک غلاموں ہی سے فرصت نہیں ملی تھی۔ وہ اس قدر پھولوں و ہاروں سے لدگیا ہے کہ تمام کمرہ مہک اٹھا۔ پھر بھی اسکی سیری نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں کھانے کی پہلی قاب جو ایک قسم کی مچھلی ہے جو ارک کے مصالحہ میں تلی ہوئی ہے سامنے حاضر کیجاتی ہے اور وہ سب چھوڑ چھاڑ کر اس کو کھانے میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا ہے۔

روڈ وفن ایک آرام کرسی پر ٹیک لگائے میز کے سرے پر جہاں شراب کا بڑا جام رکھا ہوا ہے بیٹھی ہوئی مشغول گفتگو ہے اور غلاموں اور خادموں کی بھی نگرانی کرتی جاتی ہے وہ اپنے مہمانوں کو خوش و خرم دیکھ کر دل ہی دل میں پھولی نہیں سماتی ہو اور ہر ایک سے اسکے مذاق کے مطابق کچھ نہ کچھ کہتی جاتی ہے کبھی ڈلفی سے اسکے تحصیل چندہ کا حال دریافت کرتی ہے۔ کبھی ٹسی باریسی سے (Tissaphernes) پوچھتی ہے کہ کھانا پسند آیا یا نہیں۔ کبھی ابی کوس ([illegible]) کی باتوں کو کان لگا کر سن رہی ہے۔ یہ شخص اُس سے کہہ رہا ہے کہ کس طرح فری نی کوس (Phrynichus) نے اتھنز کے ڈراما میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اور بجائے پرانے مذہبی کھیلوں کے اب تاریخی واقعات یا روزمرہ کی معاشرت کو اسٹیج پر دکھانا شروع کر دیا ہے۔ بعد ازاں اسپارٹی کی طرف متوجہ ہو کر ہنسی سے کہتی ہے

"ان حاضرین کے مقابلہ میں مجھے آپ ہی سے زیادہ ڈر ہے کہ شاید اپنے وطن کے سادہ کھانے کے مقابلہ میں یہ پُرتکلف طعام پسند خاطر نہ ہو۔ لیکن یقین دلاتی ہوں کہ اب کی مرتبہ تشریف لائیگا تو خاص آپ کے ملک کا کھانا کھلاؤں گی کیونکہ میرے غلام ناسیس ([illegible]) کو دعوے ہے کہ خون کا شوربہ اُس سے بڑھ کر کوئی نہیں پکا سکتا۔"

اس جملہ کو سن کر ٹسی باریسی (Tissaphernes) کا جسم کانپ اٹھا۔

جب مہمان انواع و اقسام کے لذیذ کھانوں سے سیر ہو چکے تو ان کے سامنے ہاتھ دھونے[1] کے برتن دوبارہ لائے گئے۔ بعد ازاں میز[2] صاف کی گئی۔ فرش جھاڑا گیا۔

---

[1] کانٹے چھری کا استعمال نہ تھا۔ کھانے سے پہلے غلام جوتے اتار کر بیٹھ جاتے ہوتے پھر خوشبودار صابن سے ہاتھ دھلا کر تولیہ سے پونچھتے۔ طعام کے بعد بھی اسی طرح ہاتھ دھوئے جاتے۔ (ڈگول وکوبنہ)

[2] میزیں صاف کر کے علیحدہ رکھدی جاتیں۔ فرش سے ہڈیاں اور کھانے کے ٹکڑے جھاڑ دیے جاتے۔

اور مئے ارغوانی کو پانی میں ملا کر جام کے اندر ڈالا گیا۔ اور دَور چلنے لگے جب روڈوفس کو ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو وہ فینیس سے جو ملیسیا قوم سے تھے (melesian) سے باتیں کر رہا تھا مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

"شریف دوست! ہم لوگوں نے اپنی بیقراری کو اتنی دیر تک ضبط کیا ہے کہ میں سمجھتی ہوں اب آپ کا فرض ہے کہ اپنے حالات سے آگاہی بخشئے۔ اور یہ فرمائیے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور خالص شراب کے چند گھونٹ پیکر سب لوگ دیوتا کی تعریف میں بھجن گاتے۔ بعدہٗ بانسری و دیگر خوش آہنگ باجوں کی آواز کے ساتھ بزم نشاط شروع ہوتی۔ سب سے پہلے فواکہات مثل انجیر۔ کھجور۔ بادام۔ خربزے۔ پنیر و نمکیں کیک وغیرہ سامنے لائے جاتے۔ پھر شراب کا دور چلتا۔ غلام موسم کے لحاظ سے گرم یا کوہستانی برف کا ٹھنڈا پانی ایک بڑے سے قدح میں شراب کے ساتھ ملاتے پھر ایک قسم کی ڈونگی سے چھوٹے چھوٹے ساغروں میں بھر کے سب کے سامنے لاتے اب مہمانوں سے ایک شخص ممبر مجلس مقرر کیا جاتا۔ یہ ہر ایک کے لئے جاموں کی تعداد مقرر کرتا اور قواعد مجلس کی پابندی کراتا جس میں ایک یہ بھی شرط تھی کہ ایک ہی گھونٹ میں پورا جام پی لیا جائے۔ غرضکہ اب پورے طور سے لطف و نداق شروع ہوتا۔ ایکد وسرے پر جملے کستے۔ شعر خوانی کرتے یا پانسہ۔ جوا۔ اور ایک قسم کا کھیل جو شطرنج سے مشابہ تھا کھیلتے۔ نٹنیوں یا بازیگرنیوں کے کرتب دیکھتے یا حسین رقاصہ لڑکیوں سے ہنسی دل لگی میں مشغول ہوتے جو بسا اوقات اخلاقی حد سے گذر جاتی تھی۔ موسیقی اور رقص سے یونانیوں کو بہت شوق تھا متعدد اقسام کے ناچ رائج تھے اور عموماً مذہبی پرستش کا لازمہ سمجھے جاتے تھے۔ ایک میں لڑکے اور لڑکیاں ہاتھ پکڑے ہوئے دائرہ بنا کر چلتے تھے۔ دوسرے میں تلوار پر ناچ تھا۔ مگر عموماً بزم نشاط میں سب سے زیادہ مرغوب وہ ناچ تھے جن میں جذبات و خیالات انسانی بذریعہ حرکات و سکنات ادا کئے جاتے تھے یا دیولا کی دلچسپ روایات کے سین دکھائے جاتے تھے۔ اس سے آیندہ چلکر ڈراما کے کامڈی اور ٹریجیڈی کا آغاز ہوا اور تھیئیٹر کی باقاعدہ عمارتیں بنیں جن میں خوشنما سینری (مناظر قدرت) اور اسٹیج ہوتا تھا اور ایکٹر مصنوعی چہرے لگا کر اپنا پارٹ کرتے تھے۔

وہ کونسے بدنصیب واقعات تھے جنہوں نے مصر چھوڑ کر ہم سے جدا ہونے کے لئے آپکو مجبور کیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس جدائی کا آپ پر زیادہ اثر نہ ہو کیونکہ قدرت نے اتھنز والوں کو عجب زندہ دل بنایا ہے لیکن ہمارے دلوں کا رنج و غم ایک عرصہ تک باقی رہیگا میرے خیال میں اس سے بڑھکر کوئی بدقسمتی نہیں ہوسکتی کہ ایک ایسا رفیق و شفیق دوست جس نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا ہو یکایک چھوٹ جائے۔ ہم میں سے چند اس مدام یکساں رہنے والے ملک میں اتنے عرصہ سے رہتے سہتے ہیں کہ شاید ہمارے مزاجوں میں بھی مصریوں کا سا استقلال۔ ثابت قدمی۔ جفاکشی و وفا شعاری سرایت کرگئی ہو آپ یہ سنکر مسکراتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو متلون مزاجی کا الزام دیتی ہوں۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ گو آپ ایک عرصہ سے اپنے وطن جانیکے لئے بڑے خواہشمند تھے مگر ہماری جدائی کا آپ کو بھی سخت قلق ہے۔ کیا میں غلط کہتی ہوں؟ اچھا تو یہ فرمائیے کہ کیا حقیقت میں یہ آپ کی خواہش تھی یا مجبوراً آپ کو ملک چھوڑنا پڑا ہے۔ ابھی موقع ہے کہ ہم غور و فکر کرکے کوئی تدبیر اسکے روکنے کی نکالیں۔

فینلس نے ایک تلخ آمیز مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"روڈوفس میں تمھارے ان دلسوزی و ہمدردی سے بھرے ہوئے الفاظ تمہارا اظہار تاسف اور تمہاری اس سعی کا جو مجھے روکنے کے لئے کرنا چاہتی ہو ممنون و شکر گذار ہوں۔ تاہم زمانہ ایک سا نہیں رہتا نئی صورتوں کو دیکھ کر لوگ اپنے پرانے رفیقوں کو بھول جایا کرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ شاید تم بھی اس سے مستثنےٰ نہ ہو کیونکہ گو اس دیار نیل میں ایک عرصہ دراز سے رہتی سہتی ہو پھر بھی یونانی ہی ہو اور تمہیں دیوتاؤں کا شکر کرنا چاہیئے کہ ایسا ہے اور مصر میں رہکر اپنی یونانی فطرت و طبیعت کو نہیں کھو بیٹھیں۔ اور اس سے میرا یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ مجلس طرب میں بعض اوقات مرغوں کی لڑائی بھی ہوتی تھی۔ انہیں لہسن کھلا کر پہلے خوب تیز کیا جاتا تھا اور شرط بد بد کر لڑایا جاتا تھا (گول و کونر)

مطلب نہیں کہ استقلال و استحکام کو بُرا سمجھتا ہوں لیکن مصریوں کی حماقت سے سخت جلتا ہوں۔ میرے خیال میں ایک امر ناشدنی سے اپنے آپکو مغموم و رنجیدہ کرنا عقلمندی سے دور ہے۔ مصریوں کی پائیداری و ثابت قدمی دیوانگی کی حد تک پہونچکر بدنما و قابل اعتراض ہوگئی ہے۔ اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ اپنے مُردوں کو برسہا برس محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور خواہ خود بھوکوں مرجائیں مگر آبا و اجداد کی ایک ہڈی[1] بھی ضائع نہ ہونے پائے یہ وفا کیشی۔ ثبات نفسی اور مدام رہنے کی آرزو ہے یا حماقت کی نشانی ہے؟ کیا اپنے پیارے دوستوں کو رنجیدہ دیکھنے سے مجھے خوشی حاصل ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان مصریوں کی طرح جن کا کوئی عزیز گم ہوجاتا ہے تو رات و دن اسکے لئے آہ و بکا کرتے رہتے ہیں۔ تم لوگ بھی میرا غم کرو۔ بلکہ اپنے دوست کی یاد کو خواہ وہ راہی عدم ہوگیا ہو یا زندہ و دور افتادہ ہو ہمیشہ اپنے دلوں میں خوشی و خرمی کے ساتھ تازہ رکھو اور جب میں اس ملک کو خیرباد کہہ کے چلا جاؤں تو میرے پیچھے بجائے یہ کہنے کے کہ ہائے افسوس فینس ہم کو چھوڑکر کیوں چلا گیا۔ اپنے دلوں کو تسکین دو۔ اور جس طرح وہ تمہارے سامنے شاد و خرم رہا کرتا تھا اُسی طرح تم بھی اوسکی غیبت میں اپنے دلوں پر کسی قسم کا غم نہ آنے دو۔ ہمارے شاعر سی مونی ڈیس ([illegible]) نے کیا خوب اسی مضمون پر کہا ہے:

دل میں گر ہوتی ہمارے عقل و دانش جلوہ گر
اسقدر ماتم نہ کرتے دوستوں کا صبح و شام

ایک دن غم کرکے اُن کی قبر پر ہوتی خموش
کیونکہ ہے بس چند دن میں زندگی کا اختتام

---

[1] مصری اپنے آبا و اجداد کے ممی (حنوط شدہ نفس) کی بہت حفاظت کرتے تھے۔ اگر وہ خراب ہوکر ضائع ہوجاتی تو سخت معیوب سمجھا جاتا اور ورثا اپنے مذہبی تجہیز و تکفین سے محروم کردیئے جاتے۔ البتہ بوقت ضرورت ممی کو رہن رکھکر قرض دلسکتے تھے مصریوں کا اعتقاد تھا کہ لاش اگر خراب ہوگئی تو مردہ کو دوسری موت کے تکلیف بھگتنا پڑیگی اور وہ جنت میں داخل نہ ہوسکے گا۔ بعض کا یہ بھی خیال تھا کہ تین ہزار سال کے بعد روح پھر مردہ جسم میں واپس آتی ہے۔ (دلکنس وایبر)

بعد مرنے کے زمانہ آئیگا بیشک طویل　　ہے غضب ان چند دن میں بھی ہو گر راحت حرام

جب مردوں کے لئے غم کھانا منع کیا گیا ہے تو بھلا زندوں کی جدائی پر رنج کرنا کونسی عقلمندی ہے۔ یہ کچھ ہمیشہ کے لئے جاتے تو نہیں اسلئے "یار زندہ صحبت باقی" کہہ کر انہیں الوداع کرنا چاہئے۔ بسی بارلیسی ([illegible]) جو اس تقریر کو سنتے سنتے اکتا گیا تھا اب اُس سے نہ رہا گیا اور متوحشانہ لہجہ سے بولا۔

"تم بھی عجیب آدمی ہو کہ اپنا حال بیان کرتے کرتے موت کا ذکر کرنے لگے۔ آخر اسکے یاد دلانے سے کیا فائدہ کہ ایک دن ہم سب کو مرنا ہے؟

سچ کہتا ہوں میری طبیعت موت کا نام سنتے ہی بگڑنے لگتی ہے۔ ہاتھ پیر سرد ہو جاتے ہیں اور شراب حلق کے نیچے نہیں اترتی"!

اسپر تمام حاضرین نے زور سے قہقہہ مارا اور فینیس نے اپنے واقعہ کو پھر اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔

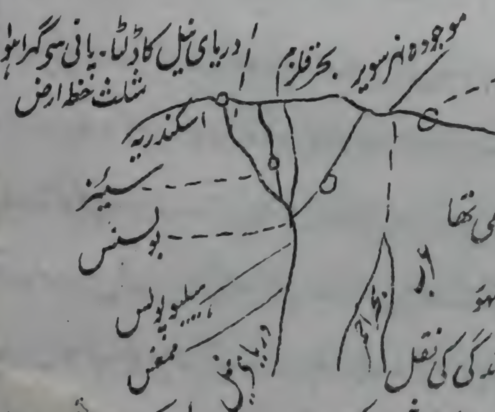
"تم سب کو معلوم ہے کہ سینز (Sais) میں میں بادشاہ کے نئے محل میں رہتا ہوں۔ اور ممفس[1] (Memphis) میں بھی بحیثیت سپہ سالار یونانی باڈی گارڈ

---

[1] اس شہر کے بانی کا نام صحیح طور سے نہیں معلوم لیکن غالباً فراعنہ مصر کے اول خاندان سے بھی پہلے یعنے ساڑھے تین ہزار برس قبل مسیح سے بھی زیادہ زمانہ گذرا کہ آباد تھا۔ ممفس کے معنی ہیں "اچھا مکان"۔ مصر کی کتابوں میں اسے "ممف" لکھا ہے۔ خاندان اول نے اسے اپنا پایہ تخت بنایا اور ایک ہزار برس تک وہ مختلف خاندانوں کا دار السلطنت رہا۔ کمبسوس کا بھی دار الخلافہ تھا توریت میں نوف کے نام سے اسکا ذکر آیا ہے۔ یہ شہر مصری صنعت و حرفت۔ تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ یہاں بہت بڑی تجارتی منڈی تھی اور بڑے بڑے انجنیر و معمار تھے جنہوں نے اہرام مصری بنائے جو ابھی تک عجائبات عالم میں شمار کئے جاتے ہیں یہاں بڑے بڑے اسکول و کالج تھے اور تمام دنیا سے علوم و فنون حاصل کرنے کے لئے لوگ آتے تھے۔ شاہان اشور و ایران نے اسے تباہ کیا اور خوب لوٹا۔ تاہم یہ آخری زمانہ تک مصری تہذیب کا مرکز رہا یعنی حضرت مسیح سے ایک ہزار سال بعد (ہجرت نبوی صلعم سے چار سو برس

ہونے کے جیسے بادشاہ کے ہمراہ ہمیشہ سفر وغیرہ میں ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ میرے لئے پرانے محل کے بائیں بازو میں چند کمرے مخصوص کردیئے گئے تھے اب سامیطیق Psammtik اول کے زمانہ سے بادشاہوں نے سیئز[۵] (Sais) میں بود و باش اختیار کرنا شروع کردی تو باقی محل کسقدر ویران ہوگئے۔ بہرحال میرے رہنے کی جگہ اچھی طرح آراستہ اور نہایت عمدہ موقع پر واقع تھی اور سوائے ایک تکلیف دہ بات کے جسکا ظہور میرے آتے ہی ہوا کوئی شکایت کا موقعہ نہ تھا وہ یہ کہ دن کے وقت تو خیریت رہتی تھی اور میں زیادہ تر باہر رہا کرتا تھا مگر رات کو آرام و چین و نیند بالکل حرام ہوجاتی تھی ہزاروں چوہے وچوہیاں بوسیدہ فرش و پلنگوں کے نیچے یا پرانے پردوں کے پیچھے چھپے ہوئے اس غضب کا شور وغل مچاتے تھے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ آخرکار ایک مصری سپاہی کی صلاح سے میں نے بلیوں کا ایک بڑا اور خوبصورت جوڑا پالا جس سے چند ہفتوں کے بعد اس مصیبت سے کسی قدر نجات مل گئی۔ تم سب کو معلوم ہے کہ اس ملک کا جسکی عقل و تہذیب کی تعریف میں ہمارے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ بعد ہ تک آباد تھا اسکے بعد تباہ ہوگیا۔ اسکے کچھ پتھر شہر قاہرہ کی تعمیر میں صرف کئے گئے یہاں کا خاص دیوتا تاہ (Ptah) تھا جس کا مشہور مندر اس شہر کی عالیشان عمارت کا ایک قابل دید نمونہ تھا۔ ممفس کے کھنڈرات اہراموں کے گرد و نواح میں جو قاہرہ کے قریب واقع ہیں اور زمین میں مدفون و پوشیدہ ہیں (ڈونلڈ مکنزی وونڈرس آف پاسٹ)



[۵] دریائے نیل کا ڈلٹا سو میل سے زیادہ لمبا ہے اسپر زمانہ قدیم میں بڑے بڑے مشہور شہر آباد تھے۔ منجملہ انکے سیئز (Sais) بھی تھا جو چھبیسویں خاندان کا دارالخلافہ تھا۔ یہاں ایک مشہور جھیل تھی جسپر آسرس دیوتا کے بعض واقعات زندگی کی نقل دکھائی جاتی تھی جو ایک بہت بڑی مذہبی رسم تھی۔ اصل جھیل کے آثار ابھی تک موجود ہیں اور سبع الحجر کے نام سے مشہور ہیں۔ (پروفیسر ولکنس)

ملیسی ([illegible]) دوست اسقدر رطب اللسان ہیں۔ ایک یہ عجیب قانون ہے کہ بلیوں کو نہایت درجہ واجب التعظیم و متبرک سمجھتے ہیں۔ نیز علاوہ ان کے بعض اور خوش نصیب جانوروں[۵] کی بھی دیوتاؤں کی طرح سے آؤ بھگت کی جاتی ہے چنانچہ اگر اتفاق

---

[۵] خیال کیا جاتا ہے کہ افریقہ والے سب سے پہلے یعنی انسانی دیوتاؤں کی پرستش سے قبل جانوروں کو پوجتے تھے (دس ہزار برس قبل مسیح) اور ابھی تک افریقہ کے بعض مقامات اور نیز ہندوستان میں بعض جانور پوجے جاتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں مصر میں یہ بات اسقدر عام تھی کہ باوجود حضرت موسیٰ کی سخت فہمائش و تنبیہہ کے بنی اسرائیل نے بھی جنپر مصریوں کی صحبت کا اثر تھا بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ پرستش حیوانات کے مختلف وجوہات بتائے جاتے ہیں۔

(۱) جانور و انسان میں تعلق حیوانی۔

(۲) انسان کا جانوروں سے فائدہ حاصل کرنا۔ مثلاً گائے۔ بھیڑ۔ کتا جو گلے کی رکھوالی کرتا ہے نیولا جو مگر مچھ کے انڈے کھا جاتا ہے۔ باز۔ آئبس جو بچھو سانپ و دیگر موذی کیڑوں کو کھا جاتے ہیں اور سانپ بھی جو طاعون پیدا کرنے والے چوہوں کو مار ڈالتا ہے۔

(۳) اکثر اس لئے متبرک تھے کہ وہ بعض دیوتاؤں کا نشان سمجھے جاتے تھے۔

(۴) مسئلہ آواگون پر اعتقاد جسکی رو سے انسان دیوتا جانوروں کے قالب میں آسکتے تھے بعض کا یہ بھی خیال تھا کہ اولاً دیوتا دنیا میں مختلف جانوروں کی شکل میں آئے تھے۔ بعدہٗ جب ان کا تسلط ہو گیا اور دنیا سے جانے لگے تو انسان کو ان جانوروں کی پرستش کا حکم دیتے گئے۔

(۵) بعض وجوہات مذکورہ بالا کے علاوہ جن کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں بعض جانوران مثلاً آئبس (ایک قسم کا پرند) باز۔ و آپیس (بیل) کی پرستش تمام ملک میں عام تھی۔ بعض مقامی تھے۔ مثلاً۔ لنگور ہرموپولس میں شیرنی ڈلٹا میں بلی۔ بوبسٹس میں گائے تزدنیوم۔ بینڈ ہاو بیل اکثر شہروں میں متوسط حصہ ڈلٹا میں سانپ بھی پوجا جاتا تھا اور عام طور پر علامت شاہی سمجھا جاتا تھا۔ علیٰ ہذا۔ گدھ۔ گینڈا۔ گیدڑ۔ اور نیولا بھی بعض مقامات میں متبرک تھے۔ متبرک جانوروں کے لئے خاص لوگ مقرر تھے۔ وہ ایسے نشان لے کر

سے کسی نے ان کو مار ڈالا تو اسکو انسانی قاتل کی طرح بڑی سختی کیساتھ سزا دیجاتی ہے"۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نکلتے تھے جن سے ان کا تعلق اس خاص جانور سے فوراً پہچان لیا جاتا تھا۔ انکے اخراجات کے لئے بہت سی جائدادیں وقف تھیں جن سے محافظین کی بھی روزی چلتی تھی۔ نیاز و نذر کے ذریعے بھی بکثرت روپیہ وصول ہوتا تھا مثلاً جب کوئی بچہ بیمار پڑتا تو والدین اسکی صحت کی منت مانگنے دیوتا کے مندر یا اسکے متبرک جانور کے پاس جاتے اور بچے کا آدھا یا پورا سر مونڈھ کر بالوں کو ایک ترازو میں سونے سے تولتے اور پروہت کو دیدیتے۔

مقدس جانوروں کی نگہداشت و پرورش کے لئے حد درجہ کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ انہیں نہایت آراستہ و آرام دہ مکان میں رکھا جاتا۔ روزانہ گرم پانی سے نہلا کر انکے بدن پر خوشبوئیں لگائی جاتیں۔ ہر ایک کے لئے اسکے مطابق نہایت عمدہ غذا دی جاتی۔ باز کو مرغابی کا گوشت۔ بلی کو دودھ میں بھگوئی ہوئی روٹی یا ایک خاص قسم کی مچھلی دیجاتی۔ نیز ان کے نر کے لئے نہایت خوبصورت مادہ مہیا کی جاتی اور مرنیکے بعد انکی ممی (حنوط کردہ مردہ جسم) بنا کر بڑی دھوم دھام سے تجہیز و تکفین کی جاتی۔ لوگ اس غم میں اپنی بھویں مونڈ ڈالتے اور بڑی آہ و بکا کے ساتھ انکا ماتم کرتے۔ اگر اتفاقیہ یا سہواً کسی نے بلی یا باز کو مار ڈالا تو اسکی سزا موت تھی بلکہ اکثر تو اسکی سماعت عذر وغیرہ کی نوبت نہ آتی اور عوام الناس جمع ہو کر فوراً اسکے ٹکڑے اڑا دیتے تھے۔ اب بعض متبرک جانوروں کا فرداً فرداً ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) لنگور۔ یہ تھوتھ کی وجہ سے متبرک تھا۔

(۲) کتا۔ شاید اس وجہ سے کہ جب آئسس اپنے شوہر آسرس کی لاش کو تلاش کرنے نکلی تھی تو اسنے رہنمائی کی تھی۔ تاہم یہ بلی کے برابر متبرک نہ تھا اور نہ ہر جگہ اسکی پرستش تھی۔

(۳) بھیڑیا۔ کیونکہ آسرس نے اسی کے بھیس میں اپنی بیوی اور لڑکے کی مدد اپنے دشمن کے مقابلہ میں کی تھی۔

(۴) گیدڑ۔ یہ انوبس دیوتا کا نشان تھا۔

(۵) نیولا۔ (ہر خاص قسم کا) یہ مگرمچھ کا دشمن ہے اسکے انڈے توڑ دیتا ہے۔ سانپ وچوہے کو

یہ سنتے ہی روڈوفس جو ابھی تک ہنس رہی تھی یکایک کچھ چپ سی ہوگئی۔ اور اسکا
چہرہ زرد پڑگیا اور دل میں کہنے لگی کہ کہیں ان متبرک جانوروں کی تحقیر فینس کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ مارتا ہے لیکن مرغی کے انڈے بھی کھا جاتا ہے۔ (۶) بلی۔ یہ مضر کیڑوں کو مارتی ہے
اور کثیر الاولاد یا بارآوری کی خاصیت رکھتی ہے۔ غرضکہ جیسا ہم اوپر لکھ چکے یہ نہایت متبرک ہے اور جب کسی مکان
میں آگ لگتی تو سب سے پہلے آدمیوں کو چھوڑ کر بلیوں کو بچانے کی کوشش کیجاتی ہے۔
(۷) شیر۔ صرف ایک شہر میں اسکی پرستش تھی اور وہ قوت و طاقت کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ (۸) بیل جبپر خاص
نشان نہ ہوں مار کر کھا سکتے تھے مگر گائے بہت متبرک تھی۔ (۹) گدھ۔ نیتھ دیوی کا نشان تھا۔ (۱۰) باز۔ شمسی
دیوتا یعنی را کا نشان تھا اور تمام ملک میں اسکی پرستش تھی۔ (۱۱) آبس۔ یہ موذی حشرات کو کھا جاتا ہے اور مشہور
تھا کہ پردار سانپوں کو بھی مار کر بھگا دیتا ہے۔ شاید اس سے مراد ٹڈیاں ہونگی۔ یہ تھوتھ کا نشان تھا اور تمام ملک میں
عزت سے دیکھا جاتا تھا۔ (۱۲) افعی (ایک قسم کا کوبرا یا ناگ)۔ یہ نیتھ کی شبیہ تھا اور بادشاہی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔
اسکی بعض باتیں دیوتاؤں کے مانند تھیں۔ یہ کبھی بوڑھا نہیں ہوتا اور اجرام فلکی کی طرح بڑی خاموشی و آسانی سے
حرکت کرتا ہے اسے لوگ گھر میں پالتے۔ کھانیکے بعد شراب و شہد اسکے لئے رکھدیتے اور چٹکی بجا کر اُسے بلاتے تھے
دیوتا اور بادشاہ کے تاج پر ہمیشہ اسکی شکل نظر آتی تھی۔ (۱۳) بعض مچھلیاں بھی متبرک تھیں۔ (۱۴) گبریلا۔ اسکی
مادہ کا خاصہ ہے کہ گوبر میں اپنے انڈے رکھ کر اسکا ایک چکنا گولا بناتی ہے تاکہ بچوں کی غذا کے کام آئے۔ پھر اُسے
زمین میں دفن کردیتی ہے مصری اُسے نر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسکی مادہ نہیں ہوتی بلکہ وہ خود ایک انڈا بنا کر از سر نو اس سے
پیدا ہوتا ہے اور حیات جاودانی رکھتا ہے۔ انکے خپرہ (سورج) دیوتا کی شکل گبریلے کی تھی۔ اور ٹماہ (خالق) دیوتا کا بھی
یہی نشان تھا۔ مختلف قد و قامت کے گبریلے بنا کر تبرکاً انگوٹھی۔ ہار و دیگر زیورات میں لگائے جاتے تھے۔ بعض پر دعائیں
کندہ کر کے ممی کے تابوت میں بھی رکھتے تھے۔ (۱۵) نباتات بعض درخت مثل تمرسک (جھاؤ) وغیرہ کے متبرک
تھے کیونکہ اسرس کی لاش کا صندوق اسی لکڑی کا بنا تھا۔ علیٰ ہذا کنول بھی سورج کا نشان ہونے کیوجہ سے متبرک
سمجھا جاتا تھا۔

(۱۶) علاوہ ان کے نیکی زندگی پاکی۔ قوت وغیرہ کے سینکڑوں چیزیں نشان یا علامت سمجھی جاتی تھیں۔

جلاوطنی کا باعث تو نہیں ہوئی ہے۔ وہ بخوبی جانتی تھی کہ مصریوں کے اس وہم
پرستی کی بدولت کتنے لوگوں کی جانیں قربان ہو چکی ہیں۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا
تھا کہ بادشاہ ایک یونانی کو جسنے بلّی کو مار ڈالا تھا اپنی برہم رعایا کے انتقام سے نہ بچا
سکا تھا۔

غرضکہ فینیس نے اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا
"دو برس ہوئے جب ہم ممفس (Memphis) چھوڑ کر آئے تھے
تو وہاں سب طرح خیریت تھی۔ میں نے اپنی دونوں بلیوں کو محل میں ایک مصری کی
نگرانی میں چھوڑ دیا تھا۔ اور مطمئن تھا کہ وہ اپنے دشمن چوہوں سے مکان کو پاک وصاف کر رکھیں
گی۔ بلکہ اس لحاظ سے میرے دل میں بھی ان کی طرف سے ایک قسم کی عقیدت
والفت پیدا ہونے لگی تھی۔

پارسال بھی ہم لوگ سینر (Syene) ہی میں رہے اور ممفس
(Memphis) نہ جا سکے کیونکہ بادشاہ عین وقت پر بیمار پڑ گیا تھا اور اب صرف
چھ ہفتے ہوئے کہ اُدھر جانے کا پھر قصد ہوا اور وہاں پہنچتے ہی میں نے اپنے پرانے
مکان میں پھر بود و باش اختیار کرنا چاہی اور بڑی حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔ کسی
چوہیا کی دم تک نظر نہ آئی۔ مگر کیا دیکھتا ہوں کہ اب ایک اور مصیبت کا سامنا ہے جو
پہلے سے بھی کہیں زیادہ اذیت رساں ہے یعنی بلیوں کی نسل میرے دو سال کی
عدم موجودگی میں پندرہ بیس گنا زیادہ ہو گئی۔ ہر طرف رنگ برنگی طرح طرح کی چھوٹی
بڑی بلیاں کودتی پھاندتی نظر آتی تھیں اور رات کے وقت انکی میاؤں میاؤں۔
رونے اور لڑنے کے شور و شغب سے میری جان غضب میں آ گئی۔ سونا محال ہو گیا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نرسل یا سرکنڈا حکومت کی علامت تھی اور تابوت اور کشتیوں پر آسرس کی ایک
آنکھ بنا دیتے تھے اور اُسے پائداری حفاظت و وطن کا نشان سمجھتے تھے۔ (ماخوذ از پروفیسر ولکنسن)

جتنا انکو مار کر بھگاتا تھا اتنا ہی زیادہ اُمنڈ کر آتی تھیں۔

میں نے انہیں دور کرنے کی اب یہ تدبیر سوچی کہ ہر سال بوباسٹس[1] Bubastis کے تہوار کے زمانہ میں مصریوں کو عام اجازت ہے کہ جتنی غیر ضروری و زائد چوہے مار بلیاں ہوں انکو پشت[2] (Pasht) کے مندر میں لیجا کر چھوڑ آئیں۔ اس دیوی کا سر بلی کی طرح ہے اور اُسکے مندر کے پجاری جو بڑے بدمعاش ہیں بلیوں کی خبر گیری کرتے ہیں یا انکو کہیں دے دلا دیتے ہیں مگر بدقسمتی سے یہ زمانہ اس تہوار کے منعقد ہونیکا نہ تھا اور یہ بھی ناممکن تھا کہ میں اتنے دنوں تک انتظار کرتا اور مصیبت برداشت کرتا رہوں۔ اسی اثنا میں بارہ تیرہ بچوں کا ایک اور جھول نمودار ہوا۔ تب تو میرا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔ اور میں نے ٹھان لی کہ چاہے جو کچھ ہو مگر میں ان کو نکالے بغیر نہ ہونگا میں نے اپنے ایک پرانے خادم مسّا (Musa) کو جس کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے

[1] بوباستس یا بُبستس (کھنڈرات جو تل بست کے پاس ہیں) قدیم زمانہ کا ایک شہر ہے جو مشرقی ڈلٹا پر واقع تھا۔ یہ بائیسویں خاندان کا دارالخلافہ تھا جہاں پُشت یا پشت دیوی کا ایک عالیشان مندر تھا۔ ہر سال یہاں ایک بہت بڑا تہوار ہوا کرتا تھا جس میں سات لاکھ سے زیادہ لوگ جمع ہوتے تھے اور زیادہ تر اپنا وقت شرابخواری بدمستی و قربانی وغیرہ میں گذارتے تھے۔ عموماً قاعدہ تھا کہ مرد و عورت کشتیوں پر بیٹھکر گاتے بجاتے دریا کے راستے بوباستس جاتے تھے۔ اثنائے راہ میں اگر کوئی شہر نظر آتا تو یہ اپنی کشتی کنارہ کے قریب کھڑی کر دیتے اس کا تماشہ دیکھنے شہر کے لوگ جب آتے تو یہ عجیب قاعدہ تھا کہ کشتی کی عورتیں اپنے لہنگے اٹھا اٹھا کر انہیں صلواتیں سنا تیں خوب چلاتیں اور زور زور سے مجیرے بجا کر ان کے سامنے ناچتی گاتیں۔ (پروفیسر ولکنس)

[2] مختلف بت پرست قوموں خصوصاً مصریوں میں "مہاماتا" دیویوں کی پرستش عام تھی جن سے خاصہ جنس اناث یعنی کثرت تولید مقصود تھا۔ یہ دیویاں باکرہ تھیں۔ خود بخود ظہور میں آئی تھیں اور عموماً انکا ایک فرزند ہوتا تھا جو بلا باپ پیدا ہوا تھا انہیں سے بعض کو ایکدوسرے سے خلط ملط بھی کر دیا جاتا تھا۔ مثلاً ایک زمانہ میں پشت کو آئسس دیوی کا دوسرا ظہور سمجھتے تھے۔ پشت کا سر بلی کا تھا جس پر ایک قرص واقعی کی شکل تھی۔ مصر زیریں میں اسکی پوجا عام تھی اور بلی اسی کی وجہ سے

کہ بلیوں کا دشمن ہوگا۔ حکم دیا کہ ان سب کچے بچوں کو مار مور ایک تھیلے میں بھر کر دریائے نیل میں پھینک آئے۔ یہ بظاہر سخت بیدردی معلوم ہوتی ہے مگر کوئی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ انہیں زندہ پکڑ کر لے جاتا تو ان کی میاؤں میاؤں سے محل کے تمام خادموں کو خبر ہو جاتی غرضکہ اندھیرا ہوتے ہی میرے خادم نے سب کو پکڑ پکڑ اانکا کام تمام کیا۔ اور ایک تھیلے میں بھر کر اور اُسے چھپا کر نخلستان ہاتھر[۵۱] (Hathor) سے ہوتا ہوا دریا کی طرف لیچلا۔ لیکن بدقسمتی سے میرا ایک مصری خادم بھی تھا جس کا کام جانوروں کو کھانا دینا تھا اور جو میرے بلّی کے بچوں کو خوب اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اُسے ہم پر شبہ ہوگیا اور اس واقعہ کی خبر لگ گئی۔ غرضکہ مُس (Mus) نہایت خبرداری احتیاط کیساتھ تھیلی کو اپنی دامن میں چھپائے ہوئے جب ابوالھول[۵۲] کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ متبرک سمجھی جاتی تھی۔ (ڈونلڈ مکنزی)

[۵۱] ہاتر "ایک دوسری "مہاماتا" دیوی تھی۔ اس کا جسم عورت کا اور سر گائے کا تھا جس کے سینگوں کے درمیان قرص شمسی نظر آتا تھا۔ اسکے متعلق مختلف عقائد تھے۔ کبھی تو یہ را دیوتا کی آنکھ بن کر اس کے دشمن انسان کو تہ تیغ کرتی تھی جس کی خوشی میں را اسے آسمان کی دیوی بنا دیتا ہے اور شراب کا صدقہ اسکے لئے مقرر کرتا ہے (چنانچہ نیل کا سیلاب جب شروع ہوتا تو مکانات وغیرہ کی تباہی اسی دیوی کا کرشمہ سمجھی جاتی تھی اور اسکے پجاری شراب چڑھاتے اور خود بھی پی کر خوب بدمست ہوتے تھے) کبھی یہ سکت دیوی مینڈک کی شکل والی (مصری سمجھتے تھے کہ مینڈک آپ ہی آپ پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے سکت ماخذ حیات و پیدائش انسان سے تعلق رکھنے والی سمجھی جاتی تھی) سے مخلوط کر دی جاتی تھی اور کبھی یہ مقدس آئیس کا مظہر سمجھی جاتی تھی۔ بعض محققین اسے مصریوں کی عشق و محبت کی دیوی کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یونانیوں کی وینس (زہرہ) دیوی اسی کی نقل تھی۔

[۵۲] اسفنکس یا ابوالھول ایک خیالی جانور تھا جس کی تین قسمیں تھیں۔

(۱) جسم شیر کا اور سر انسان کا (نشان دماغی و جسمانی قوت)

(۲) مینڈھے کا سر اور جسم شیر کا۔

کی گلی سے ہوتا ہوا اور ٹاہ (۱؎ عاملسقاحر) کے
پاس سے گذرتا ہوا جب مقدس گنج میں پہونچا تو اسکو شبہ ہوا کہ چند لوگ پیچھا
کر رہے ہیں لیکن اسکی اس نے ذرا پرواہ نہ کی۔ پھر آگے بڑھا تو اسنے دیکھا کہ جو لوگ اسکا
تعاقب کر رہے تھے وہ ٹاہ (عاملسقاحر) کے مندر کے قریب پہونچکر ٹھہر گئے اور
پجاریوں سے کچھ باتیں کر رہے ہیں - یہ دیکھتے ہی اُسنے سمجھا کہ اب خیر نہیں ہے اور بڑے
زور سے دریا کی طرف بھاگا۔ جہاں پہونچتے ہی اُسنے تھیلے کو پانی میں پھینک دیا۔ اور خائف اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ (۳) شیر کا جسم اور سر عقاب کا۔

یہ مندروں کے سامنے یا ان کے باہر پھاٹکوں کے ادھر اُدھر قطاروں میں نصب کئے جاتے تھے۔ ان سے شاید مذہب کا پُراز رمز و اسرار ہونا مراد ہوگا۔ یا شاید بادشاہ کے اُس صفت کا اظہار ہو جسکے رو سے وہ دیوتاؤں کا اوتار اور قادر مطلق خیال کیا جاتا تھا۔ آج کل بھی مصر میں بکثرت ابوالہول موجود ہیں لیکن سب سے بڑا اور مشہور و معروف غیزہ کے اہراموں کے قریب قاہرہ سے تھوڑی دور واقع ہے۔ یہ بہت قدیم ہے اور ابھی تک صحیح طور سے نہیں معلوم کہ اسکی بنا کس زمانہ میں ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ شاہ ہیفرا کے عہد میں جسنے دوسرا اہرام بنایا تھا یہ بھی تعمیر ہوا ہے۔ قدیم زمانہ میں اس تک پہونچنے کے لئے ایک پکا راستہ تھا اور پندرہ سیڑھیاں اترکر اور پندرہ سیڑھیاں چڑھ کر اسکے سامنے والے پنجوں کے پاس پہونچتے تھے جنکے بیچ میں ایک چھوٹا سا پانچ فٹ چوڑا مندر بنا ہوا تھا۔ اس ابوالہول کا جسم شیر کا اور سر انسان کا ہے اسپر تاج شاہی رکھا ہے اور سانپوں کی شکل میں ہے۔ پیر سے لیکر سر تک (۶۶) فٹ اونچا ہے۔ چہرہ کی لمبائی ۱۳ فٹ (۸) انچھ ہے۔ ناک (۵) فٹ (۷) انچھ اور موںھ (۷) فٹ (۷) انچھ لمبا ہے اس کا چہرہ ناک وغیرہ اب بہت کچھ ٹوٹ گئے ہیں لیکن آنکھوں سے اب بھی ایک عجیب غیر معمولی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے یعنے خاموش و چپ چاپ وہ کسی غور و خوض و دھیان میں مشغول ہے۔ یا دنیائے فانی کی بے ثباتی کو یاد دلا رہا ہے۔ (ونڈرس آف پاسٹ)

۱؎ ٹاہ۔ اسے غالباً وہ قوم جو تین یا چار ہزار سال قبل مسیح اپنے کوہستان مقامات سے آکر مصر میں آباد ہوئی ساتھ

لرزاں کنارے پر کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ بلا کسی ثبوت کے میرا کوئی کیا کر سکتا ہے۔ مگر تھوڑی
دیر میں مندر کے سیکڑوں خادموں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور ٹاہ
کا سب سے بڑا پجاری بھی جس کا نام ٹاہوٹپ (Ptahhotep) ہے اور جو میرا
بُرا دشمن ہے وہاں آموجود ہوا۔ اور بہت سے لوگ جن میں محل کے بھی بعض دغاباز خادم
تھے۔ دریا کے اندر گھس پڑے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر بدقسمتی سے انہوں نے اُس تھیلے کو مع
بلیوں کے کنارے پر لیجا کر رکھدیا۔ اب مجمع بہت زیادہ بڑھ گیا ممفس (Memphis)
کے ہزاروں باشندے چاروں طرف سے آ کر جمع ہو گئے۔ سب پر ایک سکوت کا عالم تھا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ لائی۔ ممفس اسکی خاص پرستش گاہ تھا جہاں شاہ منس (پہلا خاندان) نے ایک
نہایت عالیشان مندر تعمیر کرایا تھا۔ یہ سنگ تراشوں، کاریگروں اور صناعوں کا داتا تھا۔ اس کی بیوی
جس کا منہ شیرنی کا تھا سخت تباہ و برباد کرنے والی تھی۔ مگر ٹاہ خالق تھا۔ بعض کا خیال تھا کہ مادہ ہیولی اسی
خود بخود پیدا ہوا اور بطخ نے جب انڈا دیا تو اُس سے نکلا تھا۔ اسکی شکل بونے کی تھی۔ ہاتھ میں ہتوڑا تھا۔ سب سے
پہلے اسنے اپنے اعضا بنائے۔ پھر اپنی طرح آٹھ اور بونوں کو پیدا کیا۔ ان سب نے ہتوڑوں سے پیٹ پاٹ
کر آسمان، زمین و پہاڑ آراستہ کئے۔ بعدہٗ پروہتوں نے ایک دوسری قوم کی دیوتا تنن سے اسے مخلوط
کر دیا۔ یہ دوسرا بہت قدآور تھا اسلئے ٹاہ اور تنن جب مل گئے تو ایک نیا دیوتا بنا جو پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہوا
تھا جس کا سر آسمان تک پہونچتا تھا اور پیر زمین پر لگتے تھے۔ تند ہوائیں اسکے نتھنوں سے نکل رہی تھیں
اور دریا اور سمندر اسکے منہ سے بہہ رہے تھے۔ یہ تمام عالم کا خالق مانا گیا۔ زمانہ مابعد میں ٹاہ کو دوسرے دو دیوتاؤں
یعنے سکر و آسرس کے ساتھ ضم کر کے ایک کر دیا۔ اور ان تینوں کی شکل بصورت ممی بنائی جسے تمام دیوتاؤں
سے افضل و برتر شمار کیا گیا۔ پانچویں خاندان کے زمانہ سے را کی پرستش ہوئی اور آئندہ امن اور آسرس کو دوبارہ
عروج ہوا۔ مگر ٹاہ کی عزت میں فرق نہ آیا کیونکہ ان تینوں سے اسے منسوب کرتے گئے۔ اور اسکے نئے شریک بنائے
گئے جو مصری مذہب کا ایک عجیب صلح کن طریقہ تھا۔ (ڈونلڈ مکنزی)
ممکن ہے عیسائیوں نے تثلیث کا مسئلہ اور تین کو ایک سمجھنا انہیں مصری عقائد سے لیا ہو (مترجم)

اتنے میں بھیلے کو جسے کپڑے کا کفن کہنا چاہئے کھولا گیا اور مردہ بلیوں پر سب کی نظر پڑی بس غیظ و غضب و انتقام کے نعرے بلند ہوئے اور ایک شور آہ و بکا برپا ہوا کہ محل تک میرے کانوں میں آواز پہونچی۔ لوگ دیوانہ وار میرے غلام پر گرے اُسے زمین پر پٹک دیا اور ضرور کچل کے مار ڈالتے اگر بڑا پجاری بیچ میں نہ آجاتا۔ اُسنے حکم دیا کہ غلام کو قید خانہ میں ڈالدیا جائے۔ کیونکہ اُسے شبہ تھا کہ درحقیقت میں اس جرم کا بانی مبانی ہوں۔ اور اسکو سب سے زیادہ میری بربادی و تباہی مد نظر تھی۔ اس واقعہ کے آدھ گھنٹہ کے بعد میں گرفتار ہوگیا۔ جب تحقیقات شروع ہوئی تو میرے وفادار غلام نے تمام الزام اپنے سر لیا لیکن جب زیادہ جبر و تشدد کے ساتھ اسپر مار پیٹ پڑی تو بڑے پجاری کے سامنے اسنے اقرار کر دیا کہ جو کچھ اُسنے کیا تھا وہ میرے حکم سے کیا تھا اور بحیثیت ایک تابعدار خادم ہونے کے وہ میری عدول حکمی سے گریز نہ کر سکتا تھا۔ بعد ازاں ایک عدالت اعلیٰ جس کے فیصلہ کے خلاف بادشاہ بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ منعقد ہوئی اسکے رکن ممفس (Memphis) ہیلو پولس (Heliopolis) اور تھیبنز[51] کے پجاری تھے۔ تم خیال کر سکتے ہو کہ ان

---

[51] تھیبنز (موجودہ لکسر و کرناک) یہ مصر کا ایک نہایت قدیم شہر تھا اسکی تاریخ کا صرف ۲۱۰۰ ق م (گو اس سے بہت پہلے آباد تھا) سے پتہ لگتا ہے جب گیارہویں خاندان کے فراعنہ بڑے شان سے حکومت کر رہے تھے اور یہ سلطنت متوسطہ کا ہکسوس کے زمانہ تک دار الخلافہ رہا۔ بعد ازاں ۱۵۵۰ تا ۹۵۰ ق م میں پھر اسے عروج ہوا اور ۱۸-۱۹ خاندانوں کے مشہور فراعنہ کا پایہ تخت رہا۔ اسی زمانہ میں اخناتن نے جب نیا مذہب ایجاد کیا تو اسے چھوڑ کر تل العمرنا بسایا۔ مگر اسکے مرنے کے بعد اس کا داماد توتنخامن نے آمن کی پرستش دوبارہ زندہ کی تو تھیبنز واپس آیا۔ یہ شہر اس دیوتا کے لئے مخصوص تھا۔ یہاں رامسس ثانی نے آمن را کا ایک نہایت عالیشان مندر تعمیر کرایا۔ اور اسکی در و دیوار پر اپنی فتح شام کے مرقع بنوائے تھے۔ اس معبد کے کھنڈرات کو آجکل رامیسیم کہتے ہیں اسکی ہال میں بڑے بڑے ۱۳۴ ستون تھے جن کی لمبائی ۸۰ فٹ اور قطر ۳۰ فٹ تھا۔ ۶۶۱ ق م میں اشور کے بادشاہ اشور بنی پال نے اسے تباہ کر دیا

لوگوں کے سامنے میری اور مُس (Mus) کی کیا حقیقت تھی۔ انہوں نے فوراً ہم دونوں کو سزائے موت کا حکم سنا دیا۔ غلام پر دو سنگین جرم لگائے گئے۔ ایک تو یہ کہ اسنے مقدس جانوروں کو ہلاک کیا۔ اور دوسرا بارہ گنا بڑا یہ کہ دریا میں انکی لاشوں کو ڈال کر اُسے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور اسکے بت لوٹ کر اپنے ملک لے گیا۔ مگر یہ شہر پھر بنا۔ اور ۵۲۵ ق م پھر کمبوجیہ (شاہ ایران) کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ غرضکہ ۵۷ ق م تک اسکا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ یہ دنیا کا نہایت مشہور شہر تھا۔ اس کا دور بارہ میل کا تھا۔ یونانی شاعر ہومر نے اسکے ایک سو پھاٹکوں سپاہیوں گھوڑوں اور رتھوں کی بہت تعریف کی ہے۔ یہاں بڑے بڑے عالیشان محل اور مندر تھے جن کے فرش چاندی کے اور در و دیوار سب بےشمار زر و جواہر سے آراستہ تھے۔ یہاں سونے چاندی۔ پتھر و عاج کے بکثرت مینار و یادگار نشان تھے۔ بکثرت عالیشان بت تھے۔ جن میں آمنھوتپ سوم اور اسکی ملکہ تیا کے بت ستر فیٹ بلند عجائبات عالم کہتے تھے کیونکہ مشہور تھا کہ بوقت صبح ان کے منہ سے ایک آواز نکلتی ہے۔ بعدہٗ ایک رومی بادشاہ نے ۱۹۳ء میں جب یہ بت شکستہ حال ہوگئے تھے تو انکی مرمت کا حکم دیا۔ مگر آواز اسکے بعد سے بند ہوگئی۔ یہ بت آجتک موجود ہیں اور کلوسی ممنن کے نام سے مشہور ہیں۔ اس شہر کے باشندوں اور امرا کے مکان ۴-۵ منزلہ تھے انکی چھتیں چپٹی تھیں۔ اندر نہایت آراستہ پیراستہ اور تصاویر و نقش و نگار سے مزین خواب گاہ۔ کھانے اور ملاقات وغیرہ کے کمرے ہر موسم کے لئے موزوں تھے باہر چہار دیواری سے گھرے ہوئے خوشنما باغات تھے مگر چونکہ زیادہ تر کچی اینٹ اور استرکاری اور چونے سے کام لیا جاتا تھا اسلئے ان کے آثار کا اب پتہ نہیں۔ اس شہر میں بڑی رونق اور چہل پہل تھی اسکی عالیشان گھاٹوں پر بکثرت تجارتی جہاز اور کشتیاں نظر آتی تھیں۔ اسکی سب سے زیادہ مشہور وہ سڑک تھی جو آمنھوتپ سوم کے مندر (موجودہ معبد لکسر) سے ہوتی ہوئی شہر کے درمیان سے گذرتی تھی۔ اسکے دو رویہ ابوالہول کی قطاریں نصب تھیں۔ ہر روز اس سڑک پر ہجوم رہتا تھا اور کوئی نہ کوئی مذہبی جلوس ضرور نکلتا تھا۔ یہ شہر بہت بڑا مذہبی مرکز تھا اسی لئے مصری اسے پُراسرار شہر۔ شہر اسم مخفی۔ اور شہر مالک ابدی کے نام سے پکارتے تھے انجیل میں اسے نو کے نام سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر جب نینوا

ناپاک کیا مجھے ان دونوں کا بانی ٹھہرا کر چوبیس گنہ زیادہ قابل سزا گردانا گیا۔ ممس
([illegible]) کو تو اسی روز قتل کر دیا گیا جسے دیکھ کر میرے آنسو نکل پڑے۔ میں ہمیشہ
اُسے اپنا محسن سمجھونگا۔ اور جب تک زندہ رہونگا دیوتاؤں سے اُسکی مغفرت کی دعا
مانگوں گا۔ اور کبھی اُسکے احسان کو فراموش نہ کرونگا۔ بعد ازاں اُسکی لاش کے سامنے
ہی مجھے بھی قتل کا حکم پڑھ کر سنایا گیا۔ اور میں صبر و شکر کے ساتھ عالم اسفل کے سفر کیلیے
بالکل تیار بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں بادشاہ کا حکم پہونچا کہ میرے قتل کو کچھ عرصہ کے لئے ملتوی
کر دیا جائے۔ بعدہ لوگ مجھے گھسیٹ کر قید خانہ میں ڈال آئے۔ یہاں میرے محافظین
میں ایک یونانی ٹیکسی آرک (Taxiarch) تھا۔ اُسنے مجھے خبر دی کہ
باڈی گارڈ کے تمام یونانی افسروں اور اکثر سپاہیوں نے جن کی تعداد چار ہزار سے کم
نہیں ہے یہ دھمکی دی ہے کہ اگر انکے سردار کو نہ چھوڑ دیا جائیگا تو سب استعفا دیدیں گے۔
رات ہوتے ہی مجھے بادشاہ کے روبرو لے گئے وہ نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آیا اور
ٹیکسی آرک (Taxiarch) کے بیان کی تائید کر کے افسوس کے ساتھ کہنے لگا
کہ مجھے ایسے وفادار افسر کے چھوٹنے کا سخت رنج ہے سچ پوچھو تو میرے دل میں
شاہ ایاسس ([illegible]) کی طرف سے کسی قسم کا رنج نہیں ہے بلکہ اسکی
حالت ایک لحاظ سے بہت قابل رحم ہے کیونکہ باوجود اسقدر قدرت و اقتدار کے وہ اپنی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ (دار الخلافہ سلطنت اشور) کے زوال کی پیشینگوئی کرتے ہیں تو اسطرح لکھتے ہیں "کیا تو نو سے بھی
زیادہ آباد ہے جو لب دریا واقع تھا۔ اور چاروں طرف پانی سے گھرا تھا۔ تمام حبش و مصر اسکی حمایت و حفاظت میں تھے
لیکن پھر اس کا کیا حشر ہوا۔ آخر وہ برباد و تباہ ہوا۔ اسکے بچے بلندیوں سے سڑک پر پھینک کر مارے
گئے۔ اسکے بڑے بڑے لوگ زنجیروں میں باندھ کر ذلیل و خوار کئے گئے (انجیل پیغمبر ناحوم) اس شہر کے
اب بھی بکثرت آثار لکسر کے نزدیک جو قاہرہ سے ۴۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے موجود ہیں۔ یہ شہر دریائے
نیل کے مشرقی کنارہ پر آباد تھا اسکے مغربی ساحل پر وہ سلسلہ کوہ ہے جس میں وادی تاجداران ہے

خواہشات کو پورا کرنے سے معذور ہے۔ ملکی و مذہبی معاملات توجدا ہیں۔ اُسکے خانگی
باتوں میں بھی پجاریوں کا بہت بڑا اثر ہے اور اپنے دخل ورمعقولات سے ہمیشہ اُس کی
جان عذاب میں رکھتے ہیں۔ اُسنے صاف طور سے مجھ سے کہا کہ اگر یہ معاملہ اُسکے اختیار
میں ہوتا تو وہ بخوشی اس جرم کو معاف کر دیتا کیونکہ میں اجنبی ہونے کی وجہ سے اس ملک کے
بعض قواعد سے ناواقف تھا اور اپنی غلط فہمی سے انکی اہمیت کو پورے طور سے نہ سمجھ سکتا تھا
مگر پجاریوں کے خوف سے وہ بلا کوئی سزا دیئے ہوئے مجھے چھوڑ بھی نہیں سکتا اور ہلکی سی ہلکی
سزا اُسکے خیال میں مصر سے جلاوطنی ہے جو مجھے اب بھگتنا پڑے گی۔ بعد ازاں یہ کہہ کر اسنے
اپنی تقریر ختم کی کہ
"تم کو شاید یہ نہ معلوم ہو کہ میں نے کس قدر سمجھانے بجھانے اور رضا جوئی کے بعد
پروہتوں سے تمہاری رہائی کی اجازت حاصل کی ہے اور شاید یہ بھی جانتے ہو کہ ان کی عدالت
اعلیٰ کے سامنے میری بھی کچھ نہیں چل سکتی۔ اس کے فیصلے میرے حکم سے بالا د
برتر ہیں۔"
مینے یہ سُن کر فرعون کا بہت شکریہ ادا کیا اور قسم کھائی کہ اُسی دن مُمفس
(memphis) کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور مصر سے بھی زیادہ سے زیادہ تین
ہفتے کے اندر نکل جاؤں گا۔ بعد ازاں رخصت ہو کر میں باہر نکلا تو محل کے پھاٹک پر ولیعہد
سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ سامطیق (Psammetichus) میرا جانی دشمن ہے اور چند واقعات
کی بنا پر جنہیں رُڈ ووفس تم سمجھ گئی ہوگی اور جن کا میں علانیہ اظہار نہیں کرنا چاہتا وہ ہمیشہ
میرے درپے آزار رہتا ہے۔ مجھے اُسسے بھی چار و ناچار الوداع کہنا پڑا۔ لیکن اُسنے اپنی پیٹھ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ یعنی قدیم فراعنہ مصر کی قبریں پوشیدہ ہیں۔"
(ماخوذ از وَنڈرس آف پاسٹ و متھ اینڈ لیجنڈ)

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ فوج کی ایک کمپنی کے افسر یا کپتان کو ٹیکسی آرک (Taxiarch) کہتے تھے۔ (ایبرا)

میری طرف موڑ کر بڑی نفرت سے کہا

"تو اب کی مرتبہ پھر سزا سے بچ گیا؟ مگر اتھنسی! یاد رکھ میرے انتقام سے تو ابھی نہیں بچا ہے۔ جہاں تو جائیگا۔ میں تجھے ڈھونڈھ نکالوں گا۔ اور ان حرکتوں کا مزا چکھاؤنگا"

مینے بھی یہ سنکر کڑک کر جواب دیا۔

"میں آپ کی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا اور آپ سے دوبارہ پھر ملنے کی آرزو رکھتا ہوں"

بعدہٗ میں چلا آیا اور اپنا مال واسباب ایک کشتی میں رکھ کر سیدھا نوکراتیس (Naucratis) پہونچا۔ جہاں حسن اتفاق سے میرے پرانے دوست ارسٹومیقس (Aristomachus) اسپارٹی مل گئے جو اب غالبًا میری جگہ مقرر کئے جائیں گے۔ کیونکہ وہ پہلے قبرس (Cyprus) کی افواج کے افسر اعلیٰ رہ چکے ہیں اور بڑے کار نمایاں کر چکے ہیں۔ مجھے نہایت خوشی ہے کہ میرا جانشین ایک ایسا قابل شخص ہوگا جسکے سامنے مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میری چند گزشتہ خدمات حقیر و ناچیز نہ معلوم ہونے لگیں۔

اس پر ارسٹومیقس نے اتھینسی کی بات کاٹ کر یوں کہا۔

"عزیز من۔ ان تعریفوں کو جانے دو۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اسپارٹا والوں کی زبان ذرا کسی قدر کند ہوتی ہے اور جب کسی دوست پر وقت آپڑتا ہے تو اسکی مدد زبان سے نہیں کرتے بلکہ ہاتھ سے"

روڈوپس نے پسندیدگی کے ساتھ دونوں کی طرف مسکرا کر ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا اور یہ کہنے لگی۔

"میرے عزیز فینس! تمہارا واقعہ سننے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا کہ اس ملک میں بدقسمتی سے اب تمہارا ٹھیرنا ناممکن ہے۔ میں تمہیں کچھ ملامت نہیں کرنا چاہتی لیکن تعجب ہے کہ تم یہ نہ سمجھے کہ ایک ذرا سی بات کے لئے کتنے بڑے خطرے میں اپنے کو

ڈال رہے ہو۔ ایک سچا دوراندیش وبہادر آدمی کسی کام میں ہاتھ لگانے سے پہلے یہ سوچ لیتا ہے کہ اسکا نقصان فائدہ سے زیادہ تو نہ ہوگا کیونکہ بغیر جانے بوجھے بے دھڑک اپنے کو خطرہ میں ڈالنا بڑی بیوقوفی ہے۔ بخلاف اسکے ایک بزدل نہ صرف احمق بلکہ قابل ملامت بھی ہوتا ہے۔ یہ دونوں صفات گو انسان کو نقصان پہونچاتی ہیں لیکن آخر الذکر اس کی ذلت وشرم کا بھی باعث ہوتی ہے۔ اسمرتبہ محض ایک لاپروائی کی بدولت تمھاری ہی جان پر آبنی تھی اور جان بھی کیسی جو ہم سب کو عزیز ہے اور جس کی حفاظت کرنا اسلئے تمہارا فرض ہے کہ کسی بڑے اور مفید کام کے لئے اسکو صرف میں لاؤ۔ نہ کہ ایک معمولی سی بات کے پیچھے اُسے گنوا دو۔ خیر اب ہمکو تمہیں اپنے پاس روکنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف تمہیں بلکہ ہمارے لئے بھی نقصان کا اندیشہ ہے۔ بہر حال یہ شریف اسپارٹی اب آئندہ سے تمہارے قائم مقام ہونگے اور بحیثیت یونانی سپہ سالار ہونیکے ہماری قوم کے دربار شاہی میں نیابت کرینگے۔ اور پجاریوں کے پھندے سے انھیں بچاینگے۔ اور مرا حم خسروانہ کو اُن کے لئے حاصل کرنے کی کوشش کرینگے۔ ارسٹومیقس میں تمہارا اس وقت تک ہرگز ہاتھ نہ چھوڑوں گی جب تک یہ وعدہ نہ کرلوگے کہ فینس کی طرح تم بھی ہم لوگوں کی حمایت کا ذمہ لیتے ہو۔ اور ایک ذلیل سے ذلیل یونانی کی بھی مصریوں کے مقابلہ میں طرفداری کرنیکا بیڑہ اُٹھاتے ہو۔ یہ سمجھ لو کہ ہم صرف چند ہزار غیر ملکی ہیں جو لاکھوں دشمنوں کے زغہ میں گھرے ہوئے ہیں، لیکن ہم لوگ باہمت ہیں اور متحد و یکدل ہوکر مضبوط رہنے کی کوشش کریں گے تو کوئی ہمارا بال تک بیکا نہیں کرسکتا آجتک مصر کے تمام یونانیوں نے ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ سلوک کیا ہے۔ ایک نے سب کے لئے اور سب نے ایک کے لئے اپنی جان کو قربان کردیا ہے اور یہی وہ مبارک اتحاد ہے جسنے ہمیں طاقت ور بنادیا۔ اور آئندہ بھی مضبوط رکھے گا۔

اے کاش کہ ہمارے وطن اور اسکی نوآبادیوں میں بھی ایسا ہی اتحاد نظر آتا۔

اے کاش ہمارے ملک کے تمام گروہ اپنی ڈوریسی[51] (Dorians) آیونی (Ionians) آیولی (Aeolians) نسلی فرقہ بندیوں کو بھول کر محبت اور ایک قوم ہو جائیں۔ اور ایک ہی خاندان کے بچوں یا ایک ہی گلہ کے بھیڑوں کی طرح سب مل جل کر رہنے سہنے لگیں۔ پھر تمام دنیا ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی، اور یونان سرتاج عالم بن جائیگا۔" یہ تقریر کرتے وقت روڈوفس کی آنکھیں جوش حب الوطنی سے چمک رہی تھیں۔ اسپارٹی ڈھی اپنے جذبات کو نہ روک سکا۔ اور اسکا ہاتھ محبت سے دبا کر زمین پر اپنا لکڑی کا پیر زور سے مار کر کہنے لگا۔

"زیوس اور تمام دیوتاؤں[52] کی قسم جب تک میں زندہ ہوں کسی کی مجال نہیں کہ کسی

---

[51] ڈورس۔ آیونیا اور آیولیا قدیم یونان میں تین صوبے تھے جنکے باشندے اُس زمانہ میں اپنے اپنے شہر کی نسلوں پر فخر کرتے اور ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ۱۲

[52] یونانیوں کا مذہب اور انکا دیومالا سمجھنے کے لئے ہمیں پہلے یہ جاننا چاہیے کہ انکی تہذیب بھی مصریوں کی طرح اقوام مختلفہ کے اختلاط کا نتیجہ تھی یعنی گھر گھر قبیلہ قبیلہ کا ایک خاص دیوتا تھا جو اسکا آسمانی جد امجد سمجھا جاتا تھا بعدہٗ وہ سب آپس میں مل گئے اور ایک دیومالا بن گیا۔ اہل یونان سب سے پہلے اُس تمدن سے متاثر ہوئے جو سواحل بحر قلزم میں عصر نحاس سے چلا آتا تھا۔ یہ لوگ نیچر (فطرت) کی ایک دیوی کو پوجتے تھے جس کا مسکن پہاڑوں پر تھا اور اُس سے کمتر درجہ کا ایک دیوتا تھا جسے اسکا شوہر تصور کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں متوفی سرداروں کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ ان دونوں عقائد کا انکے مذہب پر اثر ہوا لیکن سب سے پہلے ہمیں اسکا پتہ ہومر کی نظموں میں ملتا ہے کہ اسوقت بت پرستی کا پورے طور سے رواج تھا اور ایک اچھا خاصا دیومالا مرتب ہو چکا تھا۔ زیوس اسکا سردار تھا ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ وہ انسان و دیوتاؤں کا بزرگ باپ۔ مالک ارض و سما بجلی گرانے والا۔ کوہ اولمپس کے تخت پر جلوہ گر ہے اور اسکے گرد مختلف دیوتا اور دیویاں ہندو دیوتا راجہ اندر کے اکھاڑے کی طرح پرا لگائے کھڑے ہیں اور احکام بجا لاتے ہیں یہ تمام دیوتا غیر فانی اور ایک حد تک اپنے ان کاموں میں جو ان کے سپرد ہیں قادر ہیں مگر بعض اوقات فیٹ (قسمت کی دیویوں) کا اثر ان پر بھی ہے اور

یونانی پر ہاتھ ڈالے مگر روڈوفس تم کو تو ایک اسپارٹی ہونا چاہئے تھا" سی فینس" نہیں بلکہ ایتھنس کی" میلیسی" نہ بلکہ ایک آیونی" نقاش" نہیں بلکہ ساموس بہادر لڑکی"

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ - باہم اکثر حسد - عناد جھگڑا و فساد بھی ہوتا رہتا ہے جسے بسا اوقات ان کا سردار زیئس بھی طے نہیں کرسکتا - انسان ان دیوتاؤں کی مہربانی اور دیا - قربانی - نذر اور دعاؤں کے ذریعہ سے حاصل کرسکتا ہے - حیات بعد ممات کا ہومر کے مذہب میں بہت کم مذکور ہے اور بالکل موہوم و خیالی معلوم ہوتا ہے - یونانیوں کی کوئی مذہبی کتاب نہ تھی وہ دوسری قوموں کے دیوتاؤں کو بھی بہ آسانی مان لیتے تھے - چنانچہ بعض مصری دیوتاؤں کے دوسرے نام رکھ کر اپنی دیومالا میں ملا لیا - مگر بخلاف مصریوں کے وہ اپنے دیوتاؤں کی نہایت عمدہ شکلیں بناتے تھے اور حقیقت تو یہ ہے کہ فن بت تراشی میں جو کمال انہوں نے حاصل کیا وہ انہیں مذہبی عقائد کا نتیجہ تھا - ساتھ ہی ہمیں یہ بھی جاننا چاہئے کہ یہ عقائد ایک گونہ حب الوطنی کے بھی تابع تھے - چنانچہ اپنے شہر ایتھنز سے انہیں جو محبت تھی - اسکی بنا پر ایتھنی دیوی کی پرستش کا رواج ہوا - ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ غیر ملکی عقائد کا بھی ان کے مذہب پر کس قدر اثر پڑا تھا مگر یہ غالباً زمانہ ہومر کے بعد ظہور میں آیا جسکی متعدد مثالیں موجود ہیں - مثلاً ڈیونیسوس شراب کا دیوتا تھریس سے آیا - بعدہٗ ایک فرقہ موسوم بہ اخوان آرفیوس (یہ موسیقی کا دیوتا تھا) پیدا ہوا جو انسانی روح کو غیر فانی - جزا و سزا و آواگون کو مانتا تھا - اسی طرح ایک دوسرے فرقہ کا آغاز ہوا جس کا تعلق رازہائے الیوس سے تھا یہ ایک مقدس ڈراما تھا جس میں مذہبی تاویلات کے ساتھ موسم خزاں میں نیچر کی سالانہ موت اور بہار میں اسکی از سر نو زندگی کو دکھایا جاتا تھا اس فرقہ کے پجاری روحانی زندگی اور آواگون کے قائل تھے اور اپنے رسومات یعنی رازہائے الیوسس میں صرف منتخب لوگوں کو شامل ہونے کی اجازت دیتے تھے - فی الجملہ مذکورہ بالا ہر دو فریق کی علیحدہ سوسائٹیاں قائم تھیں جن کی ممبری سوشل یا پولٹیکل اغراض پر مبنی نہ تھی بلکہ مذہبی و روحانی تھی - ہومر کے بعد مشہور و نامور اجداد کی پرستش پھر شروع ہوگئی اور ہیرو ورشپ تمام یونانیوں میں پھیل گئی - یہ ہیرو بعض تو واقعی متوفہ انسان تھے - بعض محض خیالی و روایتی تھے - انکا کام صحت و تندرستی بخشنا

روڈوفس نے ان سب کو اس طرح بڑے جوش کے ساتھ جواب دیا

"لیکن میں ان سب سے افضل و برتر رہنا چاہتی ہوں۔ میں صرف یونانی ہوں اور اسی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہوں"!

تمام حاضرین پر ان الفاظ کا بہت بڑا اثر پڑا حتیٰ کہ شامی و یہودی سے بھی نہ رہا گیا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ یا آیندہ کے حالات بتاتا تھا۔ سائل ان کی قبر پر منتیں مان کر رات کے وقت سوتے تھے اور القا یا مشاہدہ عینی سے فیضیاب ہوتے تھے۔ آیندہ چلکر فلسفہ نے مظاہر قدرت کی حقیقت پر غور کر کے تمام دیوتاؤں کو باطل و خرافات ثابت کیا۔ مگر عوام ہمیشہ ان کے معتقد رہے حتیٰ کہ اہل روما کے زمانہ میں بھی جبکہ تہذیب و تمدن اس قدر ترقی کر گئی تھی یہ خیالات دور نہ ہوئے اور نہ صرف یونانی دیوتاؤں کے مختلف ناموں سے پرستش جاری رہی بلکہ مصریوں کے آئسس و آسرس بھی (جو یونانیوں ہی کے زمانہ میں انکے دیومالا میں شامل ہو چکے تھے) عبادت و بندگی کے لایق سمجھ لئے گئے۔ خاندان بطلیموس کے عہد حکومت میں اکثر اون اہل روما نے جو اسکندریہ وغیرہ میں بود و باش رکھتے تھے مصریوں کا قدیم مذہب اختیار کر لیا۔ آیس بئل کی پرستش فنیشن میں داخل ہو گئی اور مردوں کی ممی بنا کر دفن کرنے کا رواج عام ہو گیا

اب ہم چند یونانی دیوتاؤں کے نام گنا کر مختصر طور سے انکے متعلق لکھتے ہیں:-

زیئس (رومن کا جوپیٹر) یہ اہل یونان کا سب سے قدیم دیوتاؤں کا سردار تھا۔ یہ ایک نیزے و عقاب کے ساتھ دکھایا جاتا ہے۔

ہیرا (رومن جونو) یہ زیئس کی بیوی تھی یہ اپنے ہاتھ میں ایک کرہ۔ عصا و تاج لئے ہے۔

ہریکلیز (رومن ہرکلیز) یہ زیئس کا بیٹا اسکی دوسری بیوی الکمنی کے بطن سے تھا۔ اس کی بارہ مہمیں مشہور ہیں۔

اپالو (سورج دیوتا) اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

اتھنسی (رومن نام منروا) یہ عقل و فراست۔ جنگ و جدل کی دیوی تھی اسکے سر پر خود اور ہاتھ میں نیزہ تھا اسکی پیدایش کا یہ واقعہ ہے کہ ایک دن زیئس کے سر میں بہت سخت درد تھا جسکے علاج کے لئے ایک تبر سے

اور سب کے ساتھ شامل ہو کر احسنت و آفرین کے نعرے بلند کرنے لگے۔ سی بارسیی ([illegible]) ابھی جواب تک بت بنا ہوا بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا۔ شراب کا ایک قدح چڑہا کر یوں بولا۔

"نہیں نہیں تو سی باریس کا ہونا چاہیئے تھا کیونکہ جب سے میں اٹلی سے نکلا ہوں ایسا لذیذ کھانا نہیں کھایا اور نہ ایسی عمدہ شراب پی ہے۔ جسنے ویسوویس[۱] (Vesuvius) اور خیواس (Chios) کی بھی شرابوں کو مات کر دیا۔"

اسپر اور لوگ تو ہنسنے لگے مگر اسپارٹی نے ایک حقارت آمیز نگاہ سے اسکی طرف دیکھا۔ اسی اثنا میں کھلی ہوئی کھڑکی سے کسی نے باواز بلند یہ پکار کر کہا۔

"مرحبا! میرے دوستو"

مہمانوں نے خوش آمدید کہہ کر اچنبے سے مڑ کر دیکھنا شروع کیا کہ یہ کون اجنبی ہے جو اتنی دیر کے بعد آیا ہے۔ انہیں زیادہ دیر تک منتظر رہنا نہ پڑا اور قبل اسکے کہ سی بارسیی ([illegible])

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اسکی کھوپڑی کے دو ٹکڑے کئے گئے تو یہ دیوی نعرۂ جنگ مارتی ہوئی مسلح اسکے اندر سے نکل پڑی۔

ڈیونیسوس (رومن نام بکیس) یہ شراب کا دیوتا تھا اسکی پوجا بڑی بدمستی و جوش و خروش کیساتھ ہوتی تھی۔

ارٹمس۔ (رومن ڈائنا) یہ اپالو کی توام بہن۔ یہ مرد و عورت دونوں پر موت لاتی تھی اور عفت و سیر و شکار کی بھی دیوی تصور کی جاتی تھی۔

ڈمٹر (رومن سیرس) زراعت کی دیوی۔

ایراس۔ عشق و محبت کا دیوتا۔ بعض اسے افرودیت کا بیٹا بھی کہتے ہیں۔

اسکلپیس۔ یہ ایک مشہور طبیب تھا جو دیوتا بن گیا۔ اسے اپالو کا بیٹا کہتے تھے۔ مردوں تک کو زندہ کر سکتا تھا۔ اسے زیئس نے اپنے ایک رفیق کو خوش کرنے کی غرض سے بجلی گرا کر مار ڈالا۔ (ماخوذ از پروفیسر ہیلیڈے)

[۱] اٹلی کا ایک مشہور کوہ آتش فشاں جہاں نہایت عمدہ انگور پیدا ہوتے ہیں اور اسکی شراب آجکل بھی ایسی ہی مشہور ہے جیسی قدیم زمانہ میں تھی۔ ۱۲

ایک دوسرا جام شراب اپنے منہ تک لیجائے ایک لانبا دبلا پتلا آدمی جس کی عمر ساٹھ برس سے کم نہ ہوگی اور جس کے بڑے سر اور اونچی پیشانی سے ذہانت اور عقل کے آثار نمایاں تھے روڈوفس کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔

یہ **کلیاس** (Callius) پسر **فنی پس**[1] (Phaenippus) تھا اور اس طرح مخاطب ہوکر بولا "اگر تم لوگ میرے اس وقت اس طرح آنے سے خوش نہیں ہوگے تو میں سمجھونگا کہ تمام دنیا سے آج احسان مندی و شکر گذاری کا احساس غائب ہوگیا"۔ اس پر ایک میلیسیا کے رہنے والے نے جلدی سے کہا "نہیں ہم تو تمہارے ایک عرصہ سے منتظر تھے اور اولمپیا (Olympia) کے کھیلوں کا نتیجہ معلوم کرنیکے لئے حد درجہ کے مشتاق و بیتاب تھے"۔ "روڈوفس" اور تم جوان کھیلوں میں پہلے ایک فاتح کا اعزاز حاصل کر چکے ہو۔ بھلا تم سے کون زیادہ موزوں قاصد ہوسکتا ہے"۔

فینس (بے قرار ہوکر) معزز دوست۔ مرحبا۔ آؤ بیٹھو۔ اور مختصر طور سے جلد سب حالات سناؤ" **کلیاس** (Callius) نے جواب دیا "میرے ہموطن بھائیو۔ ابھی سب تم سے کہتا ہوں۔ اولمپیا (Olymia) چھوڑے ہوئے مجھے کچھ عرصہ ہوا مقام سنکریا[2] (Cenchrea) سے میں ایک پچاس چپوؤں والے ساموسی جہاز[3] پر جو

[1] ایک نامور باشندہ اتھنز جو ہماری داستان کے زمانہ میں زندہ تھا بقول ہیرڈ (قدیم مورخ) یہ فاتحین اولمپیا سے تھا اور گھوڑوں اور رتھوں کے دوڑ میں اور بازیاں جیت چکا تھا۔

[2] قدیم یونان کے نقشہ میں خلیج سارونیکوس پر۔ کارنتھوس کی جانب مغرب یہ ایک شہر واقع تھا۔

[3] یونانیوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مصریوں و فنیقیوں سے جہاز رانی سیکھی۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو ہومر کے زمانہ سے پہلے اہل یونان کے پاس کشتیاں موجود تھیں اور زمانہ مابعد خصوصاً ایرانی جنگ کے دوران میں انہوں نے اس فن میں بڑا کمال حاصل کیا اور ایسے جنگی جہاز تیار کئے جن کے سامنے انکے حریف کی کچھ بن نہ پڑی۔ بعض یونانی کشتیوں کے اگلے حصہ میں راج ہنس کی شکل بنی رہتی

بہت بڑا اور تیز رفتار تھا۔ بیٹھ کر روانہ ہوا تھا۔ اس لئے کچھ حیرت کی بات نہیں کہ کوئی یونانی مجھ سے پہلے نوکراتیس (Naucratis) میں نہیں پہنچنے پایا ہے۔ ہم کو بڑے ہولناک طوفان راستہ میں ملے اور اگر ہمارے موٹے پیندے کی تیلی چونچ کی شکل کی ماہی نما دم دار کشتی ایسی مضبوط نہ بنی ہوتی اور اسکے جہازراں اس قدر ہوشیار نہ ہوتے تو یقیناً کب کے تباہ و برباد ہو گئے ہوتے اور یہاں تک زندہ نہ پہنچ سکتے۔ معلوم نہیں کہ وطن کی طرف جانے والے دوسرے جہازوں پر کیا گذری۔ ہمیں تو بندرگاہ ساموس (Samos) میں پناہ گزیں ہونے کے سولہ دن کے بعد کہیں پھر روانہ ہونے کا موقعہ مل سکا۔ اور آج ہی صبح دریائے نیل میں داخل ہوئے ہیں۔ جہاں سے ایک دوسری کشتی لیکر سیدھا اس طرف چلا آیا اور ابھی تھوڑی ہی دیر گذری ہے کہ یہ محل اور اس کا خوشنما جھنڈا دکھائی دیا تھا اور اندر کمروں کی روشنی بھی باہر سے جگمگاتی ہوئی نظر آئی تھی۔ میں نے کچھ عرصہ تک تامل کیا کہ اتنی دیر ہو گئی ہے اب جاؤں کہ نہ جاؤں۔ مگر اپنی معزز میزبانہ کے لطف و عنایات کا جب خیال آیا تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور نہ اپنی خبروں کی زیادہ دیر تک ضبط رکھنے کی مجھ میں

تھی۔ اور عموماً تجارتی سفینوں پر ایک جھنڈا نصب ہوتا تھا جس پر اُس شہر کے خاص محافظ و نگہبان دیوی کی تصویر بنی تھی۔ کشتیوں میں مستول، بادبان، پتوار، اور لنگر وغیرہ آج کل سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے البتہ ایک بات بالکل نئی تھی یعنی بڑے اور خصوصاً جنگی جہازوں میں دو دو یہ چپو چلانے والے ملاحوں کی متعدد قطاریں تلے اوپر بیٹھتی تھیں۔ یہ قطاریں عموماً تین چار پانچ یا بعض اوقات تعداد میں سولہ تک ہوتیں۔ اور جہاز بھی اسی نام سے سہ طبقی۔ چہار طبقی وغیرہ کہلاتے تھے۔ اوپر والی منزل کے بیٹھنے والے ملاحوں کے چپو بہت لمبے ہوتے تھے۔ مگر اس طریقہ کے ساتھ چلائے جاتے تھے کہ بھاری نہ معلوم ہوتے۔ ظاہر ہے کہ یہ جہاز کسی قدر تیز رفتار و سریع السیر ہوتے ہوں گے اور طوفان و دشمن وغیرہ کا کس خوبی سے مقابلہ کرتے ہونگے۔

(گول و گوئز)

اب تاب رہی تھی۔ اس لئے معافی چاہتا ہوں۔ ایک لقمہ گوشت اور ایک گھونٹ شراب میرے لئے کافی ہے۔ کھانا بھی جاؤں گا اور اپنی عجیب وغریب داستان بھی سناتا جاؤنگا یہ کہکر کلیاس (Callias) آرام سے ایک کوچ پر بیٹھ گیا۔ اور کھانے سے پہلے اس نے ایک نہایت خوبصورت طلائی کنگن رہوڈوفس کو پیش کیا۔ یہ کنگن نہایت قیمتی تھا اور اسی تھیوڈورس (Theodorus) کے کارخانہ کا جو اس وقت مہمانوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے بنا ہوا تھا۔

کلیاس (Callias) اپنی شادمند میزبانہ سے" یہ ناچیز تحفہ میری طرف سے قبول فرمایئے (فنیس سے مخاطب ہوکر) دوست فنیس تمہارے لئے میں اس سے بھی اچھی ایک چیز لایا ہوں۔ بتاؤ تو کواڈریگا[1] (Quadriga) کی دوڑ میں کون بازی لے گیا" فنیس کے چہرہ پر ایک رنگ دوڑ گیا اور یہ کلمہ بے اختیاری کے ساتھ اُسکی زبان سے نکلگیا "کوئی اتھینیس کا سورما ہوگا" اور کیوں نہ ہو۔ اولمپیا (Olympia) کی جیت کوئی معمولی بات نہ تھی جبس فاتح کی قسمت میں شاخ زیتون آئی۔ صرف اُسی کے لئے نہیں بلکہ تمام برادری والوں اور تمام قوم کے لئے اُسے بہت بڑا باعث فخر و مایہ ناز سمجھا جاتا تھا۔

قاصد نے خوشی کے مارے چلا کر کہا "تمہارا قیاس بالکل صحیح ہے۔ اتھنز ہی کا ایک سورما بازی جیت گیا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر خوشی کی بات سناؤں کہ وہ تمہارا ہی چچازاد بھائی سپ سلوس (Cypselos) کا بیٹا سیمان (Ciman) ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ نو برس ہوئے یہی فتح اُس کے بھائی ملٹیاڈیس (Miltiades) کے نصیب میں بھی آئی تھی اور انہیں گھوڑوں سے جن سے گزشتہ متواتر میں اُس نے انعام حاصل کیا تھا۔ اس مرتبہ بھی سب پر سبقت لے گیا۔ سچ تو یہ

[1] چوکڑا یعنی رتھ جس میں چار گھوڑے جوتے جاتے تھے۔

ہے کہ **فلیدی**[۱] (Philaedae) کے کارناموں کے سامنے **آل کمیونی** (Alcmaeonidae) کی شہرت و عظمت اب بالکل سرد ہو گئی اور میرے دوست فنیس تم اپنے خاندان کے نام پر جتنا بھی فخر و مباہات کرو بجا ہے۔" فنیس یہ سنتے ہی مارے خوشی کے کھڑا ہو گیا جوانی کا خون اُس کے رگ و ریشہ میں دوڑنے لگا۔ اور فخر و انبساط کے جذبات دل میں موجزن ہونے لگے۔ اُسنے بڑے جوش کے ساتھ قاصد کا ہاتھ پکڑ کر گلے لگا لیا۔ قاصد "**فنیس**! اب ایک اور بات جو ہم سب اور خصوصاً تمہارے لئے مسرت خیز ہے سناتا ہوں وہ یہ کہ جب فیصلہ کرنے والوں نے ایک زبان ہو کر انعام کا مستحق **سیمان** (Cimon) کو گردانا تو اُس نے اُسی وقت اپنے نقیبوں سے یہ اعلان کرا دیا کہ چونکہ مالک ان گھوڑوں کا شاہ **پی سیس ترا توس** (Pisistratus) ہے اسلیئے اُسی کو فاتح سمجھا جائے جسے سُنتے ہی خوش ہو کر آخر الذکر شاہ نے یہ حکم دیا کہ تمہارے خاندان کا قصور معاف کر دیا گیا اور وہ **اتھنز** واپس آسکتا ہے لہذا اب تمہیں اپنی مدت کی خواہشوں و تمناؤں کو بر لانے کا موقع مل جائیگا۔"

ان الفاظ کے سُنتے ہی بہادر سردار کے چہرہ سے خوشی کا رنگ یکایک غائب ہو گیا۔ اُسکی حالت بالکل متغیر ہو گئی اور غصہ بھری آواز سے اُس نے جواب دیا "او نادان **کلیاس** (Callias) تم کہتے ہو کہ میری تمنا بر آئی اور میں خوش ہوں۔ نہیں بلکہ میرے لئے رونے کا مقام ہے کہ **اجکس**[۲] (Ajax) کی اولاد ایسی بے عزت

---

[۱] یہ اتھنز کے امرا کا ایک نہایت معزز خاندان تھا جو اپنا نسب اجکس (Ajax) دیوتا سے ملاتا تھا۔ سیمان اور ملٹیاڈیس اسی گھرانے سے تھے۔ (ایبر)

[۲] ایک یونانی ہیرو کا نام ہے جو ٹیلوس بادشاہ سلا مِس کا بیٹا تھا۔ گویہ ایک چھوٹے قد کا آدمی تھا مگر بڑے بڑے سورماؤں کا مقابلہ کرتا تھا اور اچیلیز کے بعد سب سے زیادہ بہادر نیزہ باز اور بادپا کہا جاتا تھا اور کیسینڈرا دیبی کو زبردستی اپنی خواہشات نفسانی کے لئے کھینچکر نکال لے گیا تھا۔ اُسے "اصغر" کہتے تھے

دبے ہمت ہوگئی کہ ایک ظالم کے قدموں پر اُس نے اپنی تمام شہرت و ناموری کو نثار کر دیا۔ میں اُو لوٹ کر واپس جاؤں !! قسم ہے ایتھنی (Athene) زیس (Zeus) اور اپالو (Appollo) کی کہ جب تک ظالم پی سیس تراتوس (Pisistratus) میرے ملک پر حکمراں ہے۔ خواہ میں جنگلوں جنگلوں مارا مارا پھروں اور فاقے کروں مگر ہرگز اپنے وطن نہ جاؤنگا حالانکہ فرعون نے مجھے اپنی نوکری سے اب برطرف کرکے آزاد کر دیا ہے مگر سچ کہتا ہوں کہ ایک غیر ملک میں رہ کر کسان کی خدمت کروں گا اور سوکھی روٹیاں کھاؤں گا۔ لیکن پی سیس تراتوس (Pisistratus) کے دربار کی وزارت مجھے ہرگز منظور نہ ہوگی۔ اتھنز (Athens) کی حکومت کا سوائے ہم امرا کے اور کوئی دوسرا حقدار و وارث نہیں ہو سکتا۔ لیکن سیمان (Cimon) نے پی سس تراتوس (Pisistratus) کے قدموں پر اپنی فتح کا بار ڈال کر اور اُسکے عصائے شاہی کو بوسہ دیکر ہمیشہ کیلئے اپنے اوپر مہر غلامی لگا دی۔ میں سیمان (Ciman) سے یہ صاف طور پر کہدونگا کہ میری نگاہ میں ایک ظالم کی بخشش و عنایت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اور جبتک میرا ملک آزاد نہ ہو جائیگا اور اس کے شرفا و عام رعایا کو خود اپنے قوانین بنانیکا حق حاصل نہ ہو جائیگا میں وطن ہرگز واپس نہ جاؤں گا۔ خواہ تمام امرا، خواہ تمہاری اپنی[۱] برادری و قوم کے سب لوگ اور چاہے ہزاروں سیمان (Cimon) کسی جابر کے قدموں پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اسی کے نام کا ایک اور یونانی ہیرو تھا جو سائپرس (قبرس) کے بادشاہ قلامان کا بیٹا تھا اور "اکبر" کہلاتا تھا۔ ہومر نے اپنے الیڈ میں اسے بہت لحیم و شحیم اور قدآور بیان کیا ہے اور بہادری میں صرف ایکلیز کے بعد شمار کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں ایجکس اصغر و اکبر اُڈی سیوس کے دشمن تھے۔ ایجکس اصغر کا بعد میں اتھنیس میں پوجا ہونے لگا۔ جہاں بازار میں اسکا بُت رکھا رہتا تھا۔

[۱] کلیاس کے خاندان کو "رازہائے الیوسس" میں مشعل برداری کا حق حاصل تھا جو بڑے اعزاز و افتخار کا عہدہ سمجھا جاتا تھا۔

اپنا سر رکھ دیں لیکن میرا سر ہرگز اُس کے سامنے خم نہ ہوگا"
فینیس (Phanes) کا بدن کانپ رہا تھا اُس کی آنکھوں سے ایسے شعلے نکل رہے تھے کہ بوڑھا کلیاس (Callius) بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اُس نے حاضرین کی طرف ایک معنی خیز و فخریہ نگاہ سے دیکھا جس کا یہ مطلب تھا کہ "دیکھو دوستو! ایسے ہی جلیل القدر لوگ ہیں۔ جن پر میرے ملک کو اتنا فخر و ناز حاصل ہے" بعدہ اُس نے فینیس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "میرے عزیز دوست۔ ظالم و جابر حاکم سے مجھے بھی تم سے کچھ کم نفرت نہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ جبتک وہ زندہ ہے کوئی اسکے ظلم سے ہم کو نجات نہیں دلسکتا۔ اس کے حلیف نکسوس[۱] (Naxos) اور ساموس (Samos) کے حاکم بڑے طاقتور ہیں لیکن ہماری آزادی کے لئے ان سب سے زیادہ خطرناک ہیں میں پی سس ترا توس (Pisistratus) کے خود چند صفات ذاتی کو جانتا اور سمجھتا ہوں۔ یعنی اس کا اعتدال اور غیر معمولی عقل و دانشمندی۔ میں نے خود نہایت متحیر و خوفزدہ ہوکر اپنے زمانۂ قیام میں ہیلاس (Hellas) (یونان) میں دیکھا کہ لوگ اس ظالم کو اپنے باپ سے بڑھکر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ باوجود اپنی قوت و اقتدار کے وہ سولن (Solon) کے مرتب کردہ قوانین کی نہایت سختی کے ساتھ پیروی کرتا ہے

[۱] بحیرہ ریجین میں یہ جزیرہ ہے جس کا قدیم زمانہ میں "ڈیا" نام تھا۔ ۴۹۰ ق م میں ایرانیوں نے اسے فتح کرلیا تھا مگر جنگ سلامیس میں یہاں کے بیڑے نے ایرانیوں سے غداری کرکے یونانیوں کا ساتھ دیا۔ یہاں کے انگور اور شراب بہت مشہور تھے اور اب بھی یہاں سے بہت انگور باہر جاتے ہیں۔ بیکس کے پرستش کا یہ مقام مرکز تھا۔ یونانی فنون کے ابتدائی زمانہ میں یہاں کے بُت تراش بڑی شہرت رکھتے تھے صقلیہ میں نیکسوس نام کی ایک یونانی نوآبادی بھی تھی۔
معلوم ہوتا ہے کہ اہل نیکسوس نوآبادی کے پہلے بانی تھے۔ مہمات صقلیہ میں یہ لوگ یونان کی طرف رہے تھے۔ ۱۲

اس نے شہر کو نہایت خوبصورت عمارات سے آراستہ کر دیا ہے اور زیئس (Zeus) کے لئے ایک نیا مندر سنگ مرمر کا بنوا دیا ہے جسکے سامنے یونان کی تمام عمارتیں ہیچ نظر آنے لگیں ہیں۔ وہ فنون لطیفہ کا بہت بڑا دلدادہ ہے۔ ہر قسم کے صناع وکاریگر اس کے دربار میں موجود ہیں۔ مصنفین وشعرا کی بھی کمی نہیں۔ اس نے ہومر کی نظموں اور دیگر مشہور عالموں وفلسفیوں کی تصانیف کو باقاعدہ جمع کیا ہے وہ نئی سڑکیں بنوا رہا ہے۔ ہر روز نئے نئے تہوار اور جشن منعقد کراتا ہے اور تجارت کو خوب ترقی دے رہا ہے۔ چنانچہ باوجود اسکے کہ رعایا پر ٹیکس بھاری ہے انکی خوشحالی بجائے کم ہونیکے روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ لیکن ایسی خوشحالی سے کیا فائدہ؟ جس نے لوگوں کو غلام بنا دیا ہے اُنکے دل سے آزادی کا احساس دور کر دیا ہے اور انکی حالت اُن پتنگوں کی سی ہوگئی ہے جن کے پر جلتے ہیں لیکن پھر بھی شمع کے گرد گھومنے سے باز نہیں آتے۔ اگر آج کوئی پی سیس ترا توس (Pisistratus) کی شمع زندگی کو بجھا دے تو مجھے یقین ہے کہ کسی دوسری روشنی پر بھی یہ اسی طرح متوالے ہو کر گریں گے اور اپنے جلاوطن امرا کا ایسا ہی تپاک کے ساتھ استقبال کریں گے جیسا آج کل اس جابر حاکم کا کرتے ہیں ان لوگوں کی اخلاقی جرأت سلب ہوگئی ہے اور وہ سخت قابل نفرت ہیں۔ ان میں اور تم میں یے فنیس زمین آسمان کا فرق ہے۔ لاؤ اپنا ہاتھ پیر دو کہ میں اُسے اپنے ہونٹوں سے لگاؤں۔ تم واقعی اجکس (Ajax) کے سچے سپوت ہو۔ آسمانی دیوتا تمہاری ضرور ایک دن مدد کریں گے۔ (چند لمحہ توقف کے بعد) میں اولمپیا (Olympia) کا ذکر کر رہا تھا ابھی مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔ ہاں تو میں یہاں تک پہنچا تھا کہ سیمان (Cimon) نے رتھوں[1] کی دوڑ جیتنے کے بعد شاخ زیتون کو

---

[1] یونان کے رتھ عموماً جنگ، دوڑ، بازی اور کبھی سیر وتفریح کے کام میں بھی لائے جاتے تھے۔ اسکے دو چھوٹے چھوٹے (۲½ فٹ قطر) پہئے ہوتے تھے جنکے درمیان ایک ڈھرا ہوتا تھا اور اس پر ایک تختہ لگا ہوتا اور ایک مونڈھے نما نشست تھی جس کی پشت گھوڑوں کی طرف ہوتی تھی۔ اور کھڑے ہونیوالے سوار کے

پی سس ترا توس (Pisistratus) کے نذر کر دیا۔ یہ دوڑ عجیب و غریب تھی۔ میں نے گھوڑوں کی ایسی جوکڑی آجتک نہیں دیکھی اور اُنکے مقابلہ کے لئے بڑے بڑے لوگوں نے دور دور سے نہایت خوبصورت و اعلیٰ درجہ کے گھوڑے بھیجے تھے مگر فتح سیمان (Cimon) ہی کی قسمت میں لکھی تھی۔ بہر حال اس سال اور تمام کھیل بھی غیر معمولی شان و شوکت کے ساتھ ہوئے اور میلے میں بڑی رونق رہی۔ یونان کے ہر شہر و خطہ کے لوگ موجود تھے ہر قبیلے و خاندان کے سرگروہوں کا وہاں مجمع تھا۔ کہیں سی بارسی (Sybarite) نظر آتے تھے جن کا لباس ایسا بھڑکدار تھا کہ نگاہ نہ ٹھیرتی تھی۔ کہیں اسپارٹی جن کا جسم اچی لیز (Achilles) کی طرح خوبصورت

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) گھٹنوں تک اونچی تھی۔ سامنے والے ڈنڈے یا کونے پر راسیں باندھ دیتے تھے اور پیچھے کے سرے کو جو نیچا ہوتا تھا پکڑ کر سوار ہوتے تھے۔ ڈہرے کے سامنے ایک ڈنڈا لگا رہتا تھا جسکے دوسرے سرے پر ایک جوا چمڑے یا کیلوں سے مضبوط بندھا ہوتا تھا۔ اس جوے کے اوپر نصف حلقہ نما گدی دار لکڑیاں ہوتی تھیں جنہیں گھوڑوں کی گردن پر رکھ کر تسمے سے باندھ دیتے تھے اکثر اس گاڑی کے چاروں طرف اور اوپر بھی چمڑا بندھا ہوتا تھا تاکہ حملہ کے وقت دشمن کے تیروں سے کسی قدر محفوظ رکھ سکے۔ اس کی نشست کی ایک بھدی سی شکل یہ ہے:۔



لے قدیم یونانی افسانوں کا یہ ایک مشہور ہیرو ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تھسلی کے ایک صوبہ کے بادشاہ پیلیوس کا فرزند تھا اور اس کا دادا اٹیکوس خود زیوس دیوتا (Zeus) کا بیٹا تھا اس کی ماں تھٹیس

اور قد ہر اکلیس[۵۱] (ہرقل Hercules) کی طرح اونچا۔ اپنے سادی سودی پوشاک میں دکھائی دیتے تھے۔ کہیں باشندگان اتھینس تھے۔ جنکے اعضا کا تناسب اور چال ڈھال کا انداز صاف انکی قومیت کا پتہ دیتا تھا۔ کہیں کروتونیا[۵۲] (Crotonia) کے رہنے والے نظر آتے تھے جن کا سردار میلو (Milo) اتنا طاقتور ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی اس کا مقابلہ کر سکے۔ کہیں ساموس (Samos) اور ملیسیا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) (Thetes) ایک سمندر کی پری تھی جس نے اُسے دریائے اسٹکس (Styx) میں غوطہ دیکر روئیں تن بنا دیا تھا۔ ہومر نے الیڈ میں اسے جنگ ٹرائے کا ایک مشہور افسر اور سورما بیان کیا ہے۔ الیڈ میں ہے کہ حبشیوں کے بادشاہ ممنان کو قتل کرنیکے بعد یہ خود پیرس کے ایک تیر سے جس کی شست اپالو دیوتا نے اس کی ایڑی کی جانب درست کی تھی زخم کھا کر مرا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خود اپالو نے پیرس کے بھیس میں آکر اُسے قتل کیا۔ موت کے بعد یہ بھی دیوتا ہوگیا اور لیوک۔ اسپارٹا۔ الیس اور سگیوام میں اسکی پرستش ہونے لگی۔ اس کا حسن، بہادری اور باد پائی مشہور ہے۔

۵۱ ہیلاس (یونان) کا مشہور قومی ہیرو تھا۔ یہ جسمانی قوت کا نمونہ کہا جاتا ہے۔ اس کا باپ خود زیوس اور اسکی ماں الکمینا تھی۔ اس کی بارہ مہمیں مشہور ہیں۔ ایک میں شیر سے لڑ رہا ہے۔ دوسرے میں ایک افعی کو مارا ہے۔ تیسرے میں ایک بارہ سنگھے کو پکڑا ہے وغیرہ۔ ہر مہم کی ایک داستان ہے کہانی میں ہے کہ اسنے اٹلی میں آکر ایک دیو کو قتل کیا تھا۔ مرنیکے بعد یہ بھی دیوتا بن گیا۔ بعض مقام پر اسے سورج کا دیوتا بھی کہتے تھے۔

۵۲ ایک یونانی شہر کا نام ہے جو سلطنت بروٹائی کے مشرقی ساحل پر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام ایک مقامی امیر کے نام پر رکھا گیا تھا جس نے ہرکولیز کی مہمانداری کی تھی۔ اور غلطی سے اُسی کے ہاتھ سے مارا گیا ۵۸۸ ق م سے اولمپی کھیلوں میں کامیابیوں کی وجہ سے یہ شہر بہت مشہور ہوگیا۔ مشہور پہلوان میلو یہیں کا رہنے والا تھا ۵۴۰ ق م اور ۵۳۰ ق م میں فیثا غورث نے یہاں آکر تین سو شاگردوں کی ایک سوسائٹی قایم کی جس میں میلو بھی شریک تھا۔ یہاں کی آب و ہوا بہت مشہور تھی اور ہیروڈوٹس کے زمانہ میں یہاں ایک طبی مدرسہ بھی تھا۔

کے باشندے بڑے زرق برق لباس پہنے اکڑتے ہوئے کورنتھ[۵۱] (Corinth) (Inalesia) و مٹی لین[۵۲] (Inetyline) والوں کے تجمل و احتشام کا مقابلہ کرنے نکلے تھے۔ غرضکہ تمام ملک کے افضل ترین نوجوانوں اور سورماؤں کا اکھاڑا جما ہوا تھا اور ان میں بہت سی حسین دوشیزہ لڑکیاں بھی خاصکر اسپارٹا کی نظر آتی تھیں جو مردوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی اپنی احسنت و آفریں سے انکی ہمت افزائی کر رہی تھیں۔ دوسری طرف ایک بہت بڑا بارونق بازار لگا ہوا تھا جہاں دنیا بھر کے تاجر و سوداگر موجود تھے۔ یونانی، فنیقی و یہودی وغیرہ اپنا مال و اسباب ڈیروں کے اندر یا باہر میزوں پر لگائے ہوئے مول بھاؤ کر رہے تھے۔ تم کو تو معلوم ہی ہے۔ میرے زیادہ بیان کرنے سے کیا فائدہ کہ لوگوں کا وہاں کسقدر مجمع کثیر ہوتا ہے۔ انکے غول کے غول گاتے ہوئے نکلتے ہیں ہیکل ٹومب[۵۳]

---

[۵۱] یونان کا ایک شہر تھا جو پیلو پانی سس اور وسطی یونان کے مابین واقع تھا۔ یہ قدیم شہر خلیج کارنتھ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ یہاں کے مٹی کے برتن۔ دھات کا کام اور آرایشی دستکاریاں بہت مشہور تھیں اور کہا جاتا ہے کہ زنگ اور کھپریل استعمال کرنا ہیں کی ایجاد ہے۔ ۱۴۶ سنہ قم میں اہل روما نے اسے برباد کر دیا اور تمام اس کی مشہور فنی اشیا برباد کر دیں۔ ۴۶ سنہ میں جولیس سیزر نے اٹلی کے آزاد کردہ غلاموں سے اسے پھر بسایا۔ رومیوں کے زمانہ میں اس نے اور ترقی کی۔ ۱۴۵ سنہ میں ترکوں کے قبضہ میں آیا مگر اب یونان کا ایک صوبہ ہے۔ یہاں قدیم عمارتوں کے آثار اب بھی بکثرت نظر آتے ہیں۔

[۵۲] ایک جزیرہ کا نام جو ایشیائے کوچک میں اناطولیہ کے جانب مغرب واقع ہے۔ اس کا قدیم نام لسباس تھا جس کے حالات نوٹ میں اوپر گذر چکے ہیں۔ یہ بھی جزائر لیمناس، خیوس اور ساموس کی طرح اسی سلسلہ جزائر میں واقع ہے جو اناطولیہ سے ملے ہوئے جانب مغرب ہیں اور گزشتہ زمانہ میں یونانیوں کی نوآبادیوں میں سے تھے اور اب ترکوں کے قبضہ میں ہیں۔

[۵۳] عبادت گاہ کا خاص حجرہ جہاں دیوتاؤں کے لئے بخورات وغیرہ جلاتے تھے۔



(Hecatomb) سے دھواں اٹھتا ہوا دور سے دکھائی دیتا ہے۔ خوبصورت گاڑیاں رتھیں۔ اور گھوڑے ہر طرف نظر آتے ہیں۔ مختلف زبانیں سنائی دیتی ہیں۔ لوگ چلا چلا کر اپنے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو جن سے برسوں سے ملاقات نہیں ہوئی تھی آوازیں دے دے کر پکارتے ہیں۔ غیر ملک کے سفیروں و نمایندوں کی اپنی جدا شان ہوتی ہے اکھاڑوں میں تماشائیوں وغیرہ سے عجب ہل چل مچی رہتی ہے۔ سب گوش بآواز کھیلوں کا نتیجہ سننے کے حد درجہ مشتاق و منتظر ہوتے ہیں اور جب کوئی فتح ہوتی ہے تو طرفدار گروہ کی خوشی و مسرت ناقابل بیان نظر آتی ہے اور جب کسی کو انعام دیا جاتا ہے تو وہ سین بھی قابل دید ہوتا ہے۔ ایک نوعمر لڑکا جس کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کے والدین بقید حیات ہوں ایک طلائی چھری سے زیتون کے اُس متبرک درخت کی شاخ کو جو آلیٹس[1] (Altis) میں واقع ہے اور جسے ہراکلیس (Heracles) نے صدیاں گذریں کہ خود اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ کاٹ کر لاتا ہے۔ اور یہ شاخ بطور انعام فاتح کو بخشی جاتی ہے۔ اب میں لوگوں کے اسوقت کے جوش و مسرت کا کیا حال بیان کروں جب میلو (Milo) گوروٹونیا (Corotonia) کا سورما اپنی شکل و قد و قامت کے برابر ایک پیتل کے ٹھوس بت کو اسٹیڈیم (Stadium) سے آلیٹس (Altis) تک بغیر لڑکھڑائے یا لغزش پائے لے گیا۔ تمام اسٹیڈیم (Stadium) یعنی دوڑ کا میدان تماشائیوں کے نعروں سے گونج رہا تھا کیونکہ وہ بت اتنا بھاری تھا کہ ایک قوی ہیکل دیو کی بھی کمر اُس کے بوجھ سے خمیدہ ہو جاتی۔ مگر میلو (Milo) اُسے اس آسانی سے لے گیا جسطرح کوئی دایہ ایک چھوٹے بچے کو گود میں اٹھا کر لیجاتی ہے۔ سیمان (Cimon) کے بعد جن لوگوں کو نہایت بیش بہا پھولوں کے تاج یا ریتھ[2] (Wreath) انعام میں دیئے

---

[1] دیکھو نوٹ ۱ صفحہ ۲۱۔

[2] یونانی اپنے تہواروں و شادی وغیرہ کے موقعوں پر سروں کو پھولوں کے ہار تاج و مکٹ وغیرہ سے

گئے۔ وہ دو بھائی تھے جن کا نام لیسانڈر (Lysander) اور مارو (maro) تھا اور جو اسپارٹا کے جلا وطن و مشہور امیر ارسٹو میقس (Aristomachus) کے لڑکے تھے۔ مارو (maro) تو دوڑ میں بازی لیگیا اور لیسانڈر (Lysander) نے مالموسے مبارز طلبی کی اور اُس سے کشتی لڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ لوگ اس پر بہت متعجب و خوش ہوئے کیونکہ مالمو ابھی تک کسی سے نہیں ہارا تھا اور اُس سے لڑنے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ وہ اسپارٹی نوجوان سے زیادہ قد آور و مضبوط تھا بلکہ اسپارٹی اس کے سامنے بالکل ایک ایسا بچہ معلوم ہوتا تھا جو ابھی مکتب کو چھوڑ کر آیا ہو مگر اس کا جسم اپالو (Apalo) کی طرح خوبصورت اور سڈول تھا۔ اور اُس میں غضب کی چستی اور پھرتی بھری تھی جب دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل آئے اور انکے خوبصورت برہنہ جسم جن پر تیل چپڑا ہوا تھا روشنی میں چمکنے لگے تو معلوم ہوتا تھا گویا شیر و چیتے کی لڑائی ہونے والی ہے۔ نوجوان لیسانڈر (Lysander) نے حملہ کرنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دیوتاؤں کے سامنے قسم کھائی اور اس طرح بآواز بلند کہا "میرے باپ کی آبرو۔ اپنی عزت اور اسپارٹا کی شہرت کے لئے" جس پر کروتن (Crotonia) والے نے مسکرا کر نوجوان کی طرف اُسی انداز سے دیکھا جس طرح کوئی اُستاد اپنے نو آموز شاگرد یا کوئی شکاری اپنے نخچیر کی طرف حقارت سے دیکھتا ہے۔ اب کشتی شروع ہوگئی۔ دونوں ایک دوسرے کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ کروتونی پہلوان نے اپنے زبردست ہاتھوں سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) آراستہ کرتے تھے۔ فاتحین اولمپیا کو بھی پھولوں کا تاج پہناتے تھے جو ایک باشندہ انکے لیئے سب سے بڑا شاندار اعزاز و بزرگی خیال کیا جاتا تھا۔ فصیح البیان مقررین جب کھڑے ہو کر تقریر کرتے تو اُنکے سروں پر بھی پھولوں کا ایک سرپیچ ہوتا تھا اور مشہور و معروف لوگوں کے مرنیکے بعد انہیں بھی یہی عزت بخشی جاتی یعنی تاج و ہار پہنائے جاتے تھے۔ زمانہ مابعد میں اسی قسم کے تاج سونے و چاندی کے پتروں سے بنائے جانے لگے جن میں نہایت صناعی کے ساتھ خوشنما جواہرات جڑے ہوتے تھے۔ (گول دکونہ)

جن کی کلائیاں شیر کی طرح مضبوط تھیں اور جنکی گرفت بلا کی تھی بہت چاہا کہ لڑکے کو پکڑ پائے
لیکن وہ بڑی چستی کے ساتھ اپنے بدن کو چرا لیجاتا تھا۔ اور قابو میں نہیں آتا تھا۔ یہ جدو
جہد بڑی دیر تک قایم رہی۔ اور تماشائیوں کا یہ حال ہو گیا کہ چپ چاپ آنکھیں
پھاڑ کر دیکھ رہے تھے کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ ہر طرف بالکل خاموشی طاری تھی اور
سوائے پہلوانوں کے دم لینے وہانپنے یا ایٹلیٹس (Athletes) کی چڑیوں کے چہچہانے
کے کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دیتی تھی کہ اتنے میں یکایک ایک غیر معمولی پھرتی
کے ساتھ اور ایسا عمدہ پیچ لگا کر کہ میں نے اپنے ہوش بھر میں نہ دیکھا تھا۔ نوجوان اسپارٹی
نے اپنے حریف کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ ماکلو نے اپنے کو چھڑانے کی کوشش کی مگر کچھ نہ
بن پڑی۔ زور کرتے کرتے دونوں کے جسموں سے پسینہ اس قدر ٹپک رہا تھا کہ اسٹیڈیم
(بازی گاہ Stadium) کی ریتلی مٹی بھیگ کر تر ہو گئی۔ اب لوگوں کا جوش اور بھی
بڑھ گیا تھا مگر خاموشی پہلے سے بھی زیادہ تھی۔ طرفدار گروہ بھی چپ چاپ تھے اور صرف
پہلوانوں کے کراہنے اور ہانپنے کی آوازیں زور زور سے کانوں میں آرہی تھیں۔ آخر کار
اسپارٹی کی قوت میں کمی محسوس ہونے لگی۔ اسکی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ جیسے دیکھتے
ہی ہزاروں تماشائیوں کے منہ سے دلاسے اور ہمت کے نعرے بلند ہونے لگے
اور اسپارٹی نے بھی جان توڑ کر زور کیا اور ایک غیر معمولی کوشش سے پھر اپنے
حریف پر قابو پانا چاہا لیکن کروتونی کو ایک لحظہ میں معلوم ہو گیا تھا کہ نوجوان کی تمام
طاقت صرف ہو گئی ہے اور اب اس میں ضعف آچلا ہے اس لئے اس کو اپنے
داؤں کا موقعہ مل گیا اور جلدی سے گھوم کر اس نے اسے دبوچ لیا۔ اور اس زور سے
دبایا کہ تمام پسلیاں چرچرانے لگیں منہ سے بہت سا کالا کالا خون بھل بھلا کر نکل پڑا
اور دلاور پہلوان بیجان ہو کر زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھتے ہی تماشائیوں کی ایک عجیب حالت
ہو گئی۔

ڈی موسیڈیسؔ[۵۱] (Democedes) جو ہمارے زمانہ کا بہت بڑا حکیم ہے اور جسے تم نے پولی کراتیسؔ (Polycrates) کے دربار میں دیکھا ہوگا۔ جلدی سے دوڑ کر آیا لیکن موت کا علاج کس سے ہو سکتا ہے۔ بہادر لڑکا پہلے ہی جان بحق ہو چکا تھا۔

مائلو کو مجبوراً اپنے سرپیچ[۵۲] (Wreath) سے محروم رہنا پڑا۔ اور نوجوان اسپارٹی کی شہرت تمام یونان میں پھیل گئی۔ اس کے جنازہ کے ہمراہ بڑے بڑے نامور لوگ تھے اور اب اس کا ایک بُت بنا کر آلتیس (Altis) میں گزشتہ سورماؤں اور بہادروں کی صف میں رکھا جائیگا۔ اس بازی کے بعد نقیبوں نے ججوں کے فیصلہ کا اس طرح اعلان کیا " بجائے مردہ بہادر کے اسکے وطن اسپارٹا کو فاتح کا سرپیچ (Wreath) بخشا گیا ہے۔ مائلو نے نہیں بلکہ موت نے لیسانڈر (Lysander) کو مغلوب کیا تھا۔ وہ کامل دو گھنٹے تک یونانیوں کے سب سے بڑے سورما اور سب سے بڑے زبردست شخص سے نبرد آزما ہوا۔ اور پھر بھی نہ ہارا۔ اس لئے وہی شاخ زیتون کا مستحق و سزاوار سمجھا جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر کلیاسؔ (Callius) خاموش ہوگیا۔ اپنی تقریر کے جوش میں اُسے حاضرین کا کچھ خیال نہ رہا تھا اُس کی زبان سے الفاظ نکل رہے تھے۔ آنکھیں سامنے کی طرف ٹکٹکی باندھے تھیں اور تخیلہ کے روبرو بہادروں و جنگجوؤں کی تصویریں پھر رہی تھیں۔ اب اُس نے چاروں طرف مڑ کر دیکھا تو اُسے سخت تعجب ہوا کہ ایک

---

۵۱ زمانہ قدیم کا ایک مشہور و معروف طبیب جو باشندہ کروٹن (جنوب اٹلی) تھا یہ پولی کراتیس کا طبیب خاص تھا بعدہ ایرانی اسے زبردستی پکڑ کر اپنے ملک لیگئے جہاں اس نے بڑے معرکے کے علاج کئے لیکن بعدہ بھاگ کر اپنے وطن واپس چلا گیا۔

۵۲ قاعدہ تھا کہ اگر حریف مارا جاتا تو فاتح اپنے انعام کا مستحق نہ سمجھا جاتا۔ (دابیرا)

بوڑھا شخص جس کی ایک ٹانگ لکڑی کی ہے اور جس کی صورت سے ایک عجیب وقار و مردانگی برستی ہے اپنے چہرہ کو ہاتھوں سے چھپا کر بھوں بھوں رو رہا ہے اور روڈوفس و فنیس داہنے و بائیں کھڑے ہوئے اس بوڑھے اسپارٹی کی طرف اس نگاہ سے دیکھ رہے ہیں کہ گویا وہی اُلمپیا (Olympia) کی داستان کا ہیرو ہے۔

ایتھنسی کو فوراً محسوس ہوا کہ ہو نہ ہو اس شخص کا فاتحین اُلمپیا سے کوئی تعلق ضرور ہے لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ یہی ارسٹومیقس ہے اور ان دونوں اسپارٹی بھائیوں کا باپ ہے جنکے حسین جسیم و خوبصورت شکلیں ابھی تک اُسکی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھیں تو اس کا دل ایک عجب اندوہ، ہمدردی و رحم سے بھر گیا اور اُسکی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ کیونکہ اس زمانہ کے لوگ جب جانتے تھے کہ رونے سے تسکین ہو جائیگی تو بیساختہ رو دیتے تھے اور اپنے جذبات کو چھپانیکے لئے بیجا شرم نہ کرتے تھے۔ چنانچہ غیظ و غضب خوشی و مسرت یا مصیبت کے وقت بڑے بڑے جوانمردوں کی یہی حالت ہوتی تھی۔ لیکن وقت پر شیروں کی طرح بہادری دکھاتے تھے۔ اور اپنے ملک کے نام و نمود کے لئے ہر طرح کی صعوبت ہائے جسمانی، تکلیفیں اور مصیبتیں جھیل لیتے تھے

حاضرین نے جب بہادر اسپارٹی کو روتے دیکھا تو تھوڑی دیر ان پر سکتہ کا سا عالم رہا۔ آخر کار جیشوا (Jeshua) جو بوجہ اسرائیلی ہونیکے نہایت محتاط تھا اور یونانی طریقہ سے پکائے ہوئے طعام سے دست کش رہا تھا۔ اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں افسوس و ہمدردی جتانے کی غرض سے کہنے لگا "بہادر اسپارٹی خوب جی بھر کر رو لو۔ میرے دل سے کوئی پوچھے کہ فرزند کا داغ کیسا کچھ روح فرسا ہے۔ گیارہ برس ہوئے جب میرے ہمقوم بابل میں غلامی کی ایڑیاں رگڑ رہے تھے

ہیں نے بھی اپنے ایک پیارے بچے کو دیارِ غیر میں سپردِ خاک کیا تھا۔ ہائے! اگر ایک سال وہ اور زندہ رہتا تو اپنے وطن میں جاکر آباؤ اجداد کی قبروں کے قریب ہی دفن ہوتا کیونکہ ایک سال بعد سیروس (Cyrus) شہنشاہ ایران نے جیہوواہ[1] (Jehova) اسکی اولاد کو ہمیشہ سلامت و زندہ رکھے ہمیں غلامی سے آزاد کرا دیا مگر میرے دل سے ابھی تک یہ قلق نہیں گیا کہ دشمنان بنی اسرائیل کے ملک میں میرا لختِ جگر زیر زمین سو رہا ہے۔ کیا اس سے بھی بڑھکر ایک باپ کے لئے کوئی مصیبت و آفت ہو سکتی ہے کہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز اپنے نورِ نظر اپنی تمام دھن دولت سے بڑھکر چاہتے بچے کو اپنے ہی ہاتھوں سے ایک تنگ و تاریک لحد کی آغوش میں دیدے۔ اور خصوصاً وہ فرزند اگر تمہارے نامور بیٹے کی مثال ہو تب تو اسکی موت پر جتنا بھی روئیے اور رنج و غم کیجئے سب بجا ہے"۔

اسپارٹی نے جلدی سے اپنے اشک آلود چہرہ سے ہاتھ اُٹھاکر مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہودی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں رنج و غم سے نہیں بلکہ جوشِ مسرت سے رو رہا ہوں۔ بلکہ اور بھی خوش ہوتا اگر دوسرے لڑکے کو بھی لیساندر (Lysender) کی طرح موت نصیب ہوتی"۔

اسرائیلی نے یہ سُنا تو دہشت زدہ ہوکر بڑی حیرت سے بوڑھے سردار کا مُنہ تکنے لگا۔ اور اپنے دل میں یہ کہہ کے کہ اس شخص کے جذبات نہایت بیہودہ و خلاف فطرت ہیں۔ گردن ہلاکر چپ ہو گیا۔ یونانیوں نے اُسے قابلِ رشک و حسد سمجھا۔ اور ہر طرف سے مبارکبادی کی بوچھاڑیں پڑنے لگیں۔ ارسٹومیقس (Aristomachus) کے چہرہ پر ایسی فرحت تھی کہ اپنی عمر سے کئی سال کم معلوم ہوتا تھا۔ اور مسکراکر روڈوفس سے کہنے لگا "دو کرم فرما۔ تمہارا امکان میرے لئے بڑا مبارک ہے۔

[1] یہودی خدائے تعالیٰ کو اسی نام سے پکارتے تھے۔

جب سے میں یہاں آیا ہوں یہ دوسری خبر ہے جسے دیوتاؤں نے مجھے سنا کر شادماں کیا ہے۔" خاتون نے پوچھا "اور پہلی خبر کونسی تھی" اسپارٹی۔ "ایک حسب مراد آرکل (پیشینگوئی Oracle)"۔

فینس "تم تیسری نعمت کو تو بھول ہی گئے۔ یعنی دیوتاؤں کی کرپا سے آج تم روڈوفس ایسی خاتون کی ملاقات سے فیض یاب ہوئے۔ لیکن آرکل (Oracle) کا کیا واقعہ ہے"

ڈلفینی۔ "اگر تمہاری اجازت ہو تو دوستوں سے کہدوں"

ارسٹومیقس نے سر ہلا کر کہا کہ کوئی مضائقہ نہیں اور فرکسس (Phryxus) ڈلفوی نے آرکل (Oracle) کے جواب کو بآواز بلند سب کے سامنے پڑھکر سنایا۔

اتریں گے برف پوش پہاڑوں سے ربع پوش | اس نہر مار خم پہ جو وادی میں ہے رواں
رمنوں کی حد پہ پھر تمہیں پہنچا کے آئیگا | آئیگا اک سفینہ جو کچھ دیر سے یہاں
رمنے وہ دلکشا ہیں فضا جن کی دیکھ کر | پائیں گے راحتوں کا غریب الوطن نشاں
وہ چیز پانچ جج نہ جسے کر سکے عطا | آ کر وہ ربع پوش تمہیں دیں گے بے گماں

فرکسس (Phryxus) کے منہ سے ابھی آخری جملہ مشکل سے ختم ہوا تھا کہ کلیاس (Callius) ایھینسی اک بڑے انداز پسندیدہ کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بآواز بلند بولا "چوتھی نعمت تو رہی جاتی ہے۔ دیوتاؤں کا چوتھا احسان بھی تم کو میرے ہی ذریعہ سے یہاں نصیب ہوگا۔ اچھا تو کان کھولکر سنو۔ ایک سب سے عجیب و غریب چیز تو میں نے بیان ہی نہیں کی تھی وہ یہ ہے کہ ایرانی مصر کی طرف آرہے ہیں"۔ اسکے سنتے ہی سوائے سی باریسی (Sybarite) کے اور تمام حاضرین جلسہ اپنی اپنی جگہوں پر بیتابانہ کھڑے ہو گئے

اور کلیاس (Callius) پر اتنے سوالوں کی بھرمار کر دی کہ وہ مشکل سے جواب دیسکا۔ اور گھبرا کر کہنے لگا "دوستو! ذرا صبر کے ساتھ کام لو اور مجھے سلسلہ وار بیان کرنے دو۔ ورنہ بات پوری کرنا مشکل ہو جائیگی۔ یہ ایرانیوں کی، جیسا فنیس تمہارا خیال ہے۔ فوج نہیں ہے بلکہ کمبوجیہ (Cambyses) ایران کے جلیل القدر شہنشاہ کی سفارت ہے جو اس طرف آرہی ہے۔ مجھے ساموس (Samos) میں خبر ملی تھی کہ وہ ملی ٹوس (Miletus) تک آ گئے ہیں اس لئے اب چند ہی دنوں میں یہاں پہنچ جائینگے اور ہم کو ایک غیر معمولی شان و شوکت کے دیکھنے کا موقع حاصل ہوگا۔ ان کے ساتھ بادشاہ کے چند عزیز و اقارب اور لِدیہ[1] (Lydia) کا بوڑھا بادشاہ کری سس

---

[1] جغرافیہ قدیم میں ایشیائے کوچک کے ایک ضلع کا نام تھا جس کے حدود مقرر کرنا مشکل ہے اس لئے کہ مختلف زمانوں میں اس کے مختلف حدود رہے۔ تاریخ میں اس کا نام ۶۶۰ ق م سے نظر آتا ہے جبکہ اشور بانی پال بادشاہ تھا۔ پھر ہومر اس کا ذکر کرتا ہے۔ یونانی مورخوں میں سب سے پہلے ممنرموس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک زمانہ میں جبکہ مرمن خاندان حکمراں تھا اسکی بحری اور بری قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ بہت سے یونانی شہر فتح ہو کر اس میں داخل ہو گئے تھے اور ساحل ایونیا لڈیا کی ریاست میں داخل تھا۔ الیاٹیس (Alyattes) اور کروسس (Croesus) کے زمانہ میں لڈیا کی ریاست بڑی سلطنت ہو گی اور جس قدر ایشیائے کوچک کا حصہ دریائے ہیلیس (Halys) کے مغرب کی جانب تھا سوائے لیسیا (Lycia) کے اسکے تحت میں آگیا۔ جب ایرانیوں نے اسے فتح کیا تو دریائے می آینڈر (Maender) اس کی جنوبی سرحد تھا اور جب رومیوں نے قبضہ کیا تو ایک طرف میسیا (Mysia) اور کاریا (Caria) کا درمیانی ملک اور دوسری طرف فریجیا (Phrygia) اور بحر ایجین (Aegean) کے مابین کا حصہ اس میں داخل تھا۔ خاص لڈیا بہت زرخیز مقام تھا۔ پہاڑوں میں انگور اور انجیر بہت ہوتے تھے۔ ہرمز کے زرخیز میدانوں میں غلہ اور زعفران بکثرت ہوتا تھا اور ٹمالوس کے پہاڑوں اور ریگستانوں میں سے سونا برآمد ہوتا تھا۔

(Croesus) بھی ہے۔ کسی کو یہ نہیں معلوم کہ انکے آنے کا کیا سبب ہے۔
مگر خیال کیا جاتا ہے کہ شاید ان کا مقصد مصر کے ساتھ اتحاد قائم کرنا ہے اور یہ بھی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ہیروڈوٹوس کہتا ہے کہ لیڈوس، میسوس اور کار، تین بھائی تھے جنہوں نے یہ ملک اور شہر آباد کئے تھے۔ یہاں جو قوم آباد تھی وہ آریہ قوم اور پہلے کی قدیم اقوام سے مل جل کر ایک نئی قوم بن گئی تھی۔ اور ایشیائے کوچک کی دوسری قوموں کا جو مذہب تھا۔ ان لوگوں کا بھی تھا۔ وہ اشیائے قدرت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ بڑے دیوتا کا نام میڈیوس تھا اور اٹیس (Attis) سورج کا دیوتا تھا جو سائی بیب (Cybebe) دیوتاؤں کی ماں کا بیٹا اور شوہر دونوں تھا۔ تنتلوس کے فرزند برڈٹیس نے اس کا بت تراش کر سیپی لوس کی پہاڑیوں پر رکھا تھا۔ لڈیا کی لڑکیاں فحش کے ذریعہ سے جو ایک مذہبی فعل کہا جاتا ہے اپنی شادی بیاہ کا سامان اور جہیز کا انتظام کرتی تھیں۔

زینتوس (Xanthus) نام سنہ ۶۴۰ ق م میں خود لڈیا میں ایک مورخ گذرا ہے وہ کہتا ہے کہ یہاں تین خاندانوں نے حکومت کی تھی۔ اول آٹیا جس کا حال صرف افسانوں اور کہانیوں میں رہ گیا ہے۔ یہ خاندان محض خیالی معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے خاندان کا حسب نسب بھی آسمانی بیان کیا جاتا ہے مگر اس کے بانی کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مشرق اقصیٰ سے آئے تھے کہا جاتا ہے کہ دوسرے خاندان کا یہ بانی ہرکولیز اور امفیل کی اولاد میں تھا۔ اور ہیروڈوس کہتا ہے کہ اسکے باپ کا نام نیموس اور دادا کا نام بیکوس تھا۔ اس خاندان کو آل ہرقل کہتے ہیں۔
یہ قول کہ یہ خاندان نینوا سے آیا تھا صحیح نہیں ہے۔ اشور بانی پال سے قبل اشوریوں کو لڈیا کا نام بھی نہیں معلوم تھا اور اہل حطی (Hittites) جو تمدن بابل میں پلے ہوئے تھے ایشیائے کوچک پر حملہ کرکے مصری بادشاہ رعمیس دوم کے زمانہ کے قبل ہی بحیرہ ایجین کے سواحل پر قابض ہو گئے تھے چنانچہ انکے آثار ابتک لڈیا میں پائے جاتے ہیں جس کا دار السلطنت سارڈیس تھا جسے سیمرائی (Cimmerii) نے سنہ ۱۰۶۸ ق م میں پہلے پہل فتح کیا۔ اسکے بعد حطیوں (Hittites) کے صوبہ دار یہاں حاکم رہے۔ ان کے بعد آل ہرقل آئی۔ پانسو پانچ برس کے بعد اس خاندان

اُڑواہ ہے کہ شاہ ایران کی طرف سے فرعون کی بیٹی کی نسبت کا پیام لا رہے ہیں"۔ فینیس نے بے اعتباری کے ساتھ شانے ہلا کر کہا "یہ خوب کہی۔ بھلا اتحاد کی ایرانیوں کو کیا ضرورت۔ وہ خود ہی آجکل آدھی دنیا سے زیادہ کے مالک ہیں اور ایشیا کے تمام تاجدار انکے سامنے اپنی گردنیں جھکاتے ہیں۔ ہاں صرف مصر اور ہمارا یونان ابھی تک انکی فتوحات سے باقی رہ گیا ہے"
کلیاس (Callias) "اور زرخیز ہندوستان جنت نشان والیشیا کی چند خانہ بدوش اقوام بھی ابھی تک انکے زیر نگین نہیں ہوئی ہیں۔ اور یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ ایک ایسی سلطنت جس میں تقریباً ستر مختلف قومیں آباد ہوں جنکی مختلف زبانیں اور مختلف عادات و اطوار ہوں۔ ہمیشہ اندرونی بغاوتوں سے ڈرتی رہتی ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کے ہاتھ سے حکومت نکلی جس کے اخیر بادشاہ کا نام سیاتیس تھا۔ انکے بعد ۶۸۷ قم میں مرمنی حاکم ہوئے۔ جنکا پہلا بادشاہ گائیجیز (Gyges) تھا جس نے بحری قوت کو ترقی دی۔ بعدہٗ آل سیمرای نے پھر انکا ملک فتح کر لیا مگر یہ سب اشور بانی پال کے باجگزار تھے۔ اسکے بعد لڈیا نے تجارت میں اتنی ترقی کی کہ یہاں کا بادشاہ اپنے زمانہ کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ دولتمند سمجھا جاتا تھا۔ الیاطیس بادشاہ نے یہاں ۵۷ برس حکومت کی اور لڈیا کی سلطنت کی بنیاد مستحکم کی۔ اسکے بعد کروسس اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا جسنے ۱۵ برس تنہا حکومت کی تھی کہ ۵۴۶ قم میں ایران کے بادشاہ سائرس (Syrus) نے دریائے ہیلس (Halys) پر اسے شکست دیکر دارالسلطنت سارڈیس (Sardes) پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ کو بھی گرفتار کر لیا اور لڈیا میں اپنا صوبہ دار مقرر کیا۔ لڈیا کی دارالسلطنت سارڈیس نے اس قدر ترقی کی کہ سلطنت ایران کا دوسرا پایہ تخت کہلایا جاتا تھا۔ اور اسی کے جلا ڈالنے کی وجہ سے ایرانیوں اور یونانیوں میں سخت جنگ ہوئی تھی جو جنگ فارس کے نام سے مشہور ہے۔ سکندر کی موت کے بعد لڈیا اسکے جنرل انٹی گانوس کے حصہ میں آیا۔ اسکے بعد اکیمیس اور پھر انٹیاکوس کے پاس یکے بعد دیگرے رہا۔ حتیٰ کہ اسے رومیوں نے فتح کر کے اپنے ایشیائی صوبوں میں شامل کر لیا۔ ۱۲

اور غیر ملکی جنگ وجدال سے احتراز کرنا پسند کرتی ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میدان خالی پا کر اُسی کی سرکش رعایا علم بغاوت بلند کر دے۔ مثلاً اہل ملیسیا (Milesia) ہی سے پوچھ دیکھو کہ اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ان کا ظالم فرمانروا کسی بڑی جنگ میں ہار گیا تو کیا وہ خاموش بیٹھے رہیں گے؟"

اس پر حاضرین میں سے **ملی توس** (Miletus) کے ایک تاجر نے بڑے جوش کے ساتھ کہا "اگر ایرانی کسی لڑائی میں ہار جائیں تو اُن پر چاروں طرف سے سیکڑوں دشمن ٹوٹ پڑیں گے۔ اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میرے ملک والے بھی اگر موقعہ ہاتھ آ گیا تو ظالموں کو نکال دینے میں کسی سے پیچھے نہ رہیں گے!"

کلیاس (Callius) "ایرانیوں کے ارادے خواہ کچھ ہی ہوں مگر میرا تو یہ قول ہے کہ تین دن کے اندر وہ یہاں آموجود ہوں گے"

"رودوفس" اور ارسٹومیقس تم خوش ہو کہ تمہارے **ارکل** (Oracle) کی پیشین گوئی بھی پوری ہو جائے گی کیونکہ کوہستانی سواروں سے مراد ایرانی ہی ہو سکتے ہیں اور جب وہ دریائے نیل کے کناروں پر پہنچ جائیں گے تو پانچوں افور[1] (Ephors)

[1] افور قدیم ریاستہائے اسپارٹا کے سب سے اعلیٰ مجسٹریٹوں کا خطاب تھا۔ کہا جاتا ہے کہ لائیکرگوس (Lycurgus) نے اسکی بنیاد ڈالی تھی مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ ڈورس (Doris) کے قدیم انتظامات میں سے ایک یہ بھی تھا۔ پہلے ان مجسٹریٹوں کی تعداد پانچ ہوتی تھی اور ان میں جو سب سے اول ہوتا تھا اسی کے نام سے وہ سال مشہور ہوتا تھا۔ ان کا انتخاب سالانہ ہوا کرتا تھا اور کثرت رائے سے فیصلہ ہوا کرتا تھا۔ ان لوگوں سے ماہانہ حلف لیا جاتا تھا اور یہی خود ایک دوسرے سے حلف لیتے تھے۔ بادشاہ کے سامنے بیٹھنے کی صرف انہیں کو اجازت تھی اور خود بادشاہ کے مقابلہ میں سماعت مقدمہ کرنے اور اُسے محبس میں بھیجنے کا اختیار رکھتے تھے۔ ان میں سے دو فوج کے ساتھ میدان میں جایا کرتے تھے۔ یہی لوگ قانون پر عمل کراتے اور نوجوانوں کو تربیت

اپنا ارادہ بدل دیں گے اور تم جو کہ المپیا (Olympia) کے ہر دو فاتحین کے باپ ہو واپس بلائے جاؤ گے (غلام کی طرف مخاطب ہو کر) ناسیس (Cnacis) جام شراب بھر دے۔ ہم کو اب یہ آخری جام نامور لیسیانڈر (Lysander) کی یاد میں پینا چاہیے۔ اور بعد ازاں میں بادل ناخواستہ آپ سب کی یاد دہانی کرونگی کہ رات تمام ہونے کو آئی ہے اور آپ لوگوں کے آرام کے خیال سے مجھ پر واجب ہے کہ اس عیش و طرب کی مجلس کو ایسے وقت برخاست کر دوں کہ بعد ازاں ناگوار طبع نہ ہو اور یہ امید رکھوں کہ آج کا لطف صحبت آپ کو دوبارہ پھر مجھے عزت بخشنے پر آمادہ کریگا۔" تمام حاضرین نے روڈوفس سے اتفاق کیا اور اسکی بہت کچھ تعریف اور اپنے اظہار مسرت کے بعد رخصت ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ سی بارسی (Sybarite) نے بھی اپنے آرام دہ کوچ سے اٹھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ شراب کثرت سے پی گیا تھا۔ اور نشہ میں چور تھا اور جب غلاموں نے آکر ہاتھ پکڑ کر سہارا دینا چاہا تو ناراض ہو کر بڑبڑاتا اور میزبان کی شکایت کرتا ہوا اٹھا۔ پھر روڈوفس آگے بڑھ کر رخصت ہونے لگی تو غصہ سے اسکی طرف دیکھکر شراب کے نشہ میں کہنے لگا۔ "ہراکلیس (Heracles) کی قسم روڈوفس تم مجھے اپنے گھر سے اس طرح نکال رہی ہو کہ گویا میں نے تمہاری کوئی گٹھری کاٹی ہے۔ یاد رکھو میں ایسی ذلت و ہتک کا عادی نہیں ہوں کہ زبردستی کسی محفل سے اٹھایا جاؤں یا کسی طفیلی و مفت خور کی طرح مجھے دروازہ کا راستہ بتایا جائے۔" روڈوفس بہت عذر و معذرت کرکے ہنسی سے کہنے لگی "یہ آپ کے اس قدر شراب پینے کا نتیجہ ہے کہ میری بات سمجھنے سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) دیا کرتے تھے۔ یہی لوگ ٹیکس لگاتے اور مال غنیمت تقسیم کیا کرتے تھے۔ اور خارجی پالیسی میں ان کا فیصلہ سب پر بالا ہوا کرتا تھا۔ ممالک غیر کے سفراسے یہی معاملات طے کرتے۔ فوجیں روانہ کرتے اور ہر فوجی افسروں کو ہدایات بھیجتے رہتے تھے ۱۲

معذور ہیں"

سی بارسیی کو یہ جواب ناگوار گذرا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازہ کی طرف بڑھا اور قہقہہ مار کر طنز و حقارت سے بولا "میں تو بقول تمہارے شرابی ٹھیرا۔ اور تم کون ہوئیں؟ تم کو میں ایک گستاخ لونڈی سمجھتا ہوں۔ اڈمن (Admon) اور زینتھیس (Xanthus) کی داشتہ کنیزک اور چراکسس (Charxus) کی آزاد کردہ معشوقہ جانتا ہوں۔ ڈایونی سیس (Deonysus)[۱] کی قسم اپنی جوانی میں خوب رنگ رلیاں کھیلی ہونگی اور غضب کی حسین ہوگی۔ اچھا تو اب رخصت"۔ یہ جملہ مشکل سے ابھی ختم ہوا ہوگا کہ اسپارٹی نے اس زور سے ایک گھونسہ رسید کیا کہ وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور پھر اسے ایک بچہ کی طرح اپنی گود میں اٹھا کر باہر لے گیا اور اس کے غلاموں کے سپرد کر دیا جو کشتی کے پاس انتظار کر رہے تھے۔

تیسرا باب

روڈوفس اور نفیس

سب مہمان رخصت ہو کر چلے گئے تھے۔ شرابی کے ہتک آمیز حملوں نے انکے دلوں کو دکھا کر تمام لطف منغض کر دیا تھا۔ روڈوفس اب تن تنہا دعوت کے کمرہ میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور جسم کانپ رہا تھا۔ ناسیس (Cnasis) نے رنگین لمپوں کو بجھا دیا۔ اور صبح صادق کی دھیمی روشنی نے یہاں

[۱] میخواری و شراب کا دیوتا۔

بے ترتیب کرسیاں اور میز کی الٹی پلٹی چیزیں مدھم نظر آنے لگیں۔ پو پھٹ رہی تھی۔ مصر کی صبح عام طور سے خنک ہوتی ہے۔ نسیم سحری کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے کھلی ہوئی کھڑکیوں سے آرہے تھے۔ اس کی آنکھیں جنکے آنسو خشک ہو گئے تھے کمرہ کی ویرانی کو دیکھ رہی تھیں اور وہ اپنے دل کی حالت کو اس ویرانگی سے مشابہت دے کر سوچ رہی تھی کہ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ یہاں کیسا عیش و نشاط اور چہل پہل مچی ہوئی تھی۔ وہ کیسی اُس وقت خوش و خرم تھی یا اب یہ کیفیت ہے کہ اس کے دل میں ایک کانٹا سا کھٹک رہا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا جسم کا تمام خون خشک ہو کر سرد پڑ گیا ہے۔ وہ دیر تک اسی طرح کھڑی رہی اتنے میں اُس کا پرانا خادم شمع لئے حاضر ہوا۔ اور خوابگاہ کی طرف لیچلا۔ یہاں پہنچکر اس نے کپڑے بدلے اور آہستہ سے اُس پردہ کو اٹھایا جو ایک دوسرے کمرے کے درمیان حائل تھا۔ اس کمرہ کے وسط میں ایک خوبصورت لکڑی کا پلنگ تھا جس پر بھیڑ کے ملائم بالوں کا گدا بچھا تھا اور سفید چادروں پر ہلکے آسمانی رنگ کا پلنگ پوش نہایت خوشنما معلوم ہوتا تھا اس مسہری پر ایک حسین پریجمال لڑکی سورہی تھی۔ یہ سافو (Sappho) روڈوفس کی نواسی تھی۔ اس فتنہ خوابیدہ کا ایک ہاتھ سر کے نیچے دبا ہوا تھا جس پر ملائم سیاہی مائل بھورے بھورے بال بے ترتیبی کے ساتھ بکھرے ہوئے تھے۔ دوسرے ہاتھ میں وہ سنگ یشب کا ایک چھوٹا سا تعویذ جو گلے میں پڑا ہوا تھا پکڑے ہوئے تھی۔ اس کا جسم نہایت سڈول و نازک تھا۔ جوانی کا ابھار اور چہرہ حد درجہ کا دلکش جس پر غضب کا بھولا پن و معصومیت برس رہی تھی خصوصاً اس حالت میں کہ وہ مصروف خواب تھی۔ لبوں پر ایک عجیب دلفریب مسکراہٹ تھی۔ نرگسی آنکھیں بند تھیں مگر مژگان دراز میں ایک خفیف سی جنبش آجاتی تھی۔ گلابی رخساروں پر ایک ہلکا سا رنگ دوڑ جاتا تھا۔ نازک نازک نتھنے بھی برابر حرکت کر رہے تھے اور وہ بڑے اطمینان و چین سے ایسی بیفکری کی نیند سو رہی تھی

جو صرف عنفوان شباب یا بچپن ہی کے زمانہ میں کسی کو نصیب ہو سکتی ہے۔ روڈوفنس بڑی خاموشی کے ساتھ دبے پاؤں قریب آئی اور ایک ناقابل بیان ولولہ الفت سے اپنی پیاری نواسی کا چہرہ دیکھنے لگی۔ پھر دوزانو ہو کر نیچے بیٹھ گئی۔ اور تکیے کی طرف اپنا سر اتنا جھکا دیا کہ لڑکی کا ہاتھ اُسکے بالوں کو چھونے لگا۔ پھر زار و قطار خوب دل کھول کر روئی۔ گویا اپنے دل کا تمام غبار غم و اندوہ و شرمساری آنسوؤں کی جھڑی سے دھو کر بہا دینا چاہتی ہے۔ کچھ دیر بعد جب کسی قدر تسکین ہوئی تو کھڑے ہو کر اُس نے نہایت آہستہ سے سونے والی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ہاتھ اُٹھا کر اسکے حق میں دعا مانگی اور چپ چاپ اپنی خوابگاہ کی طرف واپس چلی گئی۔ وہاں اسکی بڑھیا خادمہ منتظر تھی جسے دیکھتے ہی کہنے لگی "ملٹیا تو ابھی تک میرا انتظار کر رہی ہے۔ جا اب آرام کر۔ اس عمر میں اتنی دیر تک جاگتے رہنا تیرے لئے اچھا نہیں۔ نیز مجھے اب کچھ ضرورت نہیں۔ جب تک نہ بلاؤں مت آنا۔ میں بھی تھوڑا سا سو رہونگی تاکہ رات کی تکان دور ہو جائے۔" خادمہ متردد معلوم ہوئی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔

روڈوفنس۔ "تو کچھ کہنا چاہتی ہے؟" بڑھیا کو ابھی تک جھجک تھی اور مُنہ تک رہی تھی۔

روڈوفنس۔ "بولتی کیوں نہیں؟ جلدی بتا کیا بات ہے۔"

خادمہ۔ "خاتون۔ آپ کو میں نے ابھی روتے دیکھا ہے۔ کیا نصیب دشمناں کوئی صدمہ پہنچا ہے۔ یا آپ بیمار ہو گئی ہیں۔ قصور معاف جب تک اپنا حال دل کہہ کر آپ تشفی نہ کرینگی یہ لونڈی ہرگز یہاں سے نہ جائے گی اور سرہانے بیٹھ کر برابر جاگتی رہے گی۔"

روڈوفنس۔ "تجھ سے کہنے کی یہ بات نہیں۔ (کچھ تامل کے بعد تلخ آمیز مسکراہٹ سے) مجھے آج اس امر کا پھر یقین ہو گیا۔ کہ کوئی کتنی ہی نیکی کرے مگر گزشتہ

گناہوں کا کفارہ بہت مشکل ہے اور کبھی نہ کبھی ایسی ذلت وخواری کا سامنا ہوتا ہے جس سے تمام اطمینان و عیش خاک میں مل جاتا ہے۔ اچھا تو رخصت۔ ملیٹیا تو اب جاکر آرام کر۔" دوسرے دن وہی کشتی جس پر اتھنسی و اسپارٹی آئے تھے پھر روڈوفس کے باغ کے قریب آلگی۔ اس وقت آسمان کا مطلع صاف تھا سورج بڑے آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ ہوا صاف و ہلکی ہلکی چل رہی تھی۔ بھونرے گونج رہے تھے۔ ملاحوں کے گانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ سبزہ پوش کناروں پر جھنڈیاں اُڑ رہی تھیں۔ اور لوگوں کے غول کے غول نظر آرہے تھے۔ تاڑ، کھجور، کیکر اور انجیروں کے درخت پھلے پھولے میووں سے لدے ہوئے اپنی بہار دکھا رہے تھے اور تمام خطہ زمین قدرت کی غیر معمولی فیاضیوں کا نمونہ بنا ہوا ایسا سرسبز و زرخیز نظر آتا تھا کہ مسافر کے دل میں فوراً یہ خیال گذرتا کہ یہی وہ جائے عیش و طرب ہے جہاں سے کلفت و مصیبت دور ہے اور ہر طرف سودمندی و خوشحالی کا راج رچا ہوا ہے۔

مگر اکثر یہ اتفاق ہوا ہے کہ ایک اجنبی کسی خوبصورت قریہ سے گذرتا ہوا اسکے دلفریب منظر سے متاثر ہوکر تصور کرتا ہے کہ یہاں کے رہنے والے کیا ہی چین و آرام و خوشی کی زندگی بسر کرتے ہونگے۔ لیکن جب اندر داخل ہوتا ہے تو حالت دگرگوں نظر آتی ہے۔ بجائے خوشی کے وہاں ہر گھر میں افلاس و مصیبت اور ہر دل میں رنج و محن، ندامت و افسوس، حسد و غصہ وغیرہ کی چنگاریاں سُلگتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح نو وارد مصر اسکی زرخیز اور ہنستی ہوئی سرزمین کو دیکھ کر اُس کے آسمان پر بھی جو گرد وغبار اور ابر وغیرہ سے ایسا صاف و نکھرا رہتا ہے۔ نگاہ ڈال کر بھلا گمان کر سکتا ہے کہ اس سرزمین کے رہنے والے ایسے سنجیدہ اور متانت پسند ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح روڈوفس کے خوبصورت محل و باغات کو آج کوئی

دیکھتا تو بھلا یہ کہہ سکتا کہ اس جنت نشان مکان کی رہنے والی اور اس مینوسواد مقام کی سرتاج مالکہ کا حال یہ ہے کہ اس کا دل ہزاروں افسوس و ندامت کا نشانہ بنا ہوا زندگی کا اک ماتمکدہ نظر آرہا ہے۔

روڈوفس کے زرد چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی روتی ہوئی اُٹھی ہے وہ فینیس کے ساتھ ایک فوارے کے نزدیک درختوں کی کنج کے نیچے بیٹھی ہے۔ اتھینیسی اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے بڑی دلجوئی و ہمدردی سے کچھ کہہ رہا ہے وہ سر جھکائے چُپ چاپ سن رہی ہے اور آخر اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہے "میں تمہاری بہت ممنون و مرہون منت ہوں۔ کل کا رنج کبھی نہ کبھی بھول ہی جاؤنگی اور رفتہ رفتہ صبر آجائیگا مگر مجھے خیال ہے تو اس بچی کا۔ کبھی تو سوچتی ہوں کہ اس منحوس مقام سے چلی جاؤں بلکہ اس ملک ہی کو چھوڑ کر کسی دیار کا رُخ کروں جہاں تنہائی و گمنامی میں زندگی کے یہ باقیماندہ دن کاٹ دوں۔ کیونکہ میں سچ کہتی ہوں کہ میری طبیعت اب لوگوں کی صحبت سے گھبرا گئی ہے اور دل میں کوئی تمنا و ہوس باقی نہیں رہی۔ صرف ایک خیال مجھے یہاں روکے ہوئے ہے وہ یہ کہ شاید یہ بدنصیب جس کے ماتھے پر گذشتہ غلامی و بدنامی کا ٹیکا لگا ہوا ہے۔ یہاں رہنے سے اپنے ہموطنوں کی کوئی ناچیز خدمت کر سکے اور انکے کام آسکے اسی لئے میرا ارادہ تھا کہ کچھ ہی ہو مگر اپنی تمام عمر اسی ملک میں کاٹ دونگی اور تمہارے چلے جانیکے بعد اپنے دوستوں کی امداد کے لئے اور بھی کوشاں و سرگرم رہونگی۔ اماسس (Amasis) بوڑھا ہو گیا ہے۔ اگر سامطیق (Psamtik) اس کے بعد بادشاہ ہوا تو ہمارے لئے اور بھی مشکلات کا سامنا پڑ جائیگا اور مجھے اپنے یونانی بھائیونکی سلامتی اور آزادی کے لئے اور بھی جان توڑ کر لڑنا پڑیگا۔ میری تمام زندگی کا اب یہی ایک مقصد رہگیا ہے۔ خواہ بعض لوگ مجھ پر کتنا ہی نام دھریں لیکن میں باوجود عورت ذات ہونے کے اپنی ہمت کو ہاتھ سے نہ چھوڑوں گی۔ البتہ کل کی رات جو میری روتے کٹی ہر

اُس نے ثابت کر دیا کہ ابھی تک بہت کچھ وہ کمزوری مجھ میں باقی ہے جو فرقۂ اناث کی طبیعت کا ایک خاصہ ہے اور انکی مصیبت و خوشی دونوں کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اب اس کو دور کرنے کی کوشش کرونگی مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی اپنی فطرت سے لڑے اور ہمیشہ فتحیاب ہو۔ جب میرے دل کو کوئی تکلیف و درد محسوس ہوتا ہے اور مایوسی کی گھٹا اس پر چھانے لگتی ہے تو مجھے اپنے دوست فیثاغورث[۵۱] کے حجن سے بڑھکر

[۵۱] چھٹی صدی قبل مسیح میں یونان میں ایک حکیم تھا جسے ساموس کا باشندہ کہا جاتا ہے۔ ۵۸۶ء ق م اور ۵۶۹ء ق م کے مابین یہ پیدا ہوا ہے۔ اسکے باپ کا نام نمیسارکوس (Mnesarchus) تھا اسنے پہلے فیری سائیڈیس (Pherecydes) کی شاگردی اختیار کی پھر ہرماڈوماس (Hermadomes) کی۔ اس نے سیاحت بہت کی ہے اور کہا جاتا ہے کہ دوران سیاحت میں مصریوں، فینیقیوں، کالاییوں، یہودیوں اہل عرب۔ گال کے ڈروائیڈ (Druid) اور ایرانیوں کے مغوں اور ہند کے برہمنوں سے ملاقات کی ہے۔ بعض نے ان واقعات سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ بعد کے لوگوں نے اسکی تعلیم کو ان ممالک کے باشندوں کے اثر سے متاثر ظاہر کرنیکے لئے ایسا بیان کیا ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ وہ مصر اور بحر قلزم کے دیگر ساحلی ممالک پر گیا ہو۔ الیسوکریٹس (Isocrates) کا تو یہی بیان ہے۔ ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ پیروان فیثاغورث کی بہت رسوم اہل مصر کی رسموں سے ملتی ہیں اور تناسخ کا مسئلہ اس نے انہیں لوگوں سے لیا ہو۔ تقریباً ۵۲۹ء ق م میں اس نے کروٹونا (Crotona) کی طرف اٹلی کے جنوب میں جہاں اہل ڈورس کی ایک نو آبادی تھی۔ ساموس سے ہجرت کر کے وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ اس ہجرت کی وجہ بالی کریٹیز (Polycretes) کے ظلم و تعدی بیان کیجاتی ہے۔ اب کروٹونا میں اس نے تعلیم دینی شروع کی اور یہ مقام جلد اسکے اثرات کا مرکز بن گیا۔ اسکے شاگردوں کی ایک برادری تھی اور انکی جمعیت ایسی ہی تھی جیسے کہ بعض مذہبی جمعیتیں یا اصلاحی انجمنیں ہوتی ہیں۔ فیثاغورث علاوہ حکیم ہونیکے اصلاح کنندہ اخلاق بھی تھا۔ اسکے شاگرد عرصہ دراز تک میگنا گریشیا (یونان اکبر) کے بڑے حصہ پر مسلط رہے۔ گو انہیں سیاسیات سے کوئی تعلق نہ تھا مگر اہل سیاست نے اپنی مصلحت کے لحاظ سے اس جمعیت کو متفرق کر دیا۔ اس تفریق و انتشار کا

اس زمانہ میں شاید ہی کوئی دوسرا صاحب کمال و دانا حکیم ہو۔ یہ الفاظ یاد آجاتے ہیں اور بہت کچھ تسلی و تشفی ہو جاتی ہے۔ وہ ہر بات میں اعتدال سے کام لو۔ خوشی و راحت، مایوسی و غم دونوں حالتوں میں حد سے نہ گذر جاؤ اور بربط خوش آہنگ کے تاروں کی طرح اپنی روح کے تاروں کو بھی نہ اس قدر زیادہ کھینچو کہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہو جائے اور نہ ڈھیلا ہی چھوڑ دو۔ ورنہ اس کے تال و سر بگڑ جائیں گے۔ اور نغمہ کی خوبیوں میں بڑا فرق آجائے گا"

مجھے اپنے سافو کے مزاج میں بھی یہی صلاحیت، یہی صبر، یہی اطمینان و استقلال نظر آتا ہے۔ وہ میری طرح ایسی کمزور نہیں ہے کہ قسمت کے ذرا سے ہیر پھیر میں ہمت ہار جاتی ہو۔ ذرا سی بات میں پراگندہ خاطر و پریشان ہو جاتی ہو۔ اور آئینہ دل سے غبار غم کو دور نہ کر سکتی ہو مگر شکر ہے کہ فیثا غورث کی نصیحت کو یاد کر کے میری طبیعت بھی اب سکون پر آچلی اور تم سے کچھ نہیں کہہ سکتی کہ اس جلیل القدر فلسفی کے اقوال کا مجھ پر کتنا بڑا اثر ہوا ہے۔ جب انکی صحبت اور انکی باتوں کو یاد کرتی ہوں تو ایک ناقابل بیان تسکین قلب پر طاری ہو جاتی ہے۔ تم بھی فیلنیس اُن سے واقف ہو گے اور میرے بیان کی تصدیق کر سکتے ہو۔ اچھا تو اب کہو کس غرض سے آئے ہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو میں بدل و جان سننے کے لئے تیار ہوں"

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) نتیجہ یہ ہوا کہ فیثا غورث کا فلسفہ دور دور پھیل گیا۔ یونان اور تھی بیز وغیرہ میں اس کا بڑا اثر تھا۔ تھی بیز کے ایک باشندے فلوکوس نے پانچویں صدی ق م کے آخر میں فلسفہ و نظام فیثا غورثی پر رسالے لکھے ہیں اس فلسفہ کا اثر افلاطون کے خیالات پر بھی نظر آتا ہے لیکن چوتھی صدی قبل مسیح ہی میں حکمت فیثا غورثی یونان سے رخصت ہو گئی۔ اٹلی میں ٹارنٹوم کے ایک باشندے نے اُسے پھر ترقی دی۔ اس شخص کا نام ارکائٹاس (Archytas) فلسفہ فیثا غورث میں ہیئت اور جیامٹری بہت مشہور ہیں ۱۲

اتھینسی " مجھے بہت خوشی ہے کہ تمہاری طبیعت اب سنبھل گئی۔ تم کو یاد ہوگا کہ فیثاغورث اپنے آپ کو محب عقل و دانش، کہا کرتا تھا۔ اگر اسکی باتوں پر تم غور کرتیں تو تمہارا رنج و غم کبھی کا دور ہو گیا ہوتا۔ کیونکہ ہمارے مکرم و ذی شان اُستاد کی یہ ہدایت تھی کہ رات کے وقت انسان کو چاہیے کہ اپنے دن بھر کے تمام واقعات خیالات و جذبات پر غور کر جائے۔ اگر تم بھی اس پر عملدر آمد کرتیں تو صاف معلوم ہو جاتا کہ تمہارے مہمانوں میں اکثر بڑے معززین و ذی وقار شخص تھے۔ انکی ستائش و خلوص کے سامنے بھلا ایک شرابی و بیہودہ آدمی کی ہرزہ گوئی اور تہتک آمیز کلمات کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ تم پر یہ بھی واضح ہو جاتا کہ دیوتاؤں کی خاص طور سے تمہارے حال پر مہربانی و کرم ہے۔ کیونکہ تمہارے ہی گھر میں ایک ضعیف العمر شخص کو برسوں کی مصیبتوں کے بعد ایسی خوشی نصیب ہوئی کہ کسی دوسرے کو ملنا محال ہے اور تمہارے ایک دوست کے بجائے جو چھوٹنے والا ہے دوسرا ایسا رفیق مل گیا جو امید ہے کہ اُس سے بھی زیادہ ثابت قدم و وفا کیش ثابت ہوگا۔ اس کو نہیں مانتیں۔ اچھا تو جانے دو۔ میں اب تم سے خاص طور سے ایک بات کی التجا کرنا چاہتا ہوں تمہیں یاد ہوگا کہ لوگ مجھے ہالی کرناسی[۱] (Halicarnassian) اور اتھینسی دونوں کہتے ہیں۔ کیونکہ میری ماں اول الذکر مقام کی رہنے والی تھیں اور میں وہیں پیدا ہوا تھا اور بعد ازاں اتھینس جا کر میری تربیت و تعلیم کی تکمیل ہوئی اس لئے ان دونوں مقامات کے رہنے والے مجھے اپنا ہم وطن سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر فرعون کے یونانی فوج والے جس میں مختلف فرعون کے لوگ ہیں مجھ سے بہت خوش تھے اور کبھی حکم عدولی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ مجھے اندیشہ ہے کہ باوجود اپنی اعلیٰ قابلیتوں کے

---

[۱] ہیرڈ (Herodotus) (مورخ) نے فنیس کو ہالی کرناسوس کا باشندہ بتایا ہے۔ یہ مقام بندرگاہ بدرم کے نام سے ایشیائے کوچک میں مشہور ہے۔ (ایبرا)

ارسٹومیقیس کو ان لوگوں میں اب امن و امان قایم رکھنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوگا۔ غرض کہ جیسا میں نے ابھی کہا ہے ایتھنز ہی میں میری پرورش ہوئی اور وہاں کے سب سے بڑے ذی اقتدار شرفا میں ہمارا شمار ہوا۔ اس عرصہ میں ایک دوسرے قبیلے کے شخص پی سیس تراتوس (Pisistratus) کو ملک گیری کی ہوس دامنگیر ہوئی۔ ہم سب نے دو مرتبہ اس کا مقابلہ کیا اور شکست دیکر بھگا دیا۔ مگر آخر کار غیروں کی مدد سے وہ اُس وقت ہم پر اچانک حملہ آور ہوا جب اپنی دیوی کی پرستش میں ہم مصروف تھے اور بآسانی فتحیاب ہوگیا۔ میری ماتحتی میں نصف فوج تھی جو آخر دم تک جان توڑ کر مقابلہ کرتی رہی۔ مگر اتفاقاً ایک برچھی میرے شانہ پر ایسی کاری لگی کہ زخمی ہوکر گر پڑا۔ مجبوراً مجھے بھاگنا پڑا اور وہاں سے مع اپنے اہل و عیال کے سیدھا ہالی کرناسوس آیا۔ جہاں فرعون کی فوج میں داخل ہوکر بہت سی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ خصوصاً ارسٹومیقیس کی ہمراہی میں قبرص (Cyprus) کی جنگ میں بڑا نام پیدا کیا جس سے خوش ہوکر فرعون نے مجھے تمام غیر ملکی و یونانی افواج کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ میری بیوی گزشتہ ایام سرما میں فوت ہوکر دو بچے ایک لڑکا گیارہ برس کا اور دوسری دس برس کی لڑکی چھوڑ گئی جو اپنی خالہ کے پاس ہالی کرناسوس میں رہتے سہتے تھے مگر کچھ دنوں کے بعد اس کا بھی انتقال ہوگیا تو مجھے بچوں کی فکر پڑ گئی اور انکے بلا لینے کے لئے ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ میں نے ایک آدمی روانہ کیا تھا۔ اب وہ چلدیئے ہونگے مگر ناکراتیس تین ہفتے سے پہلے نہیں پہنچ سکتے اور اگر میں روکنا بھی چاہوں تو یہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ جب تک قاصد پہنچے گا وہ راستہ میں نہ معلوم کہاں ہونگے۔ اور مجھے چونکہ تین ہفتے کے اندر ہی مصر کو چھوڑ دینا ہے اس لئے اُن سے ملنا ناممکن معلوم ہوتا ہے اور سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ اپنے ایک معتبر غلام کو یہاں چھوڑ کر

خود چلا جاؤں تاکہ جب بچے آجائیں تو وہ انہیں اپنے ساتھ لیکر میرے پاس چلا آئے تم سے میری یہ التجا ہے کہ اگر واقعی اپنی دوستی کا حق ادا کرنا چاہتی ہو تو ان بچوں کو اپنی حفاظت میں اس وقت تک رکھو جب تک کوئی جہاز تھریس (Thrace) کی طرف جانیوالا نہ مل جائے مجھے شاہزادہ سامطیق (Psamtik) سے سخت اندیشہ ہے کیونکہ وہ میرا جانی دشمن ہے اور کہیں جاسوسوں سے اس کو خبر لگ گئی تو کیا عجب کہ باپ کے عوض بچوں کے درپئے آزار ہو جائے۔ میں تمہاری امداد و حمایت کو اس لئے اور بھی قیمتی سمجھتا ہوں کہ بموجب فرمان شاہی تمہارے مکان کی کوئی تلاشی نہیں لے سکتا اور تمہارے گھر میں میرے بچوں کے متعلق کوئی پوچھ گچھ نہیں کرسکتا کیونکہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ اس ملک کا کیا قاعدہ ہے کہ ہر نووارد غیر ملکی مرد عورت بلکہ بچہ تک کے آمد کی خبر حاکم ضلع کو دیجاتی ہے اور وہ طرح طرح سے انہیں تنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے دل میں اس سے زیادہ تمہاری وقعت و محبت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنی سب سے زیادہ عزیز چیز کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اب بتاؤ کہ اس ذمہ داری کو قبول کرتی ہو کہ نہیں۔"

روڈوفس (جوش مسرت و سچے خلوص کے ساتھ) "فینیس۔ میں بخوشی قبول کرتی ہوں۔ بھلا یہ بھی کونسی بڑی بات ہے۔ تم تو الٹا مجھ پر احسان کر رہے ہو نہ کہ میں۔ تمہارے بچوں کو میں سر آنکھوں پر رکھونگی اور سافو (Sappho) بھی سنیگی تو کس قدر خوش ہوگی اس کی تنہائی میں دل بہلانے والے آجائیں گے۔ مگر فینیس میں اپنے چھوٹے مہمانوں کو پہلے جہاز پر ہرگز نہ بھیجوں گی۔ تم نے جہاں اتنا صبر کیا چھ مہینے تک انکی جدائی اور برداشت کر سکتے ہو۔ ہاں میں یہ وعدہ کرتی ہوں کہ ان کا وقت رائگاں نہ ہونے دونگی اور جب تک یہاں رہیں گے بہت اچھی تعلیم و تربیت دوں گی۔"

فینس (مسکرا کر شکریہ کے ساتھ) "مجھے اسکا یقین۔ مگر پھر بھی انکا زیادہ

دن رہنا ٹھیک نہیں۔ اور مہربانی کر کے اُن شریروں کو پہلے ہی جہاز پر روانہ کر دیجئے گا کیونکہ سامطیق (Psamtik) کے انتقام کے خیال سے میں بہت خوفزدہ ہوں۔ تمہاری اس محبت و ہمدردی کا کہاں تک شکریہ ادا کروں۔ سافو (Sappho) کی طبیعت ضرور بہلے گی۔ اور اسکی تنہائی کا غم غلط ہو جائیگا۔"

روڈوفس (آنکھیں نیچی کر کے) آپ کے اس فرمانے سے میرا غم بھی بالکل دور ہو گیا۔ کیونکہ ایک شریف آدمی کا دوسرے کی شرافت پر اعتبار و بھروسہ کرنا اس بات کے لئے کافی ہے کہ وہ ایک کمینہ کے اتہام و بیہودہ گوئی کو اپنے دل سے بھلا دے (سامنے دیکھ کر) وہ لیجئے سافو (Sappho) بھی آ پہنچی۔"

چوتھا باب

ایرانی سفارت

روڈوفس کی دعوت کے پانچ دن بعد سیئز (Sais) کے بندرگاہ پر ایک بہت بڑا اژدہام نظر آیا جس میں مصری مردوزن ہر طبقہ و ہر عمر کے لوگ پرے جمائے ہوئے دریائے کنارے کھڑے تھے کہیں تو سپاہی و تاجر تھے جن کے سفید لباسوں کے کناروں پر رنگین جھالریں لگی تھیں اور لباس کی لمبائی پہننے والے کے مرتبہ کا پتہ دیتی تھی۔ کہیں عوام یعنی ادنیٰ درجہ کے لوگ بھی جن کا جثہ نہایت قوی تھا اور بدن پر سوائے ایک لنگوٹی یا دھوتی کے اور کچھ نہ تھا۔ انہیں میں ملے جلے نظر آتے تھے کہیں ننگی دبرہنہ جسم لڑکی لڑکے[1]

[1] زیادہ معزز لڑکے ایک چھوٹی سی لنگوٹی باندھ لیتے۔ انکا سر بیچ سے منڈا ہوتا اور ادھر ادھر بکھرا کا کلیں

گھس پل کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مائیں چھوٹی چھوٹی چادریں[۱] پہنے خود دیکھنے کی کچھ پرواہ نہ کرکے اپنے خردسال بچوں کو سر پر اٹھائے کھڑی تھیں۔ نیز بہت سے کتے اور بلبیاں بھی یہاں موجود تھیں۔ جن کو دیکھتے ہی تماشائی بہت احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتے تھے تاکہ ان متبرک جانوروں کو کہیں ٹھوکر لگ کر کوئی ضرر و تکلیف نہ پہنچے۔ پولس کے سپاہی بھی جگہ جگہ استادہ تھے۔ انکے ہاتھوں میں لانبے لانبے ڈنڈے تھے جنکی پیتل کی موٹھوں پر بادشاہ کا نام کندہ تھا۔ یہ ہر طرف اہتمام و انتظام میں مصروف تھے کہ کہیں کوئی شخص کسی دوسرے کو دھکا دیکر پانی میں نہ گرا دے۔ یہ اندیشہ اس لئے زیادہ تھا کہ دریا طغیانی پر تھا۔ اور سئینز (Sais) کی دیواروں تک چڑھکر آ گیا تھا۔

شاہی کشتیوں کے ٹھیرنے کیلئے ایک علیحدہ گھاٹ بنا ہوا تھا جس پر پتھروں کی کشادہ سیڑھیاں تھیں۔ انکے دورویہ ابوالہول کے بت قطار در قطار نصب تھے۔ اس جگہ دوسری ہی قسم کا مجمع نظر آتا تھا۔ سنگین تپائیوں اور بنچوں پر کھیا پروہت[۲] بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض لانبے اور سفید پیرہن پہنے ہوئے تھے بعض کے جسم پر دھوتی یا تہبند کی طرح صرف ایک لباس تھا جس پر مرصع کار و زردوزی پٹکے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ایک فٹ لمبی شانوں پر پڑی رہتیں (ولکنس)

[۱] عوام مرد و عورت دونوں کے جسم کا بالائی حصہ برہنہ رہتا۔ یا کبھی ایک نہایت باریک کپڑے سے ڈھانپ لیا جاتا تھا (ولکنس)

[۲] پروہتوں کا لباس یہ تھا۔ سر پر مصنوعی بالوں کی ایک خوشنما ٹوپی۔ جسم کا بالائی حصہ کہیں برہنہ یا نہایت باریک کپڑے سے ڈھکا ہوا۔ کبھی تیندوے یا چیتے کی کھال اوڑھے ہوئے کمر پر ایک پٹی جو تہبند یا اسکرٹ کو باندھے ہوئے رہتے تھے۔ یہ عموماً سفید رنگ کے باریک کپڑے کا ہوتا تھا اور اس کا ایک سرا خاص انداز کے ساتھ ہاتھ پر پڑا رہتا تھا۔ پیروں میں منقش جوتیاں تھیں جنکی نوک اوپر کی طرف مڑی ہوئی ہوتی ہاتھ میں ایک مرصع عصا رہتا جسکی موٹھ پر پر لگے رہتے تھے۔ (پروفیسر ونگل)

بندھے تھے۔ گلوں میں موٹے موٹے طوق[1] ومالے تھے اور سینہ و پشت پر شیر کی کھالیں پڑی ہوئی تھیں۔ بعض کی پیشانیوں پر خوبصورت سر بند جن پر پر لگے ہوئے تھے زیب دے رہے تھے اور انکے سروں پر چھوٹے بالوں کی ٹوپیاں تھیں جنکی کاکلیں گردن کے نیچے تک پہنچتی تھیں۔ بعض کے سر برہنہ تھے اور انکی منڈھی ہوئی[2] چکنی کھوپڑیاں چمک رہی تھیں۔ قاضی القضاۃ کی یہ علامت تھی کہ انکی ٹوپی میں شتر مرغ کا ایک بڑا اور قیمتی پر لگا ہوا تھا گلے میں سونے کی زنجیر تھی جس میں نیلم کا ایک تعویذ آویزاں تھا۔ مصری افواج کے سرداروں کے جسم پر رنگ برنگ کی زرہیں نظر آتی تھیں اور انکی پیٹیوں میں چھوٹی چھوٹی تلواریں اور کٹاریں ٹھنسی ہوئی تھیں۔ سیڑھیوں کے داہنی طرف باڈی گارڈ کا ایک دستہ اپنے تیر، خنجر، کمانیں اور لمبی لمبی ڈھالیں لئے ہوئے کھڑا تھا اور بائیں جانب یونانی سپاہی اپنی قومی وردی پہنے ہوئے پرا جمائے تھے۔ انکا نیا سردار ارسٹو میقس مصری افسروں سے علیحدہ سامطیق[3] (Psamtik I) اول کے بتوں کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ یہ عظیم الشان بت جنکے منہ دریا کی طرف تھے سیڑھیوں پر نصب تھے اور سب ہم شکل تھے۔ انکے سامنے ایک چاندی کی کرسی پر شہزادہ سامطیق (Psamtik) بصد کر و فر جلوہ افگن تھا۔ اس کے زیب بدن ایک خوبصورت رنگین و زر دوزی کام کا چست کوٹ[4] تھا اور اسکے ارد گرد

---

[1] یہ طوق عموماً اس قدر بڑے اور چوڑے ہوتے تھے کہ مونڈھوں کے سرے تک پہنچتے تھے۔

[2] تمام سر مونڈا ہوتا اور اوپر سے مصنوعی بالوں کی ایک ٹوپی یا روک استعمال کرتے (پروفیسر ولکنس)

[3] سنگین کتبات میں نام "سام تیک" (Psamtik) ہے۔ یونانی اُسے سمٹیکس یا سمیکرائس بھی کہتے تھے (پروفیسر ایبر)

[4] یہ شاید زمانہ مابعد کا فیشن ہو چلا تھا۔ عموماً مصری بادشاہوں کی تصاویر میں انکے اوپر کے جسم کا حصہ برہنہ نظر آتا ہے یا ہلکا باریک کپڑا پڑا رہتا ہے۔

خاص خاص درباری، حاجب، مشیر و مصاحبین کھڑے ہوئے تھے
انکے ہاتھوں میں خوشنما عصا تھے جن پر شتر مرغ کے پر اور کنول کے سنہری پھول لگے
ہوئے تھے۔ عوام الناس کے مجمع میں بڑی ہل چل تھی۔ انکے چیخنے چلانے و شور و شغب
سے بیصبری کے آثار نمایاں تھے مگر اعلیٰ طبقہ کے لوگ امرا پروہت وغیرہ بڑے وقار و
خودنمائی کے ساتھ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے خاموش و ساکت تھے۔ انکے سنجیدہ
چہروں، سخت بالوں کی ٹوپیوں، گھونگروالی مصنوعی ڈاڑھیوں کو دیکھ کر انکی شباہت بالکل
اُن بتوں کی سی معلوم ہوتی تھی جن کا ذکر اوپر آچکا ہے نیز اُسی متانت و سکونت کے ساتھ
نظریں جمائے وہ بھی دریا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں ارغوانی و نیلگوں رنگوں کے
خوبصورت اور دھاریدار ریشمی بادبان دور سے نظر آتے ہیں اور لوگوں کے مجمع سے ایک
نعرہ خوشی کا بلند ہوتا ہے۔ "دیکھو وہ آگئے اور آرہے ہیں" کوئی کہتا ہے "دیکھنا بھائی
بلی کے بچے کو نہ کچل دینا" یا "انا۔ ذرا بچی کو اوپر اُٹھائے کہ وہ کچھ تو دیکھ سکے" یا "شبک!
ایسے دھکے نہ دو۔ ورنہ میں دریا میں گر پڑوں گا" یا "فنیشی۔ ذرا ہوشیار ہو جا لونڈے
تیری لمبی ڈاڑھی پر گیلی مٹی کے ڈھیلے پھینک رہے ہیں" یا کوئی یہ جملہ کستا ہے "یونانی
ذرا شیخی میں آکے یہ نہ سمجھ جانا کہ تمام مصر تیری ملکیت ہے۔ اماسس (Amasis)
کی عنایت و مہربانی نہ ہوتی تو کب کے تم اس پاک زمین سے دفع ہو گئے ہوتے" یا "یہ یونانی بھی
کس قدر گستاخ و سرکش ہیں" یا کسی مندر کا ایک خادم یوں چلا کر کہتا ہے "مارو۔ ان بدمعاش
یونانیوں کو مارو" اور چاروں طرف سے لوگ اسکے ہم آواز ہو کر شور مچاتے ہیں "ہاں مارو، ان
سور[۱] کھانیوالوں کو، ان ہمارے دیوتاؤں کی تحقیر کرنے والوں کو، ان ناپاک اجنبیوں کو مارو"
اس پر قریب تھا کہ جنگ و جدل تک نوبت پہنچ جاتی کہ اتنے میں پولیس اپنے لمبے ڈنڈے
لئے ہوئے آپہنچتی ہے اور فوراً امن و امان قائم ہو جاتا ہے۔ اب وہ خوبصورت و رنگین بادبان

[۱] سور کا گوشت کھانا مصریوں کے مذہب میں نہایت سختی کے ساتھ منع تھا (پروفیسر ایبر)

جنکے چاروں طرف بہت سے نیلے اور سفید اور بھورے بادبانوں والی چھوٹی چھوٹی کشتیاں منڈلا رہی ہیں قریب آگئی ہیں اور بخوبی دکھائی دینے لگے ہیں۔ شہزادہ اور اسکے امرا اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور شاہی نفیری باز اس زور سے اپنی قرنا پھونکتا ہے کہ دور تک اسکی آواز گونجتی ہوئی پہنچتی ہے اور اتنے میں پہلی کشتی بھی کنارے کے قریب پہنچکر اب گھاٹ پر لگ جاتی ہے۔ اسے چوبیس ملاح جنکی دہوتیوں پر قیمتی پیٹیاں لگی ہوئی تھیں دو طرفہ بیٹھے ہوئے اپنے چپوؤں سے کھے رہے ہیں۔ یہ جہاز نما کشتی خوب وسیع اور لانبی ہے اور نہایت خوبصورت سنہری کام سے مزین ہے اسکی سر (چونچ) یعنی اگلے حصہ پر ایک نقرئی عقاب لگا ہوا ہے اسکے وسط میں ایک خوشنما شامیانہ ہے جسکی چھت نیلگوں ہے اور ستونوں وغیرہ پر طلائی کام کیا ہوا ہے۔ اسکے اندر بڑی بڑی آرام دہ کرسیاں اور کوچیں سلیقہ کے ساتھ بچھی ہوئی ہیں اور ان پر چھ خوش رو آدمی اپنی زرق برق پوشاکیں پہنے لیٹے ہوئے ہیں۔

ان میں سے ایک وہ جو عمر میں سب سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ ابھی کشتی ٹھیری بھی نہ تھی کہ کود کر کنارہ پر پہنچ گیا۔ اسکے بال سنہرے ہیں۔ چہرہ ماہتاب کی طرح درخشاں ہے اور حسن و جمال کا یہ حال ہے کہ بہت سی نوجوان لڑکیاں تکتی کی تکتی رہ گئیں اور انکی زبان سے بیساختہ "واہ، واہ" کا نعرہ نکل گیا اور اکثر امرا و عمائدین بھی جنکے چہرے ابھی تک سنجیدہ تھے اسکو دیکھتے ہی مسکراتے اور اپنی حیرت و مسرت کا اظہار کرنے لگے۔ یہ نوجوان جسکا نام بردیہ[۵۱] ہے۔ متوفی شہنشاہ ایران کا بیٹا اور موجودہ فرمانروا کا بھائی ہے۔ ابھی بیس برس کا بھی نہیں ہوا ہے کہ قدرت کاملہ نے ایک غیر معمولی دلربائی و رعنائی سے آراستہ کر کے ایسا حسن خداداد بخشا ہے کہ اسے ہزاروں کے لئے قابل رشک بنا دیا ہے اسکی بلند پیشانی پر ایک مثلث نما

---

۵۱ یہ یونانی تاریخ میں سمرڈیس (Smerdis) کے نام سے مشہور ہے (جسکے لفظی معنی ہی زرد رو کے ہیں) لیکن کوہ بیستون کے کتبہ پر اسکا نام برتجہ، بردیہ یا برزیہ لکھا ہے۔ (پروفیسر ایبر)

طرہ چمک رہا ہے اور ایک سیاہ و سفید پٹی سر کے چاروں طرف بندھی ہوئی ہے جسکے نیچے
سے گھنے گھنے گھونگر والے بالوں کی سنہری لٹیں گردن تک پہنچتی ہیں۔ اُسکی نیلگوں آنکھوں
سے ایک عجب جوش زندگی، مسرت و رحمدلی کا اظہار ہوتا ہے۔ چہرہ سے شرافت، شجاعت
و خودداری ٹپکتی ہے اور صورت ایسی دلفریب و دلکش ہے کہ بڑے سے بڑے نقاش و مصور
دیکھکر حیران و ششدر رہ جائیں۔ اُس کے لب پر ابھی مسیں بھیگ رہی ہیں۔ ایک ہلکا سا
سبز خط رخساروں کے ارد گرد بھی نمایاں ہے۔ بدن نہایت درجہ سڈول و کسرتی ہے جس سے
قوت، چستی و پھرتی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس حُسن خوبی کو لباس[۱] کی زیبایش نے اور بھی دوبالا
کر دیا ہے۔ پیشانی پر جو طرہ یا کلغی ہے اُسکے وسط میں ایک بڑا سا تارہ جڑا ہوا ہے جس کے
ہیرے اور فیروزے نہایت آب و تاب کے ساتھ درخشاں ہیں۔ کمخواب کی ایک خوبصورت
قبا جس پر روپیلا و سنہرا نہایت بھاری کام ہے گھٹنوں کے نیچے تک پہنچتی ہے۔ کمر میں
نیلے و سفید رنگ کا ایک پٹکہ بندھا ہوا ہے یہ رنگ خاندان شاہی کے لئے مخصوص ہے۔
اس پٹکہ سے ایک چھوٹی سی تلوار لٹک رہی ہے جس کے طلائی میان و جڑاؤ دستہ پر
زمرد و پکھراج چمک رہے ہیں۔ رنگین و بیش بہا اطلس کی ایک ڈھیلی ڈھالی ازار ٹخنوں
تک پہنچکر تنگ ہوگئی ہے اور پیروں میں نیلگوں چمڑے کے ہلکے ہلکے جوتے بھی نہایت
خوشنما و آرام دہ معلوم ہوتے ہیں۔ اُسکے مضبوط بازوؤں اور ہاتھوں میں جو لمبی و ڈھیلی ڈھالی
آستینوں کی وجہ سے برہنہ ہیں طلائی مرصع کار جوشن و کنگن نہایت زیب دے رہے ہیں۔
گردن میں ایک سونے کی زنجیر بھی پڑی ہے جو چوڑے چکلے سینہ پر بار بار اُچھلتی ہے اور اپنی
چمک دمک سے دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ کر دیتی ہے۔ غرضکہ یہ خوش وضع و خوشرو
نوجوان بصد آن بان سب سے پہلے کنارہ پر اترتا ہے۔ اسکے پیچھے ایک نوعمر ایرانی ہے جو
قریباً اسی کی طرح شان و شوکت کے ساتھ ملبوس ہے یہ بھی بردیہ کی طرح خاندان شاہی

---

[۱] ایرانی لباس کو بالتفصیل آیندہ بیان کیا جائے گا۔

سے ہے اور اس کا نام دارا پسر گستاشپ ہے۔ تیسرا ایک معمر شخص ہے اُسکے
سر کے بال بالکل سفید ہیں۔ آنکھوں سے سنجیدگی فہم ٹپکتی ہے چہرہ پر جوانوں کی سی ترو تازگی
و تبسم، آزمودہ کار سپاہیوں کا دبدبہ و رعب اور پیران جہاندیدہ کی دانائی و ہوشمندی کے
آثار نمایاں ہیں۔ اسکے زیب تن ایک لمبی ارغوانی قبا ہے اور پیروں میں لیڈیہ
(Lydia) کے بنے ہوئے زرد رنگ کے بوٹ ہیں۔ اس کا لباس اس قدر سادہ
و تکلفات سے بری ہے کہ جسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ابھی چند سال ہوئے اسی
شخص کے جاہ و جلال و دولت و ثروت کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا تھا بلکہ آج
تک تواریخ و سیر میں تمثیلاً پیش کیا جاتا ہے۔ وہ کری سس۔ لیڈیا (Lydia)
کا معزول بادشاہ ہے اور کمبوجیہ کے دربار میں بطور ایک مشیر خاص و رفیق و مصاحب
کے رہتا ہے اور اب نوجوان بردیہ کے ساتھ بحیثیت ایک اتالیق کے مصر آیا ہے اُسکے
بعد پرکزسفس (Prexaspes) سفیر ایران اُترا۔ بعدہ ظفریوس[51] (Zopyrus)
پسر[52] باغ بخشا (Megabyzus) جو ایک ایرانی امیر زادہ ہے اور بردیہ و دارا
دونوں کا دوست ہے۔ سب سے آخر میں ایک زرد رو دبلا پتلا لڑکا اترا۔ یہ گیجیس (Gyges)
پسر کری سس ہے جو چار سال کی عمر میں گونگا ہو گیا تھا لیکن سارڈیس[53] کی تسخیر کے

---

[51] یا زاپی روس۔

[52] میجابزوس (یونانی نام)

[53] سارڈیس (Sardis) قدیم سلطنت لڈیا کا دار السلطنت تھا اور رومیوں نے اس سلطنت کو فتح کیا تو سلطنت بائزنٹائن کے زمانہ میں ان کے صوبہ کا دار السلطنت رہا ہے۔ قدیم سلطنت لڈیا فنون اور صنعت و حرفت کے لئے بہت مشہور تھی اور ان سب چیزوں کا مرکز یہی دار السلطنت تھا۔ یہاں کی تجارت میں سب سے زیادہ بڑی اُونی نازک کپڑوں کا بننا اور رنگنا و قالین بنانا تھا۔ یہاں کی تجارت نے اس قدر ترقی کی تھی کہ بطور شہرت عام یہ کہا جاتا تھا کہ اس ملک کے دریا میں ریگ طلا بہا کرتی ہے۔

وقت اپنے باپ کو معرض خطرہ میں دیکھ کر خوف و دہشت کے مارے یکایک اُس کی زبان کھل گئی تھی۔ ان لوگوں کو آتا دیکھ کر شاہزادہ سیامطیق (Psamtik) استقبال کے لئے سیڑہیوں سے اُترا۔ اسکے زرد چہرہ پر ایک قسم کا روڑہاپن اور درشتی تھی۔ مگر اس وقت وہ زبردستی مسکرا کر اپنی مصنوعی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اسکے جلو میں جس قدر امرا تھے وہ اپنے دونوں ہاتھ نیچے کر کے نوواردوں کے سامنے اس قدر جھک گئے کہ زمین تک اُنکے سر لگ گئے۔ جس کے جواب میں ایرانی بھی اپنے ہاتھوں کو سینہ پر باندھے ہوئے شاہزادہ کے روبرو نہایت ادب کے ساتھ سرنگون ہو گئے۔ ان تکلفات کے اختتام پر بروییہ نے اپنے ملک کے قاعدہ کے مطابق شاہزادہ کے رخسار پر بوسہ دیا جس سے مصریوں کو حیرت ہوئی۔ کیونکہ یہ رسم انکے لئے عجیب تھی اور شہزادہ بھی ایک ملیچھ اجنبی کے ناپاک ہونٹوں کے مس ہونے سے کانپ اُٹھا۔ اور دل میں سخت متنفر ہوا۔

بعد ازاں معزز مہمانوں کو پالکیوں میں بٹھایا گیا اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ انکی سواری شاہی محل کی طرف جہاں اُنکی سکونت و قیام کے لئے خاص انتظام کیا گیا تھا روانہ ہوئی۔ عوام میں بعض لوگ سواری کے پیچھے پیچھے ہو لئے لیکن اکثر اس امید پر کہ ابھی اور تماشے دیکھنے میں آئیں گے اپنی اپنی جگہوں پر ٹھیرے رہے۔ اتنے میں مندر کا ایک خادم اپنے قریب والے شخص سے جو سئیز (Sais) کا ایک ورزی تھا۔ یوں مخاطب ہوا۔ "کیا تم بھی ان رنگیلے چھبیلے شیطان کے بچوں کے پیچھے پیچھے جانے کا قصد کر رہے ہو؟

پوہر۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں اور بڑے پروہت نے بھی یہی کہا تھا کہ ان لوگوں کا آنا علت سے خالی نہیں ہے اور ضرور ہمارے ملک پر آفت لائیگا۔ وہ دن گئے جب کوئی اجنبی اپنی جان کو عزیز سمجھ کر اس ملک میں قدم رکھتے ہوئے ڈرتا تھا۔ اب تو یہ حال ہے کہ شہر کا کوئی گلی کوچہ دغاباز یہودں اور اُن مغرور سرکش یونانیوں سے

جن پر دیوتاؤں کی مار پڑے خالی نظر نہیں آتا۔ ذرا سامنے دیکھنا اب یہ تیسری کشتی ہے جو غیر ملکیوں سے بھری ہوئی آرہی ہے۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ ایرانی کون ہیں؟ ہمارے بڑے پروہت جی فرماتے تھے کہ انکی سلطنت میں جو نصف دنیا کی برابر ہے۔ دیوتاؤں کا ایک بھی مندر نہیں۔ اور یہ بجائے اپنے مُردوں کو عزت و حرمت کے ساتھ تجہیز و تکفین کرنیکے انکی لاشوں کو گدھوں اور کتوں کے سامنے چیرنے پھاڑنے اور کھانیکے لئے چھوڑ دیتے ہیں" درزی نے یہ سُنکر اپنی حد درجہ حیرت و نفرت کا اظہار کیا اور گھاٹ کی طرف انگلی سے اشارہ کرکے کہنے لگا" دیکھو یہ چھٹی کشتی بھی انہیں سے بھری ہوئی آپہنچی"۔ مندر کا خادم" ہاں سچ تو کہتے ہو۔ یہ کہاں کی آفت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورا لشکر کا لشکر چلا آرہا ہے۔ افسوس کہ اماسس (Amasis) اپنی حرکتوں سے اُس وقت تک باز نہ آئیگا۔ جبتک کہ اجنبی اُس کا ملک و تاج و تخت چھین کر اور اُسکی بدنصیب رعایا کو غلام بنا کر تباہ نہ کردیں گے۔ یہی حال پرانے زمانہ میں بدذات ہکساس[۱] (Hyksos) اور ملعون سیاہ فام حبشیوں نے کیا تھا جنہیں ہم ابھی تک بھولے نہیں ہیں"۔ درزی چلاکر

---

[۱] ہکساس یا ہکسوس (گدائے بادشاہ) انکے متعلق ابھی تک مورخین میں اختلاف ہے۔ جوزنس (قدیم یہودی مورخ) نے انہیں قوم بنی اسرائیل سے لکھا ہے جو غلط ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فینیقی عرب دونوں ملے ہوئے تھے اور بعض کا خیال یہ ہے جو غالباً صحیح ہے کہ یہ قوم (Hittite) حطیوں نیز دیگر اقوام کی ایک مخلوط جماعت تھی جس نے مصریوں کے چودہویں خاندان کے بعد ایک عرصہ دراز تک انکے ملک پر حکومت کی معطابیت (یہ قوم بھی آریہ مغل وغیرہ سے مخلوط تھی۔ آرمینیا و کردستان کے باشندے اسکی موجودہ مثال ہیں) کی ایک زبردست سلطنت قدیم زمانہ میں شام و ایشیائے کوچک میں موجود تھی۔ انکا اور ہکسوس کا ایک ہی دیوتا آتس تھا جسے مصری سُتیخ کہتے تھے۔ اسکی لمبی سی ڈاڑھی تھی۔ سر پر بکرے کے سینگ تھے۔ ایک ہاتھ میں ہتوڑا اور دوسرے میں برق تھی۔ اسکی ایک بیوی و لڑکا بھی تھا۔ مصری مورخ مینتھو نے ہکسوس کی سخت مذمت کی ہے اور لکھتا ہے کہ انہوں نے مصریوں پر سخت مظالم کئے۔ انکے

"لیئیو - ساتویں کشتی بھی آگئی"۔ مجاور "مجھ پر نیتھ (Neith) دیوی کی مار - اگر بادشاہ کا مطلب ذرا بھی سمجھ میں آیا ہو۔ پہلے اُس نے اس سفارت کا اسباب وغیرہ لانیکے لئے صرف تین کشتیاں نوکراتیس (Naucratis) کے منحوس بندرگاہ کو روانہ کی تھیں

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) مندروں اور بتوں کو تباہ کردیا۔ لیکن غالباً اس میں بہت کچھ مبالغہ ہے حقیقت یہ ہے کہ ہکسوس بڑے عادل و صلح جو فرماں روا تھے انہوں نے اپنے ماتحت رعایا کو انکے مذہبی امور میں پوری آزادی دی تھی اور علوم وفنون کی بھی اُنکے زمانہ میں کافی ترقی ہوئی تھی لیکن افسوس کہ انکے کارناموں کے تمام کتبے اور یادگاریں مصریوں نے انکے بعد چن چن کر تباہ و برباد کردیئے۔ اور انہیں اس قدر نفرت سے یاد کرتے تھے کہ زمانہ مابعد میں ہکسوس ایک حقارت کا لفظ سمجھا گیا تھا۔ اور ہر اجنبی و قابل نفریں شخص اس نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان گلہ بان بادشاہوں کے عہد میں سب سے بڑا واقعہ بنی اسرائیل کا مصر میں آنا تھا اور انجیل میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پاٹی فر نامی ایک مصری النسل سردار کے جو فرعون کی فوج محافظ کا افسر اعلیٰ تھا غلام تھے۔ پھر جب انہوں نے اپنی قابلیت سے فرعون کی خوشنودی حاصل کی تو اس نے ارسنتھ دختر بابی فرا (معلوم نہیں یہ کوئی دوسرا شخص ہے یا انکا قدیم آقا) سے جو عبادتگاہ عون یا آون (قدیم ہلیوپولس یا عین الشمس) کا مہا پروہت تھا۔ شادی کردی۔ بعدۂ انہیں وزیر اعظم بناکر سلطنت کا تمام انتظام سپرد کردیا۔ جسے آپ نے اس قابلیت و تدبیر سے انجام دیا۔ جو سیاسی حیثیت سے ہمیشہ کے لئے بہت بڑی سبق آموز ثابت ہوئی۔ سات سال تک مصر میں قحط پڑا لیکن اس سے قبل حضرت یوسفؑ نے غلہ کے خزانے جمع کرلئے تھے۔ مصر بلکہ ارض کنعان کے بھی بکثرت لوگ غلہ خریدنے آئے۔ تمام ملک کی دولت خزانہ عامرہ میں آگئی۔ پھر جب روپیہ نہ رہا تو مصریوں نے اپنی زمینیں اور جاگیریں بیچنا شروع کیں۔ اس طرح تمام خودمختار جاگیردار جن سے ملک کو نقصان پہنچتا تھا غائب ہوگئے اور تمام اراضی مرکزی سلطنت کے انتظام و تحت میں آگئی۔ قحط کے بعد آپ نے کاشت کاروں و زمینداروں کو بیج تقسیم کئے، زراعت کو ترقی دی۔ اور پیداوار پر پانچواں حصہ لگان لگایا۔ غالباً شروع زمانہ میں بنی اسرائیل کا مصر میں پوری طور سے آباد ہونے کا ارادہ نہ تھا کیونکہ حضرت یوسفؑ و یعقوبؑ کی لاشیں حنوط کرکے ارض

مگر بعدہ بجائے تین کے آٹھ بھیجیں۔ کیونکہ یہ کافر و بیدین اس ساز و سامان کے ساتھ آئے ہیں کہ اتنی بھی انکے لئے مشکل سے کافی ہو سکیں گی۔ صرف باورچی خانہ ہی کے سامان کیلئے ایک بڑا جہاز چاہئے اور علاوہ بریں صندوق، بکس، ٹوکریاں، بنڈل وغیرہ بکثرت ہیں۔ اور گھوڑے گاڑیاں، کتے اور نوکروں چاکروں کا ایک پورا قافلہ ہزاروں میل سے ساتھ آیا ہے بعض خادموں کا تو صرف یہ کام ہے کہ ہار بنایا کریں۔ یا بدن پر ملنے کے روغن وغیرہ تیار کریں میں نے سنا ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کو بھی جنہیں ماگی[۱] (Magi) کہتے ہیں ساتھ لائے ہیں۔ بھلا پجاری کی اس جگہ کیا ضرورت جہاں مندر ہوں نہ دیوتا۔"

غرضکہ عوام میں اسی قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں اور نوواردوں کے عادات و اطوار پر رائے زنی کی جا رہی تھی۔

ایرانی سفارت کے آتے ہی فرعون نے نہایت مہربانی والتفات کے ساتھ انہیں اپنے دربار میں باریابی بخشی۔ اور انکی خاطر و تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ چار دن کے بعد ولیعہد کے ہمراہ سب ایرانی ممفس (Memphis) کی سیر کو چلے گئے صرف کرِیسس (Croesus) رہ گیا جس کے ساتھ بادشاہ ایک روز اپنے محل کے باغات میں ٹہلتا ہوا نکلا۔ یہ باغات نہایت خوشنما و عالی شان تھے اور شہر کے شمال مغربی حصہ میں قلعہ شاہی کے نزدیک واقع تھے۔ دونوں معمر شخص ایک سایہ دار انجیر کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اس کے قریب ہی ایک سنگ سرخ کا بڑا سا حوض تھا

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کنعان بھیجدی گئیں۔ اور اُس خاندانی غار نما مقبروں میں دفن ہوئیں جسکی زمین حضرت ابراہیمؑ نے اپنے زمانہ کے حطی (Hittite) فرمانروا سے خرید فرمائی تھی۔

(ماخوذ از سمتھ اینڈ ایجنڈ۔ ڈونلڈ مکنتری)

[۱] یہ ایرانیوں کے مذہبی پیشوا تھے اور عموماً میڈیا کے باشندے ہوتے تھے۔ زیادہ تفصیل کے ساتھ آئندہ ذکر کیا جائیگا ۱۲

جس میں سیاہ پتھر کے مگرمچھ اپنے مہیب جبڑے کھولے ہوئے پانی کے فوارے اڑا رہے تھے۔

لیڈیا (Lydia) کا سابق فرمانروا اگرچہ فرعون سے کئی سال عمر میں بڑا تھا مگر اس سے کہیں زیادہ مضبوط و چست و چالاک معلوم ہوتا تھا۔ اماسس (Amasis) کے لانبے قد میں خم آگیا تھا۔ اس کا جسم بھاری تھا مگر ٹانگیں کمزور تھیں۔ ناک نقشہ اچھا تھا لیکن چہرہ پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی چمکتی ہوئی تھیں جن سے ذکاوت و دانائی نمایاں تھی۔ مگر ہونٹوں پر ہر وقت ایک عجیب شرارت آمیز تمسخرانہ ادا پائی جاتی تھی۔ اس کا سر بڑا اور پیشانی بلند تھی جو ذہانت و دانائی کی دلیل تھی۔ آنکھیں گھڑی گھڑی اپنا رنگ بدلتی تھیں جس سے تفنن طبع، ظرافت و جدت مزاجی کا پتہ چلتا تھا۔ اور کچھ عجب نہیں ہے کہ انہیں صفات کی بدولت یہ عجیب شخص جو ایک معمولی سپاہی کی حیثیت رکھتا تھا آخر کار فرعون کے تاج و تخت کا مالک بن بیٹھا۔ اسکی آواز کسی قدر کرخت و دلخراش تھی۔ اسکے حرکات و سکنات سے ایک قسم کی بے چینی و تلون پایا جاتا تھا اور وہ بردباری و تحمل نہ تھا جو عموماً مصری شرفا کا خاصہ ہوا کرتا ہے۔

کروسس[1] (Croesus) کے انداز و طریقہ سے شاہانہ پن برستا تھا۔ اسکے

[1] کروسس لیڈیہ کا بادشاہ۔ مغربی مورخین کا قارون ہے اسکے پاس بیشمار دولت تھی۔ کوروش (سیروس)، اعظم فرمانروائے ایران کو اسی کے زمانہ میں عروج ہوا۔ جب آخر الذکر نے میدیا کی سلطنت کو زیر و زبر کر دیا تو ان یونانی نوآبادیوں کی طرف متوجہ ہوا جو ساحل ایشیائے کوچک پر واقع تھیں۔ انکی فتح نے کروسس کے کان کھڑے کئے۔ اس نے خوف زدہ ہو کر مصر۔ بابل و اسپارٹا سے مدد مانگی۔ ان تینوں نے وعدہ کیا لیکن کسی قدر دیر کر دی۔ اتنے میں کروسس کا ایک امیر جو یونانی فوج بھرتی کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا باغی ہو کر ایران بھاگ گیا اور فارس پہنچکر اس اتحاد کا حال

اخلاق و آداب سے معلوم ہوتا تھا کہ یونان کے مشہور و معروف لوگوں کی صحبت میں بیٹھا ہی اس کا طرز گفتگو نہایت شستہ و پاکیزہ تھا اسکی آواز بھی اماسس (Amasis) کے مقابلہ میں بڑی دلپذیر و شیریں تھی ۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) افشا کر دیا۔ کوروش (سیروس) یہ سنتے ہی فوراً اپنی فوج لیکر بطریق یلغار ایک ہزار میل طے کر کے فوراً لیڈیا کے سرحد پر پہنچا اور قبل اس کے کہ حلیف باہم مل سکیں حملہ آور ہوا لیکن اس جنگ میں اُسے ہزیمت ہوئی ایک عارضی صلح ہو گئی پھر تین ماہ کے بعد ایک دوسری لڑائی ہوئی جس میں اہل لیڈیا ہار گئے اور کری سس اپنی دارالخلافت کی طرف بھاگ گیا۔ اسے امید تھی کہ بابل عقب میں ہے اس لئے کوروش (سیروس) اب آگے نہ بڑھے گا۔ لیکن بابل نے حماقت سے صلح کر لی اور چند ماہ بعد ایرانی فاتح بڑی سرعت سے سارڈیس (Sardis) کے قریب آگیا۔ اس سے کری سس کو سخت حیرت ہوئی۔ اُسے امید تھی کہ موسم سرما کی وجہ سے لڑائی ناممکن ہوگی۔ اس لئے اپنی فوج کا ایک حصہ بھی اسنے برخاست کر دیا تھا۔ اور اپنے حلیفوں کو بھی قاصد روانہ کر دیئے تھے کہ آیندہ موسم بہار میں مدد بھیجنا۔ غرضکہ میدان ہرمیز میں دونوں حریف صف آرا ہوئے۔ لیڈیا کا رسالہ تمام دنیا میں مشہور تھا۔ کوروش (سیروس) نے اسکے سامنے اپنے اونٹ کھڑے کر دیئے جنکی بو سونگھتے ہی گھوڑے بگڑ گئے اور فوج میں ابتری پھیل گئی۔ پھر بھی اہل لیڈیا بڑی بہادری سے لڑے مگر بالآخر شکست کھا کر سارڈیس میں محصور ہوئے۔ کوروش (سیروس) کے لئے اس شہر کا فتح کرنا بہت مشکل تھا لیکن حسن اتفاق سے ایک دن اسکے ایک سپاہی نے دیکھا کہ محصورہ فوج کا ایک جوان اپنا خود اُٹھانے چپکے سے باہر نکل کر آیا ہے۔ اسے یہ خفیہ راستہ معلوم ہو گیا اور اپنے چند ساتھیوں کو لیکر اندر داخل ہو گیا اور غافل محافظین پر قابو پا کر قلعہ کا پھاٹک کھول دیا اسطرح کوروش (سیروس) اعظم کو ۵۴۶ ق م لیڈیا پر کامل فتح حاصل ہوئی۔ کری سس کو جب ہر طرف سے نا اُمیدی ہو گئی اور غنیم کی فوج شہر میں داخل ہونے لگی تو اس نے ایک بہت بڑی چتا بنائی اور اپنی اولاد و مال و اسباب سمیت جلنے پر آمادہ ہوا اپنا وقت آخر دیکھ کر اُس نے ایک آہ سرد بھری۔ اور تین دفعہ سولن کا نام لیا اور اس کا یہ قول یاد کیا کہ "موت جب تک سامنے نہ آجائے کسی شخص کو

فرعون نے اپنے ساتھی سے یونانی زبان میں پوچھا "اب یہ بتاؤ کہ تمہیں مصر پسند آیا کہ نہیں۔ میرے نزدیک تمہاری رائے سب سے زیادہ قابل وقعت و قدر ہے کیونکہ اول تو تم دنیا کی تمام اقوام ممالک کو دیکھ چکے ہو۔ دوسرے یہ کہ تمہیں دیوتاؤں نے دولت و ثروت کی اعلیٰ منزل پر پہنچا کر پھر نیچے اُتار دیا اور زمانہ کے سرد و گرم دونوں سے واقف ہو۔ تیسرے یہ کہ اتنی مدت سے ایک جلیل القدر شہنشاہ کے مشیر ہو جو بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ میری دلی خواہش ہے کہ یہ ملک تمہیں ایسا مرغوب خاطر ہو جائے کہ میرے بھائی بن کر اسی کو اپنا وطن اختیار کر لو۔ کری سس (Croesus) میں تم سے سچ کہتا ہوں اگرچہ دیوتاؤں نے اپنے کرم سے صرف کل ہی تم کو مجھ سے ملایا ہے مگر میں ایک عرصہ سے غائبانہ تمہارا مشتاق تھا اور تم کو اپنا دوست تصور کرتا تھا۔" کری سس (Croesus) یہی حال میرا بھی تھا۔ میں تمہاری ہمت پر آفریں کرتا ہوں کہ نمک خواروں کی بھلائی کا کس قدر خیال رکھتے ہو۔ اور انکی حمایت پر باوجود اتنی مخالفتوں کے ہمیشہ سینہ سپر ہو جاتے ہو۔ خصوصاً میرے دوست یونانیوں پر جو تمہاری عنایت ہے اس کا میں پورے طور سے شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ میں تم کو اپنی جاہ ثروت کا رفیق و ہمدم خیال کرتا ہوں کیونکہ تم بھی اس زندگی کے تمام عیش و عشرت کے مزے اچھی طرح چکھ چکے ہو۔"

اماسس (Amasis) (مسکرا کر) "ہاں۔ مگر دونوں کے آغاز و انجام میں فرق ہے۔ تمہیں اقبال کے بعد ادبار نصیب ہوا۔ اور میرا حال اسکے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) خوش نہ کہنا چاہیئے۔" اب اس نے آگ مشتعل کرنے کا حکم دیا کہ استنے میں اپالو دیوتا نے پانی برسا کر چتا کو بجھا دیا۔ مگر حقیقت حال یہ تھی کہ خود کوروش (سیروس) کو رحم آگیا اور اس نے کری سس کی جان بخشی کر کے نہایت عزت کے ساتھ اس سے برتاؤ کیا اور بعدہ اپنے مصاحبین خاص میں داخل کر لیا۔ (ماخوذ از سائکس تاریخ ایران)

برعکس ہے (غور و فکر کے بعد) یعنی اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ میری موجودہ حالت باعث خوشی و خرمی ہو سکتی ہے۔"

کری سس (Croesus) "اور بشرطیکہ میں بھی یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ یہ حالت جسے تم میرا ادبار کہتے ہو۔ میرے لئے رنج و مصیبت پیدا کرنے والی ہے۔"

اماسس (Amasis) "اتنی دولت و ثروت کھو دینے کے بعد بھی بھلا کوئی دوسری بات قیاس میں آسکتی ہے۔"

کری سس (Croesus) "میں اس کا قائل نہیں۔ کیا خوشی کا انحصار مال و دولت ہی پر ہے، یا خوشی کسی کی ملکیت ہے، خوشی محض ایک خیال ہے، وہ ایک جذبہ ہے، ایک نعمت ہے جو عموماً ناداروں و غریبوں کے حصہ میں زیادہ تر آتی ہے۔ بخلاف اس کے صاحب قدرت و مال و منال اپنے زر و جواہر دیکھ کر خیرہ چشم ہو جاتا ہے اور اسی کی لالچ و ہوس میں ہمیشہ طرح طرح کی ناامیدیوں کا نشانہ بنا رہتا ہے۔ اس کی تمام عمر اسی ایک خواہش اسی ایک آرزو تمنا میں، اسی جد و جہد میں کہ اور دولت حاصل ہو گذر جاتی ہے جس سے نہ کبھی دل کو سیری ہو سکتی ہے نہ سچا چین و آرام نصیب ہوتا ہے۔"

اماسس (Amasis) {ایک آہ سرد بھر کر} "کاش کہ میں تم سے اختلاف کر سکتا مگر سچ تو یہ ہے کہ جب اپنی گزشتہ زندگی پر خیال کرتا ہوں تو مجھے بھی یہ ماننا پڑتا ہے کہ میری سب سے بڑی مصیبت کا آغاز اسی دن سے ہوا جس دن مجھے یہ خیال آیا کہ آج تمام تر اوج و کمال حاصل ہو گا۔ افسوس کہ یہ کس قدر غلط نکلا۔"

کری سس (Croesus) "اور میں تمہیں اب یقین دلاتا ہوں کہ بجائے ناراض ہونیکے میں نہایت ہی مشکور ہوں کہ جو امداد تم نے میرے آڑے وقت پر بھیجی تھی وہ بدیر پہنچی کیونکہ عین اس موقع پر جسے میں اپنی حد درجہ کی بدنصیبی سمجھ رہا تھا۔ میری ایک ایسی دلی تمنا و خوشی بر آئی جس کا میں ایک عرصہ سے آرزومند تھا۔ یعنی جب ایرانی

سپاہی سارڈیس (Sardes) کی دیواروں پر چڑہ گئے تو میں نے اپنے کو بہت لعنت ملامت کی۔ اپنے دیوتاؤں کو بُرا بھلا کہا۔ اور زندگی سے بیزار ہوکر اپنے چند بہادروں کے ساتھ مایوسانہ لڑتا بھڑتا پیچھے ہٹا۔ اتنے میں ایک ایرانی سپاہی ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے قریب تھا کہ میرے سر پر وار کرے کہ میرے گونگے لڑکے گیجیس نے (Gyges) اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور خوف و دہشت کے مارے اُسکی زبان کھُل گئی اور برسوں کے بعد میرے کانوں میں اُس کی شیریں آواز پھر سُنائی دی۔ یہ ایک ایسا ماجرہ تھا جسے دیکھتے ہی دیوتاؤں کے سامنے میں نے عجز و نیاز سے اپنی گردن جھکا دی اور اُس نوکر سے جسے قید ہونیکی حالت میں اپنے قتل کر دینے کا حکم دیا تھا شمشیر چھین کر پھینک دی اور میرے خیالات میں یکایک اس قدر تبدیلی ہوگئی کہ میں بالکل ہی ایک دوسرا شخص ہوگیا۔ بجائے اپنی بدنصیبی پر رونے دہونے اور دشمن پر غصہ و پیچ و تاب کرنیکے میرا دل خصومت و عناد کے غبار سے بالکل پاک ہوکر صبر و شکر سے لبریز ہوگیا۔ اسکے بعد تمہیں معلوم ہی ہے کہ کوروش (Cyrus) نے مجھے اپنا مصاحب و مشیر خاص بناکر کس قدر عزت و افتخار کے ساتھ رکھا اور میرے لڑکے کو بھی آزادانہ زندگی بسر کرنیکی اجازت دی۔ اور یہی وہ پیارا بچہ ہے جسے میں اب اپنی دہن دولت تاج و تخت سب سے بڑہ کر سمجھتا ہوں بعد ازاں میں نے کوروش (Cyrus) کے فکر و مصیبت کے دن بھی دیکھے جب راتوں کو اُسے نیند نہیں آتی تھی تو مجھے اپنا پرانہ زمانہ یاد آگیا اور سجدہ شکر ادا کیا کہ اُس سے نجات ملی۔ کیونکہ جس کا نام سچی خوشی ہے وہ کوئی دوسری ہی شے ہے۔ اس کا تخم ہر شخص کی دل میں موجود ہے لیکن اُسکے شاداب و برآور ہونے کی ضرورت ہے یعنی قناعت و صبر کی امداد لازم ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنی زندگی کی بڑی بڑی کامیابیوں پر خوشی کا دار و مدار نہ رکھے بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی مسرت و حظ حاصل کر سکے۔ اور عارضی تکالیف و رنج و غم سے آزردہ خاطر نہ ہو۔ بلکہ انہیں استقلال و ہمت کے ساتھ

جھیل جائے اور کوئی ایسی خطا و گناہ نہ کرے جسکی یاد سوہان روح یا نفس کے لئے تازیانۂ عذاب ہو۔ نیز ہر کام و ہر بات میں اعتدال سے کام لے اور دیوتاؤں کے کرم و رحم پر پورا بھروسہ رکھے یہ اچھی طرح سمجھ لے کہ بُرے سے بُرا وقت بھی کٹ جائیگا۔ کیونکہ زمانہ یکساں نہیں رہتا۔ اس طرح جب انسان کی طبیعت میں یہ رضا جوئی، قناعت و صبر آجاتا ہے تو کوئی مصیبت نہیں رہتی۔ کوئی درد دُکھ یا آفت دل کو پریشان و پراگندہ نہیں کر سکتی۔ بخلاف اُسکے وہ شخص جسے تقدیر پر بھروسہ نہیں ہے ذراسی بات سے شک و شبہ میں پڑکر حسرت و مایوسی و رنج و غم کے گرداب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

اماسس (Amasis) کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کے سرے پر کتے کا طلائی سر بنا ہوا تھا وہ اس سے ریتیلی زمین پر لکیریں کھینچ رہا تھا اور بغور اپنے دوست کی گفتگو گوش رہا تھا جسکے اختتام پر یوں گویا ہوا۔

"کروسس تم سچ کہتے ہو۔ مجھے تمام مصری انصاف و عدل کا بڑا دیوتا نیتھ[۱] (Neith) کا بیٹا اور مالک الملک و صاحب جبروت و جاہ و جلال کے گوناگوں القاب سے یاد کرتے ہیں لیکن میں تم پر رشک کرتا ہوں حالانکہ تم سے بادشاہت چھن گئی ہے اور اب ایک معمولی درباری کی حیثیت رکھتے ہو۔ مجھے اپنا گذشتہ زمانہ یاد آتا ہے جب میں بھی تمہاری ہی طرح آزادہ خوش و خرم تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ میری اصلیت کیا ہے۔ میں ایک غریب فوجی افسر کا لڑکا تھا۔ خوش مزاجی، زندہ دلی بیباکی میری طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ میرے حکم پر ہر سپاہی جان دیتا تھا اور میرے قصوروں سے افسر بالا بھی اغماض کر جاتے تھے۔ میرے ساتھی و یار غار دوسرے افسر کبھی بلا میرے کسی دعوت یا کھیل تماشہ میں شامل نہ ہوتے تھے۔ غرضکہ میری ہر دلعزیزی عام

[۱] نہ صرف اماسس بلکہ تمام فراعنہ انہیں القابوں سے یاد کئے جاتے تھے اور عام دیوتا کی طرح انکی پرستش کرتے تھے اور انکا اوتار انہیں سمجھتے تھے۔ (ولکنسن)

تھی اور میری زندگی بڑی راحت سے کٹتی تھی کہ اسی زمانہ میں یہ اتفاق ہوا کہ بادشاہ ہوفرا (Hophra) نے ہم کو سائرین[1] (Cyrene) کے مقابلہ میں جنگ کے لئے

[1] سائرین (Cyrene) یونانیوں کی سب سے بڑی نوآبادیوں میں ایک بستی سائرینیشیا تھی اس کا پایہ تخت سائرین تھا۔ اس کی تعمیر کے متعلق یہ کہانی ہیروڈوٹس نے لکھی بھی ہے کہ باتوس ارسطاطیلیس، باشندہ تھیرا (سینٹورین) کو ڈلفی کی آواز غیب نے ہدایت کی کہ "ایک پانی کے بیچ" میں شہر بناؤ۔ چنانچہ بہت کچھ بھٹک بھٹکا کر یہ مقام اُس نے بنایا جسکی بنیاد ساتویں صدی قبل مسیح میں پڑی اور ایک مقامی پری سائرن کے نام پر نام رکھا گیا۔ اور لیبیا کے لوگوں کو یہاں لاکر بسایا گیا۔ اہل لیبیا نے یونانیوں سے شادی بیاہ کیا جن سے ایک مخلوط نسل پیدا ہوئی۔ باتوس نے یہاں ۶۲۰ق م تک حکومت کی۔ پھر اسکے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا جس کا نام ارسیس لاس تھا۔ یہاں کے بادشاہوں میں بھی دو نام یکے بعد دیگرے ہوتے رہے ہیں۔ باتوس دوم نے ۵۷۰ق م میں یونان کے نئے لوگوں کو لاکر بسایا جن سے یہاں کے باشندوں سے جلد جھگڑا ہو گیا اور آخر الذکر نے مصر سے مدد طلب کی لیکن مصری مدد..... کچھ کامیاب نہ ہوئی۔ اور مصر کے بادشاہ اماسیس نے باتوس خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کرکے صلح کرلی۔ باتوس سوم کے زمانہ میں ڈلفی کے آواز غیب کے اشارہ سے یہاں کچھ اصلاحات ہوئیں۔ بادشاہ کے حقوق محدود کئے گئے۔ اور باشندوں کے مراتب قرار دیکر تمدنی تقسیم عمل میں آئی۔ اس بادشاہ کی بیوی اور لڑکے نے ان انتظامات کی مخالفت کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان میں سخت پھوٹ پھیل گئی۔ بعدہ ایران کا حملہ ہوا اور یہ خاندان تقریباً ۴۵۰ق م میں نیست و نابود ہو گیا اور ایک جمہوری سلطنت قایم ہوئی۔ اس شہر نے ۳۳۱ق م میں اسکندر اعظم کی اطاعت قبول کی پھر اسی سال سائرین پر بطلیموسیوں کا قبضہ ہو گیا اور اس شہر کی بربادی کچھ ان نئے حاکموں کی وجہ سے اور کچھ گھر کی اپنی لڑائیوں کی وجہ سے شروع ہوئی۔ باوجود اسکے ۹۶ء تک جو رومیوں کا زمانہ تھا اس شہر کی پھر بھی خاصی شان و شوکت رہی۔ عربوں نے اسے ۶۴۱ء میں فتح کیا۔ اب یہ شہر بالکل ویران ہے اور آثار قدیمہ بکثرت نظر آتے رہتے ہیں۔ اور اس مقام کو "عین شہت حرنبہ" کہتے ہیں ۱۲

بھیجا۔ وہاں اثنا راہ میں ہم لوگ ایک بیابان و ریگستان میں پہنچکر سخت تکالیف میں مبتلا ہوگئے اور جب کوئی چارہ نہ دیکھا تو سب نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا کیونکہ ہمیں شبہ ہوا کہ شاید بادشاہ نے اپنی یونانی فوج کی خاطر ہم کو عمداً موت کے منہ میں بھیجا ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ تمام فوج کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہوگئی۔ اور میں نے مذاقاً جیسی میری عادت تھی دوستوں سے چلاکر کہا بھائیو بغیر کسی بادشاہ کے تمہارا کام نہ چلیگا۔ اگر کہو تو میں حاضر ہوں ایسا زندہ دل بادشاہ پھر کہیں نہ ملیگا۔" سپاہیوں کو میری یہ بات بھاگئی پھر کیا تھا چند ہی گھنٹے میں فوج کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک یہی ندا ہر فرد بشر کی زبان پر تھی "اچھا تو زندہ دل اماسس (Amasis) ہی اب ہمارا بادشاہ ہوگا۔" اتنے میں میرے ایک ساتھی نے سپہ سالار کا خود چھین کر میرے سر پر رکھ دیا۔ اور میں ہنسی ہی ہنسی میں تمام فوج کا درحقیقت سردار بن گیا۔ بعد ازاں ہوفرا (Hophra) سے ایک جنگ ہوئی۔ جس میں اُس نے شکست کھائی اور تمام رعایا نے میرا ساتھ دیکر مجھے تخت پر بٹھادیا۔ پروہتوں نے بھی میری اطاعت قبول کرلی بلکہ اپنی ذات پات میں داخل کرلیا۔ جس سے انکا صرف یہ مقصد تھا کہ مجھے اپنے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح نچاتے رہیں۔ میرے پرانے افسر اعلیٰ مجھ سے جلنے لگے۔ بعض اگلے زمانہ کی طرح بے تکلفانہ ملنے جلنے و خلاملا رکھنے کے خواہشمند ہوئے۔ تم خیال کرسکتے ہو کہ میرے مرتبے و وقار کے یہ امر کس قدر خلاف ہوتا اور میری عزت لوگوں کی نظروں سے گرجاتی۔ چنانچہ ایک دن جب بہت سے فوجی افسر میرے ساتھ دعوت میں شریک تھے۔ اور حسب معمول ہنسی مذاق کرنا چاہتے تھے تو میں جب میرے حکم کے طعام شروع کرنے سے پہلے ایک سونے کے طشت میں انکے پیر دھلائے گئے۔ پانچ دن کے بعد میں نے پھر انہیں مدعو کیا اور میز پر انکے سامنے بڑے دیوتا را[1] (Ra) کا

[1] اقوام ماضیہ کے مذاہب کا مطالعہ نہ صرف دلچسپ بلکہ سبق آموز ہے اور پتہ دیتا ہے کہ بعض موجودہ مذاہب پر انکے پرانے عقاید کا کس قدر اثر باقی ہے۔ آفتاب پرستی بڑے قدیم زمانہ سے دنیا میں شروع ہوئی۔ ایشیا کا بعل (جس سے شہر بعلبک کا نام پڑا) اور مصر کا را صدیوں تک بنی نوع انسان کے معبود بنے رہے

ایک طلائی بت رکھوادیا۔ جیسے دیکھتے ہی سب پرستش کے لئے سربسجود ہوگئے اور

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) سب سے پہلے حکمرانوں امرائے سلطنت و الیشمائی نسل کے لوگوں میں اسکی پرستش بہت مقبول ہوئی۔ فراعنہ اپنے کو فرزند را کے لقب سے یاد کرنے لگے (راجپوت سورج بنسیوں کا بھی شاید یہی خیال تھا) خصوصاً آغاز خاندان پنجم سے ان عقاید کو زیادہ ترقی ہوئی اور ہیلیوپولس یا عین الشمس میں را کا عظیم الشان مندر مرجع خاص و عام ہوگیا اور اسکے پروہتوں کا اثر و اقتدار روز افزوں ترقی کرنے لگا۔ بعدہ جیسا مصری مذہب کا قاعدہ تھا کہ جب کبھی پولٹیکل یا شخصی اغراض کی بنا پر کسی خاص دیوتا کو عروج ہوتا تو دوسروں کو بھی فراموش نہ کیا جاتا اور انکے پیرواں کی دل آزاری نکیجاتی اس لئے اُزرس، ہورس اور تھیبز کا مشہور آمن بھی بعد ازاں را کے ساتھ شامل کردیئے گئے اور اس طرح تھیبز و ہیلیوپولس کے دو مذہبی جماعتوں میں صلح ہوگئی چنانچہ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰ خاندانوں کے زمانہ میں آمن را مصریوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ اسکی شکل ایک بارعب و شاندار آدمی کی طرح تھی جسکی لمبی سی ڈاڑھی تھی گلے میں ایک طوق زر پڑا رہتا۔ ہاتھوں میں خوشنما کڑے تھے اور سر پر ایک اونچا سا تاج تھا جس میں دو پر اور چاند سورج کے نشان لگے ہوئے تھے اور کبھی مینڈھے کے دو سینگ بھی نظر آتے تھے۔ رامسس ثانی نے تھیبز (Karnak) میں اس دیوتا کے لئے ایک بڑا عالی شان مندر (رامیسرم) بنایا تھا جو عجائبات عالم میں شمار کیا جاتا تھا۔ آخر اسکے زوال کا بھی زمانہ آیا۔ اشور کی فتوحات مصر کے بعد سے یہ محض ایک مقامی دیوتا رہگیا اور آسرس و آئیسس جو مصریوں کے قدیم معبود تھے۔ پھر تمام دیوتاؤں کے سردار بن گئے۔ ان انقلابات کے بہت پہلے یعنی چودھویں صدی قبل مسیح میں اٹھارہویں خاندان میں ایک عجیب صوفی مزاج و موحد بادشاہ پیدا ہوا جس نے چاہا کہ را کے پردہ میں لوگوں کو معبود حقیقی کی طرف متوجہ کرے۔ اس کا نام اخناتن تھا مشہور ہے کہ اسکی ماں نے اسے یہ مذہب سکھایا تھا۔ یہ سترہ برس کی عمر میں جب اسکی دو لڑکیاں بھی تھیں تخت پر بیٹھا اور اسنے تمام بتوں کی پرستش موقوف کردی۔ سورج کو مظہر انوار تجلیات الٰہی سمجھا اور اپنے اس معبود کا نام اتن رکھا۔ یہ بادشاہ نوجوان مرا۔ اور مصری جو اسے کافر کہتے تھے بہت جلد اپنے پرانے اعتقادات پر واپس آگئے۔ را کے

جب فارغ ہوچکے تو میں نے عصائے شاہی کو اوپر اٹھاکر نہایت سنجیدگی کے ساتھ

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) متعلق بعض عجیب روایات مشہور تھیں۔ تخلیق عالم کو اسی سے منسوب کرتے تھے یعنی
سب سے پہلے یہ دنیا ایک بحر عمیق و ذخار تھی۔ جہاں بڑا باپ نُور رہتا تھا اس نے را کو پیدا کیا لیکن بعدہ را اپنے
باپ سے بڑھ گیا اور تمام موجودات عالم۔ انسان اور حیوانات کا بانی ہوا پھر قالب انسانی میں دنیا میں آیا اور
صدیوں تک اسنے حکومت کی مگر جب بوڑھا ہوگیا تو لوگ اس سے بیزار ہوکر برا بھلا کہنے لگا اس پر اسے سخت
غصہ آیا اور اسکی ایک آنکھ ہاتھر دیوی بن کر دشمنوں سے انتقام کو نکلی اور انسان کے خون سے ندیاں بہہ گئیں
پھر را نے رحم کھاکر انہیں معاف کردیا۔ اس زمانہ میں تمام دیوتا انسانوں کی طرح دنیا میں رہتے سہتے تھے
ان میں ایک آسس دیوی بھی تھی جو بڑی جادوگرنی تھی۔ اسے خیال ہوا کہ کسی طرح را کا خفیہ نام دریافت
کرے اور اسکی مدد سے دنیا چھوڑکر آسمان پر چلی جائے اس لئے اس نے جادو کے زور سے ایک سانپ
بنایا جس سے را کو کٹوا دیا۔ را کو جب سخت تکلیف و بے چینی ہوئی تو آسس نے کہا "بزرگ و پیارے
باپ! اپنا خفیہ نام بتادو تو یہ زہر اتار دونگی" را نے مجبوراً بتادیا اور آسس اپنی مراد کو پہنچی۔ پھر را
بھی دنیا سے بیزار ہوکر آسمان پر چلا گیا۔ را پرستوں کا عقیدہ تھا کہ نجات ابدی چند منتروں کے جاننے سے
حاصل ہوتی ہے۔ (انہیں ایک کتاب کی صورت میں لکھ کر مردہ کے پاس تابوت کے اندر رکھ دیتے تھے) انکا
عقیدہ تھا کہ مرنیکے بعد ارواح سمت مغرب جاتی ہیں۔ اور عالم تحت الثریٰ یعنی دوزخ کی پہلی منزل میں
داخل ہوتی ہیں (رات کے بارہ گھنٹوں کے حساب سے اس عالم کی بھی بارہ منزلیں ہیں) یہاں پہنچکر
وہ را کی "کروروں برس والی" کشتی کا انتظار کرتی ہیں۔ یہ کشتی دن کے وقت آسمانی نیل اور بوقت شب
تحت الثریٰ دریائے نیل پر چلتی ہے (موسمی لحاظ سے جب سورج کی روشنی بدلتی ہے تو خیال کرتے تھے
کہ اس دریا میں سیلاب آگیا ہے) غرضکہ جس روح کو خاص منتر معلوم ہے (جس کا علم صرف پروہتوں کو
ہی ہوسکتا تھا) وہ بآسانی کشتی میں سوار ہوجاتی ہے اور را کے ساتھ روشنی میں سفر کرتی ہے۔ حتیٰ کہ
وہ مشرق تک پہنچ جاتا ہے تب یہ روح نکل کر دن بھر آسمانی بہشت کی سیر کرتی ہے اور دنیا میں اپنے
اپنے عزیزوں و دوستوں سے بھی ملنے بآسانی آسکتی ہے۔ مگر شام ہوتے ہی اسے پھر را کی کشتی میں واپس ہونا

باآوازہ بلند کہا۔ "آگاہ ہو کہ اس متبرک مورت کو ایک کاریگر نے اُسی سونے کے تشت سے بنایا ہے جس میں پانچ دن ہوئے تم تھوکتے تھے اور اپنے پیر دھوتے تھے۔ میں بھی کسی زمانہ میں اس برتن کی طرح تھا لیکن ایک آسمانی قوت نے جو ایک معمولی زرگر سے زیادہ صناع و دانشمند ہے مجھے تمہارا بادشاہ بنا دیا۔ اس لئے میرے سامنے بھی اسی طرح جبہ سائی کر کے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دو۔ اگر کسی نے اس حکم سے سرتابی کی اور بادشاہ کی جو اس دنیا میں را (رع) کا فرزند قائم مقام ہے پوری عزت و حرمت نہ کی تو سزا اسے موت کا مستوجب گردانا جائیگا۔" یہ سُنتے ہی سب میرے قدموں پر گر پڑے اور اس طرح میرا اقتدار و رعب

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) پڑتا ہے ورنہ تاریکی کے دیو اسے نہ چھوڑیں گے اور فوراً پکڑ کر کھا جائیں گے۔ بعض روحیں ایسی ہیں جنہیں پورا منتر نہیں معلوم ہے اس لئے صرف ایک ہی منزل کے بعد اتار دیئے جاتے ہیں اور باقی ماندہ وقت تاریکی و ظلمت میں گذارتی ہے اور سیکڑوں قسم کے عذابوں میں مبتلا ہوتی ہیں۔ جب را کی کشتی انکے سامنے سے گذرنے لگتی ہے تو وہ ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر روتی چلاتی رہتی ہیں۔ انکے پیچھے خبیث دیو مہیب اژدہے اور جانور دانت نکالے کھڑے ہیں اور مقدس کشتی کے غائب ہوتے ہی فوراً انکو کاٹنے و نوچنے لگتے ہیں۔ را کے انسانی دشمن کا بھی یہی حال ہوتا ہے انہیں اسکی جھلک تک نظر نہیں آتی اور وہ ہمیشہ کے لئے اُبلتی ہوئی آتشیں جھیلوں میں پھینک دیئے جاتے ہیں۔

را کا سب سے بڑا دشمن تاریکی و ظلمت کا دیو اپپ نامی اژدہا ہے۔ یہ ہر رات دیوتا پر حملہ کرنے نکلتا ہے اور بعض اوقات دن کے وقت بھی نمودار ہو کر بشکل ابر سیاہ یا گرہن را پر عارضی فتح حاصل کرتا ہے۔ اسے مارنے کے لئے را کی کرنیں بھالے بن کر گرتی ہیں۔ یا دوسرے دیوتا بجلی بن کر مدد کو آتے ہیں۔ مگر انسان کو بھی لازم ہے کہ خاص منتروں کا ورد رکھے تاکہ را کو اس دشمن ازلی سے نجات حاصل ہو۔ پروہت بھی اسی لئے بوقت شب اپپ کی مومی مورتیں بنا کر انیں چھریاں بھونکتے ہیں۔ یا ان پر تھوک کر آگ میں جھونک دیتے ہیں۔

(متھ اینڈ لیجنڈ۔ ڈونلڈ مکنزی)

تو قائم رہا۔ مگر سچے جانباز و بہی خواہ دوست مفقود ہو گئے۔ چنانچہ مجھے اپنے قیام حکومت کے لئے دوسری طرف جھکنا پڑا۔ اور یونانیوں پر جنکی شجاعت و بہادری مشہور ہے زیادہ بھروسہ کرنے لگا۔ انکی فوج بنا کر برابر اپنے ساتھ رکھی۔ انکی زبان سیکھ لی۔ اور انکے بڑے بڑے عالموں و حکیموں مثلاً فیثاغورث وغیرہ سے ملاقات کی اور یونانیوں کی صنعت و حرفت تمدن کو اپنے ملک میں رواج دینے کی کوشش کی۔ علاوہ بریں میں نے اپنے ملک کو بطریق احسن مختلف حصوں میں تقسیم کیا اور تمام دنیا سے افضل و بہتر پولیس کا انتظام قایم کیا۔ اور تھوڑے عرصہ میں بہت کچھ اصلاحات انجام دیں۔ مگر میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اپنے ملک میں یونانی تہذیب، طرز معاشرت، صنائع وبدائع اور اُسکے فلسفہ وغیرہ کو لاکر لوگوں کا مذاق بدل دوں۔ اور انکے دلوں سے قدامت پرستی اور تنگ خیالی دور کردوں۔ مگر افسوس کہ اس میں مجھے ابتک سخت ناکامی ہوئی۔ اور کچھ عجب نہیں کہ یہی میری بربادی کا باعث ہو۔ پروہت پجاری میری کچھ چلنے نہیں دیتے اور ہر بات میں رخنہ اندازی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ پرانی لکیر کے فقیر ہیں۔ غیر ملک کی اچھی باتوں کو بھی نفرت سے دیکھتے ہیں اور ہر اجنبی کو اس لئے کہ کہیں انکی تعلیم و تلقین و قوت اقتدار میں رخنہ انداز نہو اپنا جانی دشمن سمجھتے ہیں۔ ان پروہتوں کا عوام پر اتنا بڑا اثر ہے کہ میری کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اور مجبوراً مجھے انکے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر کے تمام منصوبوں کو خیرباد کہنا پڑتا ہے۔ اور مایوسی و غم دل پر چھا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سی حسرتیں مرتے دم تک میرے دل کی دل ہی ..... میں رہجائیں گی۔ اور بعدہ شاید میری قبر میں بھی یہ لوگ چین سے نہ سونے دیں گے۔

کریسس (Croesus) [ہمدردی کے ساتھ] زیوس (Zeus) کی قسم۔ تمہاری حالت بڑی قابل افسوس ہے میں بخوبی تمہاری دقتوں کو محسوس

کر سکتا ہوں۔ تمہارے اور تمہاری رعایا کے مذاق و طبائع میں زمین آسمان کا فرق
معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ مجھے بھی بعض ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے جو نہایت
روکھے پھیکے تھے اور جن کی تمام عمر افسردگی و پژمردگی میں کٹی تھی لیکن یہ مجھے کبھی وہم و
گمان بھی نہ تھا کہ پوری قوم کی قوم ایسی مردہ دل ہوگی کہ جیسے اس ملک کے لوگ ہیں۔
یہاں جس کسی کا چہرہ دیکھو خواہ وہ پروہت ہو یا درباری، سنجیدہ و اُداس نظر آتا ہے حتیٰ کہ
اُن نوعمر لڑکوں تک کے مُنہ پر کبھی ہنسی نہیں آتی جنہیں میں نے تمہاری خدمت کرتے
دیکھا ہے۔ حالانکہ خوش دلی و مسرت انکی عمر کا ایسا ہی خاصہ ہے جیسا کہ پھولوں کا کھلنا
موسم بہار کے لئے لازم و ضروری سمجھا جاتا ہے"

اماسس (Amasis) "تمہارا یہ خیال کہ سب مصری[1] مردہ دل ہوتے ہیں کسی
قدر مبالغہ آمیز و دور از راستی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہمارے مذہب کا حکم ہے کہ ہمیشہ موت کے
خیال کو دلنشین رکھا کریں تاہم یقین جانو کہ ہماری طرح کوئی دوسری قوم نہ ہوگی جو ایسی
زندہ منش ہو اور دل لگی و ہنسی و مذاق کی اس قدر شائق ہو۔ سیر و تماشہ کی اس قدر
دلدادہ ہو اور جشن یا تہوار کے موقعوں پر ایسی خود فراموشی کے ساتھ عیش و عشرت میں
مصروف ہو جاتی ہو جو بعض اوقات حد اعتدال سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ
جن پروہتوں کو تم نے مُنہ پھلائے دیکھا تھا۔ وہ تمہاری صورتوں سے نفرت کرتے ہیں

---

[1] اماسس کا قول بالکل صحیح ہے۔ مصریوں سے بڑھ کر شاید ہی کوئی دوسری قوم اس قدر
خوش مزاج و عیش و عشرت کی دلدادہ ہوگی۔ اُنکے مذہب میں بخلاف ہنود جسمانی صعوبتیں و
تکالیف بالکل منع تھیں۔ پروہت کئی کئی شادیاں کر سکتے تھے اور دعوت و جشن وغیرہ میں خوب
حصہ لیتے تھے۔ ملک میں ہر روز نت نئے تہوار و میلے ہوا کرتے تھے۔ جن میں ادنےٰ و اعلےٰ
مرد و عورت غرض کہ ہر طبقے کے لوگ خوشیاں مناتے ناچتے گاتے اور دنیا و مافیہا سے
بے خبر ہو جاتے تھے۔ (پروفیسر دنگی)

جن لڑکوں کا تم ذکر کرتے ہو وہ انہیں پوجاریوں کے نونہال ہیں۔ وہ بظاہر تو میرے ادنے اشارے پر غلاموں کی طرح خدمت کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں انکا کام مجھ پر جاسوسی کرنا ہی جس سے میری جان غضب میں آگئی ہے۔ کیا مجال کہ میری کوئی اُنگلی ہل جائے اور اُن کو نہ معلوم ہو اور فوراً اسکی خبر پروہتوں تک نہ پہنچ جائے۔"

کری سس (Croesus) "مجھے حیرت ہے کہ تم سے ایسی زندگی کیونکر بسر ہوتی ہی ان جاسوسوں کو کیوں نہیں نکال دیتے اور انکی جگہ اپنے بھروسہ کے غلاموں کو کیوں نہیں رکھ لیتے۔"

اماسس (Amasis) "کاش کہ ایسا ہو سکتا۔ {خوفزدہ ہو کر دبی زبان سے} ڈر ہے کہ اس وقت بھی ہماری گفتگو کوئی سُن رہا ہوگا۔ کل میں اُس سامنے والے انجیر کے درخت کو کٹوا دونگا۔ اُس نوجوان پجاری کو دیکھتے ہو جو بظاہر سیر باغ کا بہت شائق معلوم ہوتا ہے اور کچی کچی انجیریں توڑ کر اپنی چھوٹی سی ٹوکری میں جمع کر رہا ہے۔ حقیقت میں وہ ایک دوسرے ہی پھل کی تلاش میں ہے اور کان لگائے بڑے غور سے ہماری باتوں کو سُن رہا ہے۔"

کری سس (Croesus) "مگر زیس (Zeus) اور اپالو (Apollo) کی قسم ...."

اماسس (Amasis) "تمہاری حیرت و استعجاب بجا ہے مگر ہر بڑے مرتبہ کے ساتھ چند فرائض و قیود بھی وابستہ ہوتے ہیں اور بحیثیت اس ملک کے بادشاہ ہونیکے میرا فرض ہے کہ قدیم مذہب[۱] پُرانے دستوروں اور قاعدوں کی عزت و حرمت کرے۔ مجھے بھی

---

[۱] قدیم مصریوں کا مذہب حد درجہ پیچیدہ و کنایات و تاویلات سے بھرا ہوا تھا۔ اسکے سمجھنے کیلئے ہمیں سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ یہ مذہب جس میں سیکڑوں دیوتا و دیویاں ہیں ان مختلف اقوام کے اختلاط کی وجہ سے پیدا ہوا جو وقتاً فوقتاً سرزمین مصر میں آکر وہاں آباد ہوتی گئیں۔ پہلے ہر قبیلے و ہر شہر کا ایک

ایسی رسومات کی پابندی کرنا پڑتی ہے جو ہزاروں برس سے بلا کسی تغیر و تبدل کے رائج ہیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) علیحدہ دیوتا تھا۔ جب وہ آپس میں ملے تو ایک دوسرے کے دیوتا کو مان کر اپنی پرستش میں داخل کرتے گئے۔ مثلاً خاص انسانی دیوتاؤں میں گروہ آسرس تھا جو آٹھ ہزار برس قبل مسیح علیہ السلام شروع زمانہ تمدن میں مغرب سے آیا۔ آسیرس، آسس، ہورس مختلف قبیلوں کے دیوتا تھے۔ جب یہ آپس میں مل جل گئے تو آسرس خاوند۔ اور آسس بیوی۔ اور ہورس انکا فرزند ہو گیا۔ ان میں سے ہر ایک کی مختلف صفات و پہلو قایم کئے گئے۔ آسرس نہ صرف زراعت و روئیدگی کا نگہبان تھا بلکہ دوسری دنیا میں حساب و کتاب و جنت کا انتظام بھی اسی کے سپرد تھا۔ آسس کے بھی بکثرت پہلو تھے۔ زمانہ مابعد میں رومن اسے ملاحوں کا نگہبان سمجھتے تھے۔ ہورس پہلے تنہا تھا پھر قبیلہ آسس سے ضم ہو کر آسس کا فرزند کہلایا باز دیوتا سے مل کر اسکا سر بھی باز یا شاہین کی طرح ہو گیا۔ اور چونکہ یہ پرند علامت سلطنت ہے اس لئے ہورس بادشاہوں کا محافظ بن گیا ست سے اس نے آسرس کا بدلہ لیا تھا اسلئے انتقام کا دیوتا مانا گیا۔ نیز آسمان کا دیوتا بھی اسے کہتے تھے اور چاند سورج اسکی دو آنکھیں تھیں۔ شروع عیسائیت کے زمانہ میں بوجہ فرزند ہونیکے اسے عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی۔ (کچھ عجب نہیں کہ تثلیث کا مسئلہ اس مصری اثر کا نتیجہ ہو۔ مترجم) موذی جانوروں کا قاتل ہونے سے اسے سینٹ جارج سمجھنے لگے۔ بعد ازاں ایک کنول کے پھول کی طرح ...... نظر آیا۔ جو غالباً بدھ مذہب کا اثر تھا۔ دوسرا گروہ ست و نبہت کا تھا جو بحر احمر کی طرف سے آئے ست یا ٹائفون آسرس کا دشمن تھا مگر اسکی بھی ایک زمانہ تک پرستش ہوئی بعدہٗ شیطان مانا گیا۔ نبہت جو اسکی بیوی تھی آسس کی بہن قرار دیگئی تیسرا گروہ امن رمت و خنو کا تھا۔ امن مغربی ممالک سے آیا نیتھ کبھی لیبیا سے آئی۔

دوسری قسم ان دیوتاؤں کی ہے جو مظاہر قدرت ہیں اور غالباً مشرق سے ستننہ قام آئے تھے انمیں تین سورج دیوتا تھے۔ خیرہ صبح کا طالع سورج، اٹن ڈوبنے والا سورج اور را سب سے بڑا عظیم الشان شمس دیوتا۔ یہ غالباً ملک شام سے آیا تھا۔ اسکی شکل کبھی پردار بنائی جاتی تھی اور مصریوں کے مکان کے دروازوں پر نظر آتی تھی۔ کبھی اسکے دو سانپ یا مینڈھے کے سینگ لگا دیئے جاتے تھے اور اس طرح اسے محافظ (پر) خالق (مینڈھا) اور غارتگر (سانپ) سمجھتے تھے۔

اگر میں ان زنجیروں کے توڑنے کا ارادہ کروں تو مرنے کے بعد میری لاش کو بلا دفن کئے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) تھیبز میں پہلے سے ایک مقامی دیوتا آمن تھا جب را آیا تو یہ دونوں ملکر آمن را ہوگئے جو انیسویں صدی ق م اور ما بعد کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ اخناتون جو اٹھارہویں خاندان کا ایک مشہور بادشاہ تھا اسنے مذہبی اصلاح کی کوشش کی اور ایک قسم کی توحید قایم کرنا چاہی۔ اس کا خیال تھا کہ تمام زندگی شعاع شمسی کی قوت یا اس مخفی طاقت کا جو سورج کی روشنی پیدا کرتی ہے نتیجہ ہے اس کا نام اس نے اٹن رکھا اور تمام دیوتاؤں کی پرستش موقوف کرکے اُسی کو مظہر صداقت اور خالق اکبر سمجھنے لگا۔ یہ بادشاہ نوجوان مرا۔ اسکے بعد پرانے دیوتا پھر عود کر آئے۔ مظاہر قدرت میں چاند بھی کئی طریقوں سے پوجا جاتا تھا۔ کبھی اسے تھوتھ کبھی خنو کبھی ہاتھر کہتے تھے۔ تیسری قسم اُن دیوتاؤں کی تھی جو مختلف صفات کے مظاہر تھے۔ مثلاً تخلیق و پیدائش کا بڑا دیوتا تاہ تھا۔ وہ بانی و صنّاع تھے۔ اسکے پجاری دستکاران یا مزدوران کہتے تھے۔ اسکی پرستش خاصکر ممفس میں ہوتی تھی۔ وہاں کے دو اور دیوتا اسکے ساتھ شامل کردیئے گئے یعنی نفرتم (نباتات و روئیدگی) اور امھوتپ (جو ایک حکیم تھا اور دیوتاؤں کے مرتبہ پر پہنچا دیا گیا تھا) سخمت (شیرنی کا سر) تاہ کی بیوی تھی۔ تاہ کو اسیرس سے ملا دیا گیا تھا چوتھی قسم مختلف کیفیات کو ظاہر کرتی تھی۔ مثلاً رمن ابویت کا دیوتا اور ہاتھر امومیت کی دیوی تھی۔ رمن۔ آمن را سے ملا دیا گیا اور ہاتھر مختلف مقامی دیویوں مثلاً آسس وغیرہ میں ضم کرلئے گئے۔ ماعت سچائی اور سفخ یا شست تحریر کے دیویاں تھیں۔ ان سب کے علاوہ اور بہت سے غیر ملکی دیوتا بھی جو کسی قبیلہ کے ساتھ نہیں آئے تھے اعتقاد تھا۔ مثلاً شام کا بعل اور آریوں کا مشہور دیوتا ورنہ بھی مصر میں عزت سے دیکھے جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر صدی میں مغرب و مشرق شمال و جنوب سے جو قومیں آئیں اور اپنے جو دیوتا لائیں وہ سب ایک عرصہ کے بعد باہم ضم ہوگئے۔ اب رہا یہ سوال کہ انکی شکل مختلف جانوروں کی طرح کیوں بنائی گئی۔ اسکی غالباً یہ وجہ ہو کہ پہلے جانوروں کی پرستش ہوتی تھی بعدہ جب انسانی دیوتاؤں کا ظہور ہوا تو جن مختلف مقامات پر قبائل جاکر آباد ہوئے۔ وہاں کے جانور دیوتا سے انہوں نے اپنے انسانی دیوتا کو ملا دیا۔ چنانچہ آمن کا سر مینڈھے کا ہے۔ ہاتھر و آسس کا سر گائے کا بستت

چھوڑ دیا جائیگا۔ آپ تو شاید جانتے ہونگے کہ ہمارے یہاں ہر مردہ پر پروہتوں کی ایک عدالت بیٹھ کر فیصلہ کرتی ہے اور جسے بہت گنہگار خیال کرتی ہے اُسے حق تجہیز و تدفین سے محروم کر دیتی ہے۔ میرے لڑکے کے ڈر سے شاید مجھے دفن کرنے پر راضی ہو جائیں۔ لیکن جن پروہتوں کا کام نیاز و نذر چڑھانا ہے وہ ہرگز نہ مانیں گے اور ایسا بُرا برتاؤ میری لاش کے ساتھ کریں گے جس کا خیال کرتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

کری سس (Croesus) بھلا اپنی تجہیز و تکفین کی فکر کرنے سے کیا فائدہ؟ انسان کو اپنے جیتے جی کی پرواہ کرنا چاہیے نہ کہ مرنیکے بعد کا غم۔"

اماسس (Amasus) اپنی جگہ سے اُٹھ کر "یونانیوں کا یہی خیال ہے۔ وہ مادی زندگی کو سب پر افضل و برتر سمجھتے ہیں۔ مگر کری سس (Croesus) تم یہ بھولتے ہو کہ میرے ماں باپ مصری، میری تربیت و تعلیم نشوونما وغیرہ سب مصریوں کے ساتھ ہوتی ہے اور اگرچہ یہ صحیح ہے کہ میں نے یونانیوں کی بہت سی باتیں اختیار کر لی ہیں تاہم میری فطرت و اصلیت کہاں جا سکتی ہے۔ جن باتوں کو لڑکپن سے سُنتا آیا ہوں اور جو عقاید کہ چھوٹی عمر سے دل میں بیٹھ گئے ہیں وہ بھلا کیونکر محو ہو سکتے ہیں؟ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور چند ہی روز بعد اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر سفر آخرت پیش آنے والا ہے پھر کیا فائدہ کہ اس قلیل عرصہ کے لئے ایک دوامی زندگی جو ابد تک قایم رہنے والی ہے اس کی امید کو چھوڑ بیٹھوں۔ نہیں عزیز من۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ میرا بھی اپنے ہم مذہبوں کی طرح یہ پکّا عقیدہ ہے کہ عاقبت کی بہبودی و بہتری اسی پر منحصر ہے کہ وہ جسم جو حامل روح ہے بعد مردن بھی نہایت احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا جائے تاکہ روح انسانی روح الارواح یعنی آسیرس (Osiris) سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کا بلی۔ انوبس کا گیدڑ کا۔ سبک کا مگرمچھ کا۔ ہورس کا باز کا۔ ستھوتھ کا اکبس کا۔ اور نبہت کا افعی کا سر ہے ۱۲ (ماخوذ از پروفیسر فلانڈرز پٹری)

متوصل ہوکر کائنات پر حکومت وانتظام کرنے میں مدد دے سکے۔ یہ مسئلہ[۵۱] اس درجہ اہم اور پُر از راز ہے کہ مجھے قسم دی گئی ہے کہ کسی اجنبی کے سامنے بیان نہ کروں۔ اس لئے زیادہ بحث فضول ہے اور اب کوئی دوسرا ہی ذکر چھیڑنا چاہئے۔ اچھا یہ تو فرمایئے کہ آپ کو ہمارے مندر اور اہرام بھی پسند آئے۔

کری سس (Crassus) نے سوچکر جواب دیا "اس میں شک نہیں کہ وہ بلند و سنگین انبار جنہیں آپ اہرام[۵۲] کہتے ہیں اور جو ریگستان میں پہاڑیوں کی طرح

---

[۵۱] بعض کتب میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے مصریوں کو حام (پسر نوحؑ) نے خدائے واحد کی پرستش سکھائی اور کفر والحاد بعد میں پیدا ہوا۔ اور صفات باری تعالیٰ سے مختلف بتوں کو منسوب کرکے انہیں پوجنے لگے۔ پروفیسر بیج ودلکنس کا بھی خیال ہے کہ آغاز زمانہ میں مصریوں کا مذہب نہایت سادہ تھا مگر پجاریوں نے اپنے اغراض کی وجہ سے اُسے بہت پیچیدہ بنا دیا۔ خدائے واحد کی ہر صفت اور اُسکی قدرت کے مختلف مظاہر، دیوتا بن گئے۔ اور چونکہ آخر الذکر کی بھی دو صورتیں ممکن ہیں مثلاً تیز و ہلکی روشنی وغیرہ۔ اس لئے انہیں نر و مادہ سے تشبیہ دیگئی۔ پروہت انہیں باتوں کو رازہائے سربستہ کہتے تھے۔ عوام الناس کو ان سے بے خبر رکھتے ہیں۔ اور صرف خاص موقعوں پر جنکا تعلق "رسومات مخفی" سے تھا۔ چند منتخب لوگوں پر آشکارا کرتے تھے۔ یہ لوگ موجودہ فری میسنوں کی طرح ہمیشہ اپنی زبان بند رکھتے تھے اور کبھی کسی کے سامنے ظاہر نہ کرتے۔ (ولکنس دو ڈونلڈ مکنزی)

[۵۲] اہرام مصری آج کل بھی دنیا کے عجائبات سے سمجھے جاتے ہیں کیونکہ انسانی ہاتھوں نے کبھی اور کسی زمانہ و عہد میں اس قدر عظیم الشان عمارات نہیں بنائیں۔ یہ فراعنہ مصر کے مقبرے ہیں۔ انکا موجد ایک بہت بڑا حکیم و فلسفی تھا جسے زمانہ مابعد میں مصریوں نے دیوتاؤں کے زمرہ میں شامل کرکے پوجنا شروع کر دیا۔ اس کا نام امہوتپ تھا اور اُسی نے فراعنہ کے خاندان سوم کے شاہ زسر یا زوسر کے لئے وہ سیڑھیوں والا اہرام تعمیر کیا جو آجتک سکرا میں موجود ہے۔ بعد ازاں خاندان چہارم کے بادشاہ تخت پر بیٹھے جنہوں نے بڑے بڑے اہرام بنائے۔ لیکن معلوم نہیں کہ پروہت ان سے کیوں ناراض ہوگئے۔ اور بغاوت کرکے انکی سلطنت

کھڑے ہیں۔ ایسے عظیم الشان ہیں کہ دل پر ایک ہیبت طاری ہوتی ہے اور انسان

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اُلٹ دی۔ انہیں ظالم وجابر کہا گیا اور انکی لاشیں یا ممیاں اہراموں میں سے نکال کر برباد کردی گئیں۔ آخر الذکر خاندان کے تین سب سے زیادہ مشہور اہرام بمقام غزا قاہرہ کے قریب موجود ہیں ان میں پہلا یعنی سب سے بڑا شاہ خوفو یا چیوپس (یونانی نام) کا اہرام ہے۔ دوسرا جو اس سے ۳۰ فٹ چھوٹا ہے شاہ خفرا کا تیسرا جو صرف ۲۱۸ فٹ اونچا ہے شاہ منخرا کا ہے۔ ہم یہاں صرف پہلے - یعنی بڑے اہرام کے حالات پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ جس زمین پر استادہ ہے اس کا رقبہ (۱۳) ایکڑ سے کم نہیں۔ سطح زمین سے اسکی نوکدار چوٹی چار سو اکاسی [۴۸۱] فیٹ بلند ہے۔ حصہ زیریں جو چوکور (مربع) ہے اس کی ہر سمت سات سو اڑسٹھ [۷۶۸] فیٹ ہے - پتھروں کی کل تعداد کا اندازہ دو لاکھ تین سو [۲۰۰۳] لگایا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک چٹان وزن میں ڈہائی ٹن ہے اور اس خوبی سے ایک دوسرے کے ساتھ وصل کی گئی ہے کہ جوڑ کا نشان تک نظر نہیں آتا۔ ان پتھروں کو لکڑی کی کلوں سے اُٹھا کر اوپر لیجاتے تھے جن کا عمل معمولی جرثقیل کے اصولوں پر مبنی تھا۔ ہیرڈوٹس لکھتا ہے کہ اس اہرام کی تعمیر میں ایک لاکھ مزدور روزانہ کام کرتے تھے۔ دس برس میں صرف وہ راستہ بنا جس سے دریا کی طرف سے پتھروں کو کھینچکر اوپر لیجاتے تھے اور بیس سال میں کل اہرام کی تعمیر ختم ہوئی۔ خوفو کو ظلم وتشدد الزام دیا جاتا ہے کہ اس نے جبریہ اپنی رعایا سے کام لیا مگر بعض کا خیال ہے کہ اسکے برعکس یہ بادشاہ بہت رحم دل و رعایا پرور تھا اور صرف سیلاب کے اُن تین مہینوں میں جب کسان بیکار رہتے تھے ان سے اپنا کام لیتا تھا اور پورے طور سے انکی نگہبانی و خبرگیری رکھتا تھا۔

اہرام کا اصلی دروازہ سطح زمین سے اونچا اسکے شمالی رخ پر واقع ہے (ماموں رشید کو اسکی خبر نہ تھی اس نے اس کے نیچے سے ایک سرنگ کھودی اور اندر گیا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا) دروازہ میں داخل ہوتے ہی ایک ڈھالدار راستہ شروع ہوتا ہے جو ایک ناتمام زمین دوز حجرہ کی طرف جاتا ہے۔ اسی راستہ پر اور دروازہ سے ۳۴ فٹ کے فاصلہ پر ایک دوسرا راستہ نظر آتا ہے جو جوف اہرام میں اوپر کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ کچھ دور چل کر یہ ایک کشادہ گیلری بن جاتا ہے جسکے سرے پر ایک چھوٹے کمرے سے گذر کر ایک بڑے حجرہ کا دروازہ نظر آتا ہے۔ جسے حجرہ شاہی کہتے ہیں۔ یہ اہرام کے مرکز میں واقع نہیں ہے۔ بلکہ ایک سمت کی

کے بنائے ہوئے نہیں معلوم ہوتے۔ اور آپ کی عبادتگاہوں کے رنگین ستون اور خوبصورت درو دیوار بھی صناعی کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ **ابوالہول** (Sphinxes ×) کی دورویہ قطاریں جو اُنکے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) طرف زیادہ ہٹا ہوا ہے۔ جس کا سبب نامعلوم ہے۔ شاہی حجرہ کے اوپر پانچ اور چھوٹے چھوٹے حجرے ہیں جن پر کچھ کتبات کندہ ہیں۔

اوپر جانیوالے راستہ کے اُس مقام سے جہاں وہ گیلری بن جاتا ہے ایک تیسرا راستہ بھی نیچے یعنی جنوبی سمت کو جاتا ہے اور اسکے سرے پر ملکہ کا حجرہ ہے جو بالکل خالی ہے۔ ابھی تک یہ پتہ نہیں چلا کہ فرعون کی لاش کس حجرہ میں تھی اور نہ وہ پتھر نظر آتا ہے جسے حرکت دینے سے راستے بند ہوجاتے تھے۔

(ماخوذ از وَنڈرس آف دی پاسٹ)

ڈونلڈ مکنزی

دروازوں کے باہر نصب ہیں عجیب وغریب معلوم ہوتے ہیں۔ انکی پیلان[1]...... کی
قلعہ نما ڈبالو فصیلیں عجیب شاندار ہیں۔ آپ کی رنگ برنگی تحریر مصوری یا پیکانی حروف
(Hieroglyphics) بھی نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں مگر ان کا مطلب سمجھ
میں نہ آنے سے طبیعت اُلجھنے لگتی ہے آپکے بیشمار دیوتاؤں کی تصویریں ہر جگہ نظر
آتی ہیں جنکی صورتیں انکے معنی سے شاید مختلف ہیں اور بغور خیال کیا جائے تو معلوم
ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ اُن عمیق فلسفانہ خیالات کی جن کو بہت کم لوگ سمجھ سکتے ہیں
ظاہری علامات، اشکال یا نشانیاں ہیں غرضکہ جو جو چیزیں میں نے یہاں دیکھیں وہ
نہایت عجیب وغریب اور دلچسپ ہیں۔ مگر نقاشی ومصوری میں یونان کی سی خوبصورتی۔
لطافت ونزاکت نہ پائی۔ ایک طرف تو آپ کے ہنرمند عقلا وحکماء کے طلسمی راز عجیب
کشمش کے ساتھ اپنے عقدہ کشائی کے لئے طبیعت کو متوجہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف
میرا دل ودماغ اُن عقاید اور اصولوں کے سمجھنے سے قاصر رہ جاتا ہے جن پر آپ کے
خیالات، اعمال و طرز معاشرت کا انحصار ہے اور دنیا کو ایک سرائے چندروزہ سمجھ کر
موت کے بعد اصلی زندگی کا آغاز سمجھتے ہیں۔"

اماسس (Amasis) "افسوس ہے کہ آپ نے ہماری صنعت وحرفت وعمارات
کو محض ایک سرسری نگاہ سے دیکھا۔ اگر اہرام پر غور کرتے تو معلوم ہوجاتا کہ ان میں کیا کیا
راز مضمر ہیں اور نجوم ہندسہ اور ریاضی کی مدد سے کس حکمت وصنعت کے ساتھ کام لیا
گیا ہے۔ اب رہ گئے دیگر فنون لطیفہ۔ انکے متعلق میں کہہ سکتا ہوں کہ سیکڑوں برس گذرے
جب یونان وحشی وجاہل تھا تب بھی ہمارے یہاں وہ اپنے درجۂ کمال[2] پر پہنچ گئے تھے بلکہ

---

[1] مندروں کے پھاٹک۔

[2] مصر میں نہایت قدیم زمانہ میں تہذیب وتمدن اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ فراعنہ کے اٹھارہویں اور انیسویں خاندان کی جو یادگاریں حال ہی میں دریافت ہوئی ہیں انہیں دیکھ کر عقل دنگ ہوتی ہے بعض تو اپنی صناعی

تمام دنیا ہماری ہی خوشہ چین ہے۔ ہمیں سے انہوں نے سیکھا ہے جنکے اعلیٰ درجہ کے نمونے اگر آپ دیکھیں تو عقل دنگ رہجائے گی اور ماننا پڑے گا کہ نزاکت اور خوبی کے لحاظ سے وہ اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ ہمارے مسائل و عقائد بڑے پر اسرار و معانی ہیں جن کو شاید آپ نہ سمجھ سکیں گے مگر یہ یاد رہے کہ دنیاوی زندگی کی قدر ہمارے دلوں سے بھی مفقود نہیں ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ خوبی میں موجودہ زمانے سے بھی سبقت لے گئی ہیں۔ قسم قسم کے مدور۔ چوکور اور بیضوی میزیں جنپر خوشنما نقش ونگار بنے ہوئے۔ جنکے پائے ہاتھی دانت و آبنوس کے مختلف جانوروں کی شکلوں کے بنے۔ صندوقوں و بکسوں پر پچکاری کا کام۔ خوبصورت کرسیاں جنکا رواج خاندان اول سے بھی پہلے تھا۔ پلنگ کوچیں، تپائیاں بلکہ بچوں کے حرکت کرنے والے کھلونے اور گڑیاں تک انکی قبروں سے برآمد ہوئی ہیں۔ اسی طرح نہایت خوشنما قالین۔ پردے اور سوت و کتان کے کپڑے جو ریشم سے بھی زیادہ ملائم ہیں مستعمل تھے و باغی و چمڑے کے کام میں بھی اُستاد تھے۔ مٹی اور چینی کے برتن وغیرہ بھی بنانا خوب جانتے تھے۔ زرگری یعنی زیورات پر جڑاو کام بھی اعلیٰ قسم کا ہوتا تھا۔ چمڑے اور کپڑوں کا رنگنا بھی جانتے تھے۔ اور فن مصوری میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انکے مکانات و مندر رنگین تصاویر سے مزین تھے۔ جن میں بعض مذاقیہ و ہجو آمیز مرقعے بھی نظر آتے ہیں مثلاً چوہوں و بلیوں کی لڑائی۔ کوا سیڑہی لگاکر چھت پر چڑھ رہا ہے یا ایک گینڈا درخت پر ایک میز بچھائے کھانا کھا رہا ہے۔ علیٰ ہذا بت تراشی اور نقاشی کے فنوں کو بھی انہوں نے کمال پر پہنچا دیا تھا۔

اس غیر معمولی صنعت و حرفت کی ترقی کا بڑا باعث مصریوں کا وہ عقیدہ تھا کہ آیندہ زندگی بھی دنیا کی طرح بہشت میں بسر ہوگی اور چونکہ ہر شئے کا ایک ہمزاد موجود ہے اس لئے جو چیز انکی قبر میں رکھی جائیگی وہ انہیں دوسرے عالم میں ملجائے گی۔ اسی لئے ہر قسم کی ضروریات، لوازمات اور سامان آرائش و آسائش وغیرہ مقبروں کے خاص حجروں میں نہایت حفاظت کے ساتھ بند کردیئے جاتے اور چونکہ پروہت ان سب چیزوں کو مہیا کرتے اس لئے مندروں کے ساتھ بڑے بڑے کارخانے ملحق تھے جہاں ہزاروں کاریگر روزانہ کام کیا کرتے تھے۔

(ولکنسن۔ ویگل۔ ونڈرس آف پاسٹ)

موت کی تکالیف سے ہم بھی ڈرتے اور انکو دور کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا اور قیام حیات کی خواہش نہ ہوتی تو ہمارے حکما و اطبا ایسے مشہور و معروف نہ ہوتے کہ آج چار دانگ عالم میں انکے علم و ہنر کی شہرت پھیلی ہوئی ہے۔ اس پر مجھے یہ یاد آیا کہ کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے اپنے دربار کے مشہور طبیب و کحال نبنچاری کو شاہ ایران کی خدمت میں سوسا[1] (Susa) روانہ کیا تھا۔ اس کا کیا حال ہے۔ اُسکے علاج سے کچھ فائدہ ہوا کہ نہیں؟

کریسس (Croesus) "نبنچاری واقعی اپنے فن کا اُستاد ہے۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہے جو آپ کے ملک کے لئے باعث فخر ہیں۔ اسی نے کمبوجیہ (Cambyses) سے آپ کی لڑکی کے حسن کی تعریف کی تھی۔ اُس کے ہاتھ سے بہت سے نابینا اچھے ہو گئے مگر بدقسمتی سے والدہ شاہ کو ابھی تک زیادہ فائدہ نہیں ہوا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ایسا باہنر شخص صرف آنکھوں ہی کا علاج جانتا ہے کیونکہ شاہزادی اتوسا (Atossa) جب بخار میں مبتلا تھیں تو ہم لوگوں نے بہت اصرار کیا مگر وہ کسی طرح نبض دیکھنے و نسخہ لکھنے پر راضی نہ ہوا"

اماسس (Amasis) "ہمارے ملک کا یہی قاعدہ ہے کہ طبیب[2] کو جسم کے ایک ہی عضو کے علاج کی اجازت دی جاتی ہے۔ چنانچہ کان، آنکھ، دانت، قلب، پھیپھڑے و عمل جراحی وغیرہ کے لئے جداگانہ طبیب مقرر ہیں۔ برہمنوں کے قاعدہ قدیم کے مطابق کسی دندان ساز کو کانوں کی بیماری یا کسی ہڈی جوڑنے والے کو اندرونی اعضا کے علاج کی خواہ وہ اُس سے واقف ہی کیوں نہ ہو بالکل اجازت نہیں ہے۔ اس کا خاص مقصد و منشا یہ ہے کہ ایک ہی بیماری میں مہارت تامہ حاصل ہو کر درجہ کمال تک پہنچ جائیں۔ ہمارے طبیب بھی حقیقت میں بجاریوں ہی کے طبقہ یا ذات سے ہوتے ہیں اور اپنے خاص علم و فن کو نہایت کاوش و دلسوزی کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔ آپ کے سامنے بڑے پروہت نیتھوتپ (Neithotep) کا مکان

---

[1] اسکا بیان آئندہ کیا جائیگا۔ [2] جرمنی و آسٹریا میں خاصکر اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی اسپیشلسٹ (یک فنی) ہوا کرتے ہیں اور تمام متمدنہ ممالک کا میلان اسی طرف ہے کہ ایک آدمی کو یک فنی ہونا چاہیے۔

نظر آرہا ہے اُس کو علوم نجوم وریاضی وجبر ومقابلہ پر اتنا بڑا عبور ہے کہ **فیثا غورث** تک اس کی
تعریف میں رطب اللسان ہے۔ اس مکان کے قریب ہی وہ ہال ہے جس سے دیوی **نیتھ**
(Neith) کے مندر کو جو **سیئز** (Sais) کی محافظہ ونگراں دیوی ہے راستہ جاتا ہے
میری دلی خواہش تھی کہ آپ کو اُس کے مقدس باغات وخوشنما عمارات کی سیر کراتا جن کے
عالی شان ستونوں کی چوٹیاں کنول کے پھولوں کی طرح منقش ومزین ہیں اور خاص مندر
نہایت عجیب وغریب ہے کیونکہ پتھر کی ایک ڈال سے بنایا گیا ہے لیکن پروہتوں نے
مجھے منع کردیا ہے اس لئے احاطہ کے بیرونی دیواروں اور پیلان[1] (Pylon) سے آگے
آپ کو نہیں لیجا سکتا۔ اچھا تو چلئے اب ذرا دیکھیں میری بیوی اور لڑکیاں کہاں ہیں؟ وہ
آپ سے بہت مانوس معلوم ہوتی ہیں اور میری تمنا ہے کہ آپ بھی میری غریب بیٹی کو جو دیار غیر کی
ملکہ بن کر ایک دور دراز ملک کو جانے والی ہے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیں۔ مجھے آپ پر
پورا بھروسہ ہے اور امید رکھتا ہوں کہ اپنی ہی بیٹی سمجھکر اسکی حمایت وخبر گیری میں دریغ نہ
فرمائیں گے اور اُس پر کسی قسم کی آنچ نہ آنے دیں گے!"

کریسس (Croesus) [اماسس کا ہاتھ پکڑکر] "آپ اطمینان رکھیں۔
میں اپنی لڑکی سے بڑھکر اس کا خیال رکھونگا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ایرانی محلات ومجلسرا کی
زمین ایسی مخدوش ہے کہ لوگ قدم پھسلتے ہی منہ کے بل گرتے ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ آپکی
بیٹی کے ساتھ بہت عمدہ سلوک ہوگا اور کمبوجیہ (Cambysis) اس کو نہایت عزت و
وقار والفت کے ساتھ رکھے گا۔ شاہزادی **تاشو** (Tachot) بھی کچھ حسن میں کم نہیں مگر
نیتیتس (Nitetis) کی طرح اس میں وہ شاہانہ انداز نہیں جو ملکہ ایران کا خاصہ ہونا
چاہیئے۔ تعجب ہے کہ بنجاری نے صرف آپ کی لڑکی **تاشو** (Tachot) ہی کا ذکر
کیا تھا!"

[1] مندروں کے پھاٹک۔

اماسس (Amasis) معلوم نہیں شاید بھول گیا ہوگا۔ بہرحال میں نے تو نتیتس (Nitetis) ہی کو بھیجنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ کیونکہ تاشو (Tachot) اس قدر نازک دکمزور ہے کہ سفر کی تکالیف اور اپنے والدین کی جدائی کا غم اُس سے برداشت نہ ہوسکے گا۔ اگر آپ میرے دل سے پوچھیں تو میں دونوں میں سے ایک کی بھی مفارقت کا روادار نہیں۔ اور ہرگز ایران نہ بھیجتا مگر مجبوری ہے۔ آجکل مصر کو صلح اور امن و امان کی سخت ضرورت ہے اور اُس کی بھلائی کا خیال الفت پدری پر غالب آتا ہے۔

پانچواں باب

دعوت شاہی

ایرانی امرا دریائے نیل پر اہرام تک سیر وسفر کرنے کے بعد سئیز (Sais) واپس آگئے مگر پرکزسفس (Prexaspes) کمبوجیہ کا سفیر سیدھا اپنے ملک کو روانہ ہوگیا تاکہ جلد سے جلد اپنی کارگزاری وکامیابی کی خوشخبری بادشاہ کے کانوں تک پہنچادے۔ ایرانی مہمان معہ اپنے خدم وحشم کے جنکی تعداد تین سو سے کم نہ ہوگی محل شاہی کے ایک خاص حصہ میں مقیم تھے جہاں انکی آسائش اور آرام کا انتظام بطریق احسن کیا گیا تھا۔ یہاں آج عجیب رونق نظر آتی تھی اور محل کے عالی شان و وسیع صحن میں بھی بڑی دہوم دہام ہر محل مچی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے عمائدین سلطنت افسران فوج، باڈی گارڈ، پجاری وغلام وغیرہ اپنے اپنے زرق برق لباسوں میں ہر طرف مشغول ومصروف ادہر اُدہر پھر رہے تھے۔ وجہ یہ کہ دختر فرعون کی نسبت کی خوشی میں ایک بہت بڑا جشن و دعوت منعقد ہونے والی تھی اور

فرعون کی خواہش تھی کہ اس موقع پر اُسکے دربار کی شان وشوکت وکروفر کے اظہار میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے۔

دربار کا وہ عالی شان کمرہ جس کا رُخ باغ کی طرف تھا نہایت خوبی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ اُسکی نیلگوں چھت اور رنگین ستون مختلف تصاویر سے مزین تھے اور اُسکے در و دیوار بھی حروف پیکانی یا خطوط نگارین سے آراستہ پیراستہ بڑے خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ اُن پر پیرس (Papyrus) کے رنگ برنگ فانوس جگہ جگہ لٹکے ہوئے عجب بہار دیرہے تھے انکی روشنی ایسی صاف وشفاف تھی کہ گویا دن نکلا ہوا ہے۔ اور سورج کی شعاعیں رنگین شیشوں سے چھن چھن کر آرہی ہیں۔

دیواروں اور ستونوں کے درمیان مختلف قسم کے پودے مثلاً گلاب، انار، نارنج و تاڑ وغیرہ بڑے سلیقہ کے ساتھ گملوں میں لگا کر رکھے تھے جن کی آڑ میں نظروں سے پوشیدہ مشہور ومعروف مغنیوں کے طائفے تھے جو اپنے بربط وچنگ کی سریلی آوازوں سے مہمانوں کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ کمرے کے وسط میں شطرنجی فرش پر خوبصورت میزیں بچھی ہوئی تھیں جن پر انواع واقسام کی اشیائے اکل[۱] وشرب چنی ہوئی تھیں۔ کسی پر گوشت مٹھائیاں فواکہات وکیک وغیرہ تھے۔ کسی پر بلورین یا طلائی جام شراب تھے یا شیشے کے گلدانوں میں خوشنما پھول وگلدستے سجے ہوئے تھے۔

---

[۱] کھانے کے وقت میز وکرسی کا استعمال عام تھا۔ ہاتھ سے کھاتے تھے مگر چھری وچمچہ سے بوقت ضرورت کام لیتے تھے۔ انگلیاں دہونے کے پیالے جیسے کہ آج کل انگریزی دعوتوں میں نظر آتے ہیں اس زمانہ میں بھی رائج تھے اور گلدانوں اور پھولوں سے میزوں کو خوب سجایا جاتا تھا۔ کھانے انواع واقسام کے ہوتے تھے۔ ایک قدیم کتبہ میں دس قسم کے گوشت، پانچ قسم کے مرغ، سولہ قسم کی روٹیاں۔ دس قسم کی شراب میں اور گیارہ قسم کے پھل مذکور ہیں۔ مصری امرا، اجنبیوں، غیر مذہب والوں اور اپنے سے کمتر لوگوں کے ساتھ کھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ (پروفیسر ولکنس)

ان میزوں کے ارد گرد بہت سے غلام اپنی بھڑکیلی پوشاکیں پہنے ہوئے پھر رہے تھے جن کا کام تھا کہ میر بکاول کا اشارہ پاتے ہی مہمانوں کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں پیش کریں۔

اس محفل میں ہر عمر کے مرد و زن نظر آتے ہیں اور ہر دو جنس کے لوگ آزادانہ طور سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے و بات چیت کرتے ہیں۔ عورتوں کے داخل ہوتے ہی نوعمر پجاری و مصاحبان شاہی آگے بڑھکر خوشنما گلدستے نذر کرتے ہیں یا کوئی نوجوان امیر پھولوں[1] کو ہاتھ میں لئے اپنی منظور نظر کے سامنے جاتا ہے اور ناک کے قریب لاکر کچھ دیر تک اس کو سنگھا کر پھر پیش کرتا ہے۔ مصریوں کا لباس[2] وہی تھا جیسا کہ

---

[1] اہل مصر پھولوں کے حد درجہ شائق تھے۔ تہوار و جشن وغیرہ میں ہر شخص ہار پھول پہنتا تھا۔ محفل کے کمرے بھی پھولوں سے سجائے جاتے تھے۔ انکے ستونوں کو بھی پھولوں سے آراستہ کرتے۔ مہمانوں کو کنول کے ہار و گجرے دیئے جاتے اور خوشنما گلدستے بھی انہیں پیش کئے جاتے۔ عورتوں کے بالوں میں ایک پھول کھسا رہتا جو پیشانی پر ایک خاص ادا کے ساتھ پڑا رہتا اور سر پر خوشبودار روغن کی ایک ٹکیا اس طرح لگی رہتی کہ جب وہ پگھلتی تو پھولوں کی خوشبو کو تازہ کرتی رہتی تھی۔

(پروفیسر ونیگل)

[2] مختلف زمانے میں مختلف فیشن تھے۔ عموماً مرد سر مونڈواتے یا بہت چھوٹے بال رکھکر مصنوعی بالوں کی ٹوپی پہن لیتے۔ عورتیں لمبے بال رکھتیں یا انہیں کترواکر جیسا تنخامن کے عہد میں فیشن تھا وہ بھی ایک مصنوعی بال (وگ Wig) لگالیتیں۔ اس زمانہ میں مرد و عورت دونوں سونے کی بھاری بھاری بالیاں بھی اپنے کانوں میں پہنتے تھے۔ معززین (مرد) کا عام لباس ایک خوشنما و نفیس کپڑے کی تہبند یا گھنگریا تھی جو گھٹنوں تک رہتی تھی۔ جسم کے اوپر کا حصہ برہنا یا باریک کپڑے سے ڈھکا رہتا۔ سر پر "وِگ" (مصنوعی بال) ہوتے جو شانوں پر پڑی رہتی تھی۔ پیچھے پیچھے ایک خادم ہوتا جو جوتے اور پانی کی بوتل ہاتھوں میں لئے رہتا تھا۔ معزز عورتوں کی پوشاک بھی بڑی

ایرانی سفارت کی آمد کے وقت مذکور ہوا ہے - وہ اپنی عورتوں سے بڑی عزت و تپاک سے ملتے تھے - یہ عورتیں بڑی حسین و جمیل تھیں۔ انکی آہو چشم، بادامی آنکھیں جنکی پلکوں پر ایک خاص قسم کا کاجل جسے مستم (mestem) کہتے تھے لگا تھا - بڑی رسیلی و دلکش تھیں - انکے سر کے بال ایک خاص انداز و طرز کے ساتھ سنوارے گئے تھے یعنی زیادہ تر حصہ گھونگر والا تھا اور چھلے بنے ہوئے پس پشت پڑا ہوا تھا - اور سامنے دو دو یہ کاکلیں کنپٹی در خساروں سے ہوتی ہوئی شفاف نیم برہنہ سینوں پر ناگنوں کی طرح لوٹ رہی تھیں - سر کے چاروں طرف ایک چوڑا کارچوبی فیتہ بالوں کو باندھے تھا - اور مانگ پر ایک کنول کا پھول جسکی ڈنڈی گردن کے پیچھے لٹک رہی تھی کھنسا ہوا تھا - ان خواتین کے ہاتھوں میں رنگ برنگ پروں کی پنکھیاں تھیں - انکے ناخونوں میں مہندی لگی ہوئی تھی - انگلیوں میں چھلے اور انگوٹھیاں تھیں - نازک نازک کلائیوں، بازوؤں اور پیروں میں سونے کے زیورات، چوڑیاں، بازوبند - کڑے و چھڑے پہنے تھیں - ان کا لباس بھی نہایت بیش بہا و خوشنما تھا - اور اس قدر باریک و شفاف تھا کہ بدن کی جھلک صاف نظر آتی تھی اور بالائی حصہ خصوصاً داہنی چھاتی بالکل برہنہ تھی -

مردوں میں ایرانی شاہزادہ بردیہ سب سے زیادہ وجیہ و ممتاز تھا اور عورتوں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دلکش اور بھڑکیلی تھی وہ بھی کبھی گھنگریا اور نقش و نگار سے آراستہ ایک "گون" زیب تن کرتی تھیں - سر پر ایک "وگ" (مصنوعی بال) لگائیں جو پیشانی پر نقرئی و طلائی فیتوں سے بندھی رہتی تھی - پیروں میں خوشنما جوتیاں، کانوں میں بالیاں، پیروں میں کڑے، ہاتھوں میں چوڑیاں، گلے میں مرصع طوق اور ہار پہنے جاتے تھے - بعض اوقات ایک نہایت چست "اسکرٹ" یا "سایہ" زیب تن ہوتا جو مونڈھوں سے لیکر اتنا نیچا ہوتا تھا کہ پیروں کا ایک چوتھائی حصہ کھلا رہتا - یہ گون نیچے بہت تنگ ہونے کی وجہ سے تیز چلنے میں حارج ہوتے - دونوں ہاتھ باہنیں اور سینہ کا درمیانی حصہ یا پورا سینہ بالکل کھلا ہوا رہتا تھا - (وگل)

فرعون کی پری چہرہ لڑکی نیتیتیس[1] (Nitietis) کے سوائے اور کسی پر نظر نہ پڑتی تھی شہزادی ایک بہت باریک گلابی رنگ کا لباس پہنے تھی اُسکے سیاہ بالوں میں گلاب کے پھول گُھنسے تھے اور اُس کا خوبصورت چہرہ بھی جس کا رنگ بہت کھلتا ہوا گندمی تھا ایک گلاب کی پنکھڑی کی طرح تر و تازہ و دلکش نظر آتا تھا۔ اُسکے بازو میں اُس کی بہن کھڑی تھی جو اُسی کی طرح ایک خوشنما لباس زیب تن کئے تھی اور اپنے حسن دلربائی میں کچھ کم نہ تھی۔ ان دونوں شہزادیوں کی ماں یعنی ملکہ لیڈیس (Ladice) ایک یونانی النسل خاتون ہے۔ اسوقت وہ اپنے شوہر کے ہمراہ مہمانوں کی خاطر تواضع میں نہایت سرگرم نظر آتی ہے اُسکا لباس ارغوانی ہے جو نہایت قیمتی زردوزی کام سے بسا ہوا ہے اور اوپر سے ایک ہلکی سی باریک جالی کی ردا پڑی ہے۔ اس کے سر پر مصری رانیوں کا ایک شاندار تاج ہے جسکی خاص نشانی یہ ہے کہ سامنے سانپ کا ایک طلائی پھن اُٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ ملکہ کے چہرے سے نہایت شرافت و فیاضی ٹپکتی ہے اور اُس کے حرکات و سکنات میں وہ انداز و شان ہے جو صرف یونانی طبقہ اعلیٰ کی تربیت یافتہ خواتین میں پائی جاتی ہے۔ اماسس (Amasis) نے اپنی مصری بیوی کے مرنیکے بعد جو شاہزادہ سامطیق (Psamtik) کی ماں تھی - باوجود پروہتوں کی حد درجہ مخالفت کے اُس سے شادی کرلی تھی اور اپنی یونانی رحجان طبع کے سامنے اُنکے تعصبات کی کچھ پرواہ نہ کی تھی۔

ملکہ کے قریب ہی دونوں لڑکیاں تاشو (Tachot) نیتیس (Nitetis) کھڑی تھیں۔ لوگ انکو توام بہنیں کہتے تھے مگر دونوں کی شکلوں کو جو ایک دوسرے سے اس قدر مختلف تھیں۔ دیکھنے کے بعد اس کا مشکل سے یقین ہو سکتا تھا۔ تاشو نازک اندام و پستہ قد تھی۔ اس کا رنگ سُرخ و سفید تھا اور آنکھیں نیلگوں تھیں مگر نیتیتیس بالا بلند

[1] مصری عورتوں کے نام بھی عجیب پیارے ہوتے تھے۔ مثلاً "محبت کی آنکھیں" "نسیم بہار" "سونیکی طرح چمکیلی" "لاجوردی" "دلپسند" "محبوبہ دلنواز" (وغیرہ)

تھی اسکا جسم گداز تھا اُسکی آنکھیں دبال سیاہ تھے اُس کی ہر انداز وادا سے شاہانہ وقار و خودداری ٹپکتی تھی۔

ملکہ (تشتیص کے رخساروں کا بوسہ لیکر) "پیاری بٹی! تیرا چہرہ کیوں اسقدر کھلایا ہوا اور زرد ہے؟ تو تو بڑی خوش قسمت دبھاگوان ہے۔ اپنا دل شاد رکھ اور آیندہ زندگی کے خیال سے ملول وافسردہ خاطر نہ ہو۔ چل! میں تجھے تیری عالی شان منگیتر کے معزز بھائی سے ملاؤں" لڑکی نے اپنی سیاہ ولانبی لانبی پلکیں اٹھا کر نوجوان برد یہ کی طرف بڑے غور سے دیکھا اور جب شہزادہ نے نہایت ادب کے ساتھ جھک کر اُسکے دامن کو بوسہ دیا تو اسکی آنکھیں نیچی ہو گئیں اور شرم وحجاب کی سرخی رخساروں پر دوڑ گئی۔ بردیہ "میری محترم ملکہ! میری عزیز بہن! میں آپ کے خیالات کا اچھی طرح اندازہ کرسکتا ہوں کہ اپنے وطن، اپنے والدین اور عزیز واقارب کی جدائی کا آپ کو ضرور صدمہ ہے مگر عنقریب وہ مسرت وخوشی سے بدل جائیگا کیونکہ میرے برادر مکرم۔ آپ کے منگیتر شجاعان عالم وشاہان دہر کے سرتاج ہیں اور ہماری والدہ محترمہ ملکہ کسنداانہ (Cassandana) بھی تمام تر مجسم نیکی۔ خوش اخلاقی وخوشخوئی کا مجموعہ ہیں اور مہر تاباں کے زندگی بخش شعاعوں کی طرح اُنکا احسان وکرم بھی ایسا عام ہے کہ لوگ ہر طرف بہرہ ور ومستفید ہوتے رہتے ہیں۔ (تاشتو سے مخاطب ہوکر) میں آپ سے بھی بہت معافی کا خواستگار ہوں اس لئے کہ آپ کو اپنی عزیز بہن سے چھڑانے آیا ہوں یا اگر آپ کو نرگس سے تشبیہ دوں تو گویا گلاب کو نرگس سے جدا کرنے کی جرأت کررہا ہوں" یہ کہہ کر نوجوان بردیہ نے آنکھوں میں آنکھیں ملا کر ایک لحظہ کے لئے تاشتو کی طرف اس طرح سے دیکھا کہ وہ کسی قدر سٹ پٹا سی گئی اور شکر گذاری کی ادا سے اپنا سر جھکا کر ہاتھ سینہ پر رکھ لیا اور کچھ دیر باتیں کرکے خاموش ہوگئی۔ اتنے میں اماسس بردیہ کا بازو پکڑ کر محفل رقص وسرود کی طرف لے گیا۔ مگر تاشتو بڑی دیر تک ٹکٹکی باندھے اُنھی کی طرف دیکھتی رہی۔ اب مہمانوں کے سامنے خورشرود

پرہی جمال ناچنے گانے والیاں پراجبائے ناچ ورنگ کیلئے حاضر ہوتی ہیں انکا جسم اوپر سے

سلہ اہل مصر بڑے رندمزاج تھے اور رقص وسرود کے بے انتہا شایق تھے۔ موسیقی کی تعلیم نہ صرف پیشہ ور بلکہ شرفا بھی باضابطہ طریقہ سے حاصل کرتے تھے۔ کوئی ایسا تہوار یا مذہبی، قومی و پرائیویٹ محفل نہ تھی جس میں ستار، بانسری، بربط وچنگ وغیرہ موجود نہ ہوں۔ شریف عورتوں کے لئے بھی اپنے گھروں میں خاص خاص دوستوں کے سامنے ناچنا، گانا، یا ستار بجانا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا خصوصاً مذہبی تہواروں میں مرد وعورت دونوں آواز ملاکر گاتے تھے اور بعض دیوتاؤں یا دیویوں کی پرستش کے وقت بھی ناچ ہوتا تھا۔ مثلاً ہاتھر وبست دیویاں انمیں اول الذکر عیش وطرب حسن وعشق کی دیوی تھی۔ اور آخر الذکر کے متعلق ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ اسکی سالانہ تہوار میں کس قدر بدمستی، شراب نوشی وناچ ورنگ ہوتا تھا۔ سڑکوں پر جب فوجی سپاہی مارچ کرتے تھے تو ترم وڈھول بجاتے ہوئے نکلتے تھے۔ اور برات وغیرہ کے موقعوں پر بھی ہمیشہ جلوس کے آگے آگے ایک بینڈ ہوتا تھا معمولی دعوتوں میں بھی ناچ گانے کا انتظام تھا اور بڑی محفلوں میں اس سے زیادہ تفریح ودل بہلانے کے سامان مہیا کئے جاتے تھے کہیں مغنیوں کا ایک طائفہ آلات موسیقی لئے نہایت عمدہ سروں میں بجا رہا ہے۔ کہیں چنگ ورباب کے چوٹ پر باہم آواز ملاکر کوئی غزل گائی جارہی ہے۔ کہیں عورتیں (پیشہ ور) عود وستار بجارہی ہیں۔ کہیں مرد باجے بجاتے ہیں اور عورتیں تالیاں بجاکر گارہی ہیں۔ شراب کے دور چل رہے ہیں۔ ناچ شروع ہوتا ہے جس میں بعض اوقات معزز مہمان بھی شامل ہوجاتے ہیں مگر عموماً صرف تماشہ دیکھتے ہیں۔ اور ناچنے والیاں جو پیشہ ور ہوتی ہیں عموماً برہنہ سامنے آتی ہیں یا ایک نہایت باریک کپڑا جس سے جسم بخوبی نظر آتا ہے سامنے ڈال لیتی ہیں۔ انکے ہاتھوں میں دف چنگ وغیرہ ہیں جنہیں بجاکر یہ ناچتی ہیں۔ کبھی اس رقص سے کسی خاص سین یا جذبہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً ایک تصویر میں دو رقاصہ جھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تیسری اُنکے پیچھے کھڑی ہے گویا تند وتیز ہوا نے کسی درخت کی نازک شاخوں کو جھکا دیا ہے جنہیں ایک چٹان ٹوٹنے سے بچارہی ہے۔ بعض اوقات ناچنے والیاں ایک دوسرے کو پکڑ کر زور سے گھومتی ہیں اور قلابازی کھاتی ہوئی زمین پر گر پڑتی ہیں۔ پھر طرح طرح کے کرتب دکھاتی ہیں۔

بالکل برہنہ ہے اور زیر کمر باریک کپڑے کی ایک قسم کی پشواز یا گھنگر یا صرف گھٹنوں تک کی ہی۔
ان میں سے بعض چنگ رباب و دف بجا رہی ہیں اور باقی ماندہ اسی کے تال و سر پر ناچتی ہیں
اور عجب انداز کے ساتھ اپنے ہاتھ پیر و کمر کو جنبش دیکر مٹکتی و تھرکتی ہیں جس سے اُنکے جسم کی
خوبی و اعضا کی پھرتی پوری طور سے نمایاں اور بڑی دلپذیر و دلکش معلوم ہوتی ہے۔ انکے بعد
خوش گلو مغنیوں کی باری آئی اور انہوں نے بھی اپنے کمال دکھا کر حاضرین کو بہت خوش کیا۔
بعدہ درباری بھانڈوں نے لوگوں پر طرح طرح کی پھبتیاں کسنا شروع کیں اور ہر طرف سے
قہقہوں و چہچہوں کی آوازیں آنے لگیں۔

اب رات زیادہ ہوگئی تھی اور درباری جو شراب کے نشہ[۱۵] میں مخمور اپنی طبیعتوں پر بیقابو
ہو چلے تھے۔ یکے بعد دیگرے رخصت ہونے لگے اور خواتین بھی اپنے اپنے مقاموں سے
اٹھ کر غلاموں کے جلو میں جنکے ہاتھوں میں شمعیں تھیں۔ باہر نکلیں اور رنگ برنگی خوشنما
پالکیوں یا تامجاموں میں بیٹھکر گھر کو روانہ ہوئیں۔ اب صرف بعض اعلیٰ افسران فوج، ایرانی
نمایندے چند عمائدین یا بادشاہ کے مقرب خاص باقی رہ گئے جنہیں میر ساماں ایک
نہایت عالی شان و آراستہ کمرے میں لے جاتا ہے۔ یہاں یونانی فیشن کی ایک میز پر
انواع و اقسام کے طعام چنے ہوئے ہیں اور ایک بڑا بھاری جام شراب رکھا ہے جس میں
متعدد شرابیں مخلوط کرکے پی جاتی ہیں۔ اماسس میز کے سرے پر ایک اونچی سی آرام
کرسی پر بیٹھا ہے۔ اُس کی داہنی طرف کریسس اور بائیں جانب بریویہ ہے علاوہ
بریں اور بھی معززین موجود ہیں جن میں ارسٹو میقیس سے ہم پہلے ہی سے واقف ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ٹانگیں اوپر کرکے بلا ہاتھ ٹیکے سر کے بل کھڑی ہو جاتی ہیں جسے حاضرین بہت
پسند کرتے ہیں۔ اور ہنسی و قہقہہ کی آوازیں کمرے میں گونجنے لگتی ہیں۔ (پروفیسر وِنگل)

۱۵ شراب خواری میں مصری سب پر سبقت لیگئے تھے۔ عورت مرد دونوں اسکے عادی تھے اور اکثر
بیہوشی کی حالت میں محفل سے اٹھا کر انہیں گھر لیجاتے تھے۔ (وِنگل)

اور تھیوڈورس، وابی کوس رفیقان پولیکارٹس سے بھی روڈو فس کے یہاں مل چکے ہیں۔

اماسس جو ابھی کچھ عرصہ نہیں گذرا کہ کری سس سے ایسی سنجیدہ گفتگو میں مشغول تھا اب بالکل ہی بدل گیا اور ہر ایک سے اس طرح ہنسی مذاق اور بے تکلفانہ گفتگو کر رہا ہے کہ گویا اپنا مرتبہ و وقار سب بھول گیا ہے اور جوانی کی زندہ دلی پھر عود کر آئی ہے۔ ہر شخص پر طرح طرح کے جملے کستا ہے۔ انھیں تنگ کرتا چڑاتا اور پھبتیاں کستا ہے جس پر چاروں طرف سے زور زور سے قہقہے اڑ رہے ہیں۔ جام پر جام خالی ہو رہے ہیں اور لطف و انبساط اپنی حد کو پہنچ گیا ہے کہ یکایک میر ساماں سامنے آکر ایک چھوٹی سی طلائی ممی[1] حاضرین کو دکھاتا ہے اور بآواز بلند کہتا ہے "کھاؤ، پیو اور خوب عیش کرو۔ مگر ایک نہ ایک دن اسی طرح ہو جاؤ گے" اس پر بدیہ نے کسی قدر مکدر ہو کر فرعون سے پوچھا:۔

"کیا آپ کے یہاں یہی قاعدہ ہے کہ خوشی کے وقت موت کو یاد دلایا جائے۔ یا آپ کے میر ساماں کو اس وقت یہی ایک بھدا مذاق سوجھا"

اماسس۔ نہیں یہ مذاق نہیں بلکہ ہمارے ملک کی ایک خاص رسم ہے کہ ایسے موقعوں پر ممی (نعش حنوط شدہ) کی شکل پیش کی جائے تاکہ بدمستوں کا جوش و خروش اور افزوں ہو۔ اور وہ یہ دیکھ کر کہ موت سر پر کھڑی ہے۔ خوب جی بھر کے مزے اڑا لیں۔ (ہنس کر) تمہارا کیا! تم ایک طرحدار گبرو جوان ہو۔ ابھی بہت لطف و عیش اٹھاؤ گے۔ مگر ہم بوڑھوں سے پوچھو۔ کیوں نا! کری سس! ہمارے تمہارے دن اب قریب آگئے لب گور ہیں۔ ایک ایک لمحہ غنیمت ہے۔ جہاں تک ہو سکے رہی سہی زندگی کے مزے کیوں ہاتھ سے جانے دیں۔ (آبدار سے) ہاں ساقی! ذرا جام اچھی طرح بھر دے۔ خبردار

---

[1] اسکندریہ کے یونانی باشندوں نے بھی اسی کی تقلید کی بلکہ اس پر اضافہ کیا یعنی موت کی انکی مجالس میں ایک بردار شکل بنا کر مہمانوں کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ (ایبر)

خالی نہ ہونے پائیں۔ وقت بیکار نہ جائے اور یہ لطف و سرور دنیا و مافیہا سے بیخبر کر دے۔
(بروبیہ سے) سنہرے بالوں والے ایرانی! میں سچ کہتا ہوں کہ بادہ نوشی میں تو تو نے ہم سب کو مات کر دیا۔ دیوتاؤں نے جیسی دلکش تیری آنکھیں بنائی ہیں اُس سے بھی عجیب تجھے ایک گلو ئے مے آشام بخشا ہے۔ لا میں اُس کا ایک بوسہ تو لیلوں۔
(کریسس سے ہنس کر) بھائی کریسس! کہو تمہارا خیال ہے۔ یہ اسی لڑکے کی شرارت ہے نا! کہ جب سے میری بیٹی تاشو نے اسے دیکھا ہے رات دن اسی کا ذکر کرتی اور دم بھرتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی دیدہ بازی اور شوخ و بیباک باتوں سے اُس غریب کے دل کو مفتوں کر کے اپنا والہ و شیدا بنا لیا ہے۔ ہاہاہا! اس میں شرمانے و جھینپنے کی کیا بات تم جیسا خوشرو و شریف نوجوان اگر میری لڑکی سے ہنسی مذاق کرے تو کیا مضائقہ ہے مگر یاد رکھو کہ اگر تمہارے والد کوروش (Cyrus) بھی یہاں موجود ہوتے اور بضد اصرار کرتے تو بھی میں اپنی پیاری تاشو کو ایران ہرگز نہ جانے دیتا۔"

بادشاہ ابھی یہ بات پوری نہ کرنے پایا تھا کہ شہزادہ سامطیق نے اُسکے کان میں کہا "قبلہ و کعبہ! ذرا اپنی زبان کا خیال رکھئے۔ شاید آپ فینیس کو بھول گئے۔"
یہ سُننا تھا کہ فرعون کا رنگ فوراً متغیر ہو گیا۔ مسرت و خوشی غائب ہو گئی اور بڑے غصہ سے اپنے لڑکے کی طرف گھور کر خاموش ہو گیا اور بعدہٗ اُس گفتگو میں جو عام ہو چلی تھی بہت کم حصہ لیا۔ ارسٹومیقس جو کریسس کے سامنے بیٹھا تھا ایرانیوں کو چپ چاپ بغور دیکھ رہا تھا۔ نہ اُسکی زبان سے ابھی تک کوئی لفظ نکلا تھا نہ اُس کی ہنسی مذاق سے اُسکے چہرہ پر ذرا بھی مسکراہٹ آئی تھی۔ جب فرعون خاموش ہو گیا تو اُس نے کریسس کی طرف یکایک مخاطب ہو کر یہ سوال کیا۔
"لیدیہ (Lydia) کے باشندے! مہربانی کر کے آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ جب ایران سے آپ لوگ چلے تھے تو پہاڑیوں پر برف تھا کہ نہیں؟"

کروسس کو اس عجیب سوال سے نہایت تعجب ہوا۔ اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"چار مہینے ہوئے جب ہم اپنے ملک سے روانہ ہوئے تھے اُس وقت ایرانی پہاڑیاں سبزہ سے لدی ہوئی تھیں۔ مگر کمبوجیہ کی مملکت میں ایسے بہت سے پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں گرم سے گرم موسم میں بھی برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ ہمیں اپنے اثنائے سفر میں وہ دور سے چمکتی نظر آتی تھیں۔"

یہ سنتے ہی اسپارٹی کا چہرہ بحال و بشاش ہوگیا۔ کریسس کو اُسکی سنجیدہ صورت پسند آگئی تھی۔ اسلئے اُس نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھنے کے لئے پہلے اُس کا نام پوچھا۔

ارسٹومیقس۔ "میرا نام ارسٹومیقس ہے۔"

کریسس۔ "میں اس نام سے کسی قدر آشنا معلوم ہوتا ہوں۔"

ارسٹومیقس۔ "اکثر یونانیوں کا یہ نام ہوا کرتا ہے۔ ممکن ہے آپ کی واقفیت کسی دوسرے شخص سے ہو۔"

کریسس۔ "آپ کے لب و لہجہ کو سنکر مجھے گمان ہوتا ہے۔ کیا آپ اسپارٹا کے باشندے ہیں؟"

ارسٹومیقس۔ "ہاں کسی زمانہ میں تھا۔"

کریسس۔ "اور اب کیا نہیں ہیں؟"

ارسٹومیقس۔ "جو شخص اپنے ملک کو بلا اجازت چھوڑ دیتا ہے وہ خارج از قوم و واجب القتل سمجھا جاتا ہے۔"

کریسس۔ "تو کیا آپ نے اپنی خوشی سے وطن چھوڑا تھا؟"

ارسٹومیقس۔ "جی ہاں۔"

کریسس۔ "کیوں۔"

ارسٹومیقس۔ "ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے۔"

کری سس ۔"کیا کوئی ایسا فعل آپ سے سرزد ہوا تھا۔"

ارسٹو میقس ۔"کوئی بھی نہیں۔"

کری سس ۔"تو آپ پر کیا بےگناہ الزام لگایا گیا؟"

ارسٹو میقس ۔"جی ہاں۔"

کری سس ۔"اور وہ کون شخص تھا جو آپکی بدنصیبی و بدبختی کا باعث ہوا ہے؟"

ارسٹو میقس ۔"آپ۔"

یہ سنتے ہی **کری سس** اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ اُس نے **اسپارٹی** کو متین و سنجیدہ پاکر تمسخر و مذاق کا خیال اپنے دل سے دور کر دیا اور تیوری چڑھا کر غصہ سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ جس سے دوسرے لوگ جو ان دونوں کے قریب بیٹھے یہ گفتگو سن رہے تھے کسی قدر خائف ہوئے اور **ارسٹو میقس** سے ملتجی ہوئے کہ اپنے اس عجیب الزام کو ذرا صراحت کے ساتھ بیان کرے۔ مگر اسپارٹی پس و پیش کر رہا تھا اور اُسکے انداز سے ظاہر تھا کہ اب کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا لیکن جب بادشاہ نے مصر ہو کر پوچھا تو مجبوراً اس نے اس طرح واقعہ بیان کیا:۔

کری سس! آپ کو یاد ہو گا کہ جب ایرانیوں نے آپ کے ملک پر چڑھائی کی تھی تو (Oracle) **آریکل** کی ہدایت پر عمل کر کے آپ میرے وطن والوں سے امداد کے طالب ہوئے تھے اور اس لئے آپ نے ہمیں (Apollo) **اپالو** کے مندر کیلئے بہت کچھ زر و جواہر بھی نذر کیا تھا جس کے عوض میں **افور** (Ephors) نے آپکی خدمت میں پیتل کا ایک نہایت خوبصورت پیالہ تحفتہً بھیجنا چاہا اور اُسے لیجانے کی خدمت میرے سپرد کی۔ مگر (Sardis) **ساردیس** پہنچنے سے پہلے ایسا سخت طوفان آیا کہ جس جہاز پر ہم سفر کر رہے تھے تباہ ہو گیا اور ساتھ ہی وہ پیالہ بھی ڈوب گیا۔ ہم لوگ بمشکل اپنی جان بچا کر (Samos) **ساموس** پہنچ سکے اور آخر کار جب اپنے وطن واپس آئے تو میرے

دشمنوں نے یہ الزام لگایا کہ پیادے اور جہاز دونوں کو میں نے اپنی ذاتی منفعت کے لئے تاجروں
کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ مگر اس کا ثبوت انکے پاس کچھ نہ تھا۔ تاہم مجھے ذلیل کرنا منظور تھا اسلئے
حکم دیا کہ دو دن دو رات مجھے (Pillory) پلوری[۵] میں جکڑ رکھا جائے۔ رات ہوتے ہی
ان کمبختوں نے میرے پیر اس سے جکڑ دیئے۔ میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر شرم و
خجالت کے مارے رات بھر نہ سو سکا۔ صبح ہوتے ہی میرا بھائی آیا اور چپکے سے ایک تلوار
دے گیا تاکہ اس سے اپنے تئیں ہلاک کر کے اس ذلت سے نجات حاصل کروں لیکن
چونکہ مجھے دشمنوں سے بدلہ لینا مقصود تھا اس لئے خودکشی سے باز رہا اور تلوار سے اپنے
بندھے ہوئے پیر کو کاٹ کر رہائی پائی اور درختوں میں چھپ گیا اور جنگل میں رہنے لگا۔ بھائی
خفیہ طور سے کھانا پانی لا دیتا تھا۔ دو ماہ بعد جب میں اچھا ہو گیا تو ایک لکڑی کا پیر لگا کر چلنے
پھرنے کے قابل ہو گیا اور ابھی اپنے دشمنوں کی فکر میں تھا کہ شکر ہے خود (Apollo) اپالو
نے میری طرف سے بدلہ لے لیا اور وہ سب کے سب کسی وبا میں مبتلا ہو کر مر گئے۔ بعد ازاں
میں نے ارادہ کیا کہ آپ کے پاس جا کر ایرانیوں سے لڑوں۔ مگر جب آپ کے ملک پہنچا
تو معلوم ہوا کہ آپ کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور کوروش (Cyrus) یعنی اس خوبصورت
لڑکے کے باپ نے چند ہی ہفتوں میں (Lydia) لیڈیہ کی طاقتور سلطنت کو تہ و بالا
کر کے اسکے دولتمند بادشاہ کو گدا گر بنا دیا تھا۔"

یہ واقعہ سنکر تمام لوگ بوڑھے اسپارٹی کی ہمت مردانہ پر عش عش کرنے لگے۔ کرسیس
نے بڑے جوش کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا اور نوجوان بروبیہ کی زبان سے بھی یہ کلمہ آفرین نکلا
"شاباش! بہادر اسپارٹی! میری دلی آرزو ہے کہ تمہیں اپنے (Susa) سوسا
لے چلوں اور اپنے دوستوں سے ملاؤں کہ ایسا جری اور اپنی عزت و حرمت کا دھنی کوئی
اور بھی انکی نظر سے گذرا ہے؟"

[۵] یہ مجرموں کو سزا دینے کیلئے لکڑی کی ایک کل تھی جس میں انکے ہاتھ پیر جکڑ دیئے جاتے تھے۔

ارسٹومیقیس (مسکراکر) شاہزادے! یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ اسپارٹا کا بچہ بچہ میری ہی طرح عمل کرتا۔ ہمارے ملک میں دلیری و شجاعت ایک معمولی سی بات ہے۔ البتہ پیٹھ دکھانے اور بزدل بننے کے لئے بڑی ہمت و جرأت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس پر دارا جو شاہ ایران کا بھائی تھا بروبیہ سے مسکرا کر یوں مخاطب ہوا "کیوں بروبیہ اگر تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا تو کیا کرتے؟" بروبیہ خاموش ہو گیا مگر اُسکے چہرہ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بھی موت کو ذلت پر ترجیح دیتا۔

پھر دارا نے دوسرے ایرانی سے یہی سوال کیا "اور (Zopyrus) ظلفریوس تم کیا کرتے"؟

ظلفریوس "میں۔ آپ کی محبت میں اگر حکم ہوتا تو اپنے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ کر نثار کرتا"۔

سامطیق۔ ان نوجوان بہادروں کی گفتگو خاموشی سے سُن رہا تھا مگر اُس کے لبوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ تھی اتنے میں (Ibycus) ابی کوس نے اُس (Orcle) آرکل کا واقعہ بیان کیا جس نے پیشین گوئی کی تھی کہ جب لوگ برفیلے پہاڑوں کے ملک سے آئیں گے تو ارسٹومیقیس کے وطن کی واپسی کا زمانہ قریب آجائیگا۔ اسی ضمن میں اُس نے روڈوفس کی محفل کا ذکر کیا۔ اس نام کے سُنتے ہی سامطیق کی بےچینی اور بھی بڑھ گئی۔

کریسس نے بھی (Aesop) ایساپ سے اس مشہور خاتون کا ذکر سُنا تھا اور اُسکی ملاقات کا آرزومند تھا۔ جب مہمان رخصت ہو گئے تو اُس نے اور شاعر نقاش اور اسپارٹی نے باہم ارادہ کر لیا کہ اگلے دن ضرور روڈوفس کے یہاں چلکر اُس کی صحبت کا لطف اُٹھائیں گے۔

چھٹا باب

باپ و لڑکا

دعوت کے بعد اماسس (Amasis) کو مشکل سے تین گھنٹے اپنے آرام کیلئے مل سکے۔ مرغ سحری کے بانگ دیتے ہی نوعمر مرشدزادوں نے اُسے میٹھی نیند سے جگا دیا۔ اور حمام وغیرہ سے فراغت حاصل کرا کے لباس شاہانہ سے آراستہ کیا اور بعدہٗ پرستش گاہ کی طرف جو صحن محل میں واقع تھی لے گئے۔ یہاں اس نے عامہ خلائق کے سامنے بھینٹ و نذر چڑھائی۔ اور بڑے پروہتوں نے زور زور سے اپنے بھجن گا کر اُسکی ثنا و صفت بیان کی۔ اور ہر قسم کی خطا و معصیت سے اُسے معصوم گردانا۔ کیونکہ اگر نادانستگی سے وہ کبھی مرتکب بھی ہوا ہے تو اُس کا تمام گناہ وزیروں اور مشیروں کے سر پڑیگا۔ بعدہٗ اُنہوں نے اُسے راہ نیک پر چلنے کی ہدایت کی۔ اور اپنی مذہبی کتابوں سے پُرانے لوگوں کے کارنامے اور نصائح پڑھ کر سنائے۔ پھر اس کو اس کمرے میں لے گئے جہاں کاتب و وزیر جمع تھے جنہوں نے معاملات سلطنت اُسکے سامنے پیش کرنے شروع کئے۔ اور تمام ممالک محروسہ کے خطوط و اخبارات سُنانے لگے۔ **اماسس** ان رسومات و تکلفات کا عادی ہو گیا تھا اور انکی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کرتا تھا۔ مگر فارغ ہوتے ہی جو جی چاہتا کرتا اور عمداً عیش و عشرت میں اپنا وقت گذار دیتا۔ اس لئے پروہت کبھی کبھی اُسی ملامت کرتے کہ یہ طرز زندگی مناسب حال و شایان شان نہیں جس پر ایک دن جھلا کر اپنی کمان ہاتھ میں لیکر اُس نے بڑے پروہت سے یہ کہا تھا "میری اس کمان کو دیکھتے ہو۔ اگر اُسے ہر وقت جھکا رکھو گے تو کمزور پڑ جائے گی۔ بہتر یہ کہ نصف دن آرام لینے دو اور

ڈھیلا چھوڑ دو۔ ورنہ تانت کے برابر کھنچے رہنے سے اس کا اصلی زور باقی نہ رہے گا اور جلد بیکار ہو جائے گی۔"

اماسس (Amasis) کے سامنے ایک حاکم ضلع[1] کا معروضہ پیش تھا کہ سیلاب کی وجہ سے بہت سے پشتے[2] و بند ٹوٹ گئے ہیں اور انکی تعمیر کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ وہ اس درخواست کو منظور کر کے اپنے فرمان پر دستخط کر ہی چکا تھا کہ ایک خادم نے حاضر ہو کر دست بستہ عرض کیا کہ "شاہزادہ سامطیق (Psamtik) باہر کھڑے باریابی کے منتظر ہیں۔ اسوقت بادشاہ اپنے ملک کی خوشحالی و سرسبزی کا حال سنکر ہنس ہنس کے سب سے باتیں کر رہا تھا اور خادم کی مداخلت سے بھی ناخوش نہ ہوا تھا۔ مگر جیوں ہی شہزادہ کا نام سنا فوراً بدل گیا۔ اُسکے چہرہ پر فکر و تردد کے آثار پیدا ہو گئے اور دیر تک خاموش رہنے کے بعد درباریوں کو رخصت کر کے خادم سے مخاطب ہوا۔ "شہزادہ سے کہدے کہ اُسے آنے کی اجازت ہے۔"

سامطیق (Psamtik) جس کے چہرے پر حسب معمول درشتی و زردی تھی آستانہ پر پہنچکر بہت جھک کر آداب بجالایا۔ بادشاہ نے نگاہ اُٹھا کر صرف ایک اشارہ سے جواب دیا اور چیں بجبیں ہو کر تیزی سے پوچھا۔

بادشاہ۔ "کہو تمہارا کیا کام ہے؟ میں اس وقت بہت عدیم الفرصت ہوں۔"

شاہزادہ۔ (جسکے ہونٹ کانپ رہے تھے) "اپنے لڑکے کے لئے بھی فرصت نہیں ہے

---

[1] مصری زبان میں صوبہ کو نوم کہتے تھے اور اُنکے حاکموں یا صوبہ داروں کا نام نومارج تھا۔ ان کا بڑا کام زراعت کی نگرانی تھا۔ اراضی کی تقسیم اور لگان کی تحصیل وصول بھی یہی کرتے تھے۔ نہروں اور بندوں وغیرہ کا انتظام بھی انہیں کے سپرد تھا۔ (ایبر)

[2] فراعنہ مصر اپنے ملک کی آب رسانی کا جس پر اسکی خوشحالی کا تمام تر دارومدار تھا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور نہروں پشتوں اور بندوں وغیرہ کی مرمت میں نہایت سرگرمی سے کام لیتے تھے (ایبر)

کتنی بار میں اس ملاقات کے لئے عاجزی کر چکا ہوں۔ شکر ہے کہ آج آپ نے منظور کر کے مجھے بہت سرفراز فرمایا۔"

بادشاہ۔"میں کوئی شکوہ و شکایات نہیں سُننا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے آنیکا کیا مقصد ہے۔ تم شاید یہ چاہتے ہو کہ نتیتیس (Nitetis) کے متعلق مجھ سے مزید حالات دریافت کرو؟"

شاہزادہ"نہیں مجھے اپنا خیال نہیں بلکہ میں آپ کو یہ آگاہ کرنے آیا ہوں کہ ایک دوسرا شخص جو اس راز سے واقف ہے ابھی تک زندہ ہے۔"

بادشاہ۔فینس (Phanes)؟"

شاہزادہ"ہاں، سوائے اُسکے اور کون ہو سکتا ہے؟ وہ اپنے ملک سے جلاوطن ہے اور اب مصر سے بھی نکال دیا گیا ہے اور چند دنوں میں نوکراتیس (Naucratis) سے روانہ ہو جائیگا۔ اس لئے کیا عجب کہ ایران کا رُخ کرے اور وہاں پہنچکر ہمارا راز افشا کر دے۔"

بادشاہ۔"نہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ میری شفقت اور احسانات کو اتنی جلدی بھول جائے۔"

شاہزادہ"شاید آپ کا خیال ہے کہ ہر شخص میں شکرگذاری کا مادہ موجود ہے۔"

بادشاہ۔"نہیں لیکن مجھے اپنی رائے پر پورا بھروسہ ہے۔ لوگوں کے پہچاننے میں آج تک میں نے کبھی غلطی نہیں کی۔ مجھے یقین ہے کہ فینس ہرگز دغا نہ دیگا۔ میں تم سے مکرر نہایت زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ میرا سچا دوست و بہی خواہ ہے۔"

شاہزادہ۔"آپ کا شاید ہو۔ مگر میرا تو جانی دشمن ہے۔"

بادشاہ۔"تو تم بھی اُس سے ہوشیار رہو۔ مجھے فی نفسہ اس سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔"

شاہزادہ"آپ کو نہ ہوگا۔ مگر ہمارے ملک کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ ابا جان! آپ کو میری ذات سے خواہ نفرت ہو مگر پھر بھی بہ حیثیت ولیعہد ہونیکے میرا ابھی کچھ حق ہے۔

دیوتا ہمیشہ آپ کو صحیح وسلامت رکھے۔ اگر آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی میرے ہی سر تمام ذمہ داریاں پڑجائیں گی۔ اگر آئندہ مجھ پر کوئی آفت آئی تو نہ صرف ہمارے خاندان بلکہ تمام مصر کی بربادی کا باعث ہوگی۔" داماسس کو فکر مند دیکھ کر "آپ اگر غور فرمائیں گے تو ضرور میری رائے سے اتفاق کریں گے فینیس کو ہمارا سب حال معلوم ہے اگر وہ اس وقت ہاتھ سے نکل کر دشمنوں سے جا ملا تو غضب ہو جائیگا۔ اسکے سینہ میں ایک ایسا راز مخفی ہے جس کے ظاہر ہوتے ہی ہمارا بڑے سے بڑا دوست بھی جانی دشمن ہو جائیگا۔"

بادشاہ۔ "تم غلطی پر ہو میں نے مانا کہ نتیتس (Nitetis) میری لڑکی نہیں۔ مگر اس کا باپ کوئی معمولی شخص نہ تھا وہ بھی اس ملک کا ایک زمانہ میں حکمراں تھا۔ علاوہ بریں مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے شوہر کا دل بہت جلد قابو میں کرے گی۔"

شاہزادہ۔ مجھے حیرت ہے آپ ایسا فرماتے ہیں۔ وہ آئندہ ایک آسمانی دیوی ہی کیوں نہ ثابت ہوتا ہم میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس راز کے افشا ہوتے ہی کمبوجیہ کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہے گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایرانیوں کی نگاہ میں دروغ گوئی سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ اور دھوکہ بازی و فریب دہی کو وہ اپنی حد درجہ کی توہین سمجھتے ہیں۔ نیز ہمارے خاندان کے لئے بھی کتنی بڑی ذلت وشرم کی بات ہے کہ اس قسم کا الزام لگایا جائے۔ اور شوہر پر قابو پانے کو جو آپ فرماتے ہیں تو شاید ایرانی محلسرا کا حال آپ کو معلوم نہیں کہ وہاں سینکڑوں حسین و چالاک عورتیں ہر وقت بادشاہ کو اپنے دام میں لانے کی فکر میں لگی رہتی ہیں۔ بھلا ایک ناسمجھ اور ناتجربہ کار لڑکی انکے مقابلہ میں کیا کر سکتی ہے؟"

اماسس۔ (طنز آمیز درشتی سے) سچ ہے کہ جوش نفرت و انتقام سے بھی بڑھکر لسانی و فصاحت بیانی کو ابھارنے والا کوئی دوسرا جذبہ نہیں ہو سکتا۔ نادان لڑکے۔ تو بھی مجھے بیوقوف سمجھتا ہے کہ اتنی بڑی بات پہلے سے بلا کچھ سوچے سمجھے کر بیٹھونگا۔ فینیس کو اصلیت کی کیا خبر۔ اُسے صرف شبہ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کا جو جی چاہے آج ایرانیوں سے کہدے۔

صرف مجھے یا الیڈیس کو بحیثیت والدین ہونیکے پورا علم ہو سکتا ہے کہ نتیتس ہماری دختر ہے یا نہیں۔ ہم دونوں اُسے اپنی ہی لڑکی کہتے ہیں۔ پھر بھلا کس کی مجال ہے کہ انکار کر سکے علاوہ بریں فینیس (Phenes) اگر ہماری ملکی کمزوریوں کو سوائے ایرانیوں کے کسی دوسرے دشمن سے کہہ بھی دے تو مجھے مطلق پرواہ نہیں اور نہ میں اُن سے ڈرتا ہوں اور اب تم بھی کان کھول کر سُن لو کہ اگر مجھے ایسے شخص کے خلاف بھڑکانا چاہتے ہو جسکا میں بہت ممنون احسان ہوں۔ اور جس نے دس برس تک نہایت وفاداری کے ساتھ بلا ایک دن بھی ناراض کئے میری خدمت کی ہے تو بجائے اُس کو کوئی ضرر پہنچانے کی میں اُس کی حمایت پر آمادہ ہونگا کیونکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہاری خواہش انتقام ایک اور ہی ناپاک خیال پر مبنی ہے۔"

شاہزادہ "میرا اور ناپاک خیال ؟"

بادشاہ "ہاں مجھے سب حال معلوم ہے۔ تم اس غریب یونانی کے اس لئے پیچھے پڑے ہو کہ رہوڈوفس کی نواسی کے حُسن پر فریفتہ ہو کر اُسے بھگا لیجانا چاہتے تھے مگر اُس نے تمہاری دال نہ گلنے دی۔ اور سپہ سالاری کے آرزومند تھے مگر تم کو نالائق دیکھ کر میں نے اُسے اس عہدے پر مامور کر دیا۔ سچ بات سُن کر تمہارے چہرے کا رنگ کیسا فق ہو گیا۔ بس فینیس کا واقعی بہت ممنون ہوں کہ تمہارے ان تمام ہتھکنڈوں کی سب مجھے پہلے ہی سے خبر کر دی۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم میری طرف سے اپنے دل میں عناد و کینہ رکھتے ہو۔ اسی لئے میں نے غیر ملکیوں پر بھروسہ کرنا شروع کیا ہے اور اُن کو اپنا سچا رفیق و بہی خواہ سمجھتا ہوں۔"

شاہزادہ۔ "داسئے پدر مکرم! ہزار افسوس کہ آپ کی زبان سے اجنبیوں کی شان میں ایسے الفاظ نکلتے ہیں۔ آپ نے شاید ہمارے ملک[۱] کی پرانی عظمت و شان کو دل سے

[۱] مصر کی قدامت و عظمت و شان تاریخ عالم میں لاثانی ہے۔ وہاں تمدن اُس زمانہ میں شروع ہوا جب تمام

بھلا دیا۔ مجھے چاہے کتنا ہی بُرا بھلا کہہ لیجیے کچھ ہرج نہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ دوسری قومیں وحشیانہ زندگی بسر کر رہی تھیں۔ سا مطیق چونکہ اپنے آباؤ اجداد کا زمانہ یاد دلا رہا ہے اسلئے ضروری ہے کہ مصر کی قدیم تاریخ پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے اور اُسکے مختلف خاندانوں کو سرسری طور سے بیان کیا جائے۔ اول یہ بتا دینا ضروری ہے کہ آخری خاندان سے لیکر اٹھارہویں خاندان تک زمانہ حکومت کے حساب میں ایک ہی دو سال کی شاید غلطی ہوگی مگر اس کے پہلے کے سن صرف اندازاً بیان کئے جا سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مصری تاجداروں کے متعدد نام ہوا کرتے تھے۔ ایک اصلی ہوتا تھا باقی لقب ہوتے تھے۔ شروع کے خاندان کے صرف لقب معلوم ہو سکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ چند خاندانوں کے ناموں اور تقدم و تاخر میں بھی بعض مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مذکورہ ذیل ترتیب میں مصری مورخ مینتھو (تیسری صدی ق م) کی تقلید کی گئی ہے۔ پروفیسر پیٹری اسے معتبر سمجھتے ہیں مگر پروفیسر برسٹڈ اسکے خلاف ہیں۔ بہر حال ۱۵۸۰ ق م اور اُسکے مابعد کے واقعات میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

بادشاہان مصر قبل آغاز خانوادہ - ان کا حال بہت کم معلوم ہے۔ اس زمانہ میں شمال و جنوب مصر میں دو مختلف سلطنتیں تھیں جن کے صرف ۶، ۷ تاجداروں کے نام دریافت ہو سکے ہیں۔

(از ۴۴۰۰ ق م تا ۳۲۰۰ ق م)

(۱) **پہلا خاندان** - یہ جنوبی لوگ تھے جنہوں نے شمالیوں کو فتح کر کے مصر کو متحد کر لیا اور بجائے تھِس کے ممفس دار الخلافہ ہوا۔ انکے نام یہ ہیں :-

اِپ۔ نرمر مینس۔ خنت۔ زا۔ سمتی۔ مربپہ۔ سمرخت۔ کا۔

(۲) **دوسرا خاندان** - (۳۲۰۰ تا ۲۹۸۰ ق م) یہ جنوبی خاندان تھا۔

نام = ہوتپسخموئی۔ رنب۔ ننتر۔ پرنات۔ پرپسن۔ سنید۔ نفر کر۔ نفر کسوکر۔ ہزیفنہ۔

(۳) **تیسرا خاندان** - (۲۹۸۰ تا ۲۹۰۰ ق م) یہ بھی جنوب کے نئے فاتح تھے۔

نام = خسخموئی۔ زسر سخنت۔ زسرتت۔ سزس۔ نفر کا سنفرو۔

(۴) **چوتھا خاندان** - یہ بانی اہرام تھے۔ انکے زمانہ میں قدیم سلطنت کا جاہ و جلال و صنعت و حرفت

مجھ سے محبت نہیں رہی۔ مگر یہ نہ کہئے کہ بلا غیر ملکیوں کے ہمارے ملک کو عروج ہی نہیں ہو سکتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اوج کمال پر پہنچ گیا۔ انکے نام یہ ہیں:۔

شرو = ۲۹۰۰ تا ۲۸۹۸ ق م + خوفو یا چیوپس ۲۸۹۸ تا ۲۸۷۵ ق م + رزدف ۲۸۷۵ تا ۲۸۶۷ ق م خفرا ۲۸۶۷ تا ۲۸۱۱ ق م + منخرا ۲۸۱۱ تا ۲۷۸۸ ق م + شیپسیوکف ۲۷۸۸ تا ۲۷۵۵ ق م + تھمفتس ۲۷۵۵ تا ۲۷۵۰ ق م۔

(۵) پانچواں خاندان۔ یہ شمالی تاجدار تھے۔ را کی پرستش انہیں کے زمانہ سے ہوئی۔ اور زوال سلطنت بھی بتدریج شروع ہوا۔

اُسرکف ۲۷۵۰ تا ۲۷۴۳ ق م + سہورا ۲۷۴۳ تا ۲۷۳۱ ق م + نفرریک را۔ ۲۷۳۱ تا ۲۷۳۰ ق م شیپسسک را۔ ۲۷۳۰ تا ۲۷۲۳ ق م + خنفرا۔ ۲۷۲۳ تا ۲۷۲۲ ق م + اسرن را۔ ۲۷۲۲ تا ۲۶۹۱ ق م منکاہر ۲۶۹۱ تا ۲۶۸۳ ق م + ددرک را۔ ۲۶۸۳ تا ۲۶۵۵ ق م + انس ۲۶۵۵ تا ۲۶۲۵ ق م۔

(۶) چھٹا خاندان = پیپی ثانی کا طویل و با امن عہد خاص واقعہ ہے۔ مرکزی حکومت کی طاقت گرتی گئی۔

تتی ۲۶۲۵ تا ؟ ق م + اسرکارا ؟ تا ۲۵۹۵ ق م + پیپی اول ۲۵۹۵ تا ۲۵۴۱ ق م + مرن را اول ۲۵۴۱ تا ۲۵۷۰ ق م + پیپی ثانی ۲۵۷۰ تا ۲۴۷۶ ق م + مرن را ثانی ۲۴۷۶ تا ۲۴۷۵ ق م + نترک را ۲۴۷۵ تا ؟ ق م + منک را ؟ تا ۲۴۶۳ ق م۔

(۷) ساتواں، آٹھواں، نواں و دسواں خاندان = ۲۴۶۳ تا ۲۱۶۰ ق م + بدامنی و طوائف الملوکی کا پہلا دور شروع ہوا۔ تمام ملک چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہو گیا۔ قدیم سلطنت کا خاتمہ ہو کر گیارہویں خاندان سے سلطنت متوسط شروع ہوتی ہے جس کا دار الخلافہ تھیبز تھا۔

(۸) گیارہواں خاندان۔ اس خاندان کے تیسرے بادشاہ نے تمام مصر فتح کر کے پھر اتحاد حکومت قایم کر دیا۔

نام = انتف اول ۲۱۶۰ ؟ ق م + انتف ثانی ؟ + منتوہوتپ اول ؟ + منتوہوتپ ثانی ؟

تاریخ پارینہ شاہد ہے کہ ہمارے سب سے بڑے عروج کا کونسا زمانہ تھا؟ وہی زمانہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۲۰۰۸ ق م + منتوہوتپ سوم ۲۰۰۸ تا ۲۰۳۰ ق م + منتوہوتپ چہارم ۲۰۳۰ تا ۲۰۰۰ ق م۔

(۹) بارہواں خاندان:- اس زمانہ میں اکثر ولیعہد بھی انتظام سلطنت میں بادشاہ کا شریک شامل ہو جاتا تھا۔

امنمہت اول ۲۰۰۰ تا ۱۹۷۰ ق م + سنوسرت اول ۱۹۷۰ تا ۱۹۳۵ ق م + امنمہت ثانی ۱۹۳۵ تا ۱۹۰۳ ق م + سنوسرت ثانی ۱۹۰۳ تا ۱۸۷۰ ق م + سنوسرت سوم ۱۸۷۰ تا ۱۸۴۹ ق م + امنمہت سوم ۱۸۴۹ تا ۱۸۰۱ ق م + امنمہت چہارم ۱۸۰۱ تا ۱۷۹۲ ق م + سبکنفیرورا (ملکہ) ۱۷۹۲ تا ۱۷۸۸ ق م۔

(۱۰) تیرہواں، چودہواں، پندرہواں، سولہواں، سترہواں خاندان ۱۷۸۸ تا ۱۵۸۰ ق م

دوسرا دور طوائف الملوکی و بدامنی کا شروع ہوا۔ تھینبز کی سلطنت میں زوال آگیا۔ ہکسوس کے (۱۵، ۱۶) دو خاندانوں نے تمام مصر پر حکومت کی۔ انہوں نے ممفس دارالخلافہ بنایا۔ یہ غیر ملکی تاجدار "راعی" (گڈریے) بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں۔ انہیں کے زمانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام مصر تشریف لائے۔ بالآخر انکی طاقت کو بھی زوال ہوا۔ اور تھینبز کے ایک شہزادہ نے انہیں شکست دیکر سلطنت جدیدہ کی بنیاد ڈالی۔

(۱۱) اٹھارہواں خاندان۔ تھینبز مرکز حکومت تھا۔ مصری قوت کمال پر پہنچ گئی تھی۔ امن کی پرستش عام ہوگئی۔ شروع زمانہ کے حالات کسی قدر مفقود ہیں۔ لیکن اس قدر معلوم ہے کہ تھوتمس اول کو اسکے لڑکے یعنی تھوتمس سوم نے تخت سے اتار دیا تھا۔ پھر اسے بھی تھوتمس ثانی نے شکست دیکر برطرف کر دیا۔ مگر اسکی حکومت بہت کم رہی اور اول الذکر (تھوتمس سوم) نے پھر تخت نشین ہو کر ایک عرصہ تک بادشاہت کی۔ یہ اپنی ملکہ ہتشپست کے بہت زیادہ زیر اثر تھا۔

نام: آہمس (اماسس) ۱۵۸۰ تا ۱۵۵۷ ق م + امنوتپ اول ۱۵۵۷ تا ۱۵۴۱ ق م + تھوتمس اول ۱۵۴۱ تا ۱۵۰۱ ق م + تھوتمس سوم ۱۵۰۱ تا ۱۴۹۶ ق م + تھوتمس دوم ۱۴۹۶ تا ۱۴۹۳ ق م + ہتشپست (ملکہ) ۱۴۹۳ تا ۱۴۸۳ ق م + تھوتمس سوم ۱۴۸۳ تا ۱۴۴۷ ق م + امنوتپ دوم ۱۴۴۷ تا ۱۴۲۰ ق م + تھوتمس چہارم ۱۴۲۰ تا ۱۴۱۱ ق م + امنوتپ دوم ۱۴۱۱ تا ۱۳۷۵ ق م + اخناتن یا امنوتپ سوم ۱۳۷۵ تا ۱۳۵۸ ق م + سمنکرہ (؟۱۳۵۰) ق م + تتنخامن ۱۳۵۸ تا ۱۳۵۲ ق م + اسے ۱۳۵۲ تا ۱۳۵۰ ق م۔

جبب کہ اجنبیوں کے ملک میں رہنے کی ممانعت تھی - اور جبکہ ہم بغیر کسی کی مدد کے اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱۲) انیسواں خاندان :- اخناتن کی انقلاب انگیز مذہبی اصلاح نے ملک کو درہم برہم کر دیا تھا - اس کا اثر عارضی تھا اور بہت جلد زائل ہوگیا - اب ایک دوسرا خاندان تخت نشین ہوا جس نے مصر کی پرانی عظمت کو پھر جگا دیا - اسی زمانہ میں حضرت موسیٰؑ کا ظہور ہوا - اور غالباً مرنپتھ (منفتاح) وہ فرعون تھا جس نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا اور بحر احمر میں غرقاب ہوا - بعض مورخین تھوتھمس اول کے عہد سے اس واقعہ کو منسوب کرتے ہیں اور دوسرے فرعون کا نام لیتے ہیں -

نام = ہورمہب ۱۳۵۰ تا ۱۳۱۵ ق م + رامسس اول ۱۳۱۵ تا ۱۳۱۴ ق م + ستی اول ۱۳۱۴ تا ۱۲۹۲ ق م رامسس ثانی ۱۲۹۲ تا ۱۲۲۵ ق م + مرنپتھ (منفتاح) ۱۲۲۵ تا ۱۲۱۵ ق م + امنمسس ۱۲۱۵ + سپتھ ۱۲۱۵ تا ۱۲۰۹ ق م + ستی ثانی ۱۲۰۹ تا ۱۲۰۵ ق م -

(۱۳) بیسواں خاندان - طوائف الملوکی کا پھر زمانہ شروع ہوا - آرسو ایک شامی تاجدار نے کچھ عرصہ تک حکومت کی بعدہٗ ستنخت نے جو رامسس دوم کے خاندان سے تھا اوسے نکال کر پھر سلطنت قائم کی - نام = ستنخت ۱۲۰۰ تا ۱۱۹۸ ق م + رامسس سوم ۱۱۹۸ تا ۱۱۶۷ ق م + دیگر ۹ فراعنہ جن کے نام رامسس تھے ۱۱۶۷ تا ۱۰۹۰ ق م -

(۱۴) اکیسواں خاندان ۱۰۹۰ تا ۹۴۵ ق م - انیسویں خاندان کے آخری بادشاہ محض نام کے تھے درحقیقت حکومت آمن کے پروہتوں کے ہاتھ میں تھی چنانچہ رامسس دوازدہم کی وفات کے بعد ہرہر دپروہت اعظم نے سلطنت چھین کر "پروہت بادشاہوں" کا سلسلہ شروع کیا - اسی اثنا میں تنیس (ڈیلٹا کا مشہور شہر) کا ایک شہزادہ خودمختار ہوگیا اور ایک زمانہ میں اسکی اولاد کچھ عرصہ کے لئے تمام ملک پر حاوی ہوگئی - غرضکہ ہر طرف بدامنی تھی اور مصر کی خوشحالی وطاقت بہت کچھ گھٹ گئی تھی -

(۱۵) بائیسواں خاندان :- پرانے دور کا خاتمہ ہوگیا - ایک نیا خاندان حکمراں ہوا - جس کا بانی باشندہ لیبیا کا ایک فوجی افسر تھا - بوبسٹس دارالخلافہ ہوا - مصر نے پھر متحد ہوکر ترقی کے زینہ پر قدم رکھا - نام = ششنک اول ۹۴۵ تا ۹۲۴ ق م + اسرکن اول ۹۲۴ تا ۸۹۵ ق م + تکلتھ اول ۸۹۵

ہی بربڑ پر حکمرانی کرتے تھے۔ اور اپنے آبا و اجداد اور دیوتاؤں کے قوانین کو عزت و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تا ۸۷۴ ق م + اسرکن دوم ۸۷۴ تا ۸۵۳ ق م + شِشنک دوم ۸۵۳ ق م + نکلتھ دوم ۸۵۳ تا ۸۳۴ ق م + شِشنک سوم ۸۳۴ تا ۷۸۴ ق م + پیمے ۷۸۴ تا ۷۸۲ ق م + شِشنک چہارم ۷۸۲ تا ۷۴۵ ق م۔

(۱۶) تیئیسواں خاندان :۔ آخری شاہانِ لیبیا صرف تھینز کے حاکم رہ گئے۔ ایک نیا خاندان شروع ہوا۔ لیکن طوائف الملوکی کا بازار گرم تھا۔ ہر شہر خود مختار تھا۔

نام = تپ بست ۷۴۵ تا ۷۲۱ ق م + اُسرکن سوم ۷۲۱ ق م + نکلتھ سوم ۷۱۸۔

اسرکن سوم کے زمانہ میں سیئز کے ایک شہزادہ کو عروج ہوا۔ یہ دیکھ کر نیوبیا کے بادشاہ پینخی نے حملہ کیا اور تقریباً تمام مصر کو تاخت و تاراج کر کے پھر اپنے ملک واپس چلا گیا۔

(۱۷) چوبیسواں خاندان ۷۱۸ تا ۷۱۲ ق م۔

پینخی کی واپسی کے بعد حاکم سئیز کے لڑکے بکورس نے حکومت کی۔ اس نے قدیم فنون پھر زندہ کئے مگر ملکی طاقت کو عروج نہ ہوا۔

(۱۸) پچیسواں خاندان۔ شبک پسر پینخی نے مصر کو دوبارہ فتح کر کے خاندان اتھوپیا (حبش) کی بنیاد ڈالی۔ نام = شبک ۷۱۲ تا ۷۰۰ ق م + شبتک ۷۰۰ تا ۶۸۸ ق م + تھرکا ۶۸۸ تا ۶۶۳ ق م۔

(۱۹) چھبیسواں خاندان :۔ تھرکا کے زمانہ میں اسرہدن۔ و اشور بنی پال شاہانِ اشور نے مصر پر حملہ کیا۔ تھرکا شکست کھا کر اپنے ملک نیوبیا چلا گیا بعدہ چند بغاوتوں کے بعد اشور بنی پال نے سمتیکس کو سئیز کے تخت پر بٹھایا اور اُسے خود مختار بنا کر واپس چلا گیا۔ اس خاندان کے زمانہ میں صنعت و حرفت کو بڑی ترقی ہوئی۔ اور مصری شان و عظمت کا ستارہ آخری بار پھر چمک اٹھا۔

نام = سمتیکس اول ۶۶۳ تا ۶۰۹ ق م + نکو ۶۰۹ تا ۵۹۳ ق م + سمتیکس دوم ۵۹۳ تا ۵۸۸ ق م + ہوپھرا (ہوفرا یا ایریس) ۵۸۸ تا ۵۶۹ ق م + آہمس[ف] (اماسس) ۵۶۹ تا ۵۲۵ ق م + سمتیکس سوم (سامطیق) ۵۲۵ ق م

[ف] اس ناول میں اسی بادشاہ اور اسکے جانشین کے زمانہ کا تمدن دکھایا گیا ہے ۱۲

حرمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے - وہی زمانہ تھا جبکہ رامسس[۵١] (Ramasis)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) - (۲۰) ستائیسواں خاندان یا دور ۵۲۵ تا ۴۲۰ ق م -

کمبوجیہ نے مصر فتح کرکے ایرانی حکومت کا سلسلہ جمادیا جسکے بادشاہوں نے مصری قدیم خطابات اختیار کرکے حکومت کی -

(۲۱) اٹھائیسواں، انتیس، تیس اور اکتیس واں خاندان ۴۲۰ تا ۳۳۲ ق م -

مختلف شاہزادگان مصر نے وقتاً فوقتاً عارضی خودمختاری حاصل کرکے حکومت کی تیسویں خاندان میں نکتینبو دوم مصر کا آخری تاجدار تھا - ایرانیوں نے اسے شکست دیکر بالاخر ۳۴۰ سنہ ق م - مصر پر پورا قبضہ حاصل کرلیا -

(۲۲) ٹالیمیز (خاندان بطلیموس) ۳۳۲ تا ۳۰ ق م -

سکندر اعظم نے ۳۳۲ سنہ ق م - دارائے سوم کو شکست دیکر ایران پر قبضہ کرلیا اسکے جانشینوں میں خاندان بطلیموس نے قریباً تین سو برس تک مصر پر حکومت کی - ان کا دارالخلافہ اسکندریہ تھا اور اسی خاندان میں مشہور ملکہ کلیوپیٹرا تھی جس نے ۵١ سنہ ق م تا ۳۰ سنہ ق م حکومت کی - بالآخر ۳۰ سنہ ق م میں قیصر روم نے اس کا ملک چھین کر روما کا اسے ایک صوبہ بنادیا -

(ماخوذ از ونڈرس آف دی پاسٹ)

۵١ رامسس دوم - جس کے خود اپنے حکم سے اسکے نام کے آگے لفظ اعظم زائد کیا گیا - انیسویں خاندان کا ایک مشہور بادشاہ تھا - اس نے ۶۷ برس تک سلطنت کی جس میں پورے پندرہ سال اسے قوم نھائت اور انکے حلیفوں سے جو ملک شام پر قابض ہوگئے تھے جنگ وجدل میں گذرے - اس میں سب سے زیادہ مشہور لڑائی کدش (نزد کوہ الوند) کی ہے - جہاں فرعون کو قریباً شکست ہوچکی تھی مگر اسکے دشمنوں کی حماقت سے کہ لوٹ مار میں مصروف ہوگئے - لڑائی کا پانسہ یکایک پلٹ گیا اور رامسس ظفریاب ہوا - بعدہ اس نے اپنے وطن پہنچکر اس فتح کے مرقعے اور حالات بکثرت مندروں و یادگاروں میں لکھوا کر مشتہر کئے اور اسکے دربار کے ایک مشہور شاعر پنٹار نے بھی ایک قصیدہ لکھا

اعظم کی مانند بادشاہ پیدا ہوئے جنکی فتوحات چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ وہی زمانہ تھا کہ مصر سرتاج عالم تھا اور غیر قومیں اسکی ہیبت وجبروت سے لرزتی تھیں۔ مگر اب کیا حالت ہے خود بادشاہ اپنی زبان سے غیر ملکیوں کو حامی و مددگار سلطنت کہتا ہے۔ اور جنہیں کبھی ہماری غلامی پر ناز تھا اب انکی رفاقت کا دم بھرتا ہے (اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر غمزدہ آواز سے) ہیہات! میرے پیارے وطن۔ میری محبوب ملکہ جس کے زیب بدن کبھی لباس خسروانہ تھا!

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) جس میں یہ بیان کیا کہ جب بادشاہ تن تنہا دشمن کے زغہ میں پھنس گیا تھا تو اس نے را سے دعا مانگی۔ سورج دیوتا فوراً موجود ہوا۔ اور آناً فاناً میں غنیم کی فوج اسکی مدد سے منتشر ہوگئی۔ بعدہٗ تہایت سے اور لڑائیاں بھی ہوئیں جن کا آخری نتیجہ یہ تھا کہ رامسس کو فلسطین اور فنیقیہ کا ایک حصہ مل گیا۔ دونوں قوموں میں صلح ہوگئی اور شاہ ہتائت کی لڑکی بھی بادشاہ کے عقد میں آگئی۔ رامسس نہایت اولوالعزم مگر ساتھ ہی حد درجہ مغرور بادشاہ تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ تمام فراعنہ مصر سے اس کا مرتبہ بلند ہو جائے۔ اسی لئے نہایت سختی کے طریقہ سے اس نے اپنے کارنامے جگہ جگہ کندہ کرائے۔ اس کے زمانہ میں امن را کی پرستش کو بڑا عروج تھا۔ نیوبیا میں اس نے اس دیوتا کا ایک مندر اونچی پہاڑی پر بنایا جس کے آثار مندر ابو سنبل کے نام سے مشہور ہیں اور رامسس کا ایک بہت بڑا بُت بھی وہاں موجود ہے۔ تھیبز میں بھی اس نے امن را کا وہ عالی شان "معبد ظفر" بنایا جسے رامیسم کہتے ہیں اور کرناک (Carnac) میں بھی اسی بادشاہ نے ستونوں دار وہ عظیم الشان دیوان (ہال) تعمیر کرایا تھا جس کی نظیر آج تک تمام دنیا میں نہیں مل سکتی ہے۔ باوجود اس سب کے ہم اُسے اعظم نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ معمولی قابلیت کا شخص تھا اور اُس سے بھی بڑھکر عظیم الشان بہت سے فراعنہ مصر پر حکومت کر چکے ہیں۔ اسکی ممی آج کل قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ناک طوطے کی طرح اونچی تھی اور چہرہ بھی شاہانہ رعب وداب سے خالی نہ تھا۔ اسکی خاص ملکہ کا نام نفرتری تھا۔ مگر اسکے علاوہ بھی اسکے حرم میں بکثرت عورتیں تھیں اور اُسکی اولاد بھی دو سو سے زیادہ تھی جس پر اُسے فخر و ناز تھا۔"

(ماخوذ از ڈونلڈ مکنزی۔ متھ اینڈ لیجنڈ)

اب ایک بہبوا کی طرح اپنے چہرہ پر رنگ و روغن لگائے بھڑکیلے و جھوٹے کپڑوں کو قابل فخر و ناز سمجھتی ہے۔" فرعون مارے غصہ کے لال ہو گیا اور اپنا پیر زور سے زمین پر مار کر چلا کے کہنے لگا۔

بادشاہ۔ وہ گستاخ اور بیوقوف لڑکے، تیری زبان درازی حد سے گذر گئی۔ کیا تیری عقل میں فتور آگیا؟ اور یہ نہیں دیکھتا کہ مصر کی جو شان و شوکت آج کل ہے وہ کبھی اُس سے پہلے بھی نصیب تھی۔ رامسس (Rameses) نے بیشک بڑی بڑی فتوحات کیں اور خون کی ندیاں بہادیں مگر میرے زمانہ حکومت میں ملک کی تجارت اقصائے عالم تک پھیل گئی اور بجائے قتل و غارت کے دولت و تمول کا مینہ برسنے لگا۔ رامسس (Rameses) نے اپنے نام کی خاطر رعایا کی مصیبت و تباہی کی کچھ پرواہ نہ کی۔ انکے پسینہ اور خون کو پانی کی طرح بہایا۔ میرے عہد سلطنت میں بھی خون بہا ہے مگر عموماً دوسروں کا۔ رعایا نے محنت و مشقت کی ہے مگر اُن کاموں میں جن سے اُنہیں کا فائدہ، خوشحالی بہتری مقصود تھی۔ نگاہ اُٹھا کر دیکھ، میل ہا میل تک نیل کے کنارے ہزاروں شہر خوشحال و خوش و خرم لوگوں سے آباد ہیں۔ ایک چپہ بھی زمین نہیں جو بنجر پڑی ہو۔ یا زراعت سے خالی ہو۔ اور عدل و انصاف کا یہ حال ہے کہ شیر خوار بچے اپنے گہوارہ میں چین سے سو رہے ہیں۔ بکری و شیر ایک گھاٹ پانی پی رہے ہیں۔ مجرم و گنہگار بھاگے بھاگے پھرتے ہیں کہیں انہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اس پر بھی کسی دشمن کو حوصلہ ہو تو شوق سے آئے۔ ہمارے پاس نہ صرف قلعے اور دریا، سمندر و ریگستان ہیں جنہیں دیوتاؤں نے ہمارا قدرتی پاسبان بنایا ہے بلکہ تمام وطن پرست مصری اپنے ملک کی حفاظت کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے نیز انکی امداد کے لئے تین ہزار جنگجو یونانی موجود ہیں جن کی دلیری و بہادری کی دنیا میں کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔ رامسس (Rameses) کا میری حکومت سے مقابلہ عبث ہے۔ اس نے ملک گیری و جبر و تشدد کو اپنے عارضی نام و نمود کا ذریعہ ٹھہرایا۔ میں نے

اپنی صلح جوئی اور امن پسندی سے سچی علیش وخوشی کا مزا چکھایا جو کبھی انکے دل سے محو نہو گا۔

شاہزادہ۔ یہ سب صحیح مگر میں یہی کہونگا کہ مصر ایک شجر ہے جس کی بیخ وبنیاد میں گھن لگ گیا ہے۔ مال ودولت کی ہوا وہوس نے ہمارے دلوں کو مسخ کر دیا ہے۔ دوسروں کا علیش وعشرت دیکھا دیکھی ہماری سادہ روی میں بھی فرق آگیا ہے۔ اور زر کی محبت کے پیچھے سب کو بھول بیٹھے ہیں۔ اب یہ ایک معمولی بات ہوگئی کہ مصری یونانیوں کے بہکانے سے اپنے قدیم دیوتاؤں پر ہنسی اُڑاتے ہیں اور لوگوں میں ذات پات کا تفرقہ روز بروز بڑھتا جاتا ہی اور بغض وحسد، فتنہ وفساد کی زیادتی ہورہی ہے اور نہ صرف آپس میں بلکہ یونانی سپاہیوں اور غیر ملکیوں سے آئے دن جھگڑے وفساد ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ سلطنت کا ایک پتھر دوسرے کو رگڑ رگڑ کے گھس رہا ہے جس کا کسی دن یہ نتیجہ ہوگا کہ تمام عمارت منہدم وبرباد ہو جائیگی۔ قبلۂ عالم! یہ حالت دیکھکر جو مجھے سوہان روح ہوتا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ اور گستاخی معاف آج میں اُسکا اظہار کئے بغیر نہ رہونگا۔ میری زبان بند نہ ہوگی اور دل کے تمام پھپولے پھوڑ ونگا۔ دیکھئے آپ تو ہمارے مقدس پروہتوں کی مخالفت میں لگے رہے جن سے سلطنت کو کتنی بڑی تقویت تھی اور باہر کی خبر نہ لی کہ ایک چھوٹی سی قوم جو کچھ دن ہوئے ایسی حقیر وادنی سمجھی جاتی تھی کیا سے کیا ہوگئی اور ایک عفریت کی طرح مشرق سے مغرب تک تمام قوموں کو چٹ کرتی ہوئی ایسی عظیم الشان ہوگئی کہ اُسکی ہیبت وقوت سے اب تمام دنیا تھراتی ہے۔ آپ کا یہ فرض تھا کہ لیدیہ اور بابل کی مدد کرکے ان ایرانیوں کی سرکوبی کرتے اور اُن کو سر اُٹھانے کا موقع نہ دیتے مگر بجائے اسکے ان کمبخت یونانیوں کی امداد کی اور انکے جھوٹے دیوتاؤں کے مندر بنانے میں روپیہ صرف کر ڈالا۔ حتیٰ کہ ایرانی جب اس قدر بڑھ گئے کہ نصف دنیا انکی مطیع ہوگئی اور کوئی اُنکے سامنے چوں نہیں کر سکتا تو دیوتاؤں کی کرپا سے ایک اور ہی خیال آپ کے دل میں پیدا ہوا۔ ایک نئی تدبیر سوجھی۔ یعنی جب کمبوجیہ (Cambyses) کو آپ سے تعلقات پیدا کرنے کی

خواہش ہوئی تو بجائے اسکے کہ اپنی اصلی بیٹی کو بھیجکر ملک کے سر سے یہ بلا ٹال دیتے۔ آپ ایک غیر کی لڑکی کو اسکے حوالہ کرنا چاہتے ہیں اور ایک اولوالعزم شہنشاہ کو دہوکہ دینے کی فکر میں ہیں۔ اور اُس پرطرہ یہ کہ ایک ایسے شخص کی جان بخشی کرنا چاہتے ہیں جسے یہ راز معلوم ہے۔ اور جو جب چاہے ہمارے ملک کو اپنی ریشہ دوانیوں سے تباہ و برباد کرسکتا ہے؟"

بادشاہ (جو غصہ سے کانپ رہا تھا اور ولیعہد کی جلی کٹی باتوں کو صبر کے ساتھ سُن رہا تھا اب اپنے آپے سے باہر ہوگیا۔ اس زور سے چلاکر بولا کہ تمام کمرہ گونج اُٹھا) "کمبخت لڑکے تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر مجھے اپنی اولاد و نسل سے اتنی محبت نہ ہوتی تو ملک کے فائدہ کے لئے کس کو سب سے پہلے بھینٹ چڑھاتا؟ تو اس قدر کینہ پرور و شیخی باز ہے لیکن یہ بھی خبر ہے کہ ہماری اس قدیم و عظیم الشان سلطنت کو آیندہ برباد کرنے والا کون ہے؟ وہ تو ہے! سامطیق تو ہی وہ بدنصیب شخص ہے جس کے چہرہ پر ہنسی نہیں آتی۔ جس کا دل دوسروں کی محبت سے خالی ہے اور جس سے سب لوگ ڈرتے ہیں۔ تو ہی ہے جسے دیوتاؤں نے ازل سے اس ملک کا برباد کرنے والا قرار دیدیا ہے۔ اُنہیں کی پھٹکار ہے کہ تیرا دل اس قدر سخت ہے اور انہیں کی ناراضی و خصومت ہے جو ہمیشہ تیرے شامل حال رہے گی۔ اور جو کام کریگا کبھی اُس میں کامیابی نہ ہوگی۔ میں نے اپنی محبت پدری کے سبب سے اس راز کو ابھی تک تجھ سے پوشیدہ رکھا تھا۔ مگر اب مناسب ہے کہ ظاہر کردوں۔ اچھا تو سُن۔ جب مجھے فرعون متوفی پر فتح حاصل ہوئی تھی تو اُسے مجبوراً اپنی بہن کو میرے عقد میں دینا پڑا تھا۔ ایک سال بعد اسے حمل قرار پایا۔ اور تیری پیدائش کی رات میں اُسی کے ساتھ سو رہا تھا کہ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ملکہ دریائے نیل کے کنارے پڑی ہوئی درد جگر کی مصیبت سے کراہ رہی ہے اور صنوبر کا ایک پودہ اسکے قلب سے نمودار ہو رہا ہے۔ یہ پودہ بڑہتے بڑہتے بہت بڑا درخت بنگیا اُس کی شاخیں تیری ماں کے لپٹ گئیں اور اُسے گھونٹ کر مار ڈالا۔ میں خوفزدہ ہوکر

بھاگنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں مشرق سے ایک بڑا زبردست طوفان اُٹھا کہ جس نے درخت کو گرا دیا اور اُس کی شاخیں ٹوٹ کر دریائے نیل میں گر پڑیں جس سے اُس کا پانی یکایک رُک کر منجمد ہو گیا اور اُس کی شکل ایک بہت بڑی ممی (یعنی نعش حنوط کردہ) کے مانند ہو گئی۔ اور جتنے شہر تھے چھوٹے ہوتے ہوتے کوزے اور صراحیاں بن کر میت کے پاس رکھے ہوئے نظر آئے۔ پھر میری آنکھ کھل گئی اور فوراً معبروں کو بلا کر اس خواب کی تعبیر پوچھی مگر کسی سے تشفی نہ ہوئی تو لبیبن امّن (Lybian Ammon) کے مشہور پروہتوں کو میں نے طلب کیا۔ جنہوں نے سر جھکا کر یہ جواب دیا "تیری بیوی کے بطن سے ایک لڑکا ہوگا جس کے پیدا ہوتے ہی وہ مر جائے گی۔ یہ لڑکا بہت بدنصیب، بدخلق و بدمزاج ہوگا۔ اسی کے زمانہ حکومت میں ایک قوم مشرق سے حملہ آور ہوگی اور تمام ملک کو تباہ و برباد کر دے گی۔" (سا مطیق بُت کی طرح خاموش تھا۔ اُس کی حالت متغیر ہونے لگی تھی) تمہاری ماں تمہیں جنتے ہی مر گئی۔ تمہاری کنپٹی پر سرخ بال جو اولادِ ٹائفن[۱] (Typhon) کی نشانی ہیں نمودار ہونے لگے۔ تمہاری بدمزاجی و درشت روئی بڑھتی گئی۔ شامت و بدنصیبی نے بلا کی طرح تمہارا ساتھ نہ چھوڑا۔ بیوی بچے سب تمہارے ہی سامنے مر گئے اور نجومیوں کی پیشین گوئی سچی نکلی۔ کیونکہ تمہاری پیدائش کے وقت منحوس سیارہ "سب[۲]" (Seb) آسمان پر نمودار ہوا تھا۔"

۱؎ "ست" دشمن آسرس کو "ٹائفن" بھی کہتے تھے اسکے سُرخ بال تھے اس لئے اس رنگ سے مصریوں کو سخت نفرت تھی اور جب کبھی ان بالوں والا کوئی آدمی سامنے آجاتا تو اُسے اپنی جان چھڑانی مشکل پڑ جاتی بلکہ پرانے زمانہ میں تو ایسے شخص کو مذکورہ بالا دیوتا پر بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔

(ولکنس)

۲؎ "زحل" یا "سینچر" کو "سب" کہتے تھے لیکن "سب" روایات قدیم کی رو سے "آسرس" کا باپ بھی تھا۔ (ڈونلڈ مکنزی)

یہ سُنتے ہی سامطیق جس کی حالت پہلے سے ناگفتہ بہ تھی اب بالکل بیقابو ہوکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اور یہ الفاظ اُس کی زبان سے نکلے۔

شاہزادہ۔ "بس بس۔ اے ظالم باپ! رحم کھا۔ میں نے کیا کیا ہے کہ تو اس طرح بقصور میرے دل کو برچھیاں بھونک بھونک کر زخمی کر رہا ہے" پھر اپنا منہ کپڑے کے دامن سے چھپا کر باپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اماسس نے یہ حالت دیکھی تو اُسے بھی رحم آگیا۔ اُس کا غصہ فوراً ٹھنڈا پڑ گیا۔ اُسے اپنی پیاری بیوی کا خیال آیا جو چالیس برس ہوئی مرچکی تھی اور اپنے آپ کو دل میں نفریں کرنے لگا کہ غصہ میں ناحق شہزادہ سے ایسی بات کہدی جس نے اس کو اس قدر آزردہ وغمگین کر دیا۔ شاید خود اسی کا قصور ہے اُسے چاہیئے تھا کہ اپنے لڑکے سے کبھی کبھی شفقت پدرانہ کا اظہار کیا کرتا اور اسکے ساتھ ہمدردی کرکے افسردہ دلی کو مٹاتا۔ اس لئے اس وقت اس نے اپنے گزشتہ برتاؤ کی تلافی کرنا چاہی جھک کر شہزادہ کو اُٹھا کر گلے سے لگا لیا اور اُس کی پیشانی پر بوسہ دیکر نہایت شفقت سے کہنے لگا۔

بادشاہ۔ "میرے پیارے بچے! معاف کر۔ غصہ میں معلوم نہیں میرے مُنہ سے کیا کیا نکل گیا۔ مگر میرے دل میں اب بھی تیری ویسی ہی محبت ہے۔ تیرا ضدی پن، سرد مہری و بے رُخی برسوں سے میرے لئے سوہانِ روح تھی اور آج جو تو نے ایسی باتیں کیں تو میں اپنے غصہ کو ضبط نہ کر سکا۔ خیر اب جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب آیندہ سے ہم دونوں ایک دوسرے کا پاس ولحاظ رکھیں گے۔ اور متفق و یکدل ہو کر کام کریں گے۔

شہزادہ نے نہایت ادب سے گردن جھکا دی اور باپ کے دامن کو بوسہ دیا

بادشاہ۔ "نہیں میرے منہ کا بوسہ لے۔ (شہزادہ نے تعمیل حکم کی) ہاں اب یہ ٹھیک ہے۔ اسی طرح کا برتاؤ باپ بیٹے میں ہونا چاہیئے۔ میرا خواب سُن کر پریشان نہ ہونا۔ خواب و خیال دھوکہ کی باتیں ہیں۔ کبھی دیوتاؤں کی طرف سے آتے بھی ہوں تو تعبیر دینے والے تو انسان ہی ہیں جو اکثر غلطی کھایا کرتے ہیں۔ تمہارا ہاتھ اب تک کانپ رہا ہے چہرہ کیسا

اترا ہوا اور زرد ہے! میں نے واقعی تمہارے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کیا کہ باپ ...

شاہزادہ "کہ کوئی غیر و اجنبی کے ساتھ بھی نہ کرتا۔ آپ نے مجھے بالکل ہی پامال کر دیا۔ میں یوں ہی غمزدہ و افسردہ دل تھا مگر آج سے رہی سہی تمام خوشی میرے دل سے مفقود ہو گئی"

بادشاہ - (شہزادہ کے بازو کو محبت سے پکڑ کر) "نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں نے زخمی کیا ہے تو اس کے علاج کی بھی قدرت رکھتا ہوں۔ اچھا اب اپنی سب سے بڑی کوئی دلی خواہش بیان کرو۔ میں اُسے پورا کرنے کا وعدہ کرتا ہوں"

یہ سنتے ہی ساآمطیق کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اُسکے مرجھائے چہرہ پر بجالی آگئی۔ اور اور بغیر ایک لمحہ توقف کئے کانپتی ہوئی زبان سے بولا۔

شاہزادہ "بد ذات فنیس کو میرے حوالے کر دیجئے"۔

یہ سُنتے ہی بادشاہ پر سکتہ کا عالم ہو گیا۔ وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر ایک آہ سرد بھر کر آہستہ سے یوں جواب دیا۔

بادشاہ "کیا کہوں۔ میں نے زبان دیدی ہے اور اب پلٹ نہیں سکتا مگر کاش کہ تم نے مجھ سے نصف سلطنت مانگی ہوتی تو اُس کے دینے میں مجھے عذر نہ ہوتا۔ میرا دل اندر سے بولتا ہے کہ اس کام کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اور نہ صرف میرے خلاف شان ہے بلکہ ہمارے خاندان و سلطنت کی تباہی کا باعث ہوگا۔ اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ سوچ سمجھ لو کہیں بعد میں پچھتانا نہ پڑے اور یہ بھی آگاہ کئے دیتا ہوں کہ فنیس کے ساتھ جو جی چاہے کرو۔ مگر روڈونس کا ایک بال بھی بیکا ہوا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ اور خیال رہے کہ یونانیوں کو یہ حال نہ معلوم ہونے پائے۔ افسوس! فنیس کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ اس کا سا سپہ سالار۔ مشیر اور سچا بہی خواہ دوست مجھے اب کہاں ملے گا؟ فنیس ابھی تک تمہارے قابو میں نہیں ہے اور یہ ملحوظ رہے کہ اگرچہ آپ اپنے کو بڑا چالاک سمجھتے ہیں مگر وہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ ہاں اور اس کے عوض تم بھی یہ قسم کھاؤ کہ روڈونس کی

نواسی کا خیال اپنے دل سے نکال دو گے۔ میں جانتا ہوں کہ اس سے تمہیں کچھ زیادہ تکلیف نہ پہنچے گی کیونکہ تم کو انتقام محبت سے زیادہ عزیز ہے۔ شیتینس کی پیدائش کے متعلق اگر تمہیں کچھ اور دریافت کرنے کی خواہش ہو تو میں جتائے دیتا ہوں کہ وہ ایک ایسا راز ہے کہ اگر اپنی سلامتی چاہتے ہو تو کبھی اس کو زبان پر نہ لانا۔"

سامطیق نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور جوش مسرت سے اُسکے ہاتھ کا بوسہ لیا۔

بادشاہ۔ (شہزادہ کو رخصت کر کے) "اچھا تو جاؤ اور میری نصیحت یاد رکھنا اور جہاں تک ہوسکے ظلم و تعدی سے کام نہ لینا۔ تمہارا چہرہ کیسا بحال ہو گیا! (فینیس کی خیالی تصویر سے مخاطب ہو کر) غریب یونانی! کیا اچھا ہوتا کہ تو اس ملک کی طرف کبھی نہ آیا ہوتا۔"

جب سامطیق رخصت ہو کر چلا گیا تو بادشاہ اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا بڑی دیر تک ٹہلتا رہا۔ اپنے وفادار جنرل کی خون آلودہ شکل اُسکی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ اور کفِ افسوس ملنے لگا کہ کیوں میں (اسکے قتل پر) شہزادہ کے کہنے سے راضی ہو گیا۔ پھر سوچا ممکن ہے کہ اس میں کچھ مصلحت ہو اور یہ شخص خطرناک ثابت ہو کر آئیندہ کوئی نقصان پہنچائے۔ اس خیال کے آتے ہی ایک گونہ تشفی ہو گئی۔ اور خادم کو آواز دیکر اُس نے ایک انگڑائی لی اور لاپروائی کے ساتھ ہنستا ہوا کمرے کے باہر چلا گیا۔ معلوم نہیں کہ یہ ہنسی اصلی تھی یا اضطراب دلی کو چھپانے کے لئے ایک بہانہ یا کوشش تھی۔

ساتواں باب

سئیز

سا مطیق محل شاہی سے نکلتے ہی سید ہا معبد نیتھ[۱] کی طرف روانہ ہوا - وہاں پہنچتے ہی اس نے بڑے پروہت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی - مگر نیتھوتف اسوقت دیوی کی پوجا پاٹ میں مصروف تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اسکے پاس جا سکے - اس لئے شہزادہ باغ میں ایک حوض کے کنارے جس پر سفید چنار کے درختوں کا سایہ تھا بیٹھ کر انتظار کرنے لگا - کچھ دیر کے بعد نوجوان پجاری نکلا اور اسے اپنے ساتھ لیچلا - دونوں ایک چوکور صحن پر سے گذرے - جس کا فرش پتھروں کا تھا اور ان پر ایک ایسا چمکدار مصالحہ لگا ہوا تھا کہ سورج کی روشنی میں شیشے کی طرح چمکگا رہے تھے - بعدازاں ایک لانبی غلام گردش میں داخل ہوئے جس کے دورویہ اُبوالہول کی مورتوں کی قطاریں مندر کے بڑے پھاٹکوں پیلان[۲] (Pylons) تک چلی گئی تھیں - یہاں ایک بہت بڑا پھاٹک نظر آیا جسپر

---

[۱] اس دیوی کی پرستش لیبیا سے آئی - اسکی شکل عورت کی ہے جسکے سر پر مصر کا زریں تاج اور ہاتھ میں ہل اور دو تیر ہیں - وہ مویشیوں کی چراگاہ و نباتات کی محافظ تھی - اسلئے اسکے دست و پا اور چہرہ سبز رنگ کے تھے - اسکے جسم پر جولاہوں کے ایک آلہ کی شکل بنی تھی اور وہ انکی مربی سمجھی جاتی تھی - عوام الناس نے اس زمانہ میں اس کا مرتبہ بہت بڑھا دیا تھا - اور اُسے آسس کی شکل دیگر سمجھتے تھے - اسکے نام "مخفی" پوشیدہ تھے - کہا جاتا تھا کہ وہ از خود پیدا ہوئی - اور کنواری و ناکتخدا ہے - اسکے بڑا باپ کا ایک بیٹا سبک (بشکل مگرمچھ) تھا جس کا اوتار فرعون سمجھا جاتا تھا - (ولکنس و ڈونلڈ مکنزی)

[۲] مندر کے عظیم الشان پتھر کے پھاٹک جن کی دیواریں عموماً ڈھلواں ہوتی تھیں - (ایسیر)

متعدد دیر دار قرص[ل] سورج کی شکل کے کھدے ہوئے تھے۔ یہ پھاٹک اس وقت کھلا ہوا تھا اور اسکے دونوں طرف اونچی اونچی برجیوں اور چوکور میناروں پر خوشنما جھنڈیاں اور پھریرے اڑ رہے تھے۔ اُس کے اندر داخل ہوتے ہی وہ ایک دالان سے گذرے جس میں دو رویہ ستونوں کی قطاریں تھیں اور جہاں دیوی کو بھینٹ . . . وغیرہ چڑھائے جاتے تھے۔ اسی کے سامنے وہ عالی شان و قلعہ نما عمارت تھی جس کا بیرونی حصہ خوشنما رنگین تصاویر و نقش و نگار سے مزین تھا اور جو دیوی کا خاص و اصلی مندر رہے۔ اسکی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ایک کمرہ ملا۔ جس سے ہوتے ہوئے ایک بہت بڑے ہال میں پہنچے۔ یہ ہال جسے ایوان کہنا چاہیئے نہایت عظیم الشان تھا۔ اس میں بڑے بڑے ستونوں کی چار قطاریں تھیں جن کی چوٹیاں کنول کی شکل کی تھیں اور اسکی چھت نیلگوں تھی جو آسمان کی طرح ہزاروں سونے کے ستاروں سے جگمگا رہی تھی۔ اس کے درو دیوار، ستون، و طاق وغیرہ رنگین تصاویر اور خوشنما حروف پیکانی سے مزین و مرصع تھے۔ یہ ایوان طرح طرح کی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ اس میں عود و لوبان کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ قریب کے معالموں سے معطر و معنبر بخارات آ رہے تھے اور کسی پوشیدہ مقام سے نہایت دلکش راگوں کی آوازیں پیہم سنائی دیتی تھیں اور ساتھ ہی وقتاً فوقتاً آسس کی گایوں کے ڈکارنے اور حورث کے بازوں کے چیخنے کی آواز بھی کان میں آتی تھی۔ یہ جانور جو نہایت متبرک سمجھے جاتے تھے۔ اس ایوان کے قریب ہی ایک مخصوص مکان میں نہایت احتیاط و حفاظت کے ساتھ بند تھے انکی آوازیں کبھی بلند ہو کر جب مسلسل بڑی دیر تک آتی رہتی تھیں تو بعینہ معلوم ہوتا کہ بادل گرج رہا ہے یا بجلی کڑک رہی ہے جس سے حد درجہ مرعوب ہو کر پرستش کرنیوالے بے اختیار سجدہ میں گر پڑتے تھے اور نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ دعائیں مانگنے لگتے تھے اور

ل یہ "حورث" کے نشان تھے جنہیں مصری اُسکی فتح کی یادگار سمجھتے تھے اور تبرکاً اپنے مکانات کے دروازوں اور مندر کے پھاٹکوں کے باہر کندہ کراتے تھے۔ (ایبر)

پھر سر اٹھاکر بڑی ہیبت و تعظیم سے ان دیوتاؤں کو دیکھتے تھے جو ایوان کے بڑے سرے پر واقع تھے اور صرف ایک ہی تپھر سے نہایت خوبی کے ساتھ کاٹ کر بنائے گئے تھے یہی وہ خاص عبادت گاہ ہے جو سب سے زیادہ مقدس سمجھی جاتی ہے اور جہاں عوام کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ اس کے اندر اس وقت بہت سے پروہت کھڑے تھے۔ انکے برہنہ سروں پر شتر مرغ کے پر بندھے ہوئے تھے۔ سفید لباس زیب تن تھا اور چیتے کی کھالیں شانوں پر پڑی ہوئی تھیں۔ یہ پروہت کبھی جھکتے، کبھی سیدھے ہوتے اور پھر اشلوک و بھجن بُدبُداتے یا زور سے پڑھتے ہوئے اپنے اگر دانوں کو ادھر اُدھر جنبش دیتے اور سونے کے برتنوں سے پوتر جل چھڑک کر دیوتاؤں کو دھار چڑھاتے تھے۔

یہ بتکدہ اتنا بڑا تھا اور اس کا ساز و سامان ایسا عجیب و غریب تھا کہ اس میں داخل ہوتے ہی انسان اپنے کو حد درجہ ناچیز و حقیر سمجھنے لگتا تھا۔ دنیوی خیالات اسکے دماغ سے غائب ہو جاتے۔ ہوش و حواس جواب دینے لگتے اور کسی اور ہی عالم میں اپنے کو پاتا جسکی پُراسرار آوازیں پرماتما کے قرب کا یقین دلاتیں اور دہشت و ہیبت سے تمام بدن تھر تھر کانپنے لگتا۔ شہزادہ کی عبادت کے لئے ایک گدی دار زرین چوکی تھی جسکے قریب سرنگوں ہو کر وہ اُلٹے پیر واپس آیا اور بڑے ہال سے گذرتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں حورث[۱] کے باز اور آسس[۲] و نبتھ کی گائیں موجود تھیں۔ اسکے سامنے ایک نہایت بیش بہا

---

[۱] "حورث" یا ہورس۔ اس دیوتا کو بہ شکل باز یا "پردار قرص" دکھایا جاتا ہے۔ مختلف دیوتاؤں یعنی "را" وغیرہ کے ساتھ ضم ہو کر اس کی مختلف صورتیں ہو گئیں اور دوسری اور صفتیں بھی اسکی ذات میں داخل ہو گئیں۔ منجملہ اُنکے وہ بادشاہوں کا محافظ بھی خیال کیا جاتا تھا ۱۲

[۲] آسرس، آسس و حورث کے متعلق جو روایات مصریوں میں مشہور تھیں اُنہیں ہم اب بالتفصیل لکھنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب "را" دنیا سے بیزار ہو کر آسمان پر چلا گیا تو ہر طرف ابتری

زر لفتی پر دہ حائل تھا۔ تاکہ عوام جنہیں صرف شاذ موقعوں پر دور سے درشن کی اجازت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھیل گئی۔ لوگ درندوں وحشیوں کی طرح رہنے لگے۔ آسرس کے پیدا
ہونے کا زمانہ قریب آیا اور ایک ندائے غیبی نے عاقلان تھیبنر کو مطلع کیا " آگاہ ہو کہ تمام دنیا کا مالک
اب پیدا ہونے والا ہے"۔ آسرس بادشاہ ہوا۔ اس نے وحشیوں کو تمدن و تہذیب سکھائی۔ اس نے
اور اس کی بیوی آئسس دونوں نے ملکر انہیں زراعت و کاشتکاری کی تعلیم دی۔ جب وہ اپنے
ملک کی اصلاح کر چکا تو پھر تمام دنیا کو تعلیم و تلقین کرنے کی غرض سے نکلا اسکی غیبت میں اسکی بیوی
انتظام سلطنت کرنے لگی۔ مگر آسرس کا ایک بد ذات بھائی تھا جسے اس سے بہت حسد تھا۔ اور وہ خود
حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اس کا نام ست تھا۔ غرضکہ جب آسرس اپنے سفر سے واپس آیا تو اسکی آمد
کی خوشی میں ایک بہت بڑا جشن منعقد ہوا جس میں ست بھی مع اپنے ۷۲ بدمعاش ساتھیوں کے
جو ملکہ حبش کی رعایا تھے شامل ہوا۔ وہ اپنے ساتھ ایک نہایت خوشنما صندوق بنوا کر لایا تھا۔
جب دعوت ختم ہو گئی تو سب مہمانوں نے اس صندوق کی بڑی تعریف کی۔ ست نے کہا کہ جس کسی
کے قد کے برابر ہو گا یہ اسی کو دیدونگا۔ اس پر سب نے اسکے اندر لیٹ کر آزمائش کی۔ آخر آسرس
صندوق کے اندر لیٹا۔ ست تو اسی کا منتظر تھا اس نے فوراً اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا جنہوں
نے جلدی سے صندوق کا ڈھکنا رکھ کر اسے کیلوں سے جڑ دیا اور اس طرح غریب آسرس کو مقید کر کے
صندوق اٹھا کر باہر لیگئے اور اسے دریائے نیل میں پھینک دیا۔ آئسس کو جب خبر ہوئی تو اس
نے بہت آہ و بکا کی۔ اور اپنے شوہر کی لاش ڈہونڈنے نکلی۔ ست تاج و تخت کا مالک
بن بیٹھا۔ اور حد درجہ مظالم و تشدد کے ساتھ رعایا کو عاجز و تنگ کرنے لگا۔ آئسس جنگل و بیابان
میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ سات بچھو اس کے محافظ تھے۔ را کو اس پر رحم آیا اس نے انوبس کو جو آسرس
و نیپتھس (دروایت ہے کہ یہ ست کی بیوی اور آئسس کی بہن تھی جو آسرس پر عاشق ہو گئی تھی اور
اس سے ایک حرامی لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انوبس تھا) کا بیٹا تھا اسکی رہنمائی کے لئے بھیجا۔
اسی اثنا میں آئسس کے ایک لڑکا حورس پیدا ہوا۔ ست کو اسکی خبر ہو گئی۔ اسنے دونوں کو

جاتی تھی انکو نہ دیکھ سکیں۔ گایوں کے سامنے سونے کے برتنوں میں دودھ، نمک، روٹی

پکڑنا چاہا مگر تھوتھ دیوتا نے اُسے آگاہ کردیا۔ وہ اپنے لڑکے کے ساتھ نکل کر بھاگی۔ اور شہر توتو میں پہنچکر وہاں کی ناگن دیوی کی حفاظت میں اُسے دیدیا۔ ایک دن ایک بچھو نے اُسے کاٹ لیا اور مرگیا۔ اُسس بہت روئی۔ توراکو بھی رحم آیا۔ اس نے تھوتھ کو (بحیثیت طبیب آسمانی) بھیجا جس نے حورث کو دوبارہ زندہ کردیا۔ اب آسرس کی لاش کا یہ حال ہوا کہ صندوق دریائے نیل سے بہتا ہوا بحر قلزم میں پہنچا اور شہر بیلوس (ملک شام) کے ساحل پر لہروں نے اُسے اچھال کر پھینک دیا۔ یہاں اسکے گرد ایک عظیم الشان درخت فوراً اُگ گیا جس نے اپنے تنے میں اس صندوق کو چھپا لیا۔ شہر کے حاکم کو جب معلوم ہوا تو وہ اس عجیب شجر کو دیکھنے کے لئے آیا۔ اور اُسکے حکم سے اسکا تنا کاٹ کر محل میں بطور ایک ستون کے استادہ کردیا گیا۔ آسس کو اب خبر ہوئی تو وہ جہاز پر سوار ہوکر شہر بیلوس آئی۔ اور معمولی عورتوں کا لباس پہنے ساحل پر بیٹھ کر رونے لگی۔ اتنے میں محل کی چند خادمائیں اس طرف سے نکلیں اور اُس کا حال دریافت کرنے لگیں۔ آسس نے انکے بالوں کو منتر پڑھکر معطر کردیا۔ پھر جب وہ اپنی ملکہ کے پاس گئیں تو وہ انکے بالوں کی خوشبو سونگھ کر گرویدہ ہوگئی۔ اور اُنہیں حکم دیا کہ اجنبی عورت کو اسکے سامنے لائیں۔ آسس بادشاہ کے بچے کو دودھ پلانے کے لئے مقرر کی گئی۔ لیکن جب رات ہوئی تو وہ ایک چڑیا بن کر درخت کے تنے کو ڈھونڈھنے نکلی۔ اور جب وہ مل گیا تو دوسرے دن بادشاہ سے اُس نے وہ درخت کا تنہ مانگ لیا اور اسکے اندر سے صندوق نکال کر خالی تنہ کو خوشبودار کپڑوں سے لپیٹ کر واپس کردیا۔ جسے بادشاہ نے متبرک سمجھکر ایک مندر بناکر رکھا اور صدیوں تک شہر بیلوس کے لوگ اسکی پرستش کرتے رہے۔ جب آسس مصر پہنچی تو اپنے شوہر کی لاش کا صندوق ایک جگہ چھپا کر حورث کو دیکھنے نکلی لیکن اتفاقیہ ست چاندنی رات میں سور کا شکار کھیلنے نکلا تھا۔ اس نے اس صندوق کو دیکھ پایا۔ اور اسے کھول کر آسرس کی لاش کے چودہ ٹکڑے کئے اور حکم دیا کہ انہیں دریائے نیل میں پھینک دیا جائے تاکہ گھڑیال و مگرمچھ کھا جائیں۔ لیکن ان جانوروں نے انہیں نہ چھوا۔ (اسی لئے وہ مقدس جانوروں میں شمار کئے گئے) اور وہ ٹکڑے بہتے ہوئے دریا کے

اور چند خاص قسم کے پھولوں کا ایک ملیدہ بنا ہوا رکھا تھا۔ اور یہ بند بھی نہایت خوبصورت

بقیہ صفحہ گزشتہ۔ مختلف حصوں میں منتشر ہو گئے۔ آئسس کو جب خبر ہوئی تو وہ بہت روئی چلائی
اور ایک کشتی میں بیٹھ کر انہیں ڈھونڈھنے نکلی اور جہاں جہاں وہ ٹکڑے ملے انہیں دفن کر دیا۔ اور
آیندہ زمانہ میں وہاں بڑے بڑے مندر بنائے گئے اور صدیوں تک ان میں آسرس کی پرستش
ہوئی۔ اب حورس جوان ہو گیا تھا۔ ایک رات اس نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا کہ اس سے
کہتا ہے کہ میرا انتقام لے۔ حورس نے قسم کھائی کہ اپنے بدذات چچا سے ضرور بدلہ لیگا۔ پھر اس نے
ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور ست کو شکست دیکر بھگا دیا۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جب
آسرس کے جسم کے ٹکڑے مل گئے تو آئسس اور نیپتھس دونوں نے انہیں اکیجا جمع کر کے آہ و
بکا شروع کی۔ تب را کو رحم آیا جس نے انوبس اور تھوتھ کو آسمان سے بھیجا۔ انہوں نے ان ٹکڑوں
کو جوڑ کر اور کپڑے کی پٹیاں لپیٹ کر ایک ممی بنا دیا (اسی لئے آسرس دیوتا کو بشکل ممی پوجتے تھے)
پھر آئسس ایک پرند بن کر اس کا طواف کرنے لگی۔ اور اس کے پروں سے ایک ایسی خوشبو نکلی کہ
آسرس پھر زندہ ہو گیا۔ مگر بعدہ دیوتاؤں نے اُسے آسمان پر بلا لیا۔ اور وہ دوسری دنیا میں مُردوں کا بادشاہ
اور اُنکے اعمال کا جج مقرر ہو گیا۔ مصریوں کے بعض میت کی رسمیں اسی روائت کی وجہ سے ظہور میں آئیں
مثلاً مقبرہ کے ایک حجرہ میں مردہ کی ممی کو کھڑا کر کے رکھتے تھے۔ اور اُسکے رشتہ داروں میں سے دو
عورتیں آئسس و نیپتھس کا پارٹ لیکر ایک منتر پڑھتی تھیں تاکہ جب مردہ آسرس کی عدالت گاہ میں
پہنچے تو وہاں سے سرخرو و کامیاب ہو کر بہشت میں جائے۔

اسطرح آسرس و آئسس دیوتاؤں کے مرتبہ پر پہنچکر آغاز زمانہ میں زراعت و کاشتکاری
کے مربی دیوتا سمجھے جاتے تھے۔ پلوٹارک (مشہور یونانی فلسفی مورخ) مذکورہ بالا روایت کو ایک
قسم کی "الیگری" یعنی تشبیہ و استعارہ خیال کرتا ہے۔ یعنی آسرس سیلاب نیل ہے۔ آئسس
سرزمین مصر کا سیر حاصل حصہ ہے حورس وہ بخارات ہیں جو بادلوں کو پیدا کر کے مینھ برساتے ہیں۔
بوتو مصر کی وہ دلدل و جھیلیں ہیں جہاں بخارات پیدا ہوتے ہیں۔ نیپتھس ریگستان کا وہ کنارہ ہے

طلائی پنجروں میں بڑے آرام سے بند تھے اور انکی خوراک و غذا کے لئے بھی خاص طور

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جو کبھی کبھی سیلاب سے سرسبز ہوتا ہے۔ انوبس بنجر زمینوں کی پیداوار۔ ست یا ٹائفو سمندر جو دریائے نیل کو نگل جاتا ہے۔ ست کے ساتھی خشکی جو رطوبت پر غالب آتی ہے ملکہ حبش جنوبی ہوائیں جو مینھ کو برسنے نہیں دیتیں۔ آسرس کے اعضا یا جسم کے ٹکڑے دریائے نیل کی مختلف نہریں ہیں۔ صندوق کنارہ نیل ہے جسکے اندر سیلاب کے بعد دریا چلا آتا ہے اور فتح ہورس (حورث) بارش کی وہ قوت ہے جس سے سیلاب پیدا ہوتا ہے۔

زمانہ مابعد میں آسرس، آسس و حورث کی تثلیث قایم کی گئی اور جس طرح دوسرے دیوتاؤں کو عروج ہوتا گیا انہیں بھی اسکے ساتھ ملاتے گئے۔ انکے متعلق اور بھی مختلف عقائد و روایتیں پیدا ہوتی گئیں جنمیں سے بعض حسب ذیل ہیں:۔

آسرس۔ ست دیوتا کا بیٹا تھا۔ نت اور آسس اسکی مائیں تھیں اسلئے اپنی ماں کا شوہر ہوا (اکثر دیوبان جنہیں مہانا کہتے تھے یہ عجب رشتہ رکھتی تھیں) بعض کہتے تھے کہ آسس اسکی بہن تھی اسی لئے شاید بھائی بہن کا عقد مصر میں روا رکھا گیا۔ آسرس توالد و تناسل کا بھی سبب خیال کیا جاتا تھا۔ اسی لئے ایک خاص تہوار کے زمانہ میں اسکے لنگ کی شکلیں بناکر رسی سے باندھتے تھے اور عورتیں اپنے ہاتھ میں لیکر انہیں گھماتی ہوئی سڑکوں پر گاتی ہوئی نکلتی تھیں۔ آسرس مصریوں کا سب سے بڑا قوی دیوتا تھا۔ اور گوتاہ، را، امن وغیرہ بھی بڑے بڑے تھے۔ لیکن آسرس کی ہر جگہ عزت تھی۔ اور آخری زمانہ میں اسی کی پرستش کا سب سے زیادہ رواج ہوا۔ اور یونانیوں نے بھی اسے اپنا دیوتا مان لیا۔ اسکے مشہور معبد فلی اور ابی دوس میں تھے۔ فلی (قدیم پالک) ایک نہایت متبرک جزیرہ تھا۔ جہاں بہت کم لوگوں کو جانے کی اجازت تھی۔ حتی کہ چڑیاں تک اس طرف سے اڑکر نہ جانے پاتی تھیں۔ عوام کا خیال تھا کہ یہاں آسرس کی قبر ہے۔ اسی لئے وہاں اس دیوتا کی سب سے بڑی "مسٹریز" (خفیہ رسومات مذہبی) ہوتی تھیں۔ اور خاص اوقات پر پجاریوں کا ایک شاندار جلوس اسکے مرقد پر پھول چڑھانے نکلتا تھا جہاں خاص پروہت مقرر تھے جن کا قاعدہ تھا کہ روزانہ (۳۶۰) پیالے دودھ سے

سے انتظام کیا جاتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بھر کے سب دیوتاؤں کے نام چڑھاتے تھے۔ اس جزیرہ میں آئسس کا بھی ایک مندر تھا جہاں حورث کا مقام مولود تھا جسکی عزت عیسائیت کے بعد بھی لوگوں کے دل سے نہ گئی اور اسی کو دیکھ کر پادریوں نے کنواری مریم کا ایک گرجا وہاں بنا دیا اور آئسس و مریمؑ اور حورث و عیسیٰؑ دونوں کو باہم ملا دیا (نعوذ باللہ من ذالک) قدیم زمانہ میں اسرس کے متعدد تہوار "مسٹریز" ہوتی تھیں۔ آخر الذکر کا حال بہت کم معلوم ہے وہ اسقدر مقدس تھیں کہ کوئی انہیں زبان پر نہ لاسکتا تھا بعض یونانی فلسفیوں کو چھوٹی "مسٹریز" میں شامل ہونیکی اجازت مل گئی تھی۔ بڑی رسومات کے رازداں بننے کیلئے سخت شرائط تھیں۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ "یہ مسٹریز" سیئز میں منعقد ہوتی تھیں۔ وہ انہیں بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہے اور لکھتا ہے کہ "سیئز میں ایک عبادتگاہ ہے جس کا نام اس موقع پر لینا مناسب نہیں سمجھتا ہوں۔ ایک خاص رات وہاں قربانیاں ہوتی ہیں۔ ہر شخص اپنے گھر کو چراغان کرتا ہے اور چھوٹی چھوٹی پیالیاں (دولیاں) جن میں نمک تیل اور بتیاں ہوتی ہیں رات بھر اپنے مکان کے در و دیوار پر رکھ کر جلاتا ہے۔ نہ صرف سیئز بلکہ تمام مصر میں گھر گھر روشنی ہوتی ہے"۔

اسرس۔ اسکی بہشت اور اسکے "ایپس" یعنی بیل "نندی" کا حال ہم آیندہ بیان کریں گے مگر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ بعض فلسفی اسرس کو خدائے واحد کی صفت رحیمی و رحمانی کا مظہر سمجھتے تھے اور چونکہ وہ شکل انسان میں ظاہر ہوا تھا اس لئے یہ ایک مخفی راز تھا جسے بہت کم لوگوں کو بتایا جاتا تھا۔ اسکے متعدد نام تھے وہ اس عالم میں انسان کی بھلائی و بہبودی کیلئے آیا تھا اور جب اپنا فرض تمام کرچکا تو ست، ٹائفو یعنی شیطان اس پر غالب آگیا۔ مگر اسکے لڑکے حورث (ہورس) نے اسے شکست دی۔ اور دنیا کو تباہی سے بچا لیا۔ ظاہر ہے کہ عیسائیوں کے عقاید اور مسئلہ تثلیث پر مصریوں کے اس مذہب کا کس قدر بڑا اثر پڑا ہے اور صاف طور پر اول الذکر ثانی الذکر سے مستخرج معلوم ہوتا ہے۔

آئسس۔ اس دیوی کی پرستش عام تھی اسے ہاماتا کہتے تھے۔ اسکے دس ہزار مختلف نام تھے اور مختلف دیوتاؤں اور دیویوں کے ساتھ اکثر ملا دی جاتی تھی۔ اسکی شکل عام عورتوں کی طرح تھی مگر اسکا سر کبھی گائے کا ہوتا تھا کبھی اس پر گدھ بیٹھا ہوتا تھا۔ کبھی اس سے پھول و پودے نکلتے تھے اور کبھی اسپر دو سینگ ہوتے

سامطیق یہاں پہلے اکثر آچکا تھا اسلئے زیادہ دیر تک نہ ٹھیرا۔ اور ایک جانب خفیہ زینوں پر چڑھتا ہوا اس کمرہ یا حجرہ کے باہر پہنچا جو معبد گاہ کے متصل تھا اور جہاں پر مہنت اعظم اپنا پوجا پاٹ کر نیکے بعد آرام لیا کرتا تھا۔ یہ کمرہ بھی بڑا خوبصورت وعالی شان تھا۔ اسکی دیواروں پر مذہبی کتبات مختلف رنگوں میں لکھے ہوئے تھے۔ اور دیوتاؤں کی رنگین مورتیں بھی جگہ جگہ رکھی تھیں اسکے فرش پر بابل کے نہایت دبیز اونی وریشمی قالین بچھے تھے اور ان پر ایک زریں آرام کرسی بھی اودے رنگ کے مخملی گدوں سے منڈھی ہوئی رکھی تھی۔ اس کرسی پر ایک سن رسیدہ شخص جسکی عمر قریب ستر برس کے ہوگی۔ اپنے پیر ایک خوشنما چوکی پر رکھے ہوئے آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ اسکے ہاتھ میں کتابت کا ایک لپٹا ہوا پلندہ تھا۔ اور اسکے پیچھے ایک غلام شتر مرغ کے پروں کا پنکھا لیئے ہوئے مگس رانی کر رہا تھا۔ یہی مہا پجاری نیتھوتف تھا۔ اس کا چہرہ جس پر جھریاں بکثرت تھیں کسی زمانہ میں حسین ہوگا۔ اسکی آنکھیں جن سے عقل۔ فراست وخودداری مترشح تھی۔ بڑی اور نیلگوں تھیں۔ اُس نے مصنوعی بالوں کی ٹوپی سر سے اُتار کر ایک طرف رکھ دی تھی اس لیئے اسکی گھٹی ہوئی چکنی کھوپڑی چمکتی نظر آرہی تھی۔ جھریاں اور بھی نمایاں ہوگئی تھیں۔ اور پیشانی غیر معمولی بلند معلوم ہوتی تھی اس کا چہرہ نہایت بارعب تھا۔ اس کا طرز و انداز بھی انوکھا تھا۔ لباس صاف وستھرا، سفید وبالکل سادہ تھا۔ اور گرد وپیش کی آرائش بھی عجیب وغریب تھی۔ ان تمام باتوں کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جنکے درمیان قرص شمسی واقع ہوتا اور وہ اپنے طفل حورس کو گود میں لئے دودھ پلاتی رہتی تھی۔ مصریوں کی روایات کے بموجب روحانی دنیا میں یہ اپنے شوہر کے ساتھ مردوں کی عدالت میں صدارت کرتی ہے۔ پلوٹارک اسے "دھرتی" یا "زمین" سے تشبیہ دیتا ہے اور حیوانات کی اُس فطرت انانی کو جو انکی پیدائش کا باعث ہے اُس سے منسوب کرتا ہے۔ آسرس تخلیق کا سبب اولین ہے یعنی قوت فاعلیہ اور آسس قوت قبولیہ یعنی منفعلہ ہے اور حورس ان دونوں کا نتیجہ ہے۔ حورس (ہورس) اِ یہ عموماً بشکل باز یا پردار قرص دکھایا جاتا ہے مختلف دیوتاؤں (یعنی را وغیرہ) کیساتھ ملا کر اسکی بھی بہت سی صورتیں ہوگئیں اور اکثر دوسری صفتیں اسکی ذات میں شامل ہوگئیں۔ منجملہ انکے وہ بادشاہوں کا محافظ بھی خیال کیا جاتا تھا۔ (ماخوذ از پروفیسر ولکنسن وڈکشنری)

ایک اجنبی ملاقاتی کے دل پر بہت بڑا اثر پڑتا تھا۔ مہاپروہت نے شہزادہ کو دیکھتے ہی حسب مرتبہ اُسکی آؤ بھگت کی۔ اور بڑی محبت و شفقت سے پوچھا" فرزند ذی شان! متبرک دیوی کے اس ناچیز خادم کے پاس کس غرض سے آئے ہو؟"

سامطیق۔ (فتحمندانہ خوشی کا اظہار کرکے مُسکراتے ہوئے) "پیرو مرشد! مجھے آپ سے بہت کچھ عرض کرنا ہے۔ ابھی ابھی بادشاہ کی حضوری سے واپس آرہا ہوں۔

مہاپروہت۔ "اور شاید اس نے تمہاری عرض منظور کرلی اور تمہاری تمنائے دلی برآئی"۔

سامطیق۔ "جی ہاں۔ آخرکار"۔

مہاپروہت۔ "تمہارے چہرہ ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آقائے نامدار تمہارے پدر مکرم بڑے الطاف و محبت کے ساتھ تم سے پیش آئے ہیں"۔

سامطیق۔ "جی ہاں، مگر سخت ناراضی اور عتاب کے بعد۔ جب میں نے بموجب آپکی ہدایتوں کے سب باتیں کہہ سنائیں تو اسقدر غصہ آیا کہ میری جان پر آبنی۔ اور میں سمجھا کہ آج خیر نہیں ہے"۔

مہاپروہت۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے سختی و گستاخی سے کلام کیا ہوگا۔ اور میری اس ہدایت پر کہ نہایت عاجزی کے ساتھ عرض داشت کرنا۔ عمل درآمد نہ کیا ہوگا"۔

سامطیق۔ "بیشک یہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میرا بھی مزاج اسوقت برہم ہو گیا تھا"۔

مہاپروہت۔ "تو اس حالت میں اماسس کو ناراض ہونیکا پورا حق حاصل تھا کیونکہ یہ ہرگز کسی لڑکے کیلئے شایان و مناسب نہیں کہ باپ کے سامنے سخت و سست الفاظ زبان سے نکالے۔ خصوصاً جب اس سے اپنا کوئی کام نکالنا منظور ہو۔ تمہیں شاید بزرگان دین کا یہ قول یاد نہیں کہ "جو کوئی اپنے باپ کی عزت کرتا ہو اُسکی عمر زیادہ ہوتی ہے۔" تم میرے شاگرد ہو اور میں ہمیشہ تم کو تنبیہ کرتا رہتا ہوں۔ کیونکہ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جہاں نرمی و آشتی کو اختیار کرنا چاہئیے تھا تم نے ایسی سختی و درشتی کا اظہار کیا ہے کہ تمام کام بگڑ گئے ہیں۔ یاد رکھو! میٹھی زبان سخت کلامی سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتی ہے اور تیز انداز گفتگو و لب و لہجہ پر بھی بہت کچھ انحصار

ہوتا ہے۔ سنو! میں تم سے ایک حکایت بیان کرتا ہوں۔ پرانے زمانہ میں اس ملک کا ایک بادشاہ سنیفرو تھا جو ممفس میں رہا کرتا تھا اس نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ اسکے منہ کے تمام دانت گر گئے ہیں۔ اسکی تعبیر اسنے ایک نجومی سے پوچھی جس نے یہ جواب دیا کہ اے بادشاہ! تیرے خاندان پر سخت آفت آنیوالی ہے اور سب عزیز و اقارب تیرے ہی سامنے مر جائیں گے۔ یہ سنکر بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے اس بدزبان شخص کو سزا دیکر شہر بدر کر دیا۔ بعدہ ایک دوسرے معبّر کو بلایا۔ جس نے عرض کیا کہ اے جلیل القدر بادشاہ! خوش ہو کہ تو اپنے خاندان میں سب سے زیادہ مدت تک زندہ و خوش و خرم رہے گا۔ بادشاہ یہ سن کر نہایت مسرور ہوا اور اس نے نجومی کو تحفہ تحائف دیکر رخصت کیا۔ حالانکہ اس نے بھی پہلے شخص کی طرح وہی بات کہی تھی مگر اس خوبی سے مطلب ادا کیا تھا کہ بری نہیں معلوم ہوئی۔ تم بھی اس حکایت سے سبق حاصل کرو اور آئندہ احتیاط سے کام لو۔ اور اپنے مضمون کو بطریق احسن ادا کیا کرو تا کہ سننے والے کے دل پر خراب اثر نہ پڑے۔"

ساماطیق "پیر و مرشد! آپنے اکثر مجھے یہی نصیحت کی ہے اور میں بھی دیکھتا ہوں میری سخت کلامی کی وجہ سے اکثر مجھی کو نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ مگر کیا کروں اپنی عادت کو نہیں بدل سکتا۔"

مہاپروہت "نہیں! بلکہ یہ کہو کہ بدلنا ہی نہیں چاہتے۔ کیونکہ عقلمند آدمی جب کسی کام کو کر کے پچھتاتا ہے تو دوبارہ اسکے ارتکاب کا قصد نہیں کرتا۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ بادشاہ کو تم نے بالآخر راضی و خوش بھی کر لیا"

ساماطیق "جی ہاں۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ انکی سخت و سست باتوں سے میرے دل کو بہت رنج پہنچا ہے تو فوراً انکا غصہ فرو ہو گیا محبت پدری نے جوش مارا اور اپنے بخشش و کرم سے تلافی مافات کرنے لگے۔"

مہاپروہت ۔ بادشاہ نہایت رحمدل و شریف مزاج ہے۔ لوگوں کے بہکانے میں آکر ذرا غافل ہو گیا ہے ہماری رائے پر چلتا اور ہماری نصیحت پر عمل کرتا تو آج ملک کی حالت دگرگوں نہ ہوتی اور کسی کو شکایت کا کوئی موقع نہ ملتا

ساماطیق ۔ اس پر اسقدر اثر ہوا کہ آخر میری التجا قبول کر لی۔ پیر و مرشد آپ سنتے ہیں! انہوں نے فنیس کو میرے حوالہ کر دیا!

مہاپروہت ۔ تمہاری آنکھیں خوشی سے کیسی چمک رہی ہیں! شہزادے یہ تمہارے لئے نازیبا ہے فنیس نے

دیوتاؤں کو ناراض کیا ہے اسلئے وہ قابل قتل وگردن زدنی ہے مگر منصف مزاج حاکم کا فرض ہے کہ اگر سزا سے موت دینے پر مجبور ہے تو مجرم کی حالت پر افسوس کرے نہ کہ خوش ہو۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تمہیں اور کوئی بات بھی معلوم ہوئی؟"

سامطیق "۔ بادشاہ نے مجھ سے نلتیتس کی پیدائش کا راز بھی کہہ دیا"

مہاپروہت "۔ اور کچھ"

سامطیق "۔ اور کچھ بھی نہیں۔ کیا آپ راز کو سننا نہیں چاہتے؟"

مہاپروہت "۔ رازجوئی عورتوں کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ مجھے جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو پہلے ہی سے معلوم ہے"

سامطیق "۔ مگر کل تو آپ ہی نے فرمایا تھا کہ تمہارے والد سے ان تمام باتوں کا کھوج لگاؤ گا"

مہاپروہت "۔ اس سے مجھے تمہارا امتحان لینا منظور تھا کہ دیوتاؤں کے حکم کی کتنی عزت کرتے ہو اور اُس راستہ سے بھٹک تو نہیں گئے جس پر ترقی کرکے اگر اس قابل ہوئے تو ایک دن آسمانی رازوں کے حامل ہوگے۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ تم میں فرمانبرداری کا مادہ ہے اور اپنے بیان میں دروغ ومبالغہ سے کام نہیں لیتے جو پروہت کا سب سے بڑا فرض ہے"

سامطیق "۔ تو کیا جناب کو نلتیتس کے حسب ونسب کا حال پہلے ہی سے معلوم تھا؟"

مہاپروہت "۔ میں بذات خود شاہ ہوفرا کی تجہیز وتدفین کے وقت موجود تھا۔



سامتیک ''۔ اور اس راز سے کس نے آپ کو خبر کی؟''

مہا پروہت ''صاحبزادے! تمہیں کیا معلوم نہیں کہ علم نجوم[۵۱] میں مجھے کس قدر مہارت حاصل ہے اور اجرام فلکی مجھ سے تمام حالات بیان کر دیا کرتے ہیں۔''

سامتیک ''کیا یہ ستارے کبھی جھوٹ نہیں بولتے؟''

مہا پروہت ''کبھی نہیں۔ کبھی اس شخص کو دہوکہ نہیں دیتے۔ جو انکی علامات ونشانیوں کو پوری طور سے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہے'' یہ سنتے ہی سامتیک کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اُسے بادشاہ کا خواب اور اپنا منحوس زائچہ یاد آ گیا اور مہیب شکلیں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگیں۔ بوڑھا پروہت شاہزادہ کا یہ رنگ دیکھ کر فوراً تاڑ گیا اور کہنے لگا ''تم شاید اپنی نحس ساعت ولادت پیدائش کی سوچ میں ہو کہ اس سے مفر پانا محال ہے۔ مگر گھبراؤ نہیں۔ دلکو ڈھارس دو اور خوش ہو کہ اس زمانہ کے نجومیوں کو ایک دوسرے نچھتر کی خبر نہ تھی جیسے میں نے اب معلوم کیا ہے۔ تمہارا زائچہ ازحد خراب تھا مگر ممکن ہے کہ بدل جائے۔ ممکن ہے....''

سامتیک۔ (بیتابی کے ساتھ) ''پیر و مرشد۔ جلد فرمائیے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟''

مہا پروہت ''ہاں ہاں! ممکن ہے کہ اچھا ہو جائے۔ بشرطیکہ تم یہ وعدہ کرو کہ دیوتاؤں کی خدمت میں تمام تر اپنی زندگی صرف کر دو گے اور انکے احکام پر جو ہمارے ہی ذریعہ نافذ ہوا کرتے ہیں آنکھیں بند کر کے عمل درآمد کیا کرو گے۔''

سامتیک ''میں وعدہ کرتا ہوں کہ تا زیست دیوتاؤں کی اطاعت سے سرمو گریز نہ کرونگا۔''

مہا پروہت (نہایت متانت کے ساتھ) ''شاباش! میری دعا ہے کہ سیز کی مبارک

---

[۵۱] مصری نہایت غور سے اجرام فلکی کے حرکات کا برسہا برس سے مطالعہ کرتے رہے تھے۔ اور انکے اثرات کو بھی کہ فلاں موقعہ پر ہونے سے کیا واقعات یا حادثات پیش آئے لکھ لیتے تھے اور اس سے پیشنگوئی کر سکتے تھے کہ فصل کیسی ہوگی، بیماری پھیلے گی، زلزلہ آئیگا یا سیلاب ہوگا۔ اور انسانی قسمتوں پر کیا اثر پڑیگا۔ یونانیوں نے مصریوں ہی سے اس علم کو حاصل کیا۔ اور علم ہیئت کی بھی اس سے بنیاد پڑی۔

دیوی نیتھ تمہیں ثابت قدمی کی ہدایت دے۔ (کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نہایت محبت سے) اچھا بیٹا اب رخصت۔ میں بوڑھا ہوں اور آج اتنی پوجا کی ہے کہ تھک گیا ہوں فینس کے قتل میں اگر کچھ توقف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ اسکے عزیزوں سے پہلے میں اس سے مل کر کچھ کہہ سن لوں۔ میں نے سنا ہے حبشی سپاہی کل آگئے ہیں۔ یہ نہ مصری سمجھتے ہیں نہ یونانی زبان سے واقف ہیں۔ میری رائے میں اگر کوئی ایسا معتبر شخص مل جائے جسے یہ معلوم ہو کہ یونانی کس جگہ پوشیدہ ہے تو اس کی سرداری میں ان حبشیوں سے بڑا کام نکلے گا اس لئے کہ زبان کے نہ جاننے سے وہ اس راز کو کسی پر افشا نہ کر سکیں گے انہیں ہرگز نہ بتانا چاہیئے کہ کس غرض سے بھیجا جاتا ہے۔ اور جب مطلب پورا ہو جائے تو فوراً انہیں اپنے ملک واپس کر دینا چاہیئے۔ بہر حال نہایت ہوشیاری سے کام لینا۔ اور خیال رکھنا کہ جو راز ایک سے زیادہ آدمیوں کو معلوم ہو گیا وہ قریباً طشت از بام ہو گیا۔ اچھا تو اب جاؤ۔ دیوتا تمہیں سلامت رکھیں۔" سامتیک کو رخصت ہوئے چند لمحے بھی نہ گذرے تھے کہ ایک نوجوان پروہت جو بادشاہ کے خدام میں سے تھا۔ حاضر ہوا۔ اور آداب بجا لاکر مہا پروہت سے اس طرح مخاطب ہوا "حضور والا! میری خبر صحیح تھی کہ نہیں؟"

مہا پروہت "شاباش۔ میں تجھ سے بہت خوش ہوں کہ بادشاہ و شاہزادہ کی گفتگو کا ایک حرف بھی تجھ سے نہیں چھوٹا۔ آمن تیری قوت سامعہ ہمیشہ ایسی ہی قوی و برقرار رکھے!"

خادم۔ "پیرو مرشد! میں تو کیا۔ کوئی بہرا بھی ہوتا تو بھی قریب کے کمرہ سے بادشاہ کی گفتگو کا ایک ایک حرف سن لیتا۔ وہ ایک بیل کی طرح ڈکار رہا تھا۔"

مہا پروہت "چپ۔ خبردار! ایسے گستاخانہ الفاظ فرعون کی شان میں پھر کبھی تیری زبان سے نہ سنوں۔ یہ بھی دیوی کا طفیل ہے کہ اسکی طبیعت میں احتیاط کا مادہ نہیں۔

اور اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ اب جا۔ اور اگر اماسس کا خیال بدل جائے اور فینیس کو بچا نے کا ارادہ کرے تو فوراً مجھے اطلاع دینا میں اسی جگہ ملونگا۔ باہر میرے خادموں سے کہہ دینا کہ کسی ملاقاتی کو نہ آنے دیں کیونکہ مجھے فرصت نہیں ہے اور مطالعہ و عبادت میں مصروف[۱] ہوں۔"

ادہر تو شہزادہ سامتیک فنیس کی گرفتاری کی تدبیریں کر رہا تھا اُدہر کرودسس مع اپنے رفقا کے شاہی بجرہ پر بیٹھ کر رووڈفس سے ملنے کے لئے نوکراتیس جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کرودسس کا بیٹا گیجیس اور تینوں ایرانی دوست سیر و تماشہ کے لئے سیئیز میں رہ گئے۔ بادشاہ کی عنایتیں و مہربانیاں ان پر روز افزوں ہونے لگیں۔ اور مصریوں کی

[۱] نیتھوتپ یعنی سیئیز کا مہا پروہت نہایت ذی اقتدار و باا‌ثر شخص تھا۔ ہیروڈوٹس نے جو عام مصری پروہتوں کے حالات بیان کئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرقہ عموماً نہایت متمول تھا۔ انکے لباس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں کہ نہایت صاف ستھرے کتاں کے واسکٹ وغیرہ پہنتے تھے۔ جوتے پیپرس کے تھے۔ طہارت جسمانی کا بہت خیال تھا۔ ہر تیسرے دن اپنے جسم کے تمام بال صاف کر دیتے۔ دن میں دو بار ٹھنڈے پانی سے نہاتے دہوتے اور بوقت شب بھی اتنی ہی بار طہارت کرتے۔ انکی غذا عموماً دریائی پرند مثلاً مرغابی یا گائے کا گوشت و شراب تھی۔ مچھلی ممنوع تھی۔

انکا اقتدار اس لئے اور بھی زیادہ تھا کہ بڑے بڑے دیوتاؤں کے مندر خود مختار تھے۔ انکے انتظامات کا ایک پورا محکمہ تھا جسکے مختلف شعبوں مثلاً خزانہ، سامان آرائش اراضی، مویشی وغیرہ پر حاکم مقرر تھے جنکا مرتبہ شہزادوں سے کم نہ تھا نیز ایک ایک کاتب بھی ہوتا اور انکا افسر اعلیٰ کاتب اعظم کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ ہر مندر میں مزدور، حجام، دربان، کاریگر، صناع، انجنیر اور دیگر چھوٹے بڑے بہت سے افسر تھے جنکے سپرد بھینٹ، نذرانہ اور بیت المال وغیرہ کی حفاظت تھی۔ بعض مندروں کی خود اپنی فوج تھی اور انکے پروہت اعظم سے فرعون تک ڈرتا تھا۔ اسکی خاص مثال امّن کا معبد تھا یہ وہ بت ہے جو کسی زمانہ میں سب سے بڑا اور عظیم الشان سمجھا جاتا تھا۔ (ماخوذ از ہسٹورین ہسٹری آف ورلڈ)

رسم ورواج کے مطابق ملکہ وشہزادیاں بھی بلا تکلف ان سے ملتی رہیں۔ اماسس سب سے ہنسی مذاق کرتا تھا اور نوجوان ایرانیوں کو اپنی لڑکیوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔ گیجیس کو اسی نے نرد کا کھیل سکھایا۔ مگر مصریوں کا مرغوب ترین کھیل لکڑی و چھلوں کا تھا۔ بردیہ نتتیس کی طرف چھوٹے خوشنما چھلے جن پر رنگین فیتے لگے تھے پھینکتا تھا اور وہ انکو ہاتھی دانت کی ایک نازک چھڑی پر روک لیتی تھی۔ کیا مجال کہ کوئی اس سے چھوٹکر علیحدہ گر پڑے۔ جب بردیہ عاجز آگیا تو چلا کر کہنے لگا "بہن! واقعی تم کو عجیب و غریب مشق ہے۔ ہم بھی وطن پہنچکر اس کھیل کو اپنے یہاں رائج کریں گے۔ ہم لوگ تمہاری طرح نہیں کہ غیروں کی باتوں سے نفرت کریں بلکہ کوئی چیز کہیں کی ہو۔ اگر بہتر ومفید ہے تو فوراً اختیار کر لیتے ہیں۔ میں اپنی والدہ سے عرض کرونگا کہ حرم شاہی میں بھی سب کو یہی کھیلنے کی اجازت دی جائے۔" اس پر پرجیرہ تاشو بولی "دیکھو! بہن انتتیس جب سسرال میں کھیلنا تو کہیں اپنے وطن کی سہیلیوں کو نہ بھول جانا (بردیہ کی طرف ترچھی نظر اور بڑی شرمیلی ادا سے دیکھ کر) اور آپ تو گھر پہنچتے ہی ہم کو بھول جائیں گے۔ ہاں البتہ جب کبھی یہ کھیل کھیلئے گا اور چھلوں کو اڑتا دیکھئے گا تو شاید اس وقت کا لطف اور ہماری بھی ذرہ سی یاد دل میں آجائے۔ کیوں میں سچ کہتی ہوں نا؟" نوجوان ایرانی (مسکراکر) "آپ کیا فرماتی ہیں۔ بھلا میں آپ لوگوں کو کبھی بھول سکتا ہوں۔ آپ کی عنایتیں اور مہربانیاں ہمیشہ مجھے یاد رہیں گی۔"

(دوسری شاہزادی سے مخاطب ہوکر) مجھے یقین ہے کہ آپ کا دل ہمارے ملک میں کبھی نہ گھبرائیگا۔ ابھی آپ کو معلوم نہیں کہ ہم لوگ کیسے ہیں۔ جب اچھی طرح ملئے جلئے گا تو اصلی حالت معلوم ہو جائیگی۔ (ہنس کر) ہم ایشیا والے حسن وخوبصورتی کے بڑے مداح وودلدادہ ہیں جس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ کئی کئی بیویاں کرتے ہیں۔"

اس جملہ پر نتتیس تو ایک آہ سرد بھر کر خاموش ہو رہی۔ مگر ملکہ نے تیز ہوکر جواب دیا۔ "اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ ہم عورتوں کی طبیعت کو سمجھنے سے ابھی تک بالکل

قاصر ہو۔ برد یہ! تمہیں شاید وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ عورت جو اپنے خاوند کی عاشق زار ہے اور اپنا تمام جان و مال اس پر نثار کرنے کو تیار ہے۔ اُس کے دل کی کیا حالت ہو گی۔ اگر اس سے کہا جائے کہ اس کے پیارے شوہر کی نگاہ میں اسکی قدر و قیمت ایک خوشنما گڑیا، کھلونے، یا پرند وغیرہ سے کچھ زیادہ نہیں۔ اب رہا سوکن کا جلاپا وہ تو اس سے بھی زیادہ ہزار گنا سوہان روح ہو گا۔"

اماسس۔ (بردیہ سے ہنس کر) "ملکہ کو دیکھا کیسی جلی کٹی باتیں کرتی ہے۔ جس کے سُننے سے خواہ مخواہ شبہ ہوتا ہے کہ کہیں میری طرف سے تو کوئی شکایت کا موقعہ نہیں ملا۔ مجھ سے قسم لے لو۔"

ملکہ۔ "نہیں میرے پیارے۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ اس معاملہ میں تم مصری تمام قوموں سے افضل و برتر ہو کہ جب ایک سے دل لگ گیا تو کبھی بیوفائی نہیں کرتے اور ہمیشہ ثابت قدم رہتے ہو۔ بلکہ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ دنیا کی کوئی عورت[۵۱] مصری بیویوں سے زیادہ خوش نصیب نہیں ہو سکتی۔ یونانیوں ہی کو دیکھو کہ سامان زندگی کی زیب و زینت انہیں خوب آتی ہے۔ مگر اپنی عورتوں کی جیسی قدر کرتے ہیں وہ سب پر ظاہر ہے۔ ان غریبوں کا بچپن کا زمانہ بند مکانوں میں بڑی بوڑھیوں کی سخت نگرانی

---

[۵۱] اہل مصر اپنی ملکہ کی بادشاہ سے زیادہ عزت کرتے تھے۔ عورتیں ولیعہد ہو سکتی تھیں۔ خود تخت پر بیٹھ سکتی تھیں یا اپنے شوہر کو بٹھا سکتی تھیں۔ لوگ جب اپنی نسل یا خاندان کا شجرہ بیان کرتے تو بہ نسبت باپ کے ماؤں کا زیادہ ذکر کرتے۔ مصری عورتیں نہ صرف گھر کی مالکہ کہلائی جاتی تھیں اور انتظام خانہ داری میں پوری طور سے مختار تھیں بلکہ اپنی جائداد وغیرہ کو بھی جس طرح چاہتیں صرف کر سکتی تھیں۔

مصری عموماً ایک ہی بیوی پر قناعت کرتے تھے اور اسکے ساتھ وہی برتاؤ کیا جاتا تھا جو آجکل یورپ میں پایا جاتا ہے۔ یعنی پرائیوٹ و پبلک زندگی میں جنس اناس کے حقوق ہر حالت میں مرد و نہ افضل سمجھے جاتے تھے۔ (ایبر)

میں چرخہ پونی کات کات کر کس بری طرح گذرتا ہے۔ اور جب بڑی ہوتی ہیں تو کسی اجنبی شخص کے ساتھ جسے شاید کبھی دیکھا بھی نہ ہوگا ان کا عقد کر دیا جاتا ہے۔ اور زنان خانہ میں علیحدہ رہتی ہیں۔ شوہر جو باہر اپنے کام کاج میں پھنسا رہتا ہے بہت کم اندر آتا ہے کبھی اتفاق سے کوئی بہت بڑا دوست یا عزیز واقارب ملنے کے لئے آگئے تو بہ مشکل بیوی کو سامنے آنے کی اجازت دی جاتی ہے اور وہ غریب دور الگ بیٹھی ہوئی شرم سے آنکھیں نیچی کئے انکی باتیں سنتی رہتی ہے اور کچھ اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتی۔ افسوس کہ مرد یہ نہیں سمجھتے کہ عورتوں کے دلوں میں بھی دنیا کے حالات معلوم کرنے وعلوم وفنون حاصل کرنے کی خواہشیں موجزن ہیں۔ اور اگر انہیں جاہل رکھیں گے تو خود انہیں کی آیندہ نسلوں کے لئے برائی ہے کیونکہ ماں کی تعلیم وتربیت کا اثر بچہ پر بہت بڑا ہوتا ہے اور ایک جاہل ماں جس کا علم نہایت محدود ہے سوائے جہالت کے اپنی اولاد کو کچھ نہیں سکھا سکتی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اکثر یونانی مرد اپنی بیویوں سے گھبرا جاتے ہیں اور انکی صحبت میں لطف نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے باہر نکل کر کسبیوں[1] یا آوارہ عورتوں سے ناجائز تعلقات پیدا کرتے

[1] یونان میں کسبیوں کے بھی مختلف مدارج تھے۔ معمولی درجہ میں وہ تھیں جن کا تعلق افرودیت دیوی کی پرستش سے تھا۔ سب سے اعلیٰ طبقہ میں جن کا شمار تھا انہیں ہٹیری کہتے تھے۔ یہ ہندوستان کی ڈیرہ دار رنڈیوں کی طرح رہتی تھیں۔ اور بڑے بڑے شہروں مثلاً کارنتھ واتھنز میں زیادہ تر تھیں۔ قانون سولن کے مطابق انکا وجود ملک میں ضروری تھا تاکہ خاندانوں میں خرابیاں نہ پیدا ہوں۔ مجرد لوگوں کا انکے یہاں جانا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر شادی شدہ کے لئے ممنوع تھا۔ بعدہ جب بداخلاقی بڑھی تو یہ قید بھی اٹھ گئی۔

یہ عورتیں شہر کے ایک جداگانہ محلہ میں رہتی تھیں اور عموماً غلاموں کے طبقہ سے تھیں یا آزاد شدہ غیر ملک کی عورتیں تھیں۔ یونانی النسل عورت کا اس پیشہ کو اختیار کرنا نہایت غیر معمولی بات سمجھی جاتی تھی عموماً یہ ہٹیری نہایت حسین، تعلیم یافتہ، ذہین وحاضر جواب ہوتی تھیں۔ بڑے بڑے لوگوں کے یہاں مدعو کی جاتیں۔ یا وہ خود انکی مجلسوں میں آتے اور انکی صحبت وگانے بجانے سے محظوظ ہوتے تھے۔

ہیں۔ یہ عورتیں خواہ ایسی حسین نہ ہوں مگر مردوں کی صحبت میں برابر اٹھنے بیٹھنے سے بڑی ہوشیار ہو جاتی ہیں۔ اور انہیں پھنسانے و لبھانے کے تمام گر معلوم کر لیتی ہیں۔ اور اپنے ناز و انداز، حاضر جوابی، و لطیفہ سنجیوں سے مرد کو ایسا گرویدہ کر لیتی ہیں کہ وہ اپنی غریب بیوی کا کبھی نام تک نہیں لیتا اور بالکل انہیں کا ہو جاتا ہے۔ مگر مصر کا حال بالکل مختلف ہے یہاں نوجوان لڑکیوں کو اچھے لوگوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ ہمیشہ میلے ٹھیلے، تہوار، دعوتیں و جلسے ہوتے رہتے ہیں جہاں ہر دو جنس باہم ملتے جلتے ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کرتی ہیں اور ایک حد تک اپنے ساتھی کا خود ہی انتخاب کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ شادی ہونے کے بعد بیوی بجائے ایک لونڈی کے ایک سچے ہمدم و رفیق کی حیثیت سے رہتی ہے اور اپنے خاوند کے ہر کام میں مدد کرتی ہے۔ چند خاص اور بڑی بڑی باتوں کو اس پر چھوڑ دیتی ہے۔ مگر افکار خانہ داری کو اپنے ذمہ لے لیتی ہے اور اس میں ایسی قابلیت و جوہر دکھاتی ہے کہ زندگی کا عیش اسی کی ذات سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اور نیز اپنا علم و تجربہ و دنیا شناسی کی بدولت اولاد کی تعلیم و تربیت بھی بطریق احسن انجام دینے کے قابل ہوتی ہے۔ عورت کی سب سے بڑی صفت اس کی پارسائی اور سلیقہ خانہ داری ہے اور اسکے شوہر کی خوشی و راحت کا تمام تر انہیں باتوں پر دار و مدار ہے۔ اس لئے اگر وہ اسکی سچی دلدادہ و بہی خواہ ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ وہ بھی اُس کا قدردان ہے تو کبھی ان دونوں باتوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیگی اور اس کی نظروں میں اپنے کو ذلیل و حقیر نہ ہونے دیگی۔

ہم عورتوں کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہی بات کریں گے جو ہمیں پسند آئے یا ہمارے فائدہ کی ہو۔ مگر ہمارے مصری خاوند اس خوبی کے ساتھ ہم سے برتاؤ کرتے ہیں کہ سوائے اچھی باتوں کے اور کسی دوسری طرف ہمارا خیال ہی نہیں جاتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔) بعض اوقات یہ تھیٹروں میں بھی پارٹ لیتی تھیں۔

(نٹلشپ کلاسکل ڈکشنری)

اگر یونانی شاعر ہپونکس اس ملک میں پیدا ہوتا تو کبھی اُسے عورتوں کی ہجو کرنیکی ہمت نہ پڑتی اور نہ یہاں پنڈورا[1] کا قصہ ایسا مقبول عام ہو سکتا۔"

دارا۔ "یہ کون نامعقول حضرت ہیں جنہوں نے عورتوں کی اس طرح مذمت کی ہے۔"

اناسس۔ یہ وہ یونانی شاعر ہیں جنکی دلیری و جوانمردی کی واقعی داد دینا چاہیئے۔ کیونکہ میں تو ایک شیرنی کی دم پکڑ کر ناچنے پر تیار ہو جاؤں مگر عورت کو چھیڑنے کی ہمت نہ کروں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ ہپونکس کے اشعار کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں ؎

زندگی تم ساتھ عورت کے جو کرتے ہو بسر	اس میں دو دن کے سوا کوئی خوشی کا دن نہیں
ایک تو وہ دن ہی جب وہ حجلۂ شادی میں ہو	دوسرا وہ دن ہی جب وہ دفن ہو زیر زمیں

[1] پانڈورا یونانی اساطیر میں سب سے پہلی عورت کا نام ہے۔ اسکی پیدائش کا قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب پرامتھوس نے آسمان سے آتش چرا کر انسان فانی کو تقسیم کر دی تو زیوس نے اس کا توڑ کرنا چاہا۔ اس کام کے لئے اس نے ہفاسٹوس کو حکم دیا کہ مٹی کی ایک عورت بنائے جسے دیوتاؤں نے اپنی اچھی سے اچھی نعمتیں عطا کیں ہفاسٹوس نے انسانی آواز دی۔ افرودیت نے اپنا حسن و لبھاؤ عطا کیا۔ ہرمیز نے اپنی چالاکی و چاپلوسی دی۔ زیوس نے ایک مرتبان دیا جسے پنڈورا کا صندوق کہتے ہیں۔ اور اس میں تمام قسم کی بلائیں بھر دیں اس ساز و سامان کے ساتھ اسنے پنڈورا کو اپی می تھوس کے پاس بھیجا جس نے اپنے بھائی پرامتھوس کی یہ نصیحت فراموش کر کے کہ زیوس کی کوئی چیز مت قبول کرنا۔ اسے اپنی بیوی بنا لیا۔ یہاں آکر پنڈورا نے اپنا مرتبان کھولا تو اس میں سے تمام بلائیں نکل نکل کر عالم میں پھیل گئیں۔ تو صرف ایک امید اندر رہ گئی جسے ابھی باہر نکلنے کا موقعہ نہ ملا تھا کہ صندوق بند کر دیا گیا۔

بعض کا قول ہے کہ مرتبان میں بلائیں نہیں بلکہ برکتیں بند تھیں جو اگر کھول کر ضائع نہ کر دی جاتیں تو انسان کے لئے موجب فلاح ہوتیں۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

ملکہ لیڈرس۔ (اپنے کانوں میں انگلی دیکر چلائی) بس بس۔ اپنی زبان بند کیجئے۔ ایرانی! دیکھتے ہو۔ اماسس کو مجھے تنگ کرنے میں کیسا لطف آتا ہے۔ جب اُنکے جی میں آتا ہے مجھ ہی کو اپنے مذاق وچھیڑ خانیوں کا نشانہ بناتے ہیں حالانکہ میں جانتی ہوں کہ یہ اوپری باتیں ہیں اور دل سے میرے ہی موافق ہیں۔ (نگاہ محبت سے دیکھ کر) ان سے اچھا شاید ہی کوئی اور۔۔"

اماسس۔ (ہنس کر) "اور تم سے بُری شاید ہی کوئی دوسری بیوی ہو۔ کیونکہ تمہاری باتوں سے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ کہیں سے مول لیکر مجھے اپنی غلامی میں لائی ہو۔ بس اب یہاں زیادہ ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ میں رخصت ہوتا ہوں۔ ابھی ان لڑکوں کو سیئنز کی سیر کرانا ہے۔ خیر چلتے چلاتے ایک غزل اور سُناتا جاؤں جس میں بدذات سمی موئی ڈیس[۱] نے سب سے اچھی عورت کی اس طرح تعریف کی ہے :۔

ہے وہ خوش طالع ملے جسکو زن نیکوسیر
گھر کی آبادی کا سرمایہ ہیں انکی الفتیں ؛
اُس زنِ نیکوسیر کو ملتی ہے اولاد جب
نام روشن کرتے ہیں ماں باپ کا ہو کر جوان
قابل مدح وثنا ہے ایسی بیوی کا وجود ؛
آسمانی برکتیں رہتی ہیں اُس کی دم کے ساتھ
عورتوں میں ذکر غیبت کا کبھی ہوتا ہے گر
ایسی دانشمند، ایسی نیک سیرت بیویاں

اُسکی خدمت سے سدا پاتا ہے وہ نشو و نما
لطف میں کٹتی ہے انکی زندگی صبح و مسا
پیاری اماں کہہ کے کرتی ہیں خطاب اُسے سدا
گو وے ماں باپ کے ہوتے ہیں وہ جس دم جدا
شان اُسکی ہے بلند اور مرتبہ اُس کا بڑا
خلوت وجلوت میں شوہر کی وہ کرتی ہے ثنا
رکھتی ہیں اپنے تئیں وہ ایسی صحبت سے جدا
خوش نصیبوں ہی کو کرتا ہے زئیس عطا

یہ تمام باتیں میری پیاری لیڈرس پر صادق آتی ہیں۔ اچھا تو اب رخصت۔"

بردیہ "ذرا ٹھیر یئے۔ میں ابھی آپ کو جانے نہ دونگا۔ معلوم نہیں میری منسوبہ بھادج کے

[۱] یہ شاعر سنہ ۶۵۰ ق م گذرا ہے۔ اسنے عورتوں کی ہجو میں بہت سے اشعار لکھے ہیں اور انہیں مختلف جانوروں سے تشبیہ دیکر ہنسی اُڑائی ہے۔ صرف ایک غزل میں شہد کی مکھی سے تعبیر دیکر انکی مدح سرائی کی ہے۔

دل میں کیا کیا خیالات آرہے ہونگے۔ ایرانیوں پر عورتوں کی ناقدری کا اتنا بڑا الزام لگایا گیا ہو کہ اس کا جواب دینا ضروری ہے۔ مجھے بولنا نہیں آتا۔ دارا تم میری طرف سے جواب دو۔ کیونکہ فن تقریر میں تم کو اتنا ہی ملکہ ہے جتنا کہ شمشیر بازی اور تلوار کا عیب و ہنر پہچاننے میں کمال رکھتے ہو۔"

دارا۔ (ہنسکر) "مجھے بھی کوئی فضول گو یا اسلحہ گر مقرر کیا ہے۔ مگر خیر اب تمہاری خاطر منظور ہو اور میں بھی دیر سے سوچ رہا تھا کہ ان اصحاب کی غلط فہمی دور کرنا ضروری ہے۔ سُنئے جناب ملکہ مکرمہ آپ کی صاحبزادی ہمارے بادشاہ کی لونڈی باندی ہوکر نہ رہیں گی بلکہ اہُرمزد[1] نے اگر

[1] مذہب زردشت میں اس زمانہ تک زیادہ خرابیاں پیدا نہ ہوئی تھیں۔ خدائے بزرگ و برتر جسے اہرمزد یا اہورمزدا کے نام سے پکارتے تھے واحد ولاشریک تھا۔ لیکن اُردشیر دوم کے زمانہ میں ناہید و متھرا (مہر) بھی اسکے شامل ہوگئے۔ اور سینچر کی پوجا جسے منع کیا گیا تھا پھر عود کرآئی۔ ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ دنیا کا انتظام دو قوتوں کے ہاتھ میں ہے ایک نیکی دوسری بدی یعنی اہورمزدا و اہرمن۔ اول الذکر اگرچہ سب سے زیادہ بزرگ و برتر ہے مگر مبدء اولی اور خلاق عالم کی صفت اُس پر عائد نہیں ہوتی۔ اس کا اور اہرمن کا وجود ایک ہی وقت ہوا، روشنی، فضا و زمانہ اُس سے پہلے موجود تھے۔ اہرمن پر وہ پورے طور سے قادر نہیں۔ دونوں ہمیشہ جنگ و جدل میں مصروف ہیں۔ کبھی ایک کو فتح ہوتی ہے کبھی دوسرے کو۔ ہرمزد جو اچھی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ اہرمن (دانگر مینو) یا شیطان انکو فوراً برباد کردیتا ہے۔ زمین بنجر کرنا، کانٹے دار یا زہریلے پودے اُگانا، زلزلہ، آندھی، طوفان لانا، بجلی و اولے گرانا۔ بیماری و مصیبت میں مبتلا کرنا، قحط و وبا سے ملکوں کو تباہ کرنا، وحشی درندے، سانپ، بچھو، مینڈک، چوہے، مچھر، بریاں وغیرہ پیدا کرنا یہ سب اہرمن کے کام ہیں۔ وہ ہمیشہ انسان کو خراب باتوں کی طرف راغب کرتا ہے۔ اور اہرمزدا اسکے شر سے دنیا کو بچانا چاہتا ہے۔ اسی لئے باہم لڑائی رہتی ہے اکثر اس پر غالب آجاتا ہے۔ مگر کبھی زک بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ اہرمزد کے ماتحت بہت سے دوسرے دیوتا ہیں جو اس اہم جنگ و نزاع میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑے متھرا (مہر) اور سروش ہیں۔ متھرا کا مرتبہ ہرمزد کے بعد خیال کیا جاتا تھا۔ وہ سورج دیوتا ہے اسکی پرستش

اپنا فضل کر کے اُس کے دل کو انکی طرف پھیر دیا تو وہ اپنے شوہر کی ہمدم و ہمجلیس اور محبوبہ خاص ہوکر رہے گی۔ ہمارے بادشاہ کی بھی دعوتوں و جلسوں میں انکی بیویاں و بہو بیٹیاں مردوں کے ساتھ شامل ہو سکتی ہیں۔ مگر اسکی صرف خاص موقعوں پر اجازت دیجاتی ہے اور عموماً ہملوگ بھی ہمیشہ اپنی ماؤں اور بیویوں کے ساتھ نہایت اچھی طرح پیش آتے ہیں اور انکے مرتبہ کے مطابق برابر انکا ادب و لحاظ کرتے ہیں۔ کیا آپ ایسے اعلیٰ درجہ کے سلوک و محبت کی جیسا ایک بابل کے بادشاہ[1] نے اپنی ایرانی بیوی کے ساتھ کیا تھا۔ کوئی مثال اپنے ملک میں دے سکتی ہیں۔ وہ اپنے پہاڑی ملک کی آب و ہوا کی عادی تھی اور جب فرات کے چٹیل میدانوں میں پہنچی تو اسکا دل گھبرانے لگا اور وطن کی یاد میں دن رات مغموم رہنے لگی اور بیمار پڑ گئی۔ آپ جانتی ہیں کہ بادشاہ نے کیا کیا؟ اس نے فوراً حکم دیا کہ ایک مصنوعی پہاڑ تیار کیا جائے۔ یہ پہاڑ بڑے بڑے عالی شان محرابوں پر بنایا گیا اس پر مصنوعی نہریں و باغات سجائے گئے اور خوبصورت بارہ دری اور مکانات تعمیر کئے گئے۔ جب تیار ہو گیا تو ملکہ وہیں جا کر رہنے لگی۔"

نٹیٹس۔ (آنکھیں نیچی کر کے) "اور وہ اچھی بھی ہو گئی کہ نہیں؟"

دارا۔ نہ صرف اُسے صحت ہو گئی بلکہ تمام رنج و غم بھی دور ہو گیا۔ اور آپ بھی ہمارے یہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) زردشت سے پہلے بھی ایران میں رائج تھی اور شاہان ہخامنش بھی ہمیشہ اس کا نام لیکر دعا مانگتے تھے۔ سروش خاص پیغامبر فرشتہ ہے اور افواج ملکوتی کا افسر اعلیٰ ہے۔ وہی انسان کے پاس ہر فرد کے گوناگوں نعمتیں لایا کرتا ہے اور مرنیکے بعد بھی ایمانداروں کی روح کو اسکے تخت کے سامنے لیجاتا ہے۔ سروش کے علاوہ اور بھی متعدد ملائکہ ہیں جنکے مقابلہ کے لئے اہرمن کے دربار میں بھی بہت سے یار و مددگار ہیں۔ علاوہ بریں ہزاروں دیو و پریاں اسکی تابع ہیں۔ جو ہمیشہ لوگوں کو ورغلاتے اور بہکاتے پھرتے ہیں۔

(پروفیسر رالنس)

[1] بخت نصر نے اپنی ایرانی ملکہ امیتس کے لئے یہ محل بنوایا تھا (پروفیسر ایر)

پہنچکر تھوڑے ہی دنوں میں اپنے وطن کو بھول جایئے گا۔"

لیبڈرس۔ (مسکراکر) معلوم نہیں کہ خوبصورت ملکہ کی صحت یابی کا سبب مصنوعی پہاڑ ہوا یا خاوند کی محبت جس نے صرف اپنی بیوی کی خوشی کے لئے اتنی بڑی عالی شان عمارت کھڑی کرادی۔" یہ سنکر دونوں لڑکیاں ہم آواز ہوکر بولیں "خاوند کی محبت۔"

پردیبہ۔" وہ مصنوعی پہاڑ ابھی تک موجود ہے اور نتتیس آپ بھی اُسے دیکھ کر بہت پسند کیجئے گا جب دربار شاہی بابل میں آیا کریگا تو میں کوشش کرونگا کہ آپ انہیں پر فضا باغات و محل میں رہا کریں۔"

اماسس۔" اچھا تو اب چلو ورنہ اندھیرا ہو جائیگا اور سیر و تماشہ کا وقت جاتا رہے گا۔ وہ دیکھو! سامنے دو کاتب ایک گھنٹہ سے زیادہ کھڑے ہوئے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ ارے سماچان باڈی گارڈ کے سردار کو حکم دے کہ ہمارے مہمانوں کی حفاظت کے لئے سو سپاہیوں کا ایک دستہ اُنکے جلو میں ساتھ رہے۔"

دارا۔" اسکی کیا ضرورت ہے۔ صرف ایک یونانی افسر یا کوئی دوسرا رہبر ہمارے لئے کافی ہوگا۔"

اماسس۔" نہیں تم ابھی لڑکے ہو اور اس ملک کا حال نہیں جانتے۔ یہاں ایک اجنبی کو بڑی ہوشیاری سے رہنا چاہئے۔ اور ہاں یہ یاد رکھنا کہ راستہ میں کوئی متبرک جانور ملجائے تو اُس سے بچکر چلنا اور تمسخر نہ کرنا۔ اچھا تو میرے بہادر نوجوانو اب رخصت رات کھانے پر پھر ملیں گے۔"

ایرانی محل سے رخصت ہوکر باہر نکلے۔ انکے ساتھ ایک ترجمان ہولیا۔ یہ یونانی تھا اور مصر میں ایک عرصہ سے رہتا سہتا تھا اس لئے دونوں زبانیں بخوبی بول سکتا تھا۔ شہر کی خوشنما سڑکیں محل کے قریب ہی سے شروع ہوگئی تھیں۔ انکے دورویہ عالیشان[1] مکانات اکثر پانچ پانچ منزل

---

[1] قدیم مصری مکانات اپنی رنگینی و زینت کے لئے مشہور و معروف تھے۔ صحن میں نوکروں کے رہنے کی کوٹھریاں، گھوڑوں و مویشیوں کے اصطبل، مطبخوں کے تندور اور اناج کے ذخیرے نظر آتے تھے۔

بلند تھے۔ یہ پختہ تھے اور انکی تعمیر میں دریائے نیل کی پولی ولی مٹی کی اینٹوں سے زیادہ ترکام لیا گیا تھا۔ انکے در و دیوار باہر سے مختلف تصاویر و حروف پیکانی سے مزین تھے۔ انکی دیوار وں پر جو صحن کے سامنے تھیں چھجے بنے ہوئے تھے جنکے لکڑی کے جنگلوں و کٹہروں پر نہایت خوبصورت رنگین یا منقش کئے ہوئے نقش و نگار بنے تھے۔ اکثر مکانات کے دروازوں پر مالک مکان کا نام و پیشہ لکھا ہوا تھا۔ ان مکانوں کی چھتیں چپٹی و مسطح تھیں اور قسم قسم کے پودوں و پھولوں سے سجی ہوئی تھیں۔ جہاں شام کے وقت خصوصاً گرمیوں میں گھر والے تفریحاً بیٹھا کرتے تھے۔ اور اگر مچھروں و کیڑوں سے جو دریا کے قرب کی وجہ سے بعض اوقات بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ بہت تنگ ہوتے تو ایک چھوٹے سے برج یا مینار پر چڑھ جاتے جو خاص اسی غرض سے مکان کے ایک سرے پر بنایا جاتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مکان کے اندر ملاقات کا کمرہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا۔ اسکے دروازہ کے مقابل سامنے والی دیوار سے ملا ہوا اینٹوں کا بنا ہوا ایک نشست گاہ تھا جسے دیوان خانہ کہنا چاہیئے۔ یہ گدوں و تکیوں سے سجا ہوا تھا جب مہمان داخل ہوتا تو پہلے ایک اسٹول پر اسکے پیر دھلائے جاتے پھر وہ اپنے میزبان کے پاس آتا اور تکئے سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھتا۔ سردی کے زمانہ میں کمرہ کے وسط میں ایک آتشدان بھی ہوتا تھا۔ جہاں آگ جلتی رہتی تھی۔ کمرے کے ستون و کھمبے نہایت سڈول۔ گاؤدم یا مختلف اشکال کے بنائے جاتے تھے۔ اور رنگین تصاویر و کتبات سے مزین ہوتے تھے۔ یہی حال در و دیوار کا بھی تھا اور ہوا اور روشنی کے لئے پتھر کی خوبصورت کھڑکیاں بنائی جاتی تھیں۔

خوابگاہ کے کمرہ میں معمولی لوگ بجائے پلنگ کے ایک چبوترہ پر بستر بچھا کر سوتے تھے۔ حمام اور دیگر ساز و سامان کے لئے بھی جداگانہ کمرے تھے۔ اوپر کی منزل پر جانیکے لئے اینٹ کے بنے ہوئے زینے تھے جن سے عورتیں چڑھکر چھوٹے کمروں میں بیٹھ کر اپنے کام کاج میں مشغول ہوتی تھیں۔

(ونڈرس پاست۔ طرز تعمیر زمانہ اخناتون)

ایرانیوں کو مکانات و سڑکوں وغیرہ کی اعلیٰ درجہ کی صفائی و خوشنمائی دیکھ کر نہایت حیرت و مسرت ہوئی۔ ہر دروازہ پر پیتل یا لوہے کی تختیاں و کھٹکھٹانے کے دستے ایسے صاف و شفاف تھے کہ دھوپ میں شیشے کی طرح چمک رہے تھے۔ دیوار، برجوں و کھمبوں وغیرہ کی آرائش ایسی نکھری و پاکیزہ تھی کہ گویا ابھی نیا رنگ لگایا ہے۔ اور سڑکیں بھی ایسی مصفا تھیں کہ تنکا تک نظر نہ آتا تھا۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کوئی جھاڑو دیکر چلا گیا ہے۔ مگر محلات شاہی و کنار دریا سے جتنی دور آگے بڑھتے گئے یہ بات نہ رہی۔ سڑکیں کسی قدر تنگ و میلی ہوتی گئیں اور مکانات بھی زیادہ گنجان و چھوٹے نظر آئے۔ شہر سئیز ایک چھوٹی سی پہاڑی پر آباد تھا۔ ڈہائی سو برس ہوئے کہ ایک معمولی سا گاؤں تھا مگر بادشاہوں کے بود و باش اختیار کرنے کے بعد ایک بہت بڑا شہر بن گیا۔ اس کا وہ حصہ جو دریائے نیل کے قریب تھا نہایت خوبصورت و آراستہ تھا شاہی محلات و قلعے اسکے شمال مغربی سمت واقع تھے۔ مگر پہاڑی کے دوسری جانب جھونپڑوں کے سوا اچھے مکانات شاذ و نادر تھے۔ یہ جھونپڑیاں عموماً ببول کی لکڑی اور دریا کی مٹی سے بنی تھیں اور کچی ہونیکی وجہ سے زیادہ پائدار نہ تھیں۔ غریب اہل حرفہ یا نادار لوگ یہاں رہتے تھے۔

کیمبیس پسر کریسس اپنے ساتھیوں سے عمر میں سب سے بڑا تھا اور اپنے باپ کی غیر موجودگی میں نوجوان ایرانیوں کی حفاظت کا اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتا تھا۔ جب اسنے دیکھا کہ تماشائیوں کا مجمع قدم قدم پر بڑہتا جاتا ہے اور شہر کے لچے و بدمعاش پیچھے پیچھے ساتھ ہولئے ہیں تو کہنے لگا کہ "بہتر ہوگا کہ اب ہم لوگ واپس چلیں۔"

رہبر:- "جو آپ کی مرضی ہو۔ مگر اس سامنے والی پہاڑی کے دامن میں شہر کا مشہور نکروپولس (Necropolis) واقع ہے۔ جو بہت قابل دید جگہ ہے۔"

بردیہ:- "اسے ضرور دیکھیں گے۔ اس ملک میں آئے ہیں تو بھلا اسکے عجائبات کی سیر نہ کریں۔ ہمارے یہاں آنے کا بڑا مقصد تو یہ ہی ہے۔"

جب یہ لوگ کھلے ہوئے میدان میں پہنچے جو نکروپولس (Necropolis) کے قریب تھا اور جہاں چاروں طرف مزدوروں کی جھونپڑیاں تھیں۔ تو اس مجمع میں جو اُنکے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ ایک بڑا شور و شغب پیدا ہوا۔ عورت، مرد، و بچے سب خوشی کے مارے چلانے لگے۔ دفعتاً ایک شخص نے باواز بلند یہ صدا دی "آؤ بھائیو۔ مندر کے صحن کی طرف آؤ۔ ایک جادوگر یہاں لبیا[1] کے ریگستانی ملک سے آیا ہے۔ اور دیوی ہکّت کی قدرت سے ایسے تماشے کرتا ہے کہ جنہیں دیکھوگے تو حیران و ششدر رہ جاؤگے"

رہنما "واقعی یہ قابل دید تماشہ ہوگا اگر آپ لوگ دیکھنا چاہتے ہیں تو میرے ساتھ اس چھوٹے سے مندر میں چلئے" یہ کہہ کر رہنما مجمع کو چیرتا ہوا۔ عورتوں و بچوں کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھا اور ایک پجاری کو اپنے ہمراہ لے آیا جس نے ایرانیوں کو مندر کے دالان میں لیجا کر بڑی عزت کے ساتھ بٹھادیا۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص پروہتوں کا لباس پہنے ہوئے کھڑا ہے۔ کئی ایک صندوق و پٹارے ادھر اُدھر رکھے ہیں اور دو حبشی اسکے قریب ہی زمین پر دو زانو بیٹھے ہیں۔ یہ شخص بڑا قد آور اور قوی ہیکل تھا۔ اسکی آنکھیں سیاہ و چمکدار تھیں۔ اور اپنے دونوں ہاتھوں میں منہ سے بجانیکا ایک بڑا بھاری لکڑی کا باجہ لئے ہوئے تھا۔ بہت سے زہریلے سانپ اسکے شانوں اور سینہ پر لپٹے ہوئے رینگ رہے تھے۔ ایرانیوں کو دیکھتے ہی اُس نے بہت جھک کر سلام کیا اور ایک اشارہ سے خبردار کرکے اپنا سفید لباس اتار کر ایک طرف پھینک دیا۔ اور سانپوں کو لیکر طرح طرح کے کرتب دکھانے لگا۔ کبھی ایک سانپ کو لیکر اپنے جسم کو ایسا کٹوایا کہ خون نکلنے لگا۔ کبھی بین بجانے لگا تو وہ پھن اُٹھا کر ناچنے لگے۔ کبھی انکے منہ پر تھوکدیا

[1] دریائے نیل کا مغربی ساحل اور اسکے گرد و نواح کا ملک لبیا کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں سانپ بچھو بکثرت ہوتے تھے۔ (پروفیسر ایبر)

تو وہ رُک کر کھڑے ہو گئے۔ اور پھر فوراً تمام سانپوں کو زمین پر پھینک کر انکے درمیان بلا کسی کو
کچلے دیوانہ وار ناچنے لگا۔ اور بعدہٗ اُسے جوش آیا آنکھیں لال پیلی ہو گئیں۔ مُنہ سے پھین نکلنے
لگا۔ اور یکا یک زمین پر گر کر مردہ کی طرح بحِس و حرکت ہو گیا اور پھنکار کی آواز مارنے لگا جسے
سُنتے ہی چاروں طرف سے سانپ رینگتے ہوئے اس کے بدن پر چڑھنے لگے اور زنجیروں
کی طرح اسکی گردن و دست و پا میں لپٹ گئے۔ اسکے بعد اُسے ہوش آیا۔ اُٹھ کر کھڑا
ہو گیا۔ اور دیوی کی تعریف میں جس نے اُسے یہ عجیب قوت بخشی تھی زور سے گانے لگا۔
پھر پٹارہ کھول کر سوائے چند سانپوں کے جنہیں اس نے اپنے ہاتھوں میں چوڑیوں کی
طرح لپیٹ لیا باقی سب سانپ بند کر دیئے۔ اب دوسری طرح کے کرتب دکھانے لگا۔
مثلاً جلتے ہوئے کپڑے کو نگل گیا۔ دو تلواروں کی نوکیں اپنی آنکھوں پر رکھ کر ناچنے لگا۔ بچوں کی
ناک میں سے لمبی لمبی بتیاں اور فیتے نکالے۔ گولوں کو غائب کر دیا۔ اور شترمرغ کے پانچ
انڈوں میں سے اتنے ہی خرگوش کے زندہ بچے پیدا کئے جسے دیکھ کر لوگوں کو بڑا تعجب
ہوا۔ ایرانیوں کو بھی یہ کھیل بہت پسند آئے کیونکہ اس سے پہلے کبھی انھوں نے نہ دیکھے
تھے۔ اور انکے ختم ہوتے ہی جب سب لوگ چلدیئے تو ایرانی بھی اُٹھ کر محل کو واپس چلے۔
راستہ میں انہیں بہت سے لوگ ایسے ملے جن کے کان، ناک اور ہاتھ کٹے ہوئے تھے
جنہیں دیکھ کر انہیں زیادہ حیرت نہ ہوئی۔ اس لئے کہ انکے ملک میں بھی مختلف جرائم کی ایسی
ہی سزائیں دیجاتی تھیں۔ مصر میں چور و جعل ساز کے ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے۔ زانیہ عورت کی
ناک اڑا دیجاتی تھی اور سازش کرنے والے کی زبان بریدہ کر دیتے تھے۔ اور اگر کوئی عورت
اپنے بچہ کو مار ڈالتی تو تین دن تین رات تک اُسے مجبوراً مردہ لاش کو اپنی گود میں لئے ہوئے
بیٹھا رہنا پڑتا تھا جسکے بعد عموماً وہ پاگل ہو جاتی اور کپڑے پھاڑ کر سڑکوں پر ننگی پھرنے لگتی مصری
قانون فوجداری کا یہی اصول تھا کہ مجرم کی تشہیر کی جائے اور اسکی حالت دیکھ کر دوسروں کو
ایسی عبرت ہو کہ پھر کبھی ارتکاب جرم کی ہمت نہ کریں۔

اب چلتے چلتے ایرانی کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک عالی شان مکان کے سامنے بکثرت لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ یہ مکان اس سڑک پر واقع تھا جو نیتھ کے مندر کی طرف جاتی ہے۔ اسکی کھڑکیاں باہر سے بند تھیں اور اسکے دروازہ پر ایک بوڑھا آدمی مندر کے خادموں کا سا سفید لباس پہنے ہوئے گلا پھاڑ کر چلا رہا تھا اور چند دوسرے آدمیوں کو جو اسی کے طبقہ کے معلوم ہوتے تھے۔ اور ایک بڑا بھاری صندوق مکان سے نکال کر لئے جا رہے تھے دیوانہ وار روک رہا تھا۔

بوڑھا شخص۔ (بڑے غصہ سے) "اندھیر ہے کہ دن دہاڑے لوٹ مچ رہی ہے۔ تمہیں کس نے یہاں آنے کی اجازت دی۔ میں اس گھر کا رکھوالا ہوں۔ جب میرے آقائے نامدار کو زبردستی پکڑ کر ایران بھیجدیا گیا۔ دیوتا اس ملک کا ناس کریں۔ تو چلتے وقت تاکیداً وہ مجھ سے کہہ گئے تھے کہ اس صندوق کو جس میں انکے کتبات وغیرہ ہیں بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھوں"

ایک خادم" بڑے میاں! ذرا آپے سے باہر مت ہو جاؤ۔ ہوش کی دوا کرو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ہم کس کے حکم سے آئے ہیں۔ ہمیں اس نے بھیجا ہے جو تمہارے آقا کا بھی آقا ہے۔ مہا پجاری (نیتھوتف) کا یہ حکم ہے کہ یہ صندوق فوراً اسکے سامنے پیش کیا جائے"

بوڑھا" کوئی بھی ہو مگر میرے آقا حکیم منچاری کا حکم سب پر بالا ہے۔ تم لوگ اسکے مال کو اس طرح زبردستی چرانے والے کون ہوتے ہو۔ اگر نہ سنوگے تو میں بادشاہ کے پاس فریاد لیکر جاتا ہوں"

خادم" چپ کیا بیہودہ بکتا ہے۔ (اپنے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے) اس صندوق کو بہت جلد مہا پجاری کے پاس لیجاؤ۔ (بوڑھے پاسبان سے) بڈھے کیا پاگل ہو گیا ہے؟ ذرا بھی عقل ہے تو اپنی زبان کو بند کر اور یاد رکھ کہ تو بھی مہا پجاری کا ایک ادنیٰ خادم ہے اگر جلدی سے اندر نہ جائیگا اور بک بک کئے جائیگا تو تجھے بھی اس صندوق کی طرح

گھسیٹتے لیچلیں گے۔" یہ کہہ کر اُس نے بڈھے کو اندر ڈھکیلا اور زور سے مکان کا دروازہ بند کر کے لوگوں کی نظر سے غائب ہوگیا۔

ایرانی جو کھڑے ہوئے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے اپنے ترجمان سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جب انہیں حال معلوم ہوا تو دُوہ یا کو بے اختیار ہنسی آگئی کیونکہ حکیم ننیجاری کی خشک طبیعت اور اس کے مغرور و سنجیدہ برتاؤ سے ایرانی دربار میں کوئی اس سے خوش نہ تھا۔ بردیہ کا ارادہ ہوا کہ اماسس سے اس عجیب واقعہ کو بیان کرے مگر گیجبیس نے اُسے سمجھا کر کہا کہ دوسروں کے معاملہ میں دخل دینے سے کیا فائدہ۔

غرض یہ لوگ جب محل کے قریب پہنچے تو شام کی تاریکی اُفق پر پھیلنے لگی تھی۔ اتنے میں گیجبیس کو یکایک محسوس ہوا کہ کوئی شخص پیچھے سے اُس کا دامن کھینچ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے مُڑ کر دیکھا کہ ایک اجنبی ہے جو اپنی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ خاموش رہے۔

اجنبی "دھیکے سے ایرانی کے کان میں) میں آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ کسی کو خبر نہ ہو۔"

گیجبیس "کیا کہنا چاہتے ہو؟ تمہارا کیا مطلب ہے۔"

اجنبی "یہاں کچھ مت پوچھئے اور دیر نہ کیجیے۔ میتھرا کی قسم مجھے آپ سے ایک بڑی ضروری بات کہنا ہے۔"

گیجبیس "تم ایرانی زبان بولتے ہو۔ اور تمہارے لباس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تم مصری نہیں ہو۔"

اجنبی۔ "ہاں میں بھی ایرانی ہوں۔ کوئی دیکھ نہ پائے۔ جلدی جواب دیجیے۔ کہاں ملیگا۔"

گیجبیس "کل صبح تڑکے ملونگا۔"

اجنبی "نہیں بڑی دیر ہو جائے گی۔"

گیجیس "اچھا تو آج ہی۔ اندھیرا ہوتے ہی محل کے پھاٹک پر چل سکتا ہوں۔"
اجنبی "میں آپ کا انتظار کروں گا۔ دیکھیے بھولئے گا نہیں۔" یہ کہہ کر اجنبی غائب ہو گیا۔
جب چاروں دوست اپنی فرودگاہ پر پہنچ گئے تو گیجیس، بردیہ اور ظفر یوس سے رخصت ہو کر اپنے کمرہ میں گیا اور اشارہ سے دارا کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور اس سے یہ حال کہا۔ دونوں تلواریں اپنی کمر میں باندھ کر محل کے پھاٹک پر پہنچے جہاں اجنبی ان کا پہلے ہی سے انتظار کر رہا تھا اور انہیں دیکھ کر کہنے لگا "اہرمزد کا لاکھ لاکھ شکر شکر ہے کہ تم آ گئے۔ مگر یہ تمہارا ساتھی کون ہے۔"
گیجیس "یہ میرا دوست دارا پسر گستاشپ ہے۔" اس نام کے سنتے ہی اجنبی بہت جھک کر آداب بجا لایا اور کہنے لگا "مجھے اب اطمینان ہو گیا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ شاید کوئی مصری آپ کے ساتھ آیا ہے۔"
گیجیس "نہیں ہم دونوں تنہا ہیں اور تمہاری بات سننے کے منتظر ہیں۔ جلدی کہو تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔"
اجنبی "میرا نام بوبارس[۱] ہے۔ اور میری داستان عجیب ہے میں سیرِدس اعظم کی فوج کا ایک ادنیٰ افسر تھا کروسس یعنی آپ کے والد کے پایہ تخت سارڈیس کی فتح کے بعد ہم لوگوں کو دل کھول کر قتل و غارت کا موقع ملا۔ مگر آپ کے عقلمند باپ کی التجا پر سیرِدس نے لوٹ مار بند کر دی کیونکہ وہی اب شہر کا مالک تھا۔ اور اس سے خود اسی کا نقصان تھا۔ اس لئے ایک فرمان جاری کیا کہ جس قدر لوٹ کا مال ہے وہ سب افسران فوج کو واپس کر دیا جائے ورنہ سخت سزا دی جائے گی اور یہ افسر اس مال کو شہر کے بازار خاص میں بادشاہ کے معائنہ کے لئے ایک جگہ جمع کریں۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں اس جگہ سونے، چاندی اور زر و جواہر کے انبار و ڈھیر لگ گئے۔"
گیجیس "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ جلدی اپنے مطلب کی بات کہو۔"

[۱] یا کوریش۔

اجنبی "آپ سچ فرماتے ہیں۔ میں اب چند لفظوں میں ختم کرتا ہوں۔ مجھ سے یہ قصور ہوا کہ لالچ کے مارے میں نے ایک چھوٹی سی ڈبیا جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے اپنے پاس چھپا لی اور جب پکڑا گیا تو کورپش نے میرے قتل کا حکم دیا۔ مگر آپ کے والد کی سفارش سے رہا ہو کر اپنے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ اس طرح میری جان بچانیکا سبب آپ کے والد ہوئے۔ بعد ازاں میں شرم کے مارے ایران میں بہت دن نہ رہ سکا۔ اور ایک جہاز پر بیٹھ کر قبرص پہنچا جہاں نوکری کر کے میں نے یونانی زبان سیکھی اور یونانیوں کے خلاف ایک لڑائی میں شامل ہوا اور آخر کار بطور ایک قیدی کے فنیس کے ساتھ یہاں آیا۔ اور چونکہ گھوڑوں کے کام میں مہارت رکھتا تھا اس لئے شاہی اصطبل میں اور غلاموں کے ساتھ مجھے بھی مقرر کر دیا گیا۔ آپ کے والد کا احسان کبھی میرے دل سے محو نہیں ہوا ہے اور شکر ہے کہ مدتوں کے بعد مجھے اس کی تلافی کا آج موقعہ ملا ہے"

گیجیس "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔ ذرا صاف طور سے جلد بیان کرو"

اجنبی "ابھی عرض کرتا ہوں۔ پہلے یہ فرمایئے کہ شہزادہ سامتیک کو کیا آپ کے والد سے کوئی رنجش ہے"

گیجیس "مجھے اس کی مطلق خبر نہیں"

بوبارس "آپ کے والد روڈوپس سے ملنے کے لئے آج نوکراتیس تشریف لے گئے ہیں؟"

گیجیس "تمہیں کیسے معلوم ہوا"

بوبارس "مجھے انہیں کی زبانی معلوم ہوا۔ میں آج صبح انکا درشن کرنیکے لئے کشتی کے پیچھے پیچھے گیا تھا"

گیجیس "اور ان سے کچھ گفتگو ہوئی؟"

بوبارس "جی ہاں۔ انہوں نے چند مہربانی کے کلمات ارشاد فرمائے مگر انکے ساتھی

کشتی میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے اس لئے انہیں فرصت نہ ملی اور میری پوری بات نہ سُن سکے۔ انکے غلام سِندُون سے بھی میری جان پہچان ہے اس نے جلدی میں صرف اس قدر کہا کہ سب لوگ ایک یونانی خاتون روڈوفس سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں۔"

گیجیس "تم کو صحیح اطلاع ملی۔"

بوبارس "اگر ایسا ہے تو جلدی کیجیے ورنہ غضب ہو جائیگا۔ یہاں اور ہی کچھ ہونے والا ہے سُنئے! آج جس وقت بازار بھرا ہوا تھا[۱] وس جنگی گاڑیاں اور دو کشتیاں حبشی سپاہیوں سے بھری ہوئی ایک مصری افسر کی ماتحتی میں نہایت خفیہ طور سے نوکرا تیس کو روانہ ہوئی تھیں تاکہ روڈوفس کے مکان کو گھیر کر اسکے تمام مہمانوں کو گرفتار کر لیا جائے۔"

گیجیس (حیرت و غصہ سے چلا کر) "سچ کہو! اس سازش و دغا بازی کے کیا معنی۔"

دارا۔ "مگر تمہارے والد سے کسی کو کیا عناد ہو سکتا ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ کمبوجیہ کا انتقام ...."

بوبارس "مجھے اس سے زیادہ علم نہیں کہ روڈوفس کا محل جہاں کروسس گئے ہیں آج رات محصور ہو جائیگا۔ میں نے خود سپاہیوں کے ساز و سامان جمع کرنے میں مدد دی ہے۔ اور شہزادہ کے گمس راں کو خود اپنے کانوں سے مصری افسر سے یہ کہتے سُنا ہے کہ ہینٹارا اپنے ہوش و حواس ذرا درست رکھنا غافل نہ ہو جانا۔ روڈوفس کا مکان اس خوبی سے گھیر لیا جائے کہ مجرم کو کہیں بھاگنے کا موقعہ نہ مل سکے اور اگر ممکن ہو سکے تو اس کو قتل مت کرنا بلکہ زندہ پکڑ کر لانا۔ اور یاد رکھو! تم کامیاب ہوئے تو سو نیکے[۲] چھلے

---

[۱] یونانی اپنی روزانہ اوقات کو بازاروں کے بھرنے یا خالی ہونے پر شمار کرتے تھے۔ عموماً تمام بازار دس اور ایک بجے کے درمیان بہت زیادہ بھرے ہوئے ہوتے تھے۔ (پروفیسر ایبر)

[۲] گمان اغلب ہے کہ سکہ زنی کا رواج ایرانیوں کے زمانہ سے پہلے مصر میں نہ تھا۔ بجائے اسکے سونے چاندی کے چھلے مختلف اوزانوں کے بنا کر استعمال کئے جاتے تھے (پروفیسر ایبر)

انعام میں ملیں گے۔"

گیجبیس "حیرت ہے۔ کیا واقعی میرے باپ کو پکڑنے کے لئے یہ سازش کی گئی ہے۔"

دارا "ہرگز نہیں۔ مجھے کسی طرح یقین نہیں آسکتا۔"

بوبارس "اس ملک میں ہر بات ممکن ہوسکتی ہے۔"

گیجبیس "تیز سے تیز گھوڑا نوکراتیس کتنی دیر میں پہنچ سکتا ہے۔"

بوبارس۔ اگر بہت مضبوط و طاقتور ہے اور دریا زیادہ چڑھائی پر نہیں تو تین گھنٹے لگیں گے۔"

گیجبیس "میں دو گھنٹے میں پہنچ جاؤنگا۔"

دارا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلنے پر تیار ہوں۔"

گیجبیس "نہیں تم بردیا و دُھیا کی حفاظت کے لئے یہیں رہو۔ اور غلاموں سے کہہ دو کہ تیار ہوجائیں۔"

دارا "مگر بھائی گیجبیس!......"

گیجبیس "نہیں تمہارا ٹھہرنا ہی مناسب ہے۔ میری طرف سے اماسیس سے کوئی بہانہ بناکر کہہ دینا کہ سر میں سخت درد ہے اس لئے دعوت میں نہیں شامل ہوسکتا۔ سمجھے کہ نہیں؟ میں بردیہ کے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہونگا اور بوبارس تمہارے گھوڑے پر میرے پیچھے آئیگا۔ کیوں بھائی دارا تمہیں اپنا گھوڑا مجھے عاریتاً دینے میں کچھ عذر تو نہیں ہے۔"

دارا "ایک نہیں بلکہ دس ہزار گھوڑے میرے پاس ہوتے تو تم پر نثار تھے۔"

گیجبیس "بوبارس تجھے نوکراتیس کا راستہ معلوم ہے نا۔"

بوبارس "جی ہاں مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔"

گیجبیس "اچھا تو دارا اب تم جاؤ اور دونوں گھوڑوں کی تیاری کا جلد حکم دو۔"

یہاں زیادہ دیر کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ خدا حافظ دارا۔ شاید یہ ہماری تمہاری آخری ملاقات ہے۔ دیکھو بردیہ سے خبردار رہنا۔

خدا حافظ

باب اٹھواں

فینس کی روپوشی

آدھی رات کو ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔ روڈوفس کے محل کی کھڑکیاں کھلی ہیں روشنی سے تمام مکان جگمگا رہا ہے اور اندر سے مسرت خیز نغموں و چہچہوں کی آوازیں آرہی ہیں۔ آج کریسس کے آنے کی خوشی میں ایک بڑی دعوت کا سامان کیا گیا ہے اور دسترخوان کی میز خاص طور سے سجائی گئی ہے۔ تمام مہمان اپنے گلوں میں پھول پتوں کے ہار پہنے ہوئے گدے دار کرسیوں پر ٹیک لگائے آرام سے بیٹھے ہیں۔ ان سب سے ہم پہلے ہی سے واقف ہیں۔ مختلف مضامین پر گفتگو ہو رہی ہے۔ تھیوڈورس مشہور یونانی بت تراش کریسس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:۔

"مصر کی مثال ایک ایسی لڑکی کی سی ہے جس کے پیروں میں ایک طلاکار پاپوش ہے مگر وہ اب اس قدر تنگ ہو گئی کہ اذیت دینے لگی ہے سامنے اور بھی خوبصورت جوتیاں رکھی ہیں جنہیں پہن کر وہ نہایت آسانی و آرام کے ساتھ چل پھر سکتی ہے۔ مگر کچھ پرواہ نہیں کرتی اور اپنی تنگ جوتی ہی پر قانع ہے۔"

کریسس "تمہارا یہ مطلب ہے کہ پرانی رسومات و عادات کی پابندی اور

قدامت پرستی نے اس ملک کی ترقی کو روک دیا ہے"

تھیوڈورس "جی ہاں یہ عجیب ملک[۱] ہے۔ دو سو برس ہوئے کہ دنیا کے تمام ممالک سے افضل و برتر تھا۔ اس کے علوم و فنون کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ ہم یونانیوں نے بھی بہت سی باتیں اسی سے سیکھی تھیں۔ مگر اپنی عقل کو بھی دخل دیا اور انکی اصلاح و ترمیم کر کے تکمیل پر پہنچا دیا۔ ہم نے نقاشی و مصوری میں کسی خاص پیمایش سے کام نہ لیا بلکہ نیچر کی پیروی کی

---

[۱] ہیروڈوٹس مصر کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ اور جس زمانہ میں خود وہاں گیا ہے بعض رسم و رواج دیکھ کر حیرت کرتا ہے اور یوں لکھتا ہے۔ "دیگر ممالک میں پروہتوں کے لمبے بال ہوتے ہیں۔ یہاں چھوٹے دوسرے ملکوں میں غمی یا ماتم کی حالت میں سر کے بال کاٹ ڈالتے ہیں یہاں بڑھاتے ہیں۔ دوسری جگہ جانوروں وغیرہ کو رہنے سہنے کی جگہ سے دور رکھتے ہیں یہاں آدمی و جانور مل جل کر رہتے ہیں۔ دوسری جگہ گیہوں و جو عام غذا ہیں یہاں کٹھیا گیہوں کھاتے ہیں۔ مصری آٹا پیروں سے گوندھتے ہیں مگر گوبر وغیرہ میں ہاتھ لگانے سے احتراز نہیں کرتے۔ سؤر یہاں ایسا نجس سمجھا جاتا ہے کہ کسی کو چھو جائے تو فوراً کپڑے پہنے پانی میں کود پڑتا ہے اور اچھی طرح طہارت کرتا ہے۔ عموماً لوگوں میں صفائی کا بہت خیال ہے۔ ہر روز نئے دُھلے ہوئے کتاں کے کپڑے زیب تن کرتے ہیں۔ مرد دو اسکیٹ پہنتے ہیں لیکن عورتیں صرف ایک۔ علاوہ بریں یہ لوگ اپنے لڑکوں کا ختنہ کرتے ہیں اور دائیں طرف سے بائیں جانب لکھتے ہیں جو بالکل یونانیوں کے قاعدہ کے برعکس ہے۔ مصری اپنے بچوں کی صحت یابی کی خوشی میں انکے بال کاٹ کر سونے سے تولتے ہیں اور اُسی متبرک جانوروں کی خبر گیری یا کسی دیوتا کے نام پر نذر کر دیتے ہیں۔ بعض جانوروں کی وہ عزت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مصر میں ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگ ایک دوسرے کو کھانے لگے مگر جانوروں کو مارنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ راپس یعنی اپنے مقدس بیل کے لئے وہ ایک حسین مادہ تلاش کرتے۔ بڑے اہتمام سے اُسکی پرورش کرتے ہیں اور اسے اپنے دیوتا کی محبوبہ یا داشتہ بیوی خیال کرتے ہیں۔

(ماخوذ از ہسٹورین۔ ہسٹری آف ورلڈ)

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں اپنے اُستادوں سے بڑھ گیا - کیونکہ آخر الذکر اپنے قانون و قاعدوں میں ایسے جکڑے رہے کہ آگے قدم نہ بڑھا سکے اور ہم اپنی آزادانہ خیالی محنت و قابلیت کی بدولت اُن سے سبقت لے گئے۔"

کرمی سس "- میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک بت تراش اپنے مجسموں کو جو مختلف کیفیات کا اظہار کرتے ہیں کیونکر ایک ہی نمونہ پر بنا سکتا ہے۔"

تھیوڈورس "- مصریوں کا یہی اصول ہے - اُنہوں نے انسان کے جسم کو سوا اکیس حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اسی انداز سے ہر عضو کے مناسب اسکی پیمائش مقرر کی ہے جس کی اس سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہیں کہ ہنرمندی کے مقاصد فوت ہو جاتی ہیں - میں نے کچھ دن ہوئے کہ اماسس کے سامنے ایک مصری پروہت سے جو مشہور سنگ تراش تھا کہا تھا کہ مصری قاعدہ کے مطابق ایک بت کی ناپ لیکر اپنے بھائی کو جو یونان میں ہے بھیجتا ہوں اور لکھتا ہوں کہ تم اسکے نیچے کا حصہ بناؤ اور میں یہیں بیٹھے بیٹھے اوپر کا حصہ بناتا ہوں - اور شرط بدکر کہتا ہوں کہ تیار ہو جانیکے بعد دونوں کو ملاکر کھڑا کر دیا جائے تو ہرگز نہ معلوم ہو سکے گا کہ دو مختلف شخصوں نے اُسے بنایا ہے۔"

کرمی سس "- اور کیا تمہیں دعوے ہے کہ اپنی شرط جیت جاتے۔"

تھیوڈورس "- یقیناً - میں اب بھی اس کام کو کرنیکے لئے بخوشی تیار ہوں مگر جو چیز کہ بن کر تیار ہو گی وہ بس ایسی ہی ہو گی جیسی کہ عام طور سے اس ملک میں پائی جاتی ہے اور جو میرے خیال کے مطابق اعلیٰ درجہ کی کاریگری کا نمونہ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں اصلیت و اتباع فطرت بہت کم ہے۔"

کرمی سس "- مگر ہر ایک پر یہ الزام صادق نہیں آسکتا بعض اس سے مستثنیٰ بھی ہیں - مثلاً وہ بُت جسے اماسس حاکم ساموس کو تحفۃً بھیجنے کے لئے آجکل

بنوا رہا ہے۔ نیز ممفس میں بھی ایک تین ہزار برس کا پرانا بت موجود ہے۔ جو اس فرعون کا
ہے جس نے بڑے اہرام کو تعمیر کرایا تھا اور وہ ان تمام عیوب سے پاک ہے۔ اُسے دیکھ کر
حیرت ہوتی ہے کہ اتنے سخت پتھر میں کس خوبی کے ساتھ صنعت و جدت کے کرشمے
دکھائے ہیں۔ دست و پا و سینہ کے رگ و پٹھوں کا تناسب و اُبھار، چہرہ کا ناک نقشہ،
جسم کا اتار چڑھاؤ، اعضا کی موزونیت۔ غرضکہ ہر بات میں اصلیت و سچائی پائی جاتی ہے
میں اُسے سنگ تراشی کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ سمجھتا ہوں۔"

پھیوڈورس "۔ اس میں شک نہیں۔ اور میں مانتا ہوں کہ باوجود اسکے کہ ترقی مسدود
ہے تاہم مصری ہم سے اس فن کے اس شعبہ میں جسکو محض سنگتراشی سے تعلق ہے
اب بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ مثلاً جس صفائی کے ساتھ وہ پتھر کو چمکا کر جلا دیتے ہیں وہ
ہمیں ابھی تک نصیب نہیں۔ مگر ان میں بڑا عیب یہ ہے کہ ظاہری شکل کے پیچھے ایسے
پڑے رہتے ہیں کہ باطن سے غافل ہو جاتے ہیں۔ انکی صناعی جذبات انسانی کا
اظہار نہیں کرتی اور ان کے مجسمے بالکل بیجان معلوم ہوتے ہیں۔ مصر کے محلات و
معبدوں میں ہزارہا نئی و پرانی مورتیں آپ کی نظر سے گذری ہونگی۔ یہ مختلف قسم کے
لوگوں کی یادگاریں ہیں۔ کوئی جوان تھا، کوئی بوڑھا، کوئی بادشاہ، فاتح فلسفی یا محسن
قوم تھا مگر حیرت ہے کہ سب قریب قریب[1] ہم شکل نظر آتے ہیں۔ اور اگر کسی کی عظمت و بزرگی
دکھانا منظور ہوتی ہے تو اس کے قد و قامت میں مبالغہ کر دیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک سن رسیدہ شخص کی شبیہ ایک نوجوان لڑکے کی طرح نہیں ہو سکتی
اور نہ ایک شاعر کے خط و خال جنگجو سپاہی کے مشابہ ہو سکتے ہیں۔ **اماسس** کے
مجسمے بس ایک ایسی تلوار کی طرح ہوتے ہیں جسکی لمبائی و چوڑائی دیدینے کے بعد ہمیں

---

[1] یہ زمانہ انحطاط کی کیفیت کا اظہار ہے۔ ورنہ مصری بت تراشی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ملکہ نفرت
شیخ بلد اخناتون و رامسس وغیرہ کے مجسمے جو آجکل بھی عجائب گھروں میں موجود ہیں اسکے شاہد ہیں۔

پہلے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تیار ہونے پر اسکی کیا شکل نکلے گی۔"

کریٹی سس "تم نے بادشاہ سے اپنے یہ اعتراضات بیان کئے ہونگے، اس نے کیا جواب دیا"

تھیوڈورس "وہ سب کچھ سمجھتا ہے اور اس عیب کو محسوس کرتا ہے مگر پروہتوں سے مجبور ہے کہ وہ پرانے قاعدوں کے خلاف کرنا نہیں چاہتے۔"

ڈلفین "تاہم اس نے ایک نہایت معقول رقم ہمارے نئے معبد کے لئے عطا فرمائی ہے اور یہ کہتا ہے کہ یونانی علم و ہنر کی ترقی و امداد کے لئے دیتا ہوں۔"

کریٹی سس "یہ واقعی اسکی فیاضی و دریا دلی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تین سو ٹیلنٹ [1] اس معبد کی تعمیر میں صرف ہونگے۔ آپ کے خیال میں یہ رقم کتنے عرصہ میں جمع ہو جائیگی اگر میرا پہلا سا زمانہ ہوتا تو یہ تمام خرچ خود اپنی جیب سے ادا کر دیتا اور باوجودیکہ مجھے آپ کے دیوتا پر اعتماد نہیں اور ایک بار وہ مجھے پہلے بھی دغا دے چکا ہے تاہم آپ کی خاطر امداد سے دریغ نہ کرتا۔ آپ کو شاید یاد ہوگا کہ میں نے اپنے زمانہ حکومت میں آپ کے اسی دیوتا سے دریافت کیا تھا کہ کورش سے جنگ کروں [2] یا نہ کروں تو جواب ملا کہ "اگر دریائے ہلیز کے

---

[1] دس لاکھ روپیہ سے کچھ زیادہ۔

[2] یہ جنگ تاریخ عالم میں مشہور و معروف ہے۔ ایشیائے کوچک کے غربی حصہ میں ایک سلطنت موسوم بہ لیدیا تھی۔ جس کا پایہ تخت سارڈیس تھا۔ کورش کے زمانہ میں یہاں کا بادشاہ کروسس یا کریٹی سس نامی نہایت عاقل، زیرک، مدبر و متمول گذرا ہے۔ اسکے پاس بیشمار دولت تھی۔ ایشیا کی تمام یونانی نوآبادیاں اسکی باجگذار تھیں۔ اسکے پاس بکثرت سونے چاندی کی کانیں تھیں اور دریائے ہیلز یا قزل ارماغ جو اسکے ملک کو سیراب کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اسکی ریت سے بھی سونا دستیاب ہوتا تھا۔ غرضکہ کریسس اپنے زمانہ کا قارون تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ کورش نے ازمی وہاک یا استیاز تاجدار میدیا کو شکست دیکر اسکی سلطنت کو تہ و بالا کر دیا تو اسے بڑی فکر پڑی۔ اور مصر و بابل و اسپارٹا سے اتحاد قائم کر کے

پار اُتر گیا تو ایک بڑی سلطنت کو تباہ کر دونگا۔" میں سنے اسکے قول پر یقین کر لیا اور اسی کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایرانی فاتح کو روکنا چاہا۔ ان تینوں نے مدد دینے کا بھی وعدہ کر لیا۔ مگر دیر کر دی
اسی اثنا میں کری سس کا ایک مشیر پیغامبر جو یونان جانیوالا تھا کسی وجہ سے بددل ہو کر کورش سے ملگیا
اور اپنے بادشاہ کی تدابیر سے اُسے آگاہ کر دیا۔ یہ سُنتے ہی کورش بہت تیزی کے ساتھ ایک ہزار میل کا
سفر طے کر کے قبل اسکے کہ حلیف آپس میں مل سکیں۔ لیدیا پر حملہ آور ہوا۔ پہلی لڑائی میں اُسے کسی قدر زک
ہوئی۔ مگر دوسری میں جو تین ماہ کے بعد ہوئی تھی اُسے فتح کامل نصیب ہوئی۔ کری سس فوراً اپنے پایۂ
تخت کی طرف بھاگا۔ اسے امید تھی کہ بابل پیچھے ہے اس لیئے کورش شاید آگے بڑھنے کی جرأت نہ
کر سکیگا مگر بابل نے حماقت سے صلح کر لی۔ اور اسے خیال تھا کہ جاڑے کی وجہ سے جنگ محال ہو گی۔
اسی لیئے اس نے اپنی فوج کے ایک حصہ کو برخاست کر کے حلیفوں کو بھی لکھ دیا تھا کہ موسم بہار میں
آنا۔ اب جو اس نے دیکھا کہ کورش بلائے بے درماں کی طرح سر پر آپہنچا تو سخت پریشان ہوا۔ بہر حال
میدان ہرمیز میں اپنی تمام فوج کے ساتھ آیا اور سب سے آگے اپنے مشہور رسالہ کو صف آرا
کیا۔ اس سے اُسے بڑی امیدیں تھیں۔ مگر کورش نے سامنے اپنے اونٹوں کو کھڑا کر دیا جنکی
بو سے بوجہ عادی نہ ہونیکے گھوڑے بگڑ گئے۔ لیدیا والے بڑی بہادری سے لڑے مگر بالآخر
شکست کھا کر سارڈیس میں محصور ہو گئے۔ شہر و قلعہ وغیرہ نہایت مضبوط تھے اور محاصرہ ایک
عرصہ تک رہتا مگر اتفاق سے ایک دن ایک ایرانی سپاہی کی نظر پڑ گئی کہ محصور فوج کا ایک
جوان باہر اپنا خود اٹھانے نکلا ہے۔ اسے فوراً راستہ معلوم ہو گیا اور موقعہ پا کر چند ساتھیوں کے
ساتھ پھاٹک کے پہرہ داروں پر اچانک حملہ کر کے قتل کر دیا اور دروازہ کھول دیا۔ کری سس جب
ناامید ہو گیا تو ایک چتا بنا کر معہ اپنی اولاد و مال و زر جلنے پر آمادہ ہوا اس لئے ایک آہ سرد کھینچی
اور تین مرتبہ سولن کا نام لیا مگر اپالو نے پانی برسا کر چتا کو بجھا دیا۔" حقیقت الامر یہ تھی کہ کورش کو رحم
آگیا اور اس نے اپنے دشمن کی جان بخشی کر کے اسے اپنے مصاحبین خاص میں داخل کر دیا۔
(سائکس پرشیا)۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جب کرزوس (کری سس) کورش کے سامنے

ہدایت کے مطابق اسپارٹا والوں سے بھی دوستی کی اور دریا کو پار کیا مگر بعدہٗ جو انجام ہوا سب پر ظاہر ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایک بڑی سلطنت تباہ ہو گئی۔ مگر وہ دشمنوں کی نہ تھی بلکہ تمہارا ہی بدقسمت ملک تھا۔ جو اب ایرانیوں کی مملکت میں شامل ہو کر غلامی کی ذلت و مصیبت جھیل رہا ہے۔"

فرکسس ۔ آپ دیوتا کو ناحق الزام دیتے ہیں۔ یہ آپ ہی کا قصور تھا کہ اپنی شیخی و زعم میں آ کر اسکے الہام کو غلط سمجھ گئے۔ اُس نے یہ کب کہا تھا کہ ایرانی سلطنت برباد ہو گی۔ اس نے تو کہا تھا کہ لڑو گے تو "ایک سلطنت" تباہ ہو جائیگی۔ تمہیں چاہئے تھا کہ پہلے سوچ سمجھ لیتے کہ وہ کس کی سلطنت ہے۔ علاوہ بریں تمہارے لڑکے کے متعلق یہ پیشینگوئی "کہ عین مصیبت کے وقت اسکی زبان کھل جائیگی" کیسی صحیح نکلی۔ اور شائد تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ شکست کھانیکے بعد تم نے **کورش** سے اجازت لیکر جب **آرکل** سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) گرفتار ہو کر لایا گیا تو بادشاہ نے اُسے جلا دینے کا حکم دیا۔ چتا پر جاتے وقت کرزوس نے تین بار چلا کر سولن کا نام لیا۔ کورش کو نہایت حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ یہ سولن کون ہے۔ کرزوس نے جواب دیا کہ یہ یونان کا ایک بڑا حکیم فلسفی ہے۔ ایک مرتبہ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ بتاؤ دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت کون ہے۔ مجھے امید تھی کہ وہ میرا نام لے گا۔ مگر اس نے ایک معمولی دہقان کا نام لیا۔ میں نے سبب پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ وہ دہقان ایک سو برس تک زندہ رہا۔ آل اولاد سے خوش رہا۔ اور بالآخر بڑی مردانگی کے ساتھ اپنے ملک پر فدا ہو گیا۔ اہل وطن نے اس کی تعریف میں قصیدے لکھے۔ اس کی یادگاریں و مجسمے بنائے۔ مگر تیرے متعلق باوجود تیری اس قدر دولت و ثروت کے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ معلوم نہیں تیرا کیا انجام ہو گا اور بغیر اسکے جانے ہوئے تجھے فوقیت دینا جائز نہیں سمجھتا۔ کورش یہ حکایت سُنکر نہایت متاثر ہوا۔ اور کرزوس کی جان بخشی کر کے اسے بعزت تمام اپنے درباریوں میں شامل کر لیا۔ (ایران نامہ، مرزا عباس علی شوستری)

یہ پوچھا تھا کہ "کیا یونانی دیوتاؤں کا یہی قاعدہ ہے کہ اپنے خوش اعتقاد خادموں کے ساتھ ایسی ناانصافی کا برتاؤ کرتے ہیں؟" تو جواب ملا تھا کہ دیوتا نے تو بڑی کوشش کی مگر مجبوری ہے اُسکے اوپر ایک اور زبردست طاقت ہے جس نے تمہارے جدامجد کو پہلے ہی سے یہ بتادیا تھا کہ خاندان کے پانچویں حکمران یعنی تمہاری قسمت میں ازل سے تباہی و ادبار لکھ دیا گیا ہے۔"

کری سس "۔ خیر جو ہونا تھا سو ہوگیا۔ اب اسکے ذکر سے کیا فائدہ۔ میں اُس وقت اپنے رنج میں تمہارے دیوتا کو بہت کچھ صلواتیں سُنا گیا تھا۔ مگر جب جاہ و حشم کے ساتھ خوشامدی مصاحبوں و چاپلوس دوستوں نے بھی کنارہ کشی کرلی تو میری آنکھیں کھلیں اور معلوم ہوا کہ حقیقت میں اَپالو کا کچھ قصور نہ تھا بلکہ میرے ہی تکبر و خودپسندی کا نتیجہ تھا جو مجھے بھگتنا پڑا میں اپنی دولت و حشمت کے نشہ میں ایسا چور تھا کہ اگر کوئی مجھ سے کہتا بھی کہ ان الفاظ کے دوسرے معنی ہیں تو ہرگز باور نہ کرتا۔ بلکہ اُسے مستوجب سزا سمجھتا کیونکہ جس طرح ایک مجروح گھوڑا اس جراح کے مُنہ پر جو اُسکے زخم کو اچھا کرنا چاہتا ہے دُلتی لاتیں مارتا ہے اُسی طرح ایک خودسر و مطلق العنان بادشاہ بھی اپنے بہی خواہ دوست کی سچی باتوں سے جو اسکی خلاف طبیعت ہوں فوراً ناراض و ناخوش ہوتا ہے اور اسکی آنکھوں کے سامنے خودرائی اور خودبینی کا ایک ایسا پردہ پڑجاتا ہے کہ کوئی چیز اپنی اصلی حالت میں نظر نہیں آتی اور نفسانیت و خودغرضی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ اپنے زعم میں بڑے سے بڑے خطرات کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ چنانچہ اس زمانہ میں میری بھی یہی حالت تھی مگر اب شکر ہے کہ آنکھوں کے سامنے سے وہ پردہ اُٹھ گیا اور اپنی حقیقت معلوم ہوگئی۔ کمبوجیہ کا میں نہایت احسانمند ہوں کہ مجھ سے شاہانہ برتاؤ کرتا ہے۔ اور میرے مرتبے کا بہت پاس و لحاظ رکھتا ہے۔

غرضکہ میں اب کسی قابل نہیں اور نسبتاً بہت غریب ہوں۔ تاہم آپ چندہ مانگتے

ہیں تو انکار نہیں کر سکتا۔ ایک ٹیلنٹ[1] آپ کی نذر کرتا ہوں“
فرگسس نے بہت شکریہ ادا کیا۔ پھر فینٹس نے کہا ” الکمن کے خاندان والے جنہوں نے اس معبد کی تعمیر کا ذمہ لیا ہے خود نہایت متمول و امیر ہیں۔ چندہ طلب کرنے سے انکا خاص مقصد شہرت و ناموری حاصل کرنا ہے۔ تاکہ اس طرح سے ذی اقتدار گروہوں پر اپنا اثر ڈال کر سلطنت کے مالک بن بیٹھیں۔
ائی کوس ” کری سس! میں نے سُنا ہے کہ اس خاندان کی تمام دولت و ثروت کے تمہیں باعث ہوئے ہو“
کریسس ۔ (ہنس کر) ” اس میں کیا شک۔ میں ہی مورد الزام ہوں“
رہوڈوفس ” ذرا سُنائیے تو یہ واقعہ کیونکر ہوا“
کری سس ” بہت دنوں کی بات ہے الکمن اتھنز کا رہنے والا ایک دن میرے دربار میں حاضر ہوا۔ وہ نہایت غریب وخستہ حال تھا۔ اور معاش کی تلاش میں حیران و پریشان تھا۔ مجھے اس پر بہت رحم آیا۔ اور اس کو خوش مزاج، مہذب تعلیم یافتہ پاکر اپنے یہاں رہنے کی اجازت دی۔ ایک دن اتفاق سے میں اپنے خزانہ میں جارہا تھا کہ اس کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ خزانہ کو دیکھتے ہی اسکی عجیب حالت ہوگئی میرے قدموں پر گر پڑا اور فقیروں کی طرح مجھ سے گڑگڑا کر کہنے لگا۔ کہ اے کاش کہ اس خزانہ میں سے صرف مٹھی بھر زر و جواہر لے جانیکی بس ایک مرتبہ ہی اسے اجازت مل جاتی۔ میں اس وقت خوش تھا اور ہنس کر بولا کہ تجھے اجازت ہے مگر شرط یہ ہے کہ صرف ایک ہی بار جس قدر اُٹھا سکے لیجا۔
یہ سُننا تھا کہ اس نے پیروں میں بڑے اونچے اونچے بوٹ پہنے۔ گلے میں ایک

---

[1] قدیم یونانی سکوں کی حسب ذیل قیمت تھی:۔ ٹیلنٹ = ۲۲۵ پونڈ۔ منا = چار پونڈ۔ ڈرام = ۹ پنس۔ ابولس = ڈیڑھ پنس۔ (پروفیسر ایبر)

لمبا سا پیرہن ڈالا۔ پیٹھ پر ایک ٹوکری باندھ لی اور ان سب کو زر و جواہر سے بھر لیا جب کچھ اور لینے کے لئے نہ ملا تو اپنی ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں سونے کے ذروں کو خوب اچھی طرح چھڑک لیا۔ اور منہ میں اتنے جواہرات بھر لئے کہ معلوم ہوتا تھا کوئی بڑی سی مولی یا گاجر بھری ہے جو حلق سے نیچے نہیں اُترتی۔ دونوں ہاتھوں میں بھی سونے کے برتن لیلئے۔ اور اس تمام بوجھ سے لدا پھندا کمر جھکی ہوئی۔ گھسٹتا ہوا خزانہ کے باہر نکلا۔ اور دہلیز پر پُہنچتے ہوئے اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھکر مارے ہنسی کے میرے پیٹ میں بل پڑ گئے۔"

رہوڈوفنس "۔ اور آپ نے وہ تمام دولت اُسے لیجانے دی۔"

کری سس "۔ کیوں نہیں۔ میں اپنی زبان ہی دے چکا تھا اور اس وقت مجھے یہ بھی خیال آیا کہ دولت ایک سمجھدار اور عقلمند آدمی کو کیسا اندھا و بیوقوف بنا دیتی ہے۔ یہ تجربہ ایسا سبق آموز تھا جس کے مقابلہ میں اس زر و جواہر کی میں نے کچھ حقیقت نہ سمجھی۔"

فینیس "۔ ایسی فیاضی و سخاوت عدیم المثال ہے۔"

کری سس۔ شکر ہے کہ وہ زمانہ گیا اور اب فقیرانہ توکل و قناعت پر بسر ہوتی ہو اور ہاں فرگسس یہ تو کہو کہ اماسس نے تمہیں کتنا چندہ دیا۔"

فرگسس "۔ اس نے ایک ہزار ٹیلنٹ چھنکری دی۔"

کری سس "۔ واقعی اسی کا نام شاہانہ دریا دلی ہے۔"

فینیس "۔ اور شہزادہ نے کس قدر دیا۔"

فرگسس "۔ جب میں اسکے پاس یہ درخواست لیکر گیا تو اپنی پیٹھ موڑ کر طنزاً ہنس کر مجھ سے کہنے لگا۔ کہ اگر تم اپنے مندروں کو منہدم کرنیکے لئے کسی چندہ کی خواستگار ہو تو میرے پاس آنا میں بادشاہ سے بھی دو گنہ عطا کرونگا۔"

فینیس "وہ کس قدر کور باطن و بیہودہ شخص ہے۔"

رھوڈوفس "نہیں بلکہ یہ کہو کہ سچا مصری ہے تم جانتے ہو کہ سامتیک ہر چیز سے جو اسکے ملک کی نہ ہو بے انتہا نفرت کرتا ہے۔"

فینیس "نوکراتیس کے یونانیوں نے کس قدر دیا۔"

فرکسس "ہر فرد نے اپنی حیثیت کے مطابق دیا۔ علاوہ بریں ہر ضلع نے بیس[۲] منیز دیئے۔"

فینیس "خوب دیا۔ نہایت معقول رقم ہے۔"

فرکسس "فلونس، سیبارسی نے بھی ایک ہزار ڈرام دیئے۔ اور ساتھ ہی ایک عجیب پر لطف خط بھیجا ہے جسے رھوڈوفس کی اجازت ہو تو میں پڑھکر سناؤں۔"

رھوڈوفس "ضرور سنایئے۔ مجھے کوئی عذر نہیں۔"

ڈلفینی نے اپنی جیب سے خط نکال کر اس طرح پڑھنا شروع کیا۔

"منجانب فلونس۔ فرکسس کو معلوم ہو کہ مجھے سخت افسوس ہے کہ اس رات رھوڈوفس کی دعوت میں میں نے کافی طور سے شراب نہ پی۔ اور بالکل بیہوش نہ ہو گیا تاکہ کسی چیونٹی کا بھی دل نہ دکھا سکتا۔ یہ میرے اس کمبخت اعتدال کا قصور ہے کہ اب آیندہ سے مصر کے سب سے بڑے پر تکلف دستر خوان کی نعمتوں سے محروم رہ جاؤنگا بہر حال جو لطف اٹھا چکا ہوں اس کا کہاں تک شکریہ ادا کروں۔ رات کو جب یاد کرتا ہوں تو دل بیتاب ہو جاتا ہے۔ دعوت کے مزیدار کھانوں کی یاد اب تک میرے دل کو بیتاب کر رہی ہے۔ اس لئے باظہار احسانمندی ایک ناچیز تحفہ روانہ کرتا ہوں اور بدست حامل ہذا گوشت بھوننے کی بارہ سلاخیں بھیجتا ہوں اور آپ سے مستدعی ہوں کہ اگر رڈوفس کو کوئی اعتراض نہ ہو تو انکے نام سے ڈلفی کے کسی خزانہ میں جمع کر دی جاویں۔ آپ کے چندہ کے لئے میں ایک ہزار ڈرام پیش کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آیندہ کھیلوں کے موقعہ پر اس چندہ کا عوام الناس کے سامنے

پورے طور سے اعلان کر دیا جائے۔ میں اس رات ایک بے ادب گستاخ شخص سے جسکا نام ارسٹو میقس اسپارٹی تھا ملا تھا۔ اس سے بھی کہدیجئے گا کہ میں تمہارا بہت ممنون ہوں۔ کیونکہ مصر آنے سے میرا ایک ہی مقصد تھا کہ کسی مشہور دندان[1] ساز سے ملکر اپنے ایک خراب دانت کو نکلوادوں مگر ارسٹو میقس نے ایک گھونسہ رسید کر کے اس تمام زحمت سے مجھے بچا لیا۔ اور جس عمل جراحی سے میں اس قدر ڈرتا تھا وہ بڑی آسانی کے ساتھ پورا ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تین دانت غائب ہو گئے۔ ایک جو پہلے سے خراب تھا اور دو اچھے۔ یہ دونوں بھی مجھے یقین ہے کہ آئندہ چل کر بہت تکلیف دیتے اس لئے اچھا ہوا کہ اس طرح آسانی سے نکل گئے۔ رھوڈوفس اور فینیس کو میری طرف سے سلام پہنچے۔ اور ہاں میں تمہیں ایک دعوت میں مدعو کرتا ہوں جو آئندہ سال اسی دن ہوگی۔ اور اتنے عرصہ پہلے تم کو اس لئے اطلاع دیتا ہوں کہ کہیں اس کی تیاری کی فکر میں عین وقت پر بھول نہ جاؤں۔ میں اس خط کو اپنے ایک عالم و فاضل غلام سے جو قریب کے کمرے میں بیٹھا ہوا ہے لکھوا رہا ہوں کیونکہ مجھے برداشت نہیں کہ کوئی میرے سامنے بیٹھ کر کاغذ پر قلم چلائے۔ جسے دیکھتے ہی میری تمام انگلیوں میں تشنج پیدا ہو جاتا ہے۔"

اس خط کو سنکر تمام مہمان ہنسنے لگے اور رھوڈوفس نے بھی مسکرا کر کہا:۔

"مجھے یہ خط سنکر بہت خوشی ہوئی اور یہ معلوم ہو گیا کہ فلونس کچھ برا آدمی نہیں ہے۔ اُس کی تربیت............"

یہ جملہ ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ ایک نووارد جس سے رڈوفس نا آشنا تھی گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا اور یہ الفاظ اُس کی زبان سے نکلے "حضرات سب مجھے معاف کیجئے

---

[1] بعض ممیوں (محفوظ مردہ جسم) کے مصنوعی دانت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری دندان ساز اپنے فن میں بڑے ہوشیار تھے۔ (پروفیسر ایبر)

کہ آپ کی محفل عیش و طرب میں حارج ہوتا ہوں اور معزز خاتون امید ہے کہ آپ بھی معاف کیجئے گا کہ ایک بن بلائے مہمان کی حیثیت سے یوں آپ کے محل میں بلا اطلاع کئے چلا آیا ہوں۔ میرا نام گنجبیس پسر کری سس ہے۔ آپ سب صاحبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کوئی معمولی بات نہ تھی جسے سُن کر میں صرف دو گھنٹے ہوئے کہ سیئرز سے بھاگوں بھاگ اس عجلت میں آیا ہوں۔

رھوڈوفس نے غلام کو آواز دیکر کہا "بینن! ہمارے نئے مہمان کے لئے ایک کرسی لا دُ گنجبیس سے بیٹھو۔ آرام کرو۔ اتنی مسافت و دوڑ دھوپ کے بعد بہت تھک گئے ہوگے۔" کری سس اپنے لڑکے کو دیکھکر نہایت متحیر ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا "ہیں! گنجبیس تم اتنی رات گئے یہاں کیسے اچانک پہنچے۔ میں تو تم سے تاکید کر آیا تھا کہ بر دیہ کو جسکی حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں اکیلا ہرگز مت چھوڑنا۔ پھر اس کے کیا معنی اور ...... تمہارے چہرہ پر اس قدر وحشت و پریشانی کیوں برستی ہے۔ کیا کوئی سانحہ ہوگیا۔ یا کسی پر کوئی آفت آئی۔ جلدی بتاؤ۔"

گنجبیس اپنے باپ کو فوراً جواب نہ دے سکا۔ اس کا پیارا باپ جس پر وہ اپنی جان تک فدا کرنے کو تیار تھا دوست و احباب کی مجلس میں بیٹھا ہوا کیسا تندرست و خوش و خرم نظر آتا تھا۔ غضب ہے کہ اس کا عیش مکدر ہو جائے اور ایسے خطرہ کا سامنا ہو جسکا خیال آتے ہی اُسے محسوس ہوا کہ قوت گویائی نے آج پھر جواب دے دیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد جب طبیعت کسی قدر سنبھلی تو کہنے لگا "اباجان! دیوتاؤں کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان آنکھوں نے آپ کو یہاں پھر صحیح و سلامت دیکھا۔ یہ خیال نہ فرمایئے کہ بلا کسی خاص وجہ کے میں بر دیہ کو چھوڑ کر یہاں آیا ہوں۔ مجھے خود نہایت افسوس و رنج ہے کہ اس محفل طرب میں مخل بھی ہوا تو ایسی منحوس خبر لیکر (سب سے مخاطب ہوکر) حاضرین میں اب زیادہ فضول گوئی کرکے وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ آگاہ ہو جایئے کہ آپ لوگ سخت خطرہ میں گھرے ہوئے ہیں اور دغا و فریب کے جال میں جلد پھنسنے والے ہیں۔" یہ

سُننا تھا کہ گویا بجلی گر پڑی۔ ہر شخص اپنی جگہ پر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ارستومینفس نے آہستہ سے اپنی تلوار میان میں ڈھیلی کی اور فینیس نے اپنے دست و بازو کو جنبش دی گویا یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ان میں پہلا سا قوت و زور اب بھی باقی ہے کہ نہیں۔ ہر شخص کی زبان پر یہی سوال تھا" یہ کیا معاملہ ہے خطرہ کیا ہے؟" کیا معاملہ ہے؟ خطرہ کیسا جلدی بتاؤ"

گیبجلیس۔ اس مکان کو چاروں طرف سے حبشی سپاہی گھیرے ہوئے ہیں۔ ایک معتبر شخص نے مجھے خبر دی ہے کہ شاہزادہ آپ لوگوں میں سے کسی ایک کو پکڑنا چاہتا ہے اور اس نے یہ تک حکم دیدیا ہے کہ اگر آسانی سے وہ ہاتھ نہ آئے اور مقابلہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔ مخبر نے مجھے دھوکہ نہیں دیا۔ کیونکہ جب میں اس محل کے باغ کے پھاٹک پر پہنچا ہوں تو میرا گھوڑا یکایک بھڑکا۔ میں فوراً اُتر پڑا۔ اور خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہر درخت و جھاڑی کی آڑ میں خونخوار و سیاہ فام آدمی چُھپے ہوئے ہیں اور چاند کی روشنی میں انکے ہتھیار چمک رہے ہیں لیکن میرے اندر آنے میں کوئی مزاحم نہیں ہوا"

اتنے میں رھوڈوفس کا غلام ناسیس بھی ہانپتا کانپتا اندر آیا اور گھبرا کر کہنے لگا۔" میں ایک نہایت ضروری خبر لایا ہوں۔ میں ابھی ابھی دریا کے کنارے پانی لینے گیا تھا کہ ایک شخص حواس باختہ بے تحاشہ دوڑتا ہوا میری طرف آیا۔ میں پہلے تو ڈرا مگر جب پہچانا تو معلوم ہوا کہ وہ فینیس کا حبشی ملاح ہے۔ اس شخص نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ وہ اپنی کشتی سے نکل کر دریا میں نہانے اترا تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شاہی بجرا قریب سے گذرا اور اسکے ایک سپاہی نے ملاح سے پوچھا کہ یہ کس کی کشتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ فینیس کی۔ یہ سُنتے ہی شاہی کشتی بظاہر لاپروائی کے ساتھ آگے نکل گئی۔ مگر وہ اور حالات معلوم کرنیکے لئے اُچک کر چپکے سے اُسکے پتھوار پر بیٹھ گیا۔ اور وہاں سے ایک سپاہی کو دوسرے سے چلا کر یہ کہتے سُنا۔" اس کشتی پر ذرا اچھی طرح نگاہ رکھنا۔ ہمیں اپنی چڑیا کا گھونسلا اب معلوم ہو گیا ہے اور اس کا پکڑنا آسان ہے۔

یاد رکھو شہزادہ انعام واکرام سے مالامال کر دیگا اگر سرخرو ہو گئے اور انتھینی کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لیگئے تو بیس سونیکے چھلوں کا تو پہلے ہی سے وعدہ ہو چکا ہے۔" اے معزز فینس! ہوشیار ہو جاؤ تمہارا ملاح سبک جس نے سات سال سے اس وفاداری کے ساتھ تمہاری خدمت کی ہے ہرگز جھوٹ نہ بولیگا۔" انتھینی نے گیجیس وغلام دونوں کی باتیں نہایت خاموشی کے ساتھ سُنیں۔ اسکے اطمینان واستقلال میں سرمو فرق نہ آیا۔ مگر رھوڈوفس خوف سے کانپنے لگی اور ارستومیقس غضبناک ہو کر بول اُٹھا۔ "خواہ تمام مصر برباد وتباہ ہو جائے مگر جب تک میں زندہ ہوں کیا مجال کہ فینیس کے سر کا ایک بال بھی بیکا ہونے پاوے"۔ کریسس بھی متردد ہو گیا اس نے کہا کہ وقت نازک ہے نہایت سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیئے۔ باقی تمام مہمان حد درجہ پریشان اور ایک دوسرے کا مُنہ تک رہے تھے بالآخر فینیس نے اپنی مہر سکوت توڑی اور اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا "خطرہ کے وقت انسان کو اپنے حواس بجا رکھنے چاہئیں۔ میں نے کافی غور وفکر کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ اب جانبری ناممکن ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصری پوشیدہ طور سے بغیر کچھ شور وشغب کئے میرے مارنے کی فکر میں ہیں۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ کل صبح تڑکے میں ایک فینقی ٹرائی ریمی میں نوکراٹیس سے روانہ ہونیوالا ہوں اس لئے انکے پاس وقت کم ہے اور میری گرفتاری میں جلدی کریں گے۔ رہوڈوفس تمہارا محل چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔ اگر میں یہیں چھپنے کی کوشش کروں تو یقین جانو کہ وہ تمہاری بھی کچھ پرواہ نہ کریں گے اور اندر گھسکر مجھے ڈھونڈھ نکالیں گے۔ علاوہ بریں میری کشتی پر بھی ان کا پہرہ ہوگا۔ اس لئے اب کسی قسم کی کوشش کرنا فضول ہے اور میں ہرگز اس کا روادار نہیں کہ آپ لوگوں کو میری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے اور ناحق کی خوں ریزی ہو"۔

ارسٹومیقس "مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اس طرح آسانی کے ساتھ اپنے کو حوالہ کردو اور ہم لوگ یونہی بیٹھے تماشہ دیکھا کریں"۔

تھیوپمپوس۔ (چلاکر) مجھے ایک بڑی اچھی تدبیر سوجھی ہے۔ میرا ایک تجارتی جہاز مصری غلہ سے بھرا ہوا کل علی الصباح کنوپس سے ملی توس کو روانہ ہونے والا ہے۔ تم اس بہادر ایرانی کے گھوڑے پر سوار ہو کر کسی طرح وہاں تک پہنچ جاؤ۔ ہم سب لڑ بھڑ کر باغ میں سے تمہارے لئے راستہ نکال دیں گے۔"

گیجیس۔ "میرے خیال میں یہ ناممکن ہے۔ ہم سب نہتے ہیں صرف دس آدمیوں میں سے تین ہی کے پاس تلواریں ہیں اور غنیم کی تعداد سو کے قریب ہے اور وہ پوری طور سے مسلح ہیں۔"

ارسٹومیقس۔ "(جھلاکر) میاں لڑکے اگر تم ایسے حلیف ہمت میں دس گُنے کم ہوں اور دشمن کی تعداد سو کیا بلکہ دو سو ہو تو بھی میں انکا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔"

یہ سنتے ہی **گیجیس** کا چہرہ سُرخ ہو گیا اسے ایک ایسے شخص نے جو بہادر و جنگجو مشہور تھا سب کے سامنے بزدل بنا دیا وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ زبان پر آ کر رُک گئے ہجوم جذبات نے پھر اُسے گونگا بنا دیا اور سکتہ کے عالم میں خاموش رہ گیا۔ پھر یکایک اُس کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور یہ فیصلہ کن الفاظ تیزی کے ساتھ زبان سے نکلے۔

"انفینی جلدی اُٹھو اور میرے ساتھ چلو۔ (ارسٹومیقس سے) آپ بزرگ و معمر ہیں اس لئے میں آپ سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر یاد رکھیئے کہ ذرا سوچ سمجھ کر اپنی زبان سے کوئی بات نکالا کیجئے۔ اور آئندہ بغیر جانے بوجھے کسی کو بزدل نہ بنا دیا کیجئے۔ دوستو! **فینیس** کی حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں اور اُسے میں ہی موت کے پنجہ سے چھڑا سکتا ہوں (کریسس سے) پیارے باپ! میری خطائیں معاف کیجئے گا۔ میں رخصت ہوتا ہوں۔ خدا حافظ۔" یہ کہکر **فینیس** کو زبردستی اُٹھا کر اپنے ساتھ لئے ہوئے۔ باہر نکل گیا۔ سب لوگ بڑی حیرت سے تکتے کے تکتے رہ گئے۔ اتنے میں اُنہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور اسکے تھوڑی دیر بعد دریا کی طرف سے سیٹیوں کے بجنے اور لوگوں کے چلّانیکی

آوازیں متواتر آئیں۔

رھوڈوفس نے اپنے ایک خادم سے گھبرا کر پوچھا "ناسیس کہاں ہے؟"

خادم "وہ نوجوان ایرانی اور فینیس کے پیچھے پیچھے باغ میں گیا تھا"

اتنے میں خود ناسیس خوفزدہ اور تھر تھر کانپتا ہوا اندر داخل ہوا۔

کری سیس "تم نے میرے لڑکے کو کہاں چھوڑا اور فینیس کا کیا حشر ہوا؟"

ناسیس "دونوں نے مجھ سے کہا ہے کہ آپ کو اُنکا رخصتی سلام پہنچا دوں"

کری سس "تو دونوں کیا چل بسے؟ کیونکر نجات پائی؟ کدھر نکل گئے؟"

غلام "یہاں سے نکلتے ہی پہلے تو دوسرے کمرے میں ایرانی و اتھینی میں تھوڑی دیر تک بہت بحث ہوتی رہی بعدہٗ مجھے کپڑے اُتارنیکا حکم دیا۔ فینیس نے ایرانی کی شلوار و کوٹ پہنا اور پیٹی لگائی۔ اور اسکی نوکدار ٹوپی اپنے سر پر رکھی۔ اور ایرانی نے اتھینی کا جبّان اور جبّہ زیب تن کیا۔ اس کا زریں حلقہ اپنی پیشانی پر لگایا۔ پھر اپنی مونچھوں و ڈاڑہی کے بال کترے اور مجھ سے کہا کہ انکے پیچھے پیچھے باغ میں آؤں۔ دروازہ پر پہنچتے ہی فینیس جو تبدیل لباس کے بعد بالکل ایرانی معلوم ہوتا تھا۔ اُچک کر گھوڑے پر بیٹھ گیا اور دوسرے نے چلا کر اس سے کہا "خدا حافظ گیجیس۔ الوداع میرے ایرانی دوست خدا تمہیں یہ سفر مبارک کرے"

اس وقت میں نے جھاڑیوں کے پیچھے سے ہتھیاروں کی جھنکار کی آواز سُنی اور سمجھا کہ اب سپاہی نکلے مگر کسی نے اتھینی کو نہ روکا اور نہ اُس کا تعاقب کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُسے ایرانی سمجھ کر دہوکہ میں آ گئے۔ جب میں پھر دروازہ پر لوٹ کر آیا تو ایرانی نے مجھ سے کہا "مجھے فینیس کی کشتی کی طرف لیچل اور اسی نام سے آیندہ مجھے پکارنا" میں نے عرض کیا کہ شاید کشتی والے اُسے نہ سمجھ سکیں۔ اس پر اس نے کہا کہ اچھا ملاحوں سے پہلے جا کر کہہ آؤ کہ وہ مجھے اپنے مالک ہی کے نام سے پکاریں۔ میں نے

یہ سنکر بڑی منت والتجا کے ساتھ کہا کہ حضور یہ لباس مجھے پہن لینے دیجئے اور خود اندر تشریف لیجائیے۔ مگر انہوں نے ایک نہ سُنی اور یہ کہا "کہ تیری چال ڈھال سے لوگ فوراً پہچان جائیں گا اور راز افشا ہو جائیگا۔" افسوس کہ اسکے صحیح ہونے میں کچھ شک بھی نہیں کیونکہ ایک آزاد شخص سر اُٹھاکر سیدھا چلتا ہے۔ مگر غلام کی گردن ہمیشہ جھکی رہتی ہے اور اس کے حرکات و سکنات میں وہ بات نہیں آتی جو شرفا کا خاصہ و مابہ الامتیاز ہے اور انکی خاص تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے۔ ہم کچھ بھی کریں مگر ہمیشہ غلام ہی رہیں گے اور ہماری آل داولاد بھی اسی کے تابع رہے گی۔ بھلا پیاز کے درخت میں کہیں گلاب کا پھول لگا ہے۔ اور مولی کے بیج سے نرگس و سنبل اُگے ہیں؟ غلامی سر کو جھکا دیتی ہے اور آزادی و حریت کا احساس انسان کو کچھ اور ہی بنا دیتا ہے۔"

کری سیس (متردد ہوکر) "جلدی بتا۔ میرے لڑکے پر پھر کیا گذری۔"

غلام۔ یہی تو عرض کر رہا ہوں۔ میں نے بہت کہا مگر انہوں نے اس غریب کی سرفروشی کو منظور نہ کیا۔ اور اے بادشاہ! آپ کو بہت بہت سلام و آداب کہتے ہوئے کشتی میں بیٹھ گئے۔ میں نے پھر بآواز بلند چلاکر کہا۔ خدا حافظ **فینس**۔ تمہیں سفر مبارک ہو۔" اسوقت آسمان پر ایک ابر نے چاند کو چھپا لیا تھا اور چاروں طرف تاریکی چھا گئی تھی اس لئے میں کچھ دیکھ تو سکا مگر یکایک لوگوں کے چلانے کی آوازیں آئیں اور کچھ دیر بعد کشتی کے کھینے کی آواز بھی سُنائی دی۔ میں آپ لوگوں سے یہ تمام حالات کہنے کے لئے واپس آنے والا ہی تھا کہ اتنے میں **سبک** ملاح تیرتا ہوا کنارہ پر آیا اُس نے بیان کیا کہ مصری غوطہ خوروں نے **فینس** کی کشتی میں سوراخ کر دیئے تھے اس لئے وہ جیوں ہی بیچ منجدھار میں پہنچی فوراً پانی بھر گیا اور وہ ڈوبنے لگی۔ اس پر ملاحوں نے مدد کیلئے شور مچایا تو شاہی کشتی جو پیچھے پیچھے آرہی تھی پاس آگئی اور اسکے سپاہیوں نے امداد کے بہانے مصنوعی **فینس** کو اُٹھاکر اپنی کشتی میں بٹھا لیا۔ مگر دوسروں کو قریب نہ آنے دیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام ملاح سوائے **سبک** کے جو بڑا تیراک ہے اپنی کشتی کے ساتھ ڈوب گئے۔ اس طرح

گیجیس بھیس بدلے ہوئے مصریوں کی زیر حراست ہیں اور فنیس کی جان بچگئی۔ اوراب وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچنے والے ہونگے۔ سیٹی کی آواز محاصرین کو واپس بلانیکے لئے ہوگی کیونکہ میں نے لوٹتے وقت جھاڑیوں کو اچھی طرح دیکھا مگر وہاں کسی کا پتہ ونشان نہ پایا۔ البتہ دور سیئز کی سڑک پر سپاہیوں کے چلنے کی آواز اور ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دیتی تھی"۔

رھوڈوفس کے مہمانوں نے نہایت اضطراب اور توجہ سے یہ واقعہ سُنا۔ انکے دل کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ خوشی اور غم دونوں ملے ہوئے تھے۔ پہلے تو یہ معلوم کرکے کہ ایک عزیز دوست اتنے بڑے خطرہ سے بچگیا۔ سب کو نہایت مسرت واطمینان ہوا۔ مگر دوسرے بہادر سرفروش نوجوان کا خیال آتے ہی سب کے دل بیچین ہوگئے۔ سب اسکی ہمت و جوانمردی کی داد دینے لگے۔ اور کریسس کو ایسے فخر خاندان فرزند پر مبارکباد دینے لگے۔ اور اسکے اطمینان ودلاسے دینے کے لئے کہنے لگے کہ جیوں ہی شہزادہ کو اپنی غلطی معلوم ہوگی وہ فوراً نہ صرف گیجیس کو چھوڑ دیگا بلکہ اس سے معافی کا خواستگار ہوگا۔

کریسس کو اسلئے اور بھی زیادہ تسکین تھی کہ اُسے اماسس کی دوستی پر پورا بھروسہ تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ ایرانیوں کی قوت سے ڈرتا ہے۔ کچھ دیر بعد جب محفل برخاست ہوگئی تو وہ رھوڈوفس سے رخصت ہوکر تھیوپمپوس کے مکان پر باقیماندہ رات بسر کرنے چلا گیا۔ اسپارٹی نے چلتے وقت اس سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملا کر کہا "گیجیس کو میری طرف سے بہت بہت شاباشی دیجئے گا۔ میں اس سے معافی کا خواستگار ہوں اور اسکی دوستی کا بہت خواہشمند ہوں لیکن اگر یہ اوسے کو منظور نہ ہو تو بحیثیت ایک معزز حریف کے اس سے بخوشی مقابلہ کرنیکو تیار ہوں"۔

کریسس "کیا معلوم آیندہ کیا ہونے والا ہے"۔

باب نواں

تیرِ عشق

عجب سُہانا وقت ہے۔ آفتاب ابھی افق مشرق سے نمودار نہیں ہوا ہے نسیم سحری کے ہلکے ہلکے جھونکے چل رہے ہیں اور درختوں و پودوں کی نازک نازک ٹہنیوں سے اٹھکھیلیاں کر رہے ہیں۔ پھول و پتوں پر شبنم کے قطرے آبدار موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ سبزہ کا لہلہانا، پھولوں کا مہکنا، پانی کی روانی، اور ہوا کی تازگی۔ غرضکہ نہایت ہی فرحت بخش سماں ہے جس سے لطف اُٹھانیکے لئے رہوڈوفس کی نواسی یعنی پریجمال سافو اپنی بڑھیا دایہ مُلیتہ کے ہمراہ باغ کی سیر کو نکلی ہے۔ اُسکے خوبصورت و گھنے گھونگرے بالوں پر ایک سُرخ رومال بندھا ہوا ہے۔ اسکے نازک جسم پر ایک ہلکا سا ڈھیلا ڈھالا سفید لباس بہت زیب دے رہا ہے۔ اس کا چہرہ جوش و مسرت سے تمتما رہا ہے۔ اور جب مسکراتی ہے تو پتلے پتلے ہونٹھ غنچہ کی طرح کھل جاتے ہیں۔ رخساروں کے گڈھے عجیب دلفریب معلوم ہوتے ہیں۔ اسکی اداؤں سے غضب کی شوخی، الھڑپن، و شرارت برستی ہے۔ کبھی روِش و کیاریوں کے اُبلتی کودتی جاتی ہے۔ کبھی جھک کر کسی کلی کو توڑ لیتی ہے اور اسکی شبنم کو دایہ کے مُنہ پر چھڑک کر زور سے قہقہہ مارتی ہے اور کبھی گلاب کو اپنی کرتی پر کھونس کر کسی جگہ بیٹھ جاتی ہے اور عجیب دلکش آواز سے یہ گیت گانے لگتی ہے۔

کیوپڈ عشق کا جو دیوتا ہے ملک یونان میں بڑی سوتی تھی اسکی بیٹیوں نہیں شہد کی مکھی گیا وہ دوڑ کر وینس کے پاس اور یوں وہ چلّایا		لگا تھا لیٹنے تھک کر ذرا پھولوں کے بستر پہ وہ جاگی اور سختی سے دیا اُس نے چبھو نشتر کہ اک چھوٹی سی شے نے کاٹ کھایا مجکو اماں در

وہ تھی پردار ناگن یا تھی شاید شہد کی مکھی لگی ماں مسکرا کر کہنے۔ اے فرزند حیرت ہے ذرا سوچ اپنے دل میں، کرتا ہی جس دل کو تو زخمی	رہا ہے نام جس کا یاد اک دہقان سے سنکر تو اک چھوٹی سی مکھی کو ہوا ہے ڈنک سے مضطر بدلتا ہوگا کیا کیا درد سے وہ دم بدم تیور

(ابیات شاعر انگریز)

لڑکی۔ (ہنس کر اور بھولے پن سے) "کہو میرا گیت پسند آیا کہ نہیں؟ ذرا اس کی بیوقوفی دیکھنا مکھی کو پردار سانپ سمجھ گیا۔ نانی اماں کہتی ہیں کہ اس غزل کے اور بھی کئی شعر ہیں۔ میں نے بہت پوچھے مگر انہوں نے نہ بتائے۔ تمہیں تو ضرور یاد ہونگے۔ اچھی ملیمہ ذرا گا کر سناؤ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اچھا نہ بتاؤ میں تم سے نہیں بولتی۔ تم ہنستی ہو معلوم ہو گیا کہ تمہیں بھی نہیں معلوم۔ بھلا مجھے کیا سکھاؤ گی؟"

بوڑھی دایہ۔ (بہانہ کر کے) "سچ کہتی ہو مجھے نہیں معلوم۔ یہ کوئی نیا گیت ہے۔ مجھے تو پرانی غزلیں یاد ہیں۔ (یکایک لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر) یہ آواز کیسی؟ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے"

لڑکی۔ (چونک کر) ہاں میں نے بھی ابھی ابھی گھوڑے کی ٹاپ کی آواز سنی تھی۔ لے لو پھر کوئی کھٹکھٹا رہا ہے۔ ذرا جا کر دیکھنا یہ کون ہے جو اتنے سویرے ملنے کے لئے آیا ہے۔ اچھا میں سمجھ گئی شاید فنیس ہونگے جو ابھی تک روانہ نہیں ہوئے اور اب رخصت ہونیکے لئے آئے ہیں"

دایہ۔ (متفکر ہو کر) نہیں فنیس تو کب کے چل دیئے۔ رھوڈوفس کا حکم ہے کہ کسی غیر شخص کی نگاہ تم پر نہ پڑے۔ جاؤ بیٹی تم گھر کے اندر جاؤ۔ میں دروازہ کھولتی ہوں۔ دیکھو پھر کسی نے کھٹکھٹایا"

سافو یہ سنتے ہی فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگی مگر کچھ دور جا کر یکایک اس کا ارادہ بدل گیا اور اپنی دایہ کے حکم کے خلاف ایک گلاب کی جھاڑی کے نیچے چھپکر کھڑی ہو گئی اور دیکھنے لگی کہ کون ملنے آیا ہے۔ گذشتہ رات کے واقعات اس خیال سے کہ وہ پریشان نہو

اس سے پوشیدہ رکھے گئے تھے مگر اسے یہ معلوم تھا کہ اتنے سویرے سوائے اسکی نانی کے چند بے تکلف دوستوں کے جو دعوت میں شامل تھے اور کوئی یہاں نہیں آسکتا۔ اس لئے اس نووارد کو دیکھنے کا بے اختیار اُسکے دل میں شوق پیدا ہوا۔ ملیسّتہ نے جیسے ہی باغ کا دروازہ کھولا ایک نہایت حسین و جمیل نوجوان لڑکا بہت نفیس و پر تکلف پوشاک پہنے اندر داخل ہوا۔ سافو کی نظر جیوں ہی ایرانی شہزادہ پر پڑی تو اس کا عجیب لباس اور غیر معمولی حُسن دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئی۔ نہ اس میں اپنی جگہ سے ہلنے کی تاب تھی اور اپنی آنکھوں کو اسکے چہرے پر سے ہٹا سکتی تھی۔ اُسے خیال ہوا کہ شاید کوئی خواب دیکھ رہی ہے اور سورج دیوتا کا رتھبان اور میوزز[1] کا سردار سُرخ بالوں والا اپالو سامنے کھڑا ہوا ہے۔ اتنے میں دایہ اور اجنبی دونوں باتیں کرتے ہوئے اس جھاڑی کے قریب سے گذرے جہاں وہ چھپی ہوئی تھی۔ سافو نے پھولوں کی ڈالیوں کو اُٹھا کر اپنا خوبصورت چہرہ ذرا اور آگے بڑھایا تاکہ انکی باتوں کو سُن سکے۔ نوجوان ایرانی بڑھیا خادمہ سے اپنی ٹوٹی پھوٹی یونانی زبان میں کرہی سس اور اسکے لڑکے کا حال بڑی بے چینی سے پوچھ رہا تھا اس طرح سافو کو گذشتہ رات کے جب تمام واقعات معلوم ہوگئے تو بہت حیران ہوئی۔ فیلنیس کی حالت پر افسوس کرنے لگی۔ گیجیلیس کو دعائیں دینے لگی اور دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ آخر یہ اجنبی کون ہے جو ایسی شان و شوکت کے ساتھ یہاں آیا ہے۔ وہ اپنی نانی کی زبانی کورش اعظم کے کارناموں و فتوحات کا ذکر کرہی سس کے ادبار اور ایرانیوں کی دولت و ثروت کے حالات سُن چکی تھی مگر اُسے ہمیشہ یہی خیال تھا کہ ایشیا کے لوگ بڑے جاہل اور غیر مہذب ہوا کرتے ہیں۔ اب جو ایک جیتی جاگتی تصویر یعنی شہزادہ بردیہ پر نظر پڑی تو اس کے خیالات رفتہ رفتہ بدلنے لگے اور ایرانیوں کی طرف ایک خاص کشش دل میں پیدا ہونے لگی۔

[1] ملکات ربانی۔ نغمہ و شعر قوتیں جنہیں قدیم یونان میں دیویاں بنا کر پوجتے تھے۔

اتنے میں خادمہ اپنی مالکہ سے نووارد کے آمد کی اطلاع کرنے کی غرض سے مکان کے اندر جانے لگی۔ سافو نے بھی چاہا کہ جلدی سے نکل کر خود بھی اسکے پیچھے پیچھے ہولے مگر اُسے خبر نہ تھی کہ وہی لڑکا ایراس[1] جسکی حماقت پر ابھی تھوڑی دیر ہوئی وہ ہنس رہی تھی اسی کی گھات میں لگا ہوا ہے۔ جیسے ہی اُس نے گھبرا کر نکلنا چاہا کانٹوں میں کپڑے اُلجھ گئے اور ایک چشم زدن میں وہی حسین نوجوان سامنے آموجود ہوا اور دغاباز جھاڑی کے پھندے سے اُسے چھڑانے لگا۔ سافو کی زبان سے شکریہ کا ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ اسکی آنکھیں مارے شرم کے نیچے گر گئیں اور چہرہ پر ایک عجیب دلفریب اضطراب و پریشانی چھاگئی۔ مگر یہ کیفیت صرف تھوڑی دیر تک رہی جیوں ہی اسکے دل سے اچنبھا اور خوف دور ہوگیا تو مزاج کی شوخی اور لڑکپن کی چلبلاہٹ نے رنگ دکھایا۔ اپنی عجیب حالت اور اجنبی کی سنجیدگی وخاموشی کو دیکھ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور آہوئے نورمیدہ کی طرح دامن چھڑا کر مکان کی طرف بھاگی۔ ایرانی کے ہوش وحواس تھوڑی دیر کے لئے غائب ہوگئے تھے مگر اس نے اپنی طبیعت کو فوراً سنبھالا اور دو تین جستوں میں لڑکی کے پاس پہنچکر جلدی سے اسکا ہاتھ پکڑ لیا لاکھ لاکھ اس نے کوشش کی مگر نہ چھوڑا۔

سافو۔ دزدیدہ نگاہوں سے شاہزادہ کی طرف دیکھکر اور ایک ایسے لہجہ سے جس میں شرارت وسنجیدگی دونوں ملی ہوئی تھی ” افوہ۔ کلائی میں موچ آگئی۔ دیکھئے میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے “

شاہزادہ ” یہ کیسے ہوسکتا ہے جو ایسی مشکل سے ہاتھ آیا ہو۔ بھلا کوئی اُسے آسانی سے چھوڑتا ہے۔ ہاں البتہ اگر یہ پھول جو آپکے سینہ پر لگا ہے۔ مجھے بطور نشانی کے عطا ہو تو شاید مان جاؤں “

سافو ” دیکھئے مجھے جانے دیجئے۔ جبتک میرا ہاتھ نہ چھوڑیگا میں آپ سے کیونکر

[1] عشق کا دیوتا۔

وعدہ کر سکتی ہوں۔"

شاہزادہ "- اور اگر میں نے چھوڑ دیا اور تم بھاگ گئیں۔"

لڑکی "- نہیں میں بھاگونگی نہیں۔"

شاہزادہ "- اچھا تو چھوڑتا ہوں۔ اب وہ پھول عنایت کیجیے۔"

لڑکی۔ (آزاد ہو کر اور ایک عجب دلربانہ ادا سے گلاب کی جھاڑی کی طرف اشارہ کر کے) "جائیے اس سامنے والی جھاڑی میں اس سے بھی اچھے پھول لگے ہیں۔ ایک توڑ لائیے میرے پھول میں کونسی ایسی خصوصیت ہے کہ آپ اسکے خواہاں ہیں۔"

شاہزادہ "- وہ ایک ایسے حور وش پری پیکر کی نشانی ہے جس کے برابر آجتک میں نے کوئی حسین نہیں دیکھا۔ میں اُسے اپنے پاس جان سے زیادہ عزیز رکھونگا۔"

لڑکی "- خوب! اب میں سمجھی۔ اچھا تو اب آپ کو یہ پھول نہیں ملیگا کیونکہ جو کوئی مجھکو حسین کہتا ہے میری برائی چاہتا ہے اور جو مجھے نیک کہے گا وہ ہی میرا سچا بہی خواہ ہے۔"

شاہزادہ "- یہ تم سے کس نے کہا۔"

لڑکی "- یہ میری نانی رہوڈوفس نے۔"

شاہزادہ "- اچھا تو میں بھی کہتا ہوں کہ تمہارے برابر نیک لڑکی مجھے دنیا میں نہیں ملی۔"

لڑکی "- یہ آپ کی بنائی ہوئی بات ہے۔ بھلا آپ مجھ سے بلا واقف ہوئے یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ میں بعض وقت بڑی شرارت و نافرمانی کرتی ہوں۔ اگر نیک ہوتی تو بجائے آپ سے باتیں کرنیکے میں فوراً اندر چلی جاتی۔ نانی اماں کا سخت حکم ہے کہ غیر مردوں کے سامنے میں باغ میں نہ جایا کروں اور مجھے بھی واقعی اُن لوگوں کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں جو ہمیشہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

شاہزادہ۔ (افسردہ ہو کر) "تو کیا تمہارا مطلب ہے کہ میری باتیں بھی ناگوار خاطر ہوئیں اور میں اب سامنے سے چلا جاؤں۔"

لڑکی "نہیں نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔ میں آپ کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ حالانکہ آپ کو ہماری زبان ایسی عمدہ نہیں آتی جیسی اَبی کوس یا غریب فینِس کو آتی ہے جنہیں ہنوز ابھی مَلیئِتَہ کی زبانی سُنا کہ ایسی جلدی میں یہاں سے بھاگنا پڑا۔"

شاہزادہ "تمہیں کیا فینِس سے محبت ہے؟"

لڑکی "محبت! میں اسکا مطلب نہیں سمجھی۔ ہاں میں فینِس کو بہت چاہتی ہوں۔ جب میں چھوٹی سی تھی تو وہ میرے لیے ہمیشہ سیمِرْ و ممفِس سے گُڑیاں و کھلونے لایا کرتے تھے اور جب بڑی ہوئی تو انھوں نے مجھے اچھی اچھی کتابیں پڑھائیں اور اب چلتے وقت ایک چھوٹا سا خوبصورت گدھا دیئے ہیں جو ایسا سفید و تیز گام ہے کہ میں نے اسکا نام آرگس رکھا ہے اور تھوڑے دنوں بعد ہمارے فینِس کا ایک اور تحفہ بھی یہاں آنے والا ہے۔ دیکھا میں کہتی تھی نا کہ میں کس قدر نافرمان ہوں۔ ابھی ابھی میری زبان سے ایک بڑی راز کی بات نکل گئی تھی۔ نانی اماں نے سخت منع کر دیا تھا کہ یہ باتیں غیروں سے کہنے کی نہیں ہیں اور اپنے ان چھوٹے مہمانوں کا ذکر جو عنقریب ہمارے یہاں آنیوالے ہیں کسی سے نہ کرنا چاہیئے مگر خدا جانے مجھے کیا ہو گیا (شرما کر) آپ کو دیکھتی ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک عرصہ کی شناسائی ہے۔ اور آپ کی آنکھوں میں ایسی نیکی و سچائی ہے کہ کوئی بات چھپانا نہیں چاہتی اس گھر میں سوائے نانی اماں اور بڑھیا مَلیئِتَہ کے کوئی ایسا نہیں جس سے میں اپنے دل کی باتیں کہہ سکوں۔ اور میری عقل میں نہیں آتا کہ یہ دونوں بھی گو اس قدر مجھ سے محبت کرتی ہیں مگر یہ سب سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کیوں بعض اوقات اچھی و خوبصورت چیزوں کو دیکھ کر میرے دل کو اس قدر خوشی و مسرت ہوتی ہے۔"

شاہزادہ "یہ عمر کا تقاضہ ہے۔ عمر رسیدہ لوگ نوجوانوں کی خوشیوں اور اُمنگوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ شاید یہاں کوئی تمہاری ہم عمر ایسی لڑکی نہیں ہے جس سے تم کو خاص الفت ہو اور اُسکے ساتھ ملکر اپنا دل بہلاؤ۔"

لڑکی "ہاں - یہاں کوئی بھی نہیں - نوکرانیتیں میں بہت سی لڑکیاں ہیں مگر نانی اماں کہتی ہیں کہ وہ اچھی نہیں - اور مجھے اُنسے ملنے نہیں دیتیں - وہ ہمارے یہاں نہیں آتیں اس لئے ہم بھی اُن سے ملنے نہیں جاتے"

شاہزادہ "مجھے تمہاری حالت پر بڑا رحم آتا ہے - اگر تم ایران میں ہوتیں تو میں بہت جلد ایک اچھی سہیلی پیدا کردیتا میری ایک بہن ہے جسکا نام اتوسا ہے وہ بھی ایسی ہی خوبصورت و نیک خصلت ہے جیسی تم ہو"

لڑکی "کیا اچھا ہوتا کہ وہ اسوقت آپکے ساتھ یہاں ہوتیں - (شرمیلی اداسی) اور ہاں آپنے مجھے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں"

شاہزادہ "میرا نام بردیہ ہے"

لڑکی "بردیہ! کیا عجیب نام ہے! بردیہ - بردیہ - (آنکھیں نیچی کرکے) مجھے یہ نام بہت پسند ہے - اور ہاں شریف گری سس کے اس بہادر لڑکے کا جسنے فینس کی جان بچائی ہے - کیا نام ہے"

بردیہ "اس کا نام گیجیس ہے - وہ دارا اور دودہ یا[1] میرے بہت بڑے دوست ہیں - ہم تینوں نے قسم کھائی ہے کہ کبھی جدا نہ ہونگے اور ایک دوسرے کے لئے اپنا خون بہادیں گے - یہی وجہ ہے کہ میں بلا کسی کو خبر کئے گیجیس کی امداد کے لئے خفیہ طور سے اس قدر سویرے تڑکے یہاں آیا ہوں"

لڑکی "آپ کا آنا بیکار ہوا"

بردیہ "نہیں متھرا کی قسم ہرگز بیکار نہیں ہوا - کیونکہ میں نہ آتا تو تم کہاں ملتیں - اچھا مجھ سے تو پوچھ چکیں اب یہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے"

لڑکی "میرا نام سافو ہے"

بردیہ "کیا پیارا نام ہے! تم کہیں اس مشہور شاعرہ کے خاندان سے تو نہیں ہو جسکے اشعار گیجیس کو بہت یاد ہیں - اور اکثر پڑھا کرتا ہے"

[1] زیپیروس (یونانی) - دودہ یا (قدیم فارسی) - دوشندہ (موجودہ فارسی) - اس ناول میں فارسی مرادف کو قایم رکھا گیا ہے -

سافو "ہاں وہ میرے دادا چرکسس کی بہن تھیں۔ اور دسویں میوز یا السبین ہُو ان کے لقب سے مشہور تھیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ گیجیس کو یونانی زبان آپ سے زیادہ اچھی آتی ہے۔"

بردیہ "ہاں! کیونکہ لڑکپن سے اس نے اسی زبان میں تعلیم پائی تھی۔ اور اب ہماری زبان پر بھی کافی مہارت حاصل کر لی ہے اور اس سے بھی بہتر و برتر یہ کہ ہمارے ملک کے فضائل حمیدہ و نیک عادات کو بھی پوری طور سے سیکھ گیا ہے۔"

سافو "آپ کے ملک میں سب سے بڑی نیکی کیا سمجھی جاتی ہے۔"

بردیہ "اولاً راستبازی۔ دوئم ہمت و جوانمردی۔ سوئم اطاعت و فرمانبرداری۔ انہیں تینوں نے اور دیوتاؤں کی پرستش نے آج ہماری قوم کو سرتاج عالم بنا دیا ہے۔"

سافو "مگر میں تو سمجھتی تھی کہ آپ لوگ دیوتاؤں کو نہیں مانتے۔"

بردیہ "بیشک ہم لوگ دیوتاؤں[1] کو نہیں مانتے۔ یہ لفظ میں نے تمہارے سمجھانیکے لئے کہا تھا۔ ہم صرف ایک ہی خالق اکبر یعنی اَہُرمَزد کو سب پر برتر و افضل جانتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کو نادان و گمراہ سمجھتے ہیں جو اسکی بعض صفات کو دیوتا سمجھ کر پوجتے

---

[1] ہیرودوتس لکھتا ہے "ایرانی اپنے معبدوں میں بُت نہیں رکھتے بلکہ بت پرستوں کو سخت جاہل و گمراہ سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے خدا کو انسان کی طرح صاحب جسم نہیں کہتے اور عبادت کیلئے پہاڑوں کی بلند چوٹی پر جاتے ہیں۔" یہ حالت آگے چل کر باقی نہ رہی اور بت پرستوں مثلاً اہل اشور اور عرب کی جہالت سے متاثر ہو گئے۔ مرزا عباس ایران نامہ میں دارائے اعظم کے عقائد کے متعلق یوں لکھتے ہیں:۔ "یزداد اورمزد خدائے بزرگ و خدائے قوی آفرینندہ کائنات است۔ انحراف از جادۂ مستقیم (راستی) و نافرمانی اورمزد گناہ است۔ از دروغ و قحط سالی بہ اورمزد پناہ می برد۔ صراحتاً اسمی از اہرمن یا ایزداں مہر و ناہید و آتش وغیرہ نیاوردہ۔" یہ اُس کے (دارائے اعظم) کتبات سے ماخوذ ہے۔

لگتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں تمہاری طرح تصویریں اور بت نہیں ہوتے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ معبود برحق کسی خاص مقام و محل کا محتاج و مقید نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ ہر بات کو سُننے والا۔ ہر شے کو دیکھنے والا۔ اور بہت بڑا سمیع و بصیر ہے۔"

سافو۔ "اگر آپ کے یہاں مندر نہیں ہیں تو آپ لوگ اپنے اہُرمزد کی پرستش کہاں کرتے ہیں۔"

بردیہ۔ "اُس کی سب سے بڑی عبادت گاہ[1] نیچر و قدرت ہے اور اس میں بھی افضل ترین پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں جہاں وہ صانع مطلق یعنی اہرمزد جسکے پاک نور سے تمام چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ نزدیک آجاتا ہے اور اسکی قدرت کی سب سے بڑی تجلی یعنی متھرا ہمارا آفتاب عالمتاب بھی زیادہ قریب ہوجاتا ہے۔ وہاں تاریکی و ظلمت بدیر آتی ہے اور روشنی و نور سب سے پہلے نمودار ہوتا ہے۔ اول الذکر بدی و شر۔ گناہ و معصیت کی علامت ہے اور آخر الذکر نیکی و پاکی کی نشانی ہے۔

کبھی تم نے کسی پہاڑ کی اونچی و سرسبز چوٹی پر چڑھکر کارگاہ عالم کی سیر کی ہے۔ وہاں کی عجیب و غریب خاموشی و عالی شان منظر کس کی یاد دل میں پیدا کرتے ہیں؟ کبھی تم نے جنگل کی جڑی، بوٹیوں، پھول پتوں اور صاف چشموں کی روانی پر غور کیا ہے۔

[1] قدیم ایرانیوں کے معبد نہایت سادہ تھے۔ وہ پہلے پہاڑیوں کی چوٹی پر چڑھکر ہرمزد کی عظمت و شان یاد کرتے اور دعائیں مانگتے۔ بعدازاں مرتفع مقامات پر ایک چبوترہ بنا کر اگن ہوتر نصب کیا گیا۔ جس پر چھت وغیرہ کچھ نہیں تھی۔ اور اوپر سے آسمان کی طرف بالکل کھلا ہوا تھا۔ دیگر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہان کیانیوں کے زمانہ میں بڑے بڑے عالی شان آتشکدے بنگئے تھے۔ فردوسی لکھتا ہے کہ جب کیخسرو نے افراسیاب کو شکست دی تو ایک بڑا آتشکدہ بنایا جسکا نام اوہرجشنسک تھا۔ ابن خردویہ کا بیان ہے کہ ساسانیوں کے زمانہ تک یہ اسقدر متبرک سمجھا جاتا تھا کہ جب کوئی بادشاہ تخت نشین ہوتا تو مدائن سے پاپیادہ پہلے اس کی زیارت کو آتا تھا۔ (پروفیسر جیکسن)

اگر ایسا کرتیں تو یزدانِ پاک کی معرفت کے تمام دفتر کھل جاتے۔ تم مجھے حیرت سے دیکھتی ہو۔ مگر سچ کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ چلو تو ایسے ایسے تماشے دکھاؤں کہ اُسی وقت اس معبودِ برحق کی حمد و ثنا کرتی ہوئی سجدے میں گر پڑو۔"

سافو۔ "ہاں! کیا اچھا ہوتا کہ کسی دن میں آپ کے ساتھ چلتی اور کسی پہاڑ کی اونچی چوٹی پر چڑھ کر آبادیوں، جنگلوں، سبزہ زاروں اور دریاؤں کا نظارہ کرتی۔ کوئی شے میری نگاہ سے پوشیدہ نہ رہتی اور سب میرے قدموں کے نیچے نظر آتے۔ اس وقت شاید میں اپنے ہی کو تمام عالم کی ملکہ سمجھنے لگتی۔ (یکایک ٹھٹک کر) یہ کیا تھا؟ کسی کی آواز ہے۔ نانی اماں مجھے بلا رہی ہیں اچھا تو میں اب جاتی ہوں۔"

بردیہ۔ (بیتاب ہو کر) "میری حور وش ملکہ! ابھی نہ جاؤ۔"

سافو۔ (مسکرا کر) "آپ ابھی کہہ چکے ہیں کہ اطاعت بھی ایرانیوں کے ایک نیک خصائل سے ہے۔"

بردیہ۔ (قائل ہو کر) "اچھا تو میرا پھول دیتی جائیے۔"

سافو۔ (عجیب دلفریب ادا سے) "یہ لیجیے۔"

بردیہ۔ "تم مجھے بھولو گی تو نہیں۔"

سافو۔ (آنکھیں نیچی کر کے) "یہ بھلا کیونکر ہو سکتا ہے۔"

بردیہ۔ "میری پیاری۔ معاف کرنا۔ میری ایک التجا اور قبول کرتی جاؤ۔"

سافو۔ (گھبرا کر) "وہ کیا ہے جلد ہی کہیے۔ دیکھیے نانی اماں پھر بلا رہی ہیں۔"

بردیہ۔ "یہ ہیرے کا ایک ستارہ ہے میری نشانی سمجھ کر اپنے پاس رکھ لو۔"

سافو۔ "جی نہیں۔ مجھے معاف کیجیے۔"

بردیہ۔ "دیکھو۔ نہ لو گی تو مجھے رنج ہوگا۔ یہ میرے باپ کی یادگار ہے۔ جب میں نے پہلے پہل ایک ریچھ مارا تھا تو انھوں نے مجھے بطور انعام کے بخشا تھا۔ اس وقت سے

آج تک میں نے کبھی اسے اپنے پاس سے جدا نہیں کیا۔ مگر اب یہ تمہارا ہو چکا۔ کیونکہ تم سے بڑھ کر اب کوئی نہیں۔ تم میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔"

یہ کہہ کر شاہزادہ نے اپنے گلے سے وہ طلائی زنجیر جس میں ہیرے کا ستارہ نما تمغہ جگمگا رہا تھا۔ اتار کر لڑکی کے گلے میں ڈالنا چاہی۔ مگر وہ ایسے بیش بہا تحفہ کو دیکھ کر کسی طرح راضی نہ ہوتی تھی۔

بردیہ نے کمر میں ہاتھ ڈال کر پیشانی کا بوسہ لیا۔ وہ تڑپ کر اپنے کو چھڑانا چاہتی تھی۔ مگر اس نے ایک نہ مانی اور زنجیر گلے میں ڈال دی "اور میری پیاری میری جان" کہکر اسکی سیاہ و متوالی آنکھوں میں ایسی محبت سے دیکھا کہ وہ مجبور و لاچار ہوگئی۔ اندر سے پھر بلانے کی آواز آئی اور سافو گھبرا کر بردیہ کی آغوش سے نکل کر بھاگی۔ مگر تھوڑی دور جا کر پھر ٹھہر گئی شہزادہ نے بڑی منت سے پوچھا "اب کب ملو گی"

سافو دبی زبان سے "کل صبح اسی جھاڑی کے پاس"

شاہزادہ "مجھے اس جھاڑی سے اب خاص الفت ہوگئی ہے اگر اسکے پھول دکائی مدد نہ کرتے تو تم کبھی کی چلی گئی ہوتیں"

سافو نے مسکرا کر اپنے ہاتھ کے اشارہ سے الوداع کہا اور جلدی سے مکان کے اندر چلی گئی۔ بعدہ رھوڈوفس نے بردیہ کو ملاقات کے لئے اپنے کمرہ میں بلایا اور اس سے گذشتہ رات کا تمام حال کہہ سنایا۔ پھر کچھ دیر ٹھیر نیکے بعد شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو کر سیئیز واپس چلا گیا۔

اس رات جب رھوڈوفس حسب معمول اپنی نواسی کی خوابگاہ میں آئی تو اسکی حالت میں ایک عجیب تغیر پایا۔ وہ سو رہی تھی مگر ہونٹ متحرک تھے اور ایسی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لے رہی تھی گویا کوئی خواب پریشان دیکھ رہی ہے۔

بردیہ کو راستہ میں دارا اور زوپیرس ملے۔ ان دونوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ایسے

چُپکے سے چلدیا ہے تو خود بھی پیچھے پیچھے تلاش میں نکلے اور اُسے بخیریت دیکھ کر خوش ہوئے انہیں یہ خبر نہ تھی کہ انکے دوست کو ایک عجب دشمن سے سامنا پڑا تھا۔ یعنی حضرت عشق کے تیر کا نشانہ بن کر زخمی و گھائل واپس آرہا ہے۔ کری سس ان تینوں دوستوں کی آمد سے کچھ دیر قبل سیز پہنچگیا تھا۔ اس لئے فوراً فرعون کے پاس جاکر گذشتہ رات کے تمام حالات بے کم و کاست سُنادیئے۔ اماسس کو اپنے لڑکے کی حرکت پر سخت تعجب ہوا اور اسکی ناکامیابی پر اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگا۔ پھر اپنے دوست کو یقین دلاکر کہا کہ گیجبیس فوراً رہا کردیا جائیگا۔

کری سس رخصت ہوکر باہر گیا ہی تھا کہ شہزادہ سامتیک کی آمد کی خبر بادشاہ کو سُنائی گئی۔

بابُ دسواں

سامتیک کی دھمکی

اماسس نے اپنے لڑکے کو دیکھتے ہی بڑے زور سے قہقہہ مارا اور اسکے اضطراب و افسردگی کا کچھ خیال نہ کرکے چلاکر کہا "میں کہتا نہ تھا کہ ایک بھولے بھالے مصری کے لئے یونانی کو پکڑنا جو لومڑی سے بھی زیادہ ہوشیار و چالاک ہے کچھ آسان کام نہیں ہے۔

جسے تم اپنا دشمن فصیح البیان اتھینی سمجھ رہے تھے وہ ہمارے دوست کری سس کا ہکلا لڑکا نکلا۔ میں سچ کہتا ہوں عجب تماشہ ہوا ہوگا۔ اگر میں اُس وقت

موجود ہوتا تو اپنے ملک کے دس شہر انعام میں دے دیتا۔"

سامتیک کا چہرہ اور زرد ہو گیا۔ وہ مارے غیظ و غضب کے کانپنے لگا اور بھرائی ہوئی آواز سے کہنے لگا۔ "باپ! یہ کس قدر نازیبا ہے کہ آپ اپنے لڑکے کی ہتک و پشیمانی پر اس قدر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر کمبوجیہ کا خیال نہ ہوتا تو اپنے لازوال دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس گستاخ لڑکے کو دوسرا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ لیکن آپ کو کچھ پرواہ نہیں۔ آپ کے فرزند کو یہ بدمعاش یونانی کتنا ہی ذلیل و خوار کریں آپ خوش ہوتے ہیں۔"

اماسس "یہ شرم مٹانے کی باتیں ہیں۔ اب انہیں برا بھلا کہنے سے کیا فائدہ جنہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ تم سے زیادہ ہوشیار و چالاک ہیں۔"

سامتیک "زیادہ ہوشیار و چالاک! آپ کیا فرماتے ہیں؟ میں نے اس خوبی کے ساتھ اپنا انتظام و تدبیر کی تھی کہ ...."

اماسس "ہاں۔ بیشک بعض اوقات بڑے سے بڑے جال آسانی کے ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔"

سامتیک "بھلا مجال تھی کہ وہ دغا باز میرے پنجوں سے نکل جاتا۔ مگر تمام سابقہ دستور و قاعدوں کے مخالف ایک غیر ملکی سفیر دخل در معقولات دیکر ہمارے ایک ایسے ملزم کو جس پر قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ چھڑا لیتا ہے۔"

اماسس "یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ کیونکہ یہ حکم کسی ملکی عدالت کا نہ تھا بلکہ محض ذاتی انتقام پر مبنی تھا۔"

سامتیک "خیر جو کچھ بھی ہو لیکن آپ کے عہدہ دار اس میں شامل تھے اور انکی سخت ذلت ہوئی ہے اسلئے کم از کم یہ تو کیجئے کہ شاہ ایران کو لکھ بھیجئے کہ اس شخص کو خود سزا دے۔ ایران میں بادشاہ کا حکم دیوتاؤں کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کمبوجیہ اس بات کو ملحوظ کر کے ضرور گیجیس کو سزا دیگا۔"

اماسس - میں اس قسم کی فضول بات ہرگز شاہ ایران کو نہ لکھونگا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میں خود فینس کی رہائی سے خوش ہوں۔ اور گیجیس کا مشکور ہوں کہ اس نے ایک بیگناہ کو قتل سے بچالیا۔ اور ایک ایسے شخص کو جسکے احسانات مجھ پر بہت کچھ ہیں تمہارے ظالمانہ پنجے سے چھڑالیا۔"

سامتیک - "تو کیا واقعی آپ کا ارادہ ہے کہ اس معاملہ کے متعلق کمبوجیہ کو کچھ نہ لکھیے گا"۔

اماسس - "نہیں لکھونگا کیوں نہیں۔ اپنے خط میں مذاقیہ طور سے اس واقعہ کا بھی ذکر کردونگا اور اُسے سمجھادونگا کہ فینس سے ذرا خبردار رہے۔ اس سے میری خاص غرض یہ ہے کہ کہیں فینس ایران پہنچکر ہمارے خلاف بھڑکانے کی کوشش نہ کرے۔ اس لئے میں پہلے ہی سے کمبوجیہ کو آگاہ کردونگا کہ ایسے شخص کی کسی بات کا اعتبار نہ کرے۔ اگر کریسس اور گیجیس ہمارے دوست بنے رہیں گے تو فینس کی عداوت سے مطلق نہ ڈرنا چاہیے"۔

سامتیک - "تو کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟ اور میری خوشی و تسکین کیلئے کچھ نہ کیجیے گا"۔

اماسس - "اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کرسکتا"۔

سامتیک - (آنکھیں لال پیلی کرکے) اگر یہ ہے تو یہ بھی جان لیجیے کہ صرف فینس ہی کی طرف سے ڈر نہیں ہے بلکہ ایک اور شخص بھی ابھی تک ہمارے قابو میں ہے جو اس سے بھی زیادہ آپکے لئے خطرناک ثابت ہوگا"۔

اماسس - (برافروختہ ہوکر) "تم مجھے ڈراتے و دھمکی دیتے ہو۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ہم دونوں نے صلح و آشتی کا عہد و پیمان کیا تھا۔ سامتیک! سامتیک میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تم ایسے شخص کے سامنے کھڑے ہو جو تمہارا باپ و بادشاہ ہے اور اسکا ادب و لحاظ تم پر واجب ہے"۔

سامتیک - "بیشک۔ لیکن آپ کو بھی اس بات کا خیال کرنا چاہیے کہ میں آپکا لڑکا ہوں

اور اگر آپ اپنے دل سے حقوق پدرانہ کو بھلا دیجیے گا۔ اور مجھے آپ سے کسی قسم کی امید نہ ہوگی تو میں بھی جس طرح بن پڑیگا اپنا کام نکالنے کی خود کوشش کرونگا۔"

اماسس "ذرا میں سنوں تو سہی کہ تم کیا کروگے۔"

سامتیک "مجھے اسکے بتانے میں ذرا بھی تامل نہیں اور نہ اسے چھپانے کی ضرورت سمجھتا ہوں آپ نکنچاری کے حال سے خوب واقف ہونگے۔ تو اب سن لیجیے کہ وہ میرے اور میرے دوست بچاریوں کے بالکل قابو میں ہے۔" اماسس کا چہرہ فق ہوگیا۔

سامتیک "آپ نے ایک ایسے شخص کو جسے نیتیتس کی اصلیت کی پوری خبر تھی مصر سے نکال کر ایک دور دراز ملک یعنی ایران جلاوطن کر دیا۔ مگر یہ خبر نہ تھی کہ خود کمبوجیہ ایک دن آپ کی لڑکی سے شادی کا خواہاں ہوگا۔ نکنچاری آج کل ایران میں موجود ہے اور پروہتوں کا ذرا سا اشارہ پاتے ہی فوراً وہاں کے بادشاہ سے تمام راز کھول دیگا۔ کہ آپ نے معزول و متوفہ شاہ ہوفرا[1] کی بیٹی کو اپنی بیٹی بنا کر اسے دھوکہ دیا ہے۔ حکیم مذکور کے تمام کاغذات ہمارے قبضہ میں ہیں۔ اور سب سے زیادہ مفید و ضروری خود آپ کے ہاتھ کا تحریری ایک خط موجود ہے جس میں آپ نے نکنچاری

---

[1] ہوفرا یا اپریس۔ اس بادشاہ کا حال خاص طور سے انجیل میں مذکور ہے اس لئے کہ اسی کے ورغلانے اور امداد کا وعدہ کرنے کی وجہ سے فلسطین کے یہودی تاجدار زوکیہ بابل کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر آخر میں بخت نصر نے اسے شکست دی۔ بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور اہل یہود پر بڑے بڑے ظلم وستم کئے۔ ہوفرا کو جرمیہ سردار یہود نے بددعا دی اور اسکی بھی تباہی کی پیشینگوئی کی۔ چنانچہ ۵۶۸ ق م میں خود اس کے اہل وطن اس سے باغی ہوگئے۔ اور اماسس نے اس کی یونانی فوج کو شکست دیکر اسے قید کر لیا۔ لیکن مصریوں کی پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔ اور بالآخر اپریس کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔

(ڈونلڈ مکنزی)

باپ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ پروہتوں سے نِتیتِس کی ولدیت کے راز کو پوشیدہ رکھے گا تو ایک ہزار طلائی چھلے انعام میں دیئے جائیں گے۔"

اَماسِس۔ "یہ کاغذات کس کے پاس ہیں؟"

سامتیک۔ "پروہتوں کے۔"

اماسس۔ "اور تم اُنکے نائب بن کر مجھ سے گفتگو کرنے آئے ہو۔"

سامتیک۔ "آپ کا خیال درست ہے۔"

اماسس۔ "اچھا بیان کرو تمہاری کیا خواہش ہے۔"

سامتیک۔ "میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کمبوجیہ کو گیجبس کو سزا دینے کے لئے لکھیں اور مجھے فنیس سے اپنا بدلہ لینے اور اُسے ایذا رسانی کا پورا اختیار و آزادی دیدیں۔"

اماسس۔ "بس اسی قدر۔"

سامتیک۔ "اور ہاں! پروہتوں سے قسم کھا کے یہ وعدہ کیجیے کہ آپ آیندہ سے بدمعاش یونانیوں کو اپنے جھوٹے دیوتاؤں کے مندر بنانے کی اس ملک میں اجازت نہ دیجیگا۔"

اماسس۔ "مجھے کبھی یہی خیال تھا کہ اب جو میرے خلاف تم کو ایسا تیز ہتھیار مل گیا ہے تو اسی قسم کے بیہودہ مطالبات مجھ سے کئے جائیں گے۔ خیر میں ان دشمنوں کی دلی خواہشوں کو جنکے ساتھ تم جا کر مل گئے ہو بجا لانیکے لئے تیار ہوں۔ مگر دو شرطیں کرتا ہوں۔ اول تو وہ خط جسے میں نے اپنی حماقت سے نِتیتِس کے باپ کو لکھا تھا مجھے واپس دیدیا جائے کیونکہ اگر وہ تم لوگوں کے ہاتھ میں رہا تو بجائے بادشاہت کرنیکے میں ان کمینے پروہتوں کا ایک ادنےٰ غلام بن جاؤنگا۔"

سامتیک۔ "آپ کا ارشاد درست ہے۔ وہ خط آپ کو واپس کر دیا جائیگا اگر۔۔۔"

اماسس۔ "اگر مگر کچھ نہیں۔ اسکی فوراً تعمیل ہونی چاہیئے۔ تمہاری دوسری درخواست کہ گیجبس کی شکایت میں شاہ ایران کو لکھوں ایسی ارکیک و بیہودہ ہے کہ میں ہرگز اُسے

منظور نہیں کر سکتا۔

اب جاؤ۔ میرے سامنے سے دور ہو اور جبتک میں نہ بلاؤں اپنی شکل نہ دکھانا۔ آیندہ سے کبھی مجھے اپنا باپ نہ کہنا اور نہ میں تمہیں اپنا بیٹا سمجھونگا۔ (شاہزادہ قدموں پر گر پڑتا ہے) مجھے یہ ظاہر داری پسند نہیں۔ کھڑے ہو۔ تمہاری سرشت ہی میں الفت و عاجزی کا مادہ نہیں ہے۔ اب اگر کبھی صلاح یا مشورے کی ضرورت ہو تو انہیں پروہتوں کے پاس جانا جو تمہیں کٹھ پتلی کی طرح نچائیں گے اور مجھے امید ہے کہ اپنی پوری الفت پدرانہ کا اظہار کریں گے۔ نیتھونقت سے میری طرف سے کہدینا کہ واقعی میں اسکا قائل ہوں ایسی چال کھیل گیا کہ جو بات میں ہرگز قبول نہ کرتا اُسے کرنے پر اب مجبوراً آمادہ ہوں۔ مصر کی عظمت و شان قایم رکھنے کے لئے میں نے جس بے غرضی سے کام لیا ہے وہ سب پر ظاہر ہے مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ یہ پروہت اپنی ذاتی منفعت کیلئے مجھے الزام دیکر اپنے ملک کی تباہی و بربادی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اس لئے آب آیندہ سے ان سب کو ایرانیوں سے بھی زیادہ اپنے ملک کے لئے مخدوش و خطرناک سمجھونگا (غصہ سے کھڑے ہوکر) خبردار ہوجا اور یاد رکھ! کہ اس مرتبہ تو محبت پدری کی کمزوریوں سے ان دشمنوں کے مکر و فریب کے سامنے میں نے گردن جھکا دی مگر قسم ہے اُس بزرگ و معز زدیوی نلیتھ کی جو مری خاص حامی و سرپرست ہے کہ اب آیندہ انہیں معلوم ہوجائیگا کہ میں کون ہوں اور بادشاہ کسے کہتے ہیں۔ اگر میرے احکام کی ذرا بھی سرتابی ہوئی تو میں اس تمام فرقہ ناہنجار کو نیست و نابود کردونگا (شہزادہ کچھ کہنا چاہتا ہے) خاموش، دور ہو، میرے سامنے سے نکل جا۔"

سامتیک گردن جھکا کر چُپ چاپ رخصت ہوگیا۔ فرعون بڑی دیر تک اسی طرح غصہ میں بھرا بیٹھا رہا پھر اپنی طبیعت بہلانے کی غرض سے مہمان خانہ میں چلا گیا۔ شہزادہ نے باہر نکلتے ہی سپہ سالار افواج کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ حبشی سپاہیوں کو فوراً اُن کے

وطن کو واپس کر دے اور اس مصری افسر کو جسکی حماقت سے تمام تدابیر پر پانی پھر گیا جلاوطن کر کے مدت العمر تھینیبز کی کانوں میں کام کرنیکے لئے بھیجدیا جائے ۔ یہ کہکر وہ نتیجہ کے مہاپروہت کے پاس گیا اور اُس سے تمام واقعہ بے کم وکاست کہہ سنایا جس نے بادشاہ کی غصہ کا حال سنکر اپنے افسوس کا اظہار کیا۔ اور شاہزادہ کو مناسب پند و نصیحت کر کے رخصت کر دیا۔

اب سامتیک نے اپنے محل کا رخ کیا۔ اسکے دل میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے۔ اپنی ناکامی، بادشاہ کی ناراضی۔ اجنبیوں کی نفرت۔ پروہتوں کی اطاعت۔ جنم پتر اکی نحوست۔ اور آنیوالے مصائب کا خوف۔ یہ تمام باتیں دماغ میں جوش مار رہی تھیں اور اسکی پریشانی و پراگندگی کا باعث تھیں۔ پھر اُسے اپنی خانگی زندگی کا خیال آتا۔ مرحوم بیوی و بچوں کی یاد دل کو تڑپا دیتی۔ اب اس کا صرف ایک لڑکا و لڑکی باقی رہ گئے تھے جو اُس کے دل کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا نور تھے جن کے بغیر اسے ایک لحظہ چین نہیں آتا تھا اور جن کی پیاری صورتیں دیکھتے ہی اسکے تمام رنج و افکار فوراً دور ہو جاتے تھے اس لئے وہ بڑی تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا بکمال شوق محل کے اندر داخل ہوا۔ ایک غلام کو سامنے دیکھتے ہی اُس سے یہ سوال کیا "میرا پیارا بچہ کہیں باہر تو نہیں گیا" خادم رکتی ہوئی زبان سے "بادشاہ سلامت نے شہزادہ کو مع انکی دایہ کے طلب فرمایا تھا۔ وہ ابھی ابھی تشریف لے گئے۔" اتنے میں داروغہ دیوانخانہ حاضر ہوا اور ایک سر بمہر[۵] خط شہزادہ کے سامنے پیش کر کے گردن جھکا کے کھڑا ہو گیا۔ سامتیک نے گھبرا کر اسے ہاتھ میں لیا اور وہ سرخ مہر جس پر فرعون کا نام کندہ تھا توڑ کر لفافہ کھولا۔ فرمان شاہی کا یہ مضمون تھا "ما بدولت کی خواہش ہے کہ شہزادہ نکو کو اب آیندہ اپنے محل میں رکھیں گے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ

[۵] مُہروں کا رواج مصر میں نہایت قدیم زمانے سے تھا۔ بہت سی ممیوں کی انگلیوں پر منقش چھلے و مُہریں پائی جاتی ہیں (پروفیسر ایبرا)

وہ بھی تیری طرح پجاریوں کا غلام بن جائے۔ ہم اسکی تعلیم و تربیت کے ذمے دار ہیں اور جانتے ہیں کہ نوعمری میں جن باتوں کا اثر ہوتا ہے وہ تا زیست دور نہیں ہوتا۔ کوئی شخص بلا ہماری اجازت حاصل کئے ہوئے شہزادہ سے نہیں مل سکتا۔"

یہ پڑھتے ہی سامطیق آگ بگولا ہو گیا۔ بہت سے خادم و غلام سامنے کھڑے تھے۔ اس لئے زبان سے کچھ نہ بول سکا اپنے ہونٹھ چبا کر رہ گیا۔ مصری آداب و قاعدوں کے مطابق باپ یا بادشاہ کے حکم سے سرتابی ناممکن تھی۔ چند منٹ تک وہ ایک سکتہ کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر یکایک بآواز بلند اپنے شکاریوں وغیرہ کو بلانے کا حکم دیا۔ اور جلدی سے تمام اسلحہ زیب تن کئے۔ نیزہ و کمان ہاتھ میں لئے اور ایک تیز رو رتھ پر سوار ہو کر حکم دیا کہ اس جنگل و دلدل کی طرف فوراً لے چلے جو سمت مغرب واقع ہے۔ یہاں پہنچتے ہی وہ وحشی جانوروں کی سیر و شکار[1] میں ہمہ تن مصروف ہو گیا اور اپنا غم غلط کرنے و دل بہلانے کی کوشش کرنے لگا۔

گریسس کی ملاقات کے بعد ہی اماسس نے فوراً اسکے لڑکے کو رہا کر دیا۔ اُسکے رفقا نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا اور خوشیاں منائیں۔ فرعون کو اسکی تکلیف دہی اور زحمت کا افسوس تھا جس کی وہ تلافی کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اُس نے اُسی دن گیجیس کو ایک نہایت خوبصورت رتھ اور دو گھوڑے تحفتاً بھیجے۔ اور نرد کا ایک نہایت خوبصورت سٹ جو سئینر کی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا نمونہ تھا اسے مرحمت فرمایا۔ اس سٹ کے مُہرے عاج و آبنوس کے تھے جن پر سونے چاندی کے ٹکڑے و جواہرات

[1] مصری مرد و زن دونوں سیر و شکار کے شایق تھے۔ علاوہ بڑے جانوروں کے شکار کے رتھوں میں بیٹھ کر غزالوں کا تعاقب کرتے۔ یا کتوں سے خرگوش کا پیچھا کرتے۔ یا کشتیوں میں سوار ہو کر دریا کے پرندوں بطوں وغیرہ کے شکار سے دل بہلاتے۔ کشتی مُگدّر زنی اور گھوڑ دوڑ وغیرہ کے بھی بڑے شائق تھے۔ (بیسیڈ)

ٹکے ہوئے تھے اور خط پیکانی میں مختلف امثلہ کندہ تھیں۔

بعدہ اماسس اور اسکے مہمانوں نے کیجبیس کو بلاکر خود اُسکی زبانی تمام واقعات سُنے اور خوب ہنسی مذاق ہوا۔ ایرانیوں کو خاندان شاہی میں ملنے جلنے کی پوری آزادی تھی اور فرعون بھی شہزادوں سے اپنے بچوں کی طرح برتاؤ کرتا تھا۔ مگر کھانیکے وقت وہ علیحدہ بیٹھتے تھے کیونکہ مصریوں کو چھوت وغیرہ کا بہت خیال تھا اور وہ غیر ملک و مذہب والوں کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھنا معیوب سمجھتے تھے۔

کیجبیس کی رہائی کے تین دن بعد اماسس نے اعلان کیا کہ اب دو ہفتے میں شہزادی نٹتیتس وداع ہو گی اس پر ایرانیوں کو کسی قدر افسوس ہوا۔ کیونکہ مصر کی سیر سے ابھی تک انکا دل نہیں بھرا تھا اور وہ اسکے عجائبات بخوبی دیکھنے نہیں پائے تھے کریسس اپنا وقت زیادہ تر ساموس کے شاعروں و نقاشوں کی صحبت میں گذارتا تھا اور اس کا لڑکا بھی یونانی صنعت و حرفت کا گرویدہ تھا۔ دارا پہلے ہی سے یعنی قیام بابل کے زمانہ ہی سے علم نجوم کا از حد شایق تھا مصر پہنچکر اس کا شوق اور بھی بڑھ گیا۔ ایک دن بوقت شب وہ اجرام فلکی کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اتفاقاً نیتھ کے مہا پجاری کا بھی اس طرف سے گذر ہوا۔ دارا کو سخت حیرت ہوئی کیونکہ یہ شخص بڑی محبت سے اُس سے پیش آیا۔ اپنے ہمراہ مندر کی سب سے اونچی منزل پر جہاں ایک قسم کی رصدگاہ تھی لے گیا اور کواکب کے حرکات و خواص پر بحث کرنے لگا۔ پھر کیا تھا۔ اُس دن سے نوجوان ایرانی کی یہ حالت ہو گئی کہ کوئی رات خالی نہ جاتی تھی کہ وہ بوڑھے پجاری کی خدمت میں حاضر نہ ہوتا اور اُس سے نجوم کی نئی نئی باتیں نہ سیکھتا۔ چند روز بعد جب سامتیک واپس آیا تو اپنے مرشد کو ایک اجنبی کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ کر بڑا متحیر ہوا۔ اور اُسے علیحدہ لیجاکر پوچھنے لگا کہ اس کی کیا وجہ کہ وہ اس قدر مہربان ہے اور مصری علوم کے تمام راز اُسے بتائے دیتا ہے نیتھوتپ نے جواب دیا "میں اسے وہی باتیں سکھاتا ہوں جن سے ہر قلدانی ماہر علم باخبر ہے۔ علاوہ بریں

میاں شہزادے تمہیں کیا خبر کہ دارا کون شخص ہے۔ اسکے کوکب اقبال کے سامنے شہنشاہ کمبوجیہ کا ستارہ تک ماند ہے۔ اور تمام شاہان عالم ایسے نظر آتے ہیں جیسے سورج کی روشنی میں چاند۔ یاد رکھنا کہ ایک دن یہ لڑکا اتنا بڑا بادشاہ ہوگا کہ دنیا میں اسکی نظیر نہ ہوگی۔ آنے والی نسلیں اس پر فخر اور ہم سب اسکی غلامی کریں گے کیونکہ میں نے اسکے ستارہ کو اپنے ملک پر بھی چمکتے دیکھا ہے۔ لہذا ایک عقلمند و دانا کا فرض ہے کہ محض حالات موجودہ پر بھروسہ نہ کرے بلکہ آیندہ زمانہ کا بھی خیال رکھے۔ اور کسی راہ سے گذرے تو صرف سامنے ہی نہ دیکھے بلکہ ارد گرد کی بھی خبر رکھے۔ کیا عجب ہے کہ ایک مکان جو باہر سے حقیر و ادنی نظر آتا ہے ایسے شخص کا مسکن ہو جو اس پر حکمرانی کرے گا اس لئے اس دنیا میں ہم کو بصارت و بصیرت دونوں سے کام لینا چاہئے اور اپنی رہنمائی کے لئے افلاک کی طرف نظر اٹھانا چاہئے۔ میری تمام عمر اسی شغل میں گذر گئی ہے۔ اور ایک ہوشیار کتے کی طرح جو چوروں کے انتظار میں رات بھر جاگتا رہتا ہے۔ پچاس برس سے میں اُن اجرام فلکی کی حرکات و سکنات کا بغور مشاہدہ کر رہا ہوں جو ابدالآباد سے فضائے عالم میں تاباں و درخشاں صبح و شام، گرمی و جاڑے۔ غرضکہ ہر وقت و ہر موسم میں انسان کو خوشی و غم۔ عروج و زوال نکبت یا عزت کی ایسی واضح نشانیاں بتا رہے ہیں جو نا ممکن ہے کہ کبھی غلط ہو سکیں۔ انہیں نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ دارا جو ابھی ایک نخل نو دمیدہ ہے آیندہ ایک ایسا شجر عظیم ہوگا کہ تمام عالم اسکے سایہ کے نیچے چھپ جائیگا۔" یہ سُنتے ہی سامتیک کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس کے ہوش و حواس اُڑ گئے اور اُس دن سے جب دارا کو دیکھتا تو ایسے تپاک و عزت کے ساتھ پیش آتا کہ نوجوان شہزادہ کو نہایت حیرت ہوتی۔ غرضکہ دارا تو اس طرح شب بیداری و اختر شماری میں اپنا وقت صرف کرتا اور صبح دیر سے اٹھتا۔ اور وہاں بردیہ کو ایک اچھا موقعہ مل جاتا۔ وہ اپنی دوست ڈُوڈُہ یا کو ساتھ لیکر جسے اب اس نے اپنا رازداں بنا لیا تھا چپ چاپ نوکرانتیس کو

چل دیتا اور اپنی معشوقہ کے دیدار سے لطف اُٹھاتا۔ پھر جب دن زیادہ چڑھنے لگتا تو با دل
ناخواستہ رخصت ہو کر جلدی سے گھر واپس آتا اور کری سس سے یہ بہانہ بنا دیتا کہ ہم دونوں
سیر و شکار کی غرض سے کچھ دور چلے گئے تھے۔ محبت و عشق نے شہزادہ کے مزاج میں ایک
عجیب و غریب انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ جس کا راز سوائے ایک کے اور کوئی نہ سمجھ سکتا تھا۔ یہ
اماسس کی لڑکی تاشو تھی۔ جس دن سے اُس نے برویہ کو دیکھا تھا ہزار جان سے اُس پر
مفتوں و شیدا ہو گئی تھی۔ اور اسی عشق نے اسکے احساس باطنی کو اس قدر تیز کر دیا تھا کہ برویہ کا
رنگ بدلا ہوا دیکھ کر وہ فوراً تاڑ گئی کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اور شاید کسی غیر پر شاہزادہ کا دل آ گیا
ہے۔ پہلے تو وہ اس کے ساتھ برادرانہ برتاؤ کرتا تھا اور کبھی تھوڑی دیر کے لئے ہنس بول بھی لیتا تھا
لیکن اب لڑکی کی حالت میں تغیر پایا تو اور بھی بھانپ گیا اور عمداً اسکی صحبت سے جان چرا کر
دور بھاگنے لگا۔ کیونکہ سافو کی محبت کے بعد کسی دوسری کی طرف اب نگاہ لطف سے دیکھنا بھی
وہ گناہ کبیرہ سے کم نہ سمجھتا تھا۔ اُدھر وہ کشتۂ خنجر عشق نازک اندام تاشو شہزادے کی ان
بے اعتنائیوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں بہت کڑھنے اور مغموم رہنے لگی آخر ضبط کا یارا نہ رہا۔
اور ایک دن اس نے اپنی بہن نٹیتیس سے تمام راز دل کہہ سُنایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے
لگی۔ دختر فرعون نے یہ سُنکر اُسے نہایت تسلی و تشفی دی۔ اسکے شبہات رفع کئے۔ کامیابی
کی امیدیں دلائیں اور کہا بہن گھبراؤ نہیں اگر دیوتاؤں نے چاہا تو ہم تم ایک ہی گھر میں بیاہ کر
جائیں گے اور بڑے لطف سے زندگی بسر ہو گی۔ اس طرح دونوں ملکر خیالی پلاؤ پکانے لگیں
لیکن دن یہ دن گذرتے گئے۔ برویہ کی بیرخی میں کچھ فرق نہ آیا۔ وہ اب شاذو نادر ان کے
سامنے آتا تھا اور خصوصاً تاشو کے ساتھ تو ایسی رُکھائی سے پیش آتا تھا کہ اس کے دل پر
سخت چوٹ لگتی تھی تاہم اُس غریب کی محبت میں سر مو فرق نہ آیا بلکہ اُس کی آگ اور بھی زیادہ
بھڑک اُٹھی۔ نوجوان ایرانی اس کی نظروں میں پہلے سے بھی زیادہ خوش رو و دلفریب
معلوم ہوتا تھا اور اب بلا اُسے دیکھے کسی طرح دل کو چین نہ آنے لگا برویہ کی رسیلی آنکھوں میں

جذب دل اور کشش الفت نے ایک نئی قوت پیدا کر دی تھی جس کا خود بھی اُسے احساس ہونے لگا تھا۔ اور ایک قسم کی خودداری پیدا ہو گئی تھی۔ اُسکی حرکات و سکنات میں بھی اب بجائے بیفکری اور لڑکپن کے عشق کی سنجیدگی و متانت نے ایک عجب سکون پیدا کر دیا تھا۔ دوستوں کی صحبت سے جان چُرانے لگا تھا۔ ہنسی دل لگی سے دور بھاگتا تھا۔ تنہائی زیادہ پسند تھی اور اکثر خاموش اور اپنے خیالات میں محو رہتا تھا۔ اسکے چہرہ کی سُرخی و سپیدی دن بدن اُڑتی جاتی تھی۔ اور غور و فکر کے آثار نظر آتے تھے مگر ساشو کو یہ ادائیں اور بھی زیادہ بھلی معلوم ہوتیں اسکے مجروح دل پر نمک پاشی کرتیں۔ وہ اُسے دیکھ کر سرد آہیں بھرتی۔ پھول کی طرح کمہلائی اور پتی کی طرح روز بروز زرد پڑتی جاتی۔ اسے ابھی یہ خبر نہ تھی کہ وہ کون دشمن جاں ہے۔ کون خوش نصیب حریف ہے جس نے اسکے محبوب کے دل کو اپنے دام میں پھنسا لیا ہے۔ دوسری طرف پری جمال ساف بھی اپنے عاشقِ دلدادہ کے فراق میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتی اور اسکی آمد کی گھڑیاں گنتی تھی۔ بوڑھی دایہ ملیتہ اُسے تسلی و تسکین دیتی۔ اُسے یہ راز معلوم ہو گیا تھا وہ اسطرح کہ ایک دن اتفاقیہ اس نے دونوں کو باتیں کرتے پکڑ لیا۔ پہلے تو بہت بگڑی اور سافو پر خفا ہوئی مگر شہزادہ کی شکل و صورت و حُسن خلق نے فوراً گرویدہ بنا لیا۔ اور زر و جواہر کے لالچ نے غصہ کو بُھلا دیا۔ اور سافو نے بھی ایسی منت و سماجت کی کہ ملیتہ نے نہ صرف اُسے معاف کر دیا بلکہ دونوں کو باہم ملانے اور انکی نگہبانی کا ذمہ بھی اپنے سر لے لیا۔ وہ اپنی پیاری بچی کو ابھی سے تمام ایشیا کا سرتاج سمجھنے لگی اور جب تنہا ہوتی تو کبھی ملکہ کبھی شہزادی کہکر اُسے پکارتی پھر اُسے پیار کر کے بلائیں لیتی اور اپنے آپ کو بھی لباس فاخرہ سے آراستہ پیراستہ دربار ایران میں ایک بڑے مرتبہ پر تصور کرتی اور اسی طرح کے خیالی پلاؤ پکا کر دل ہی دل میں خوشی سے پھولی نہ سماتی۔

باب گیارہواں

رازو نیازِ عشق

نتیتیس کے رخصت ہونے سے تین دن پہلے رہوڈوفس نے اپنے مکان پر بہت سے مہمانوں کو مدعو کیا تھا جن میں کری سس اور تھیبس بھی تھے۔ یہ موقعہ عشاق کے لئے نہایت عمدہ تھا۔ رات کی پردہ پوشی اور بڑھیا دایہ کی نگہبانی انکے لئے کافی تھی۔ ملیتہ کو جب اطمینان ہو گیا کہ سب لوگ دعوت میں مشغول ہیں تو اس نے چپکے سے دروازہ کھول کر شہزادہ کو باغ کے اندر بلا لیا اور جہاں سافو منتظر کھڑی تھی پہنچا دیا۔ پھر دونوں کو یہ سمجھا کر کہ آہستہ باتیں کرنا اور تالی بجاؤں تو ہوشیار ہو جانا۔ خود اندر چلی گئی۔

سافو۔ (بردیہ سے لپٹ کر بڑی شیریں آواز سے) "مجھے جب خیال آتا ہے کہ صرف تین ہی دن کے بعد آپ چلے جائیں گے تو دل کی عجب حالت ہو جاتی ہے۔ یہ زمانہ ایسی جلدی گذر گیا کہ سچ کہتی ہوں معلوم ہوتا ہے کل ہی کی بات ہے کہ آپ پہلے پہل آئے تھے اور کبھی دل کہتا ہے کہ نہیں برسوں سے تم ہی میری جان کے مالک رہے ہو اور تمام عمر تمہاری ہی محبت کا دم بھرتی رہی ہوں"

بردیہ " ہاں یہی میرا بھی حال ہے۔ میرا دل ہی کہتا ہے کہ ہمیشہ سے تم میری ہی رہی ہو کیونکہ بلا تمہارے بھلا کیونکر میری زیست ممکن ہو سکتی تھی۔ آہ! کیا اچھا ہوتا کہ اب ہم کبھی جدا نہ ہوتے"

سافو " پیارے! یقین جانو۔ جدائی کے دن بھی جلدی سے کٹ جائیں گے۔ یہ سچ ہے کہ انتظار کا زمانہ پہاڑ ہوتا ہے اور ایک ایک لمحہ برس کی طرح کٹھن گذرتا ہے۔ مگر جیسے ہی ہم

پھر ملیں گے معلوم ہوگا گویا کل ہی ایک دوسرے کو الوداع کہکر رخصت ہوئے تھے۔ میرا
ہر روز یہی حال ہے۔ جب تم نہیں ہوتے ہو تو انتظار میں تڑپتی ہوں۔ ایک ایک گھڑی سوہان
روح ہوتی ہے۔ لیکن جیوں ہی تم دوسرے دن آکر میرے پہلو میں بیٹھ گئے تو اپنا تمام
رنج و غم بھول جاتی ہوں اور خیال کرنے لگتی ہوں کہ کبھی تم سے جدا نہ ہوئی تھی اور تمھارا
پیارا ہاتھ میرے سر پر اُسی طرح رکھا ہوا ہے "
بروبیہ۔ "تاہم پیاری جب فرقت کا خیال آتا ہے تو معلوم نہیں میرے دل میں کیوں
خوف سما جاتا ہے"
سافو۔ (بروبیہ کے رخسار پر اپنا عارضِ گلگوں رکھ کر اور ایک عجیب الفت کی نگاہ سے
دیکھ کر) "پیارے! خوف کیسا! اور کیوں ہو؟ یہ سچ ہے کہ جب تم سے جدا ہونے لگوں گی
تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔ مگر میں ضبط کرونگی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم میری خاطر
جلدی واپس آؤ گے اور مجھے کبھی اپنے دل سے فراموش نہ کروگے۔ ملیتہ بھی یہی کہتی ہیں
مگر وہ اپنے اطمینان کے لئے ایک آریکل سے یہ پوچھنا چاہتی تھیں کہ تمہاری محبت ہمیشہ
قایم رہے گی یا نہیں۔ اور ایک بڑھیا کے پاس بھی جانے والی تھیں جو ابھی فرغیہ سے آئی
ہے اور رسی کے ٹکڑوں سے اندھیری رات میں فال نکالتی ہے۔ اور اپنا منتر جگانے کے لئے
عود، لوبان، خاردار جھاڑی کی پتیاں اور ہلالی شکل کی روٹیاں مانگتی ہے۔ مگر میں نے منع
کردیا کہ خبردار اسکے پاس مت جانا اور ان فضولیات میں نہ پڑنا۔ میرے دل کو ان سب
سے زیادہ اچھی طرح خبر ہے کہ پیارا بروبیہ کبھی بیرخی نہ کریگا اور ہمیشہ میرا سچا وفادار رہیگا"
بروبیہ۔ (پیار کرکے) "سافو تیرا خیال بالکل صحیح ہے۔ اطمینان رکھ مجھ سے کبھی تجھے کسی
شکایت کا موقعہ نہ ملیگا"
سافو۔ (ناز سے) "مگر بروبیہ خفا نہ ہونا بعض وقت میرے دل میں بھی طرح طرح کے وسوسے
و وہم آتے ہیں۔ اُس وقت جانتے ہو میں کیا کرتی ہوں؟ ہم لڑکیاں اسی طرح فال نکالتی

ہیں۔ پوستہ کی ایک پتی کو زور سے پھونک کر انگلی سے مارتی ہوں اگر وہ چٹاخ سے بولی تو بس معلوم ہوگیا کہ وہ مجھے کبھی نہ بھولے گا۔ لیکن جو کہیں بے آواز دیئے ٹوٹ گئی تو بُرا انجام ہے میں نے سینکڑوں بار آزمایا ہے مگر ہمیشہ اُس سے آواز نکلی ہے۔ اور اب مجھے اطمینان ہوگیا اس لئے دیکھو کس قدر خوش ہوں"

بردیہ۔ "تمہاری فال بالکل صحیح ہے۔ ہرمز دہمیشہ تمہیں اسی طرح خوش وخرم رکھے گا"

سافو "مگر پیارے ذرا آہستہ سے بولو۔ ناسیس دریا کی طرف پانی بھرنے جا رہا ہے۔ کہیں ہماری باتیں سُن نہ پائے"

بردیہ۔ "اچھا اب میں بہت ہی آہستہ سے بولونگا۔ یہ خوبصورت ریشم کی طرح ملائم کاکلیں بیچ میں آجاتی ہیں۔ میں دیکھو انہیں اس طرح ہٹا کر کان میں ایک بات کہتا ہوں۔ (لب شیریں کا بوسہ لیکر) پیاری! مجھے تم سے ازحد محبت ہے۔ تم پر جان دیتا ہوں۔ تمہارا عاشق شیدا ہوں۔ سمجھیں کہ نہیں؟"

سافو۔ "میں خوب سمجھی (مسکرا کر) آپ کو معلوم نہیں کہ جو بات دلکو اچھی لگتی ہے وہ جلد سمجھ میں بھی آجاتی ہے۔ اگر آپ اسکے خلاف کہتے یا مجھ سے نفرت کا اظہار کرتے تو کیا مجھے باور آتا۔ میں صورت دیکھ کر فوراً تاڑ جاتی کہ نہیں یہ غلط ہے اور دل میں مجھ سے سچی محبت ہے آنکھوں کی خاموش بیانی سے بڑھکر بھلا دنیا میں کوئی زبان فصیح ہوسکتی ہے"

بردیہ۔ "پیاری۔ تیری شیریں بیانی عجب دلفریب ہے۔ کاش کہ مجھے بھی یونانی زبان میں مہارت ہوتی اور اپنے خیالات کا پورے طور سے اظہار کرسکتا"

سافو۔ "واہ۔ میں تو خوش ہوں کہ یہ زبان آپ کو بخوبی نہیں آتی۔ کیونکہ یہ ہوتا تو آپ برابر باتوں میں لگے رہتے اور اپنی آنکھوں سے مجھے ایسی نرمی و دلسوزی سے نہ دیکھتے۔ اور زبانی الفاظ بھی بھلا کچھ حقیقت رکھتے ہیں۔ دیکھئے سامنے درخت پر جو بلبل بیٹھی ہے وہ نہ معلوم کس زبان میں بول رہی ہے۔ مگر میں اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ جاتی ہوں"

بردیہ " مجھے نہ بتاؤگی ؟ بلبل شیدا کا رازداں بننے کا مجھے بھی بہت شوق ہے۔ ذرا سنوں تو سہی کہ وہ اپنے عاشقِ زار سے جو گلاب کے پھولوں میں چھپا بیٹھا ہے کیا کہہ رہی ہے"

سافو " (ہنس کر) آپ کے کان میں کہونگی۔ سنیئے (قریب منہ لیجاکر) فلومل۔ اپنے پیارے سے مخاطب ہوکر یوں نغمہ سنج ہے۔ "میں تجھ پر شیدا ہوں، میں تیری دلدادہ ہوں" اور وہ اس کا کیا جواب دیتا ہے۔ سنئے! اِتو۔ اِتو۔ اِتیز[1]۔"

بردیہ " اِتو۔ اِتو کے کیا معنی ؟"

سافو " اس کے معنی ہیں مجھے منظور ہے۔ مجھے منظور ہے"

بردیہ " اور اِتیز ؟"

سافو " اس کا مطلب ذرا دقیق ہے۔ اتیز ایک دائرہ کو کہتے ہیں۔ اور دائرے سے مراد۔ کیونکہ اس کا نہ کوئی آغاز ہے نہ انجام ہمیشگی و دوام ہے۔ اس لئے اُس کی یہ صدا ہے مجھے منظور ہے۔ مجھے منظور ہے۔ مجھے ابد تک منظور ہے"

بردیہ " فرض کرو کہ میں تم سے کہوں کہ تم پر عاشق ہوں تو تم کیا جواب دوگی"

سافو " میں بھی شاداں و فرحاں ہوکر یہی جواب دونگی یعنی مجھے آج منظور ہے۔ کل منظور ہے۔ اور ابدالآباد تک منظور ہے"

بردیہ " آہ کس غضب کی رات ہے۔ ہر طرف خاموشی کا عالم ہے۔ بلبل کی آواز بھی اب سُنائی نہیں دیتی۔ شاید وہ دور اُس درخت پر جس کے پھولوں کی مہک یہاں تک آرہی ہے چُپ چاپ بیخود و مدہوش بیٹھی ہے۔ دیکھو تاڑ کی چوٹیوں کا عکس دریا کے پانی میں پڑ رہا ہے اور انکے درمیان چاند کا پرتو ایک راج ہنس کی طرح کیسا چمکتا اور تیرتا نظر آتا ہے"

لڑکی " ہاں اُسکی سیمیں کرنوں نے تمام عالم کو کیسا منور و دلفریب بنادیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ایک مقید دیوی کی طرح ساکت و خاموش کھڑی ہے۔ جسے دیکھ کر دلکی خوشیاں و

---

[1] مشہور شاعر اسکلیوس نے نغمہ بلبل کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ (ایبر)

امنگیں جوش مار رہی ہیں۔ مگر انکے اظہار کی تاب نہیں اور نہ زور سے ہنسنے اور بولنے کو جی چاہتا ہے۔

بردیہ ''بیشک یہ عجیب منظر ہے۔ عجیب رات ہے۔ تم آہستہ ہی باتیں کرتی رہو۔ یا کچھ گاؤ''

لڑکی ''ہاں آپ سچ کہتے ہیں۔ لائیے میری بانسری دیجیے'' تسلیم۔ اب میں اپنا سر آپکے سینہ پر رکھکر ایک گیت گاؤں گی جو ہمارے حسب حال ہے اور عجیب خوش کن و تسکین دہ ہے۔ الکمن۔ لیدیہ کے مشہور شاعر نے جو اسپارٹا میں رہتا ہے اس غزل کو رات کی تعریف میں لکھا تھا۔ اچھا تو اب دل لگا کر سنیئے گا کیونکہ یہ ایسا گیت ہے جو دھیمے سُروں میں آہستہ آہستہ گایا جاتا ہے ...... مگر آپ اپنے ہونٹوں کو مہربانی کرکے ذرا دور ہی رکھیے۔ جب ختم کرلونگی تو ایک بوسہ انعام میں مانگونگی۔

ہے نیند چوٹیوں پہ پہاڑوں کی حکمراں	ٹیلوں پہ اور چشموں پہ حکم اسکا ہے رواں
پھولوں پہ، پتیوں پہ، درختوں پہ، سبزہ پہ	اُن سبزیوں پہ جنکو اگاتی ہیں کھیتیاں
ہیں مکھیاں جو شہد کی اُن کے گروہ پہ	اُن جانداروں پر جو پہاڑوں میں ہیں یہاں
خونخوار جانور جو سمندر کی تہہ میں ہیں	اُن پر اور آسماں کے پرندوں پہ یکساں
القصہ نیند میں ہے وہ تاب و تواں جسے	ہیں مانتی جہان کی سب زندہ ہستیاں

گیت جب ختم ہوگیا تو ایک لمحہ سکوت کے بعد بردیہ کی طرف ایک عجیب ادا سے دیکھ کر سافو بولی ''پیارے اب میرا انعام؟''

بردیہ۔ (چونک کر اور اپنا منہ قریب لاکر) آہ میں کیسا مدہوش ہوگیا۔ تمہاری شیریں آواز نے بوسہ کو فراموش کردیا اور جب بوسہ کا خیال آیا تو اس نے نغمہ کو بھلا دیا''

سافو ''جائیے میں نہیں بولتی۔ کیا میرا گانا اچھا نہ تھا''

بردیہ ''یہ بھلا کیونکر ہوسکتا ہے۔ تم کوئی چیز گاؤ اور وہ اچھی نہ ہو''

سافو ''ہمارے مشہور یونانی شاعروں کا کلام اکثر اچھا ہوتا ہے''

بردیہ "بیشک مجھے اس سے پورا اتفاق ہے"

سافو "کیا آپ کے ملک میں شاعر اور مغنی نہیں ہوتے"

بردیہ ہوتے کیوں نہیں۔ بھلا دنیا میں کوئی ایسی بڑی قوم ہے[۵] جو جذبات اعلیٰ سے متصف ہو اور

---

[۵] آثار قدیمہ کے ملاحظہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقوام قدیم موسیقی کی بہت شائق تھیں۔ انجیل و زبور و کتاب دانیال میں کئی جگہ آلات موسیقی کا ذکر آیا ہے۔ بابل میں مختلف اقسام کے آلات مروج تھے۔ یہودی بھی کئی طرح کے استعمال کرتے تھے۔ اہل مصر ۱۳-۱۴ مختلف ساز رکھتے تھے۔ اہل اشور گو اس قدر متمدن نہ تھے تاہم ۸-۹ ساز کا انکی تصاویر سے بھی پتہ چلتا ہے۔ تمام آلات میں چنگ کو نہایت قدیم تصور کیا جاتا ہے۔ تصاویر سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈہائی ہزار برس قبل مسیح چنگ مستعمل تھا۔ اس کے سترہ تار ہیں شکل میں سہ گوشہ ہے۔ اور لمبائی قریباً ۲ فٹ ہے بین کا بھی رواج تھا۔ اسے سازندہ بائیں ہاتھ اور پہلو میں لیکر داہنے ہاتھ سے بذریعہ مضراب بجاتا تھا۔ عورت و مرد دونو بجاتے یا گاتے تھے۔ اور بعض اوقات ۴۰-۵۰ عورت مرد کا طائفہ ایک ساتھ بجاتا اور ناچتا تھا۔ علاوہ چنگ دوسرے آلے یہ تھے۔ قانون، عود، سنتور، نے، تنبور، بربط، سنج، سکاسک، قرنا، طبل۔ مشرقی ایران یا باختر کے ایرانی بڑے شاعرانہ مزاج تھے۔ اوستا کو نظم میں بکمال خوش الحانی پڑہتے تھے۔ گمان اغلب ہے کہ ہخامنش بھی جو بابل و لیدیا میدیا و اشوا کے تمدن کے وارث تھے۔ موسیقی کے بڑے مربی اور دلدادہ تھے۔ یونانی مورخ لکھتے ہیں کہ جب بادشاہ خاصہ پر ہوتا تو کنیزیں سامنے آکر گاتی بجاتیں اور جشن کے موقعوں پر گانا بجانا و ناچنا بڑی دہوم کے ساتھ ہوتا۔ لڑائی پر جب جاتے تو فوج کے ساتھ تنبور، چنگ، نے و طبل ضرور ہوتے۔ بقول فردوسی

بدانگہ کہ لشکر بجنبد ز جائے	بتیرہ بر آید زہر دو سرائے
زبس نالہ بوق و کوس و درائے	ہمی آسماں اندر آمد زجائے

بیامد بر بادشاہ چنگ زن	خراماں بسان یکے نارون
زن چنگ زن چنگ در بر گرفت	نخستیں خروش مغاں بر گرفت

شاعری و موسیقی سے نفرت کرتی ہو"

سافو" مگر میں نے سُنا ہے کہ آپ کے ملک میں بعض بڑی بُری رسمیں ہیں"۔

بردیہ" وہ کون سی؟"

سافو" آپ لوگ کئی کئی بیویاں کرتے ہیں"۔

بردیہ" (چونک کر) پیاری سافو...... یہ کس نے کہا"

سافو" ہاں مجھ سے چھُپایئے نہیں۔ خیر اگر ایسا ہو بھی تو کیا حرج۔ مجھے تو صرف آپ کی خوشی سب پر بالا ہے۔ اور دل میں یہی آرزو ہے کہ تمام عمر آپ کی خدمت میں صرف کردوں۔ اگر ایک شادی کرنے میں آپ کو اپنے ملک کے رسم و رواج کا اندیشہ ہو اور یہ خیال کبھی آئے کہ لوگ حقارت سے نہ دیکھیں تو مجھے بھلا یہ کیونکر منظور ہو سکتا ہے۔ آپ دوسری بیویاں بھی کر لیجیے۔ مگر پہلے میرے دل کی ایک آرزو پوری کر دیجیے گا وہ یہ کہ دو تین سال تک سوائے میرے اور کوئی نہ ہو۔ اور میں اپنے دل کے سب ارمان نکال لوں"۔

بردیہ" بدل و جان منظور۔ مگر پیاری یہ خیالات کیوں اپنے دل میں لاتی ہو"

سافو" بعد ازاں جب آپ کو مجبور ہونا پڑے تو ایک اور وعدہ کیجیے کہ کسی دوسرے سے دل نہ لگایئے گا اور مجھی کو اپنی خاص لونڈی سمجھ کر رکھئے۔ جب لڑائی پر آپ جائیں گے تو میں ہی سر پر طرہ باندھوں گی۔ تلوار لگاؤں گی اور ہاتھ میں نیزہ دونگی اور فتح و نصرت کے ساتھ واپس آئیگا تو مجھی کو سب سے پہلے تاج پہنانے کا حق ہوگا۔ اور اسی طرح سیر و شکار پر جاتے وقت بھی میں ہی اپنے ہاتھ سے جوتا و مہمیز پہناؤنگی۔ یا کبھی کسی جشن یا دعوت وغیرہ کا موقع ہوگا تو میں ہی آپ کو لباس فاخرہ سے آراستہ کرونگی۔ خوشبوئیں لگاؤں گی۔ اور پھولوں کے ہار بنا کر اپنے پیارے کی پیشانی اور شانوں پر سجاؤں گی۔ اور خدانخواستہ آپ کبھی زخمی ہوئے تو میں ہی تیمارداری کرونگی اور بیماری کی

حالت میں کبھی آپ کی بالیں سے جدا نہ ہونگی۔ پھر جب آپ صحیح و تندرست ہو جائیگا تو مجھے چاہے الگ کر دیجیئے گا۔ میں دور ہی سے اپنے پیارے کی خوشحالی اور اقبالمندی کی دعائیں مانگوں گی اور اُسکے شہرت انگیز کارناموں کو سنکر دل ہی دل میں خوش ہولونگی۔ پھر شاید میری سچی محبت کا اثر آپ کے دل پر بھی پڑے اور آپ اپنے پاس بلاکر بڑی محبت و پیار سے اپنی سافو سے کہیں کہ میں تجھ سے راضی و خوش ہوں۔ جسے سُنکر وہ اس قدر شادماں ہو کہ دنیا و مافیہا کو بھول جائے۔"

بردیہ۔" (بیتاب ہوکر) پیاری تو یہ کیا کہتی ہے! تجھے خبر نہیں کہ تیرے عشق نے میرا کیا حال کر دیا ہے۔ میں تو خود تیرا بندہ بے زر ہوں اور اگر ممکن ہو سکے تو آج ہی تجھ سے شادی کر کے کبھی اپنے پاس سے جدا نہ ہونے دوں۔ بھلا خیال تو کر کہ مجھ ایسا خوش نصیب جسے اتنی بڑی نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو کہ اسکے سامنے دنیا کا تمام جاہ و حشمت اور دولت و ثروت ہیچ ہے وہ بھلا کسی ناچیز اور ادنیٰ چیز کی طرف مائل ہو سکتا ہے۔ اور تیرے عشق کا دیوانہ کسی دوسرے کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھ سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ میرے ملک و خاندان میں اکثر لوگ کئی کئی شادیاں کرتے ہیں لیکن یہ صرف ایک رسم ہے کوئی قاعدہ و قانون نہیں جسکی پابندی لازم ہو۔ میرے والد بزرگوار گو سو کے قریب خواصین و کنیزیں رکھتے تھے لیکن انکی صرف ایک ہی خاص اور اصلی بیوی تھی۔ یعنی ملکہ کاسندانہ جو ہماری مادر مکرمہ ہیں۔"

سافو۔" تو مجھے بھی کیا آپ اپنی خاص ملکہ بنا کر رکھئے گا؟"

بردیہ۔" خاص نہیں بلکہ سرتاج۔ پیاری سافو میں تجھے اس طرح رکھونگا کہ کسی نے اپنی بیوی کو نہ رکھا ہوگا۔"

سافو۔" اچھا تو بتائیے اب مجھے لینے کب آئیے گا۔"

بردیہ۔" میں بھی اسی فکر میں ہوں۔ جتنی جلد ممکن ہو سکے گا۔ میں کوئی تدبیر کر کے واپس آؤنگا۔"

سافو" اور میں صبر وشکر کے ساتھ انتظار کرتی رہونگی"۔

بردیہ" مجھے تمہاری خبر کیونکر ملے گی"۔

لڑکی" میں آپ کو بڑے لمبے لمبے خط لکھوں گی۔ اور بادِ صبا سے کہونگی کہ ہر روز میرا پیغام پہنچادے"۔

بردیہ" ہاں پیاری بھولنا نہیں اور اپنے خطوں کو اُس قاصد کے حوالہ کر دینا جو مصر سے نتیتس کے پاس خط لیکر واپس جایا کریگا"۔

لڑکی" مگر میں اُسے کہاں پاؤں گی"۔

بردیہ۔ (سوچکر)" میں ایک آدمی کو نوکراتیس چھوڑ جاؤنگا۔ جو تمہارے خطوط میرے پاس پہنچادیگا۔ باقی سب انتظام ملیتہ سے ملکر ٹھیک کر لونگا"۔

سافو" ہاں مجھے بھی اس پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ بڑی ہوشیار اور ہماری خیر خواہ ہے۔ اس دنیا میں ایک شخص اور ہے جو مجھ سے حد درجہ الفت ومحبت رکھتا ہے اور جسے میں بھی آپ کے بعد سب پر ترجیح دیتی ہوں"۔

بردیہ" تمہارا مطلب شاید اپنی نانی رھوڈوفس سے ہے"۔

سافو" ہاں وہی۔ میں کہاں تک انکی شفقت والفت کا حال بیان کروں۔ وہ نہ صرف میری نانی بلکہ میری معلمہ۔ میری اتالیق۔ میری محسن۔ میری سب کچھ وہی ہیں"۔

بردیہ" بیشک وہ حد درجہ نیک دل وشریف خاتون ہیں۔ کری سس جنہیں میں اپنے باپ کی برابر سمجھتا ہوں وہ انسانی فطرت وجوہر کو ایسا صحیح پہچان لیتے ہیں جیسے کوئی حکیم جڑی بوٹی دیکھ کر فوراً اُس کے خواص بتادیتا ہے کہ اس میں زہر ہے یا تریاق وہ بھی تمہاری نانی کے بے انتہا مداح ہیں اور کہتے سنے کہ وہ ایک غیر معمولی خاتون ہیں اور انکی مثال ایک ایسے پھول کی ہے جسکی خوشبو دور دور تک پھیل کر لوگوں کے دل ودماغ کو تر وتازہ کرتی ہے"۔

سافو "کری سس بجا فرماتے ہیں۔ میری نانی غیر معمولی صفات رکھتی ہیں۔ میں ہر دم یہی دعا کرتی ہوں کہ وہ زندہ و سلامت رہیں اور ہمیشہ اُن کا سایہ میرے سر پر قایم رہے۔ پیارے میری ایک اور التجا ہے اُسے بھی قبول کرو گے؟"

بردیہ "تم جو کہو گی مجھے بجان و دل قبول ہے۔"

سافو "جب مجھے اپنے وطن لیجاؤگے تو دیکھئے میری نانی کو پیچھے نہ چھوڑ دیجئے گا۔ انہیں بھی ہم اپنے ساتھ رکھیں گے۔ وہ میری ایسی دلدادہ اور میری رنج و خوشی میں ایسی شریک حال ہیں کہ شاید میری جدائی کے صدمہ کو برداشت نہ کر سکیں۔"

بردیہ "تم اطمینان رکھو۔ میں انہیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے خاص محل میں رکھونگا۔"

سافو "اب مجھے پوری تسکین ہوگئی۔ میں اپنی پیاری نانی کو کس طرح چھوڑ سکتی ہوں۔ انکی خدمت بھی تو مجھ پر واجب ہے کیونکہ جس دن سے میں نے ہوش سنبھالا مجھے اپنے والدین کی خبر نہیں۔ انہیں کے آغوش محبت میں میں نے پرورش پائی۔ انہیں نے مجھے لکھنا پڑھنا گانا بجانا سینا پرونا۔ سب کچھ سکھایا[۱]۔ سوائے انکے اور کوئی میرا ہمدم و ہمساز نہیں۔ اور انکی

[۱] موجودہ زمانہ کے لحاظ سے یونانی عورتیں تعلیم و تربیت میں بہت ناقص تھیں۔ انکا مرتبہ مردوں سے کمتر سمجھا جاتا تھا۔ وہ علیحدہ ایک قسم کے پردہ میں رہتی تھیں اور غیر مرد سے ملنے جلنے نہ پاتی تھیں۔ انکا خاص مشغلہ خانہ داری خصوصاً چرخہ کاتنا یا کپڑے بننا تھا۔ زردوزی اور نقش و نگار کے کاموں میں انہیں بڑی مہارت تھی۔ کھانا پکانا بھی ہنر میں داخل تھا۔ کنیزیں چکی (جو بالکل آج کل کے پتھر کی دستی چکی کی طرح تھی) پیستیں کھانا پکاتیں۔ گھر کی مالکہ انکی نگرانی کرتی اور اکثر خود بھی پکانے میں حصہ لیتیں۔ حمام کی بھی بہت شائق تھیں اور اسکے بعد اپنے بناؤ سنگار میں بہت وقت صرف کرتی تھیں۔ کانسے کے آئینے، کنگھیاں۔ غازہ رکھنے کے پیالے اور خوشبودار روغنوں کی شیشیاں لوازمات سے تھیں۔ دیگر تفریحات میں موسیقی مختلف کھیل جیسے جھولا جھولنا یا گیند اچھال کر رقص کرنا وغیرہ شامل تھے۔ اسپارٹا کی لڑکیوں کو زیادہ

الفت کا بھی یہ حال ہے کہ میری صورت دیکھ کر جیتی ہیں - بلا میرے ان کی زندگی محال ہو جائے گی"۔

بردیہ "نہیں تم کچھ فکر مت کرو۔ جب میں رخصت ہونے لگونگا تو اُن سے باصرار اپنے ہمراہ چلنے کے لئے عرض کرونگا"۔

سافو "میں یہ سُن کر بہت ہی خوش ہوں - اور دیکھو پیارے اب جاتے تو ہو مگر بہت دیر نہ لگانا۔ مجھے تمہاری فرقت کا ایک ایک دن پہاڑ ہو جائیگا - اب میں آپ کو اپنا مالک و آقا تصور کرتی ہوں - اور رنج و خوشی یا اچھی بُری کسی بات کو آپ سے چھپانا نہیں چاہتی میں شاید پہلے ہی ذکر کر چکی ہوں کہ جب آپ لوٹ کر آئیں گے تو ہمارے گھر میں دو نئے مہمانوں کو دیکھیئے گا جو فینس کے جنہیں آپ کے دوست نے ایسی بہادری سے بچایا ہے خورد سال بچے ہیں اور کچھ دنوں بعد یہاں آنیوالے ہیں - میں انہیں بڑے پیار سے رکھونگی - اور اگر شرارت نہ کی تو اچھی اچھی کہانیاں سُناؤں گی - خصوصاً اُس شہزادے کی کہانی جو ایک غریب لڑکی پر مفتوں ہو گیا تھا کہ وہ کیسا حسین و جمیل و قد آور سورما ہے اُسکے بال سنہرے - اسکی آنکھیں نیلگوں - اس کا چہرہ ماہتاب کی طرح درخشاں - اور اس کا لباس ایسا خوشنما کہ نظر نہ ٹھیرے - وہ ایسا شریف النفس، اولوالعزم، جری، راستباز اور وفا کیش ہے کہ دنیا میں اسکی مثال نہیں - غرضکہ میں اپنے پیارے بردیہ کو سر سے پیر تک بیان کر جاؤں گی اور بچوں کو معلوم نہ ہوگا کہ میں کس کا ذکر کر رہی ہوں - وہ بڑے شوق سے پوچھیں گے کہ وہ شہزادہ کہاں ہے - ہمیں بھی اُس سے محبت ہے ہمیں بھی اُسے دکھاؤ - تو میں انہیں اپنے سینہ سے لگا لونگی اور پیار کرونگی - تو انکی آرزو پوری ہو جائیگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آزادی حاصل تھی اور باہر نکل کر جسمانی ورزشوں میں حصہ لیتی تھیں۔ یہ اسلئے نہ تھا کہ وہ مردوں کی برابر سمجھی گئی تھیں - بلکہ انکی تندرستی اور قویٰ میں ترقی ہو اور مضبوط بچوں کو پیدا کر سکیں - (دگول دکونز)

کیونکہ میرے دل میں سوائے تمہارے اور کون ہے اور جب وہ میرے سینے سے لگ گئے تو گویا تم سے قریب آ گئے اور مل گئے۔"

بردیہ "میں بھی اپنی بہن انوسا سے ملونگا تو اُس سے اپنے سفر کا تمام حال بیان کرونگا یونانیوں کے علم و ہنر، انکی عقل و فہم۔ اور انکی عورتوں کے حُسن و جمال کی تعریفیں کرونگا۔ اور جب انکی خوبصورت دیوی افرودیت کا ذکر آئیگا تو میری پیاری کی دلربا صورت کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے پھر جائیگا۔ میں اسکی عفت و عصمت۔ شرم و حیا۔ محبت و جان نثاری اور دیگر خصائل کو بیان کر جاؤنگا اور کہونگا کہ اُسکی آواز ایسی شیریں و دل آویز ہے جسے سُنکر بلبل تک اپنا نغمہ بھول جاتی ہے۔ پھر کہونگا کہ وہ ایک آسمانی دیوی ہے جسے سُنکر میری بہن شوق سے بول اُٹھے گی کہ اے کاش میں بھی اس بے مثل افرودیت کو دیکھ پاتی تو میں اُسے محبت سے گلے لگا کر کہونگا کہ گھبرا نہیں۔ ایک دن تو بھی اس پری تمثال و حور شمائل دیوی کو دیکھ لیگی۔"

سافو (یکایک چونک کر۔ بردیہ کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے) "تم نے سُنا؟ یہ کیا تھا؟ ملیتہ تالی بجا رہی ہے۔ ایسی جلدی وقت گذر گیا اور جدائی کی گھڑی سر پر آپہنچی۔ پیارے اب میرا زیادہ ٹھیرنا مناسب نہیں۔ رخصت۔ خدا پھر خیریت سے جلدی ملائے۔"

بردیہ "رخصت۔ ایک مرتبہ میں اور پیار کر لوں۔"

سافو "الوداع۔"

ملیتہ اس رات بہت تھکی ماندی تھی۔ اس لئے چوکسی کرتے کرتے اتفاق سے اسکی آنکھ لگ گئی۔ اتنے میں چند آوازیں زور سے اسکے کان میں آئیں تو خواب غفلت سے جاگ اٹھی۔ اور یہ دیکھتے ہی کہ سپیدۂ صبح نمودار ہونیوالا ہے اس نے گھبرا کر تالی بجائی اور عشاق کو خبردار کر دیا۔ بعد ازاں سافو کو ساتھ لیکر مکان کی طرف بڑھی تو اُسے معلوم ہوا کہ جن آوازوں نے اُسے جگا دیا تھا وہ مہمانوں کی تھیں جو اب رخصت ہو رہے تھے

اس نے لڑکی کو جلدی جلدی قدم اُٹھانے کیلئے کہا۔ اور مکان کی پشت پر آتے ہی فوراً دروازہ کھول کر خوابگاہ کے کمرہ میں داخل کر دیا۔ یہاں وہ اُس کا لباس اتارنے میں مشغول تھی کہ اتنے میں رہوڈوفس اچانک آپہنچی اور لڑکی کو اس حالت میں دیکھ کر نہایت حیرت زدہ ہو کر پوچھنے لگی "یہ کیا؟ سافو تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔ اتنی دیر ہو گئی اور تم نے شام کے کپڑے تک ابھی نہیں بدلے۔" ملیتہ تھر تھر کانپنے لگی۔ اور کوئی جھوٹا بہانہ بنانیوالی تھی لیکن سافو بے اختیار اپنی نانی کے قدموں پر گر پڑی۔ پھر اُٹھ کر اسکے سینہ سے لپٹ گئی اور رکتے ہوئے لہجے دوبی زبان میں اپنے عشق کا تمام واقعہ حرف بحرف بیان کر دیا۔ رہوڈوفس اُسے سنتے ہی سناٹے میں آگئی۔ اس نے بوڑھی خادمہ کو باہر چلے جانے کا حکم دیا پھر اپنی نواسی کو سامنے کر کے دونوں ہاتھ اسکے شانوں پر رکھ کر کہنے لگی "سافو! ذرا میری طرف نظر اُٹھا کر دیکھ۔ میں دیکھوں تو سہی کہ تیرے چہرہ پر اب بھی وہی بھولاپن اور مسرت ہے جو ایرانی کے آنے سے پہلے تھی یا نہیں۔" سافو نے شرما کر۔ ایک ایسی نگاہ سے اپنی نانی کی طرف دیکھا جسے وہ فوراً سمجھ گئی اور بڑی محبت سے اُسے گلے لگا کر کہنے لگی۔ "بیٹی جب سے تم سیانی ہوئیں کہو میں نے تمہیں شریف زادیوں کی طرح تربیت دی یا نہیں۔ میں نے تمہیں عشق و محبت کے جھگڑوں سے دور رکھنا چاہا بری صحبت سے بچانیکی کوشش کی اور ہمیشہ یہ خواہش رکھی کہ اپنے ملک کی راہ ورسم کے مطابق ایک دن اپنی پیاری کو اچھا سا بر تلاش کر کے بیاہ دونگی۔ مگر دیوتاؤں کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایراس کو انسانی منصوبوں و پیش بندیوں کی کچھ پرواہ نہیں۔ تمہارے آباؤ اجداد کے خون نے رنگ دکھایا اور یہ پُر جوش و الفت پسند طبیعت کسی طرح روکے نہ رک سکی۔ خیر اب جو کچھ ہونا تھا سو ہو گیا۔ میں تمہیں زیادہ ملامت نہیں کرتی۔ سچی محبت کا جذبہ ایک بڑی نعمت ہے جسکی یاد آئندہ عمر کی روحانی صعوبتوں کو دور کر کے انسان کے دل کو ہمیشہ تر و تازہ رکھتی ہے۔ اس لئے اگر تم اس نوجوان پر گرویدہ ہو گئیں تو بس اسی حد تک رکھو۔ اور اب آئندہ ملنے آئے تو اُس سے رخصت ہو کر پھر کبھی ملنے جلنے کی خواہش نہ کرو۔

کیونکہ ایرانیوں کی طبیعت کا کچھ اعتبار نہیں۔ وہ بڑے بیوفا اور متلون مزاج ہوتے ہیں۔
نئی اور انوکھی چیز انہیں بھاتی ہے۔ مگر تھوڑے ہی دن بعد اُس سے اُکتا جاتے ہیں۔
شہزادہ تمہارے حُسن پر مفتون ہوگیا ہے اور بظاہر ابھی جان و دل سے تم پر فدا بھی ہے
مگر یاد رکھو کہ وہ بالکل ایک ناتجربہ کار لڑکا ہے۔ حسین و جمیل ہے۔ خاندان شاہی سے ہے
اور ایسے محلوں میں اسکی تربیت ہوئی ہے جہاں ہر شخص اُسکی خوشامد میں لگا رہتا ہے۔
اور سب سے بڑھکر یہ کہ ایرانی النسل ہونے کی وجہ سے ہم سے اپنی عادت واطوار و
مزاج میں بالکل مختلف ہے۔ اس لئے تم اگر سمجھدار ہو تو اس خیال خام کو اپنے دل
سے بالکل دور کردو ورنہ کسی دن مصیبت کا سامنا ہوگا۔ اور وہ متنفر ہو کر تمہیں چھوڑ کر
علیحدہ کردیگا۔"

سافو۔ "لیکن نانی اماں یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ میں تو اُن سے قسم کھاکر وعدہ کرچکی ہوں
کہ اب ہمیشہ انہیں کے ساتھ رہونگی۔"

رھوڈوفس۔ "کیا خوب! لڑکی تو ابھی بالکل ناسمجھ ہے اور اپنے جذبات پر قابو نہیں
رکھ سکتی۔ ہمشگی و دوام بھی گویا بچوں کا ایک کھیل ہوگیا۔ تو نے بڑی غلطی کی کہ قسم کھا بیٹھی
میں اسے توڑنے نہیں کہتی کیونکہ وعدہ کا وفا کرنا سب سے بڑا فرض ہے تو اُسکی محبت
کو ضرور اپنے دل میں رکھ مگر اُس سے ملنا ترک کردے۔"

لڑکی۔ "نانی اماں یہ تو مجھ سے ہرگز نہ ہوسکے گا۔ بردیہ میرا کوئی معمولی ساشناسا ہوتا
تو بھی میں اُسکے قول پر اعتبار کرتی کیونکہ وہ ایک شریف و اعلیٰ نصب ایرانی ہے جن کا
سب سے بڑا اصول سچائی و راستبازی ہے۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ہرگز بیوفائی
نہ کریگا اور باوجود اپنے ملک کی خراب رسومات کے سوائے میرے اور کسی سے
شادی نہ کرے گا۔"

رھوڈوفس۔ "مجھے مردوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگر وہ اپنے وعدے بھول گیا تو یاد رکھو

تمہاری تمام عمر تلخی و مصیبت میں کٹے گی"۔
سافو" میری نانی۔ ایسی بُری بُری باتیں اپنے منہ سے نہ نکالئے اور میرے دل کو نہ دکھایئے
اگر آپ بھی اُن سے میری طرح واقف ہوتیں تو ضرور یقین کرتیں کہ دریائے نیل کا تمام پانی
خشک ہو جائے۔ اہرام مصری گر پڑیں مگر میرا بردیہ کبھی بیوفائی نہ کریگا۔ اور ہرگز دھوکہ نہ
دیگا"۔ سافو کے ان الفاظ سے ایک عجب جذبہ مسرت و عقیدتمندی ترشح تھی۔ اسکی سیاہ
آنکھوں میں خوشی کے آنسو موتیوں کی طرح جھلک رہے تھے۔ رھوڈوفس کا دل بھی بالآخر
پسیجنے لگا۔ سافو پھر اُس سے لپٹ گئی اور اسکے عاشق نے جو کچھ کہا تھا سب حرف بحرف
دُہرا کر آخر میں یہ کہنے لگی "میری پیاری نانی۔ میں اس قدر خوش ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی
دیکھئیے ہم دونوں کے ساتھ ایران ضرور چلنے گا۔ دنیا میں میری یہی سب سے بڑی خواہش
ہے کہ ہمیشہ آپ کو ساتھ رکھوں۔ اگر یہ تمنا پوری ہوگئی تو پھر دیوتاؤں سے کچھ نہ مانگونگی"۔
رھوڈوفس "یہ تمہارا خیال خام ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں پھر تمہیں انکے سامنے ہاتھ
پھیلانے کی اشد ضرورت لاحق نہ ہو۔ تم نہیں جانتیں دیوتا انسان کے عیش و عشرت کو
بڑے رشک و حسد سے دیکھتے ہیں۔ راحت و مسرت کے بخشنے میں نہایت تنگدل
مگر رنج و غم دینے میں بڑے فیاض ہیں۔ جاؤ بیٹی۔ تم بہت تھکی ماندی ہو۔ اب
تھوڑی دیر آرام کر لو۔ میری دل سے دعا ہے کہ اس کا انجام بخیر ہو۔ (آبدیدہ ہو کر) کل
صبح تم میری نظروں میں ایک معصوم بچہ تھیں مگر اب چند گھنٹوں میں کچھ اور ہی ہو گئیں
اور خود سر و خود مختار لڑکیوں کی طرح ضد کرنے لگیں۔ خیر میں دیکھوں تو سہی کہ سسرال
جانے کے بعد بھی تم اپنی غریب نانی کو پوچھتی ہو یا نہیں۔ اور اس سے اگلا سا پیار و
اخلاص رکھتی ہو یا دوسروں کی محبت میں اُسے بالکل اپنے دل سے فراموش
کر دوگی۔ کل میں کریسس سے اسکے متعلق گفتگو کرونگی۔ انکے فیصلہ پر سب
کچھ منحصر ہے۔ اگر وہ راضی ہو گئے تو شاید تمہاری آرزو پوری ہو ورنہ بردیہ سے ملنے کا

پھر نام نہ لینا۔ میں کسی شریف یونانی کو ڈھونڈکر تمہارا بیاہ کردونگی۔ جاؤ اب جاکر سو رہو اپنے دل کو مفت میں پریشان نہ کرو۔ میں یہیں موجود ہوں اور تمہارے پاس بیٹھ کر دعا مانگنا چاہتی ہوں۔"

رھوڈوفس بہت دن چڑھے تک اُسی طرح خاموش و ساکت بیٹھی رہی۔ وہ اپنی پیاری نواسی کے چہرہ کو غور سے تک رہی تھی اور طرح طرح کے وسوسے و خیالات اسکی دل کو پریشان کررہے تھے۔ اسی دن اُس نے کری سس کو بلانیکے لئے خط لکھا اور جب وہ آیا تو اُس سے سافو کا تمام واقعہ بیان کرکے آخر میں کہا "مجھے معلوم نہیں کہ ایرانی شہزادوں کے لئے کن صفات کی بیویاں ہونی چاہئیں۔ مگر یقین جانئے کہ میری سافو میں بڑے سے بڑے بادشاہ کی ملکہ بننے کی تمام خوبیاں و قابلیتیں موجود ہیں۔ اس کا باپ اپنے ملک کے طبقہ امراء سے تھا۔ بچوں کا حسب نسب باپ ہی سے لیا جاتا ہے آپ لوگ بھی اسے مانتے ہیں، اور یہاں مصر میں بھی یہی قانون ہے کہ شہزادی و لونڈی دونوں کی اولاد میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا۔"

کری سس "میں نے تمہاری باتوں کو نہایت غور سے سُنا ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس واقعہ پر خوشی کا اظہار کروں یا رنج و افسوس کا۔ بردیہ کی والدہ کاسندانہ اور اسکے بھائی شہنشاہ کمبوجیہ کی تو یہی خواہش تھی کہ ایران سے روانہ ہونے سے پہلے ہی اُسکی شادی کردی جائے کیونکہ بادشاہ لاولد ہے اور اگر آیندہ بھی یہی حال رہا تو اُسکی نسل کا قیام صرف بردیہ کی ذات پر موقوف ہوجائے گا کیونکہ سیروس اعظم کے یہی باقی ماندہ دو فرزند ہیں۔ بردیہ پر ایرانیوں کو بڑا فخر و ناز ہے۔ اُس سے غریب و امیر ہر شخص محبت کرتا ہے اور سب کی امیدیں اسی کے ساتھ وابستہ ہیں وہ نہ صرف بلحاظ اپنی حُسن صورت بلکہ شرافت، فیاضی۔ دلیری میں بھی یکتائے روزگار ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایرانی شہزادوں کی شادیاں عموماً اپنے ہی خاندان یعنی

ہنجامنس میں ہوتی ہیں لیکن اس میں وہ زیادہ متعصب نہیں ہیں۔ غیر قوموں میں بھی انکے بادشاہوں نے شادیاں کی ہیں اور عام طور سے وہ اُنسے دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔ خصوصاً تمہاری نواسی کے حُسن و جمال کو دیکھ کر نہایت خوش ہونگے اور بردیہ کے عشق کا حال سُنیں گے تو اُسکی خاطر اپنے رسم و رواج کی پرواہ نہ کریں اور بادشاہ کی مرضی کو سب سے بالا سمجھ کر کوئی بات اپنی زبان سے نہ نکالیں گے۔ علاوہ بریں مجھے یقین ہے کہ مادرِ شاہ بھی جنکی عزت لوگوں میں سب سے زیادہ ہے اپنے چھوٹے اور چہیتے لڑکے کی خوشی میں ہرگز مزاحم نہ ہونگی۔ اور جب انہیں معلوم ہوگا کہ بلاسافو کے اسکی زندگی محال ہے اور اسکی فرقت میں وہ دن رات افسردہ خاطر رہتا ہے تو اگر وہ کسی وحشی قوم سے بھی ہوتیں تو بھی وہ فوراً اُسے منظور کر لیتیں۔ کمبوجیہ پر اپنی ماں کا اس قدر اثر ہے کہ وہ کبھی ہرگز اُنکے خلاف کرنا نہ چاہیگا۔ اور اپنے بھائی کو غیر کفو میں شادی کی اجازت دیدیگا۔"

رھوڈوفس۔ (خوش ہوکر) "بس اب کون سی دقت ہے؟"

کریسس "مجھے شادی کا اندیشہ نہیں۔ مگر اسکے بعد کی فکر ہے جو تردد میں ڈالتی ہے۔"

رھوڈوفس "آپ کو ڈر ہے کہ بردیہ۔۔۔۔۔۔"

کریسس "نہیں مجھے اسکی ذات سے کسی قسم کا خوف نہیں۔ وہ نہایت سچا اور پاک دل لڑکا ہے۔ اور اپنے قول کا ایسا پکا ہے کہ ایک مرتبہ کسی سے محبت ہوگئی تو ہمیشہ اُسے نباہے گا اور کبھی بیوفائی نہ کریگا۔"

رھوڈوفس۔ "تو پھر"

کریسس "مجھے محلات شاہی یا حرم کی زندگی پسند نہیں۔ وہاں بکثرت ایسی عورتیں رہتی ہیں جن کا وقت عموماً کاہلی و بیکاری میں گذرتا ہے اور جن کا مشغلہ سوائے دوسروں کی غیبت یا انہیں نقصان پہنچانے کے اور کچھ نہیں۔ یہ غریب لڑکی وہاں پہنچے گی تو اُسے اتنے بڑے مرتبہ پر دیکھتے ہی چاروں طرف سے رشک و حسد کی آگ بھڑک اُٹھے گی۔

طرح طرح کی سازشیں ہونگی حتیٰ کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اُسکی زندگی تلخ ہو جائیگی"

رھوڈوفس "توبہ! ایرانی عورتیں ایسی خراب ہوتی ہیں"

کریسس "میں انہیں بُرا نہیں کہتا۔ یہ عورت کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ رقابت کا جوش اس میں عموماً زیادہ ہوتا ہے۔ خصوصاً وہ یہ نہیں دیکھ سکتی کہ کوئی مرد جو اس کا منظور نظر ہو یا اسکی لڑکی کے لئے اچھا بر ہو کسی دوسری عورت کے قابو میں چلا جائے۔ حرم کی چہار دیواریوں نے اسکی دنیا محدود اور اسکے خیالات تنگ کر دیئے ہیں اور رشک و حسد نفرت کی حد تک پہنچکر ضرور خواہش انتقام پیدا کرتا ہے۔ سافو جتنی حسین ہوگی اتنی ہی زیادہ دوسروں کے دلوں میں اسکی طرف سے خصومت و عناد کی آگ برانگیختہ ہوگی۔ اور فرض بھی کر لیا جائے کہ بردیہ کے برتاؤ میں کبھی فرق نہ آیا اور اس نے کوئی دوسری شادی بھی نہ کی۔ تاہم لڑکی کی زندگی ایسے خطرات میں گذرے گی کہ سچ تو یہ ہے کہ اس نسبت کے متعلق بجائے مبارکباد دینے کے میں اظہار افسوس کروں تو بیجا نہ ہوگا"

رھوڈوفس۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ بجائے اسکے کہ شہزادی بن کر کوئی محلوں میں رہے۔ بظاہر عیش و عشرت کرے مگر درحقیقت وہاں کی روحانی تکالیف میں پڑ جائے۔ بدرجہا بہتر ہے کہ ایک معمولی غریب کی بیوی بنکر اطمینان و راحت کیساتھ اپنی زندگی بسر کر سکے"

یہ باتیں ابھی ہو ہی رہی تھیں کہ غلام نے شہزادہ بردیہ کی آمد کی اطلاع دی۔ رھوڈوفس نے فوراً اُسے اندر بلا لیا۔ شہزادہ کا چہرہ نہایت سنجیدہ تھا اس نے آتے ہی ایک مناسب و معقول تمہید کے بعد اپنی خواہش کا اظہار کیا اور رھوڈوفس سے عاجزانہ کہا کہ اسکی درخواست کو رد نہ کرے بلکہ خود بھی ہمراہ ایران تشریف لے چلے اس سے بڑھکر اس کیلئے مسرت و فخر کی کوئی دوسری بات نہیں ہو سکتی۔ پھر اس نے نہایت

ادب سے کری سس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور اپنا راز اُس سے پوشیدہ رکھنے کی معافی چاہی اور باصرار کہا کہ اسکی مدد کرے اور خاتون سے سفارش کرکے اسکی آرزوئے دلی کو پورا کرا دے۔ کری سس نوجوان شہزادے کے ان پُرجوش کلمات کو سنکر مسکرا دیا اور کہنے لگا "میرے بردیہ! میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا تھا کہ خبردار عشق ومحبت کے پھندوں میں نہ پڑنا۔ آخر تم نے نہ مانا۔ اور ایک ایسی آگ میں کود پڑے جو بہت تکلیف دہ ہے۔"

بردیہ۔ "لیکن اسکے شعلے نہایت روشن ومنور ہیں۔"

کری سس۔ "وہ رنج وغم و درد دکھ پہنچاتی ہے۔"

بردیہ۔ "مگر اُس درد میں ایک عجیب مزا ہے۔"

کری سس۔ "وہ دماغ کو پریشان ومنتشر کرتی ہے۔"

بردیہ۔ "مگر دل کو تقویت پہنچا دیتی ہے اور روح کو صیقل کرتی ہے۔"

رھوڈوفس (مسکرا کر اور کری سس سے مخاطب ہو کر) "ذرا دیکھنا! اس لڑکے کی منطق و خوش بیانی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایراس نے اپنی تعلیم وتلقین دیکر ابھی سے ایسا لسان بنا دیا کہ یونان کے تمام مقررین سے بازی لیگیا ہے۔"

کری سس۔ "تاہم میں عشاق کو بدترین شاگردوں میں شمار کرتا ہوں۔ اُن سے کوئی کتنا ہی سمجھا کر کہے کہ تمہارا جذبہ فضول ہے۔ وہ ایک زہر ہے۔ آگ ہے۔ خبط ہے بلکہ موت سے بھی زیادہ صعوبت انگیز ہے۔ پھر بھی وہ نہیں سُنتے اور اپنی ہی کہے جاتے ہیں اور ایک امید موہوم ہی سہی مگر اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔"

یہ باتیں ابھی ہو ہی رہی تھیں کہ کمرہ کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔ اور پریجمال سافو یکایک سامنے آکر کھڑی ہو گئی وہ ایک نہایت خوشنما سفید پوشاک پہنے تھی جسکی آستینیں کشادہ تھیں اور کناروں پر بیل بوٹوں دار اُودے رنگ کی گوٹ لگی تھی۔ اس کی

نازک کمر میں ایک زریں پٹی بندھی تھی۔ سر کے بالوں میں تازہ گلاب کے پھول گندھے تھے اور سینہ پر ہیرے کا وہ خوبصورت ستارہ جسے اُسکے عاشق نے تحفتاً دیا تھا چمک رہا تھا۔ اُس نے آتے ہی ایک شرمیلی ادا سے نہایت ادب کے ساتھ معمر مہمان کو سلام کیا۔ کری سس نے نظر اٹھائی تو اُسے معلوم ہوا کہ گویا آسمان سے کوئی حور یا پری اُتر کر سامنے کھڑی ہے۔ دیر تک وہ اُسکے خوبصورت و بھولے چہرے کو بغور دیکھتا رہا۔ ایک عجب کیفیت اُس پر طاری ہوئی۔ اُسے بھی اپنا گذشتہ زمانہ یاد آگیا۔ جوانی کی امنگیں از سر نو تازہ ہو گئیں۔ آخر اُس سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار لڑکی کی طرف بڑھکر اُسکی پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بردیہ کے پاس لیگیا اور کہنے لگا:۔

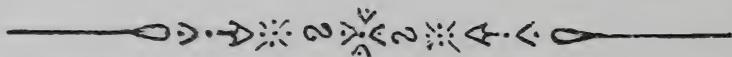
"اب چاہے تمام ہخامنش ہمارے خلاف سازش کریں مجھے کچھ پرواہ نہیں خوش نصیب شاہزادے! اس حوروش کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے۔ یہ تیری ہی بیوی بننے کے قابل ہے۔ رھوڈوفس تمہیں مبارک ہو"۔

رھوڈوفس کی آنکھوں سے مارے خوشی کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ "آپ نے تو اس طرح فیصلہ کر دیا کہ گویا مجھے اب کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہی"۔

بردیہ اور سافو۔ رھوڈوفس کے دائیں بائیں کھڑے تھے اور اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اس لجاجت و عاجزی کے ساتھ چہرے کو تک رہے تھے کہ آخر اُس سے بھی نہ رہا گیا اور دونوں کو بڑے جوش محبت سے اپنے سینہ سے لپٹا کر کہنے لگی:۔

"میری دل سے دعا ہے کہ زیئس، اپالو، اور ایراس جس نے تم دونوں کو باہم ملایا ہے ہمیشہ تمہارے مددگار و نگہبان رہیں۔ میرے خیالی تصور میں تم دونوں دو خوبصورت پھول نظر آتے ہو جو ایک ہی شاخ پر کھلے ہوئے ابھی بہار زندگانی کا لطف اٹھا رہے ہو۔ گرم و سرد اور خزاں سے نا آشنا ہو۔ معلوم نہیں کہ آیندہ

تمہاری قسمت میں کیا لکھا ہے ..... میری سافو تجھے خوش و خرم دیکھ کر میں بہت بہت خوش ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ جب دوسری دنیا میں تیرے والدین کو یہ خبر پہنچے تو انکی روح بھی مسرور و شاداں ہو۔"



تین دن بعد عوام کا ایک جم غفیر سیئیز کی بندرگاہ پر نظر آیا۔ تمام رعایا و پرجا۔ دختر فرعون کو رخصت اور اُسے خیر باد کہنے آئی تھی جس سے ظاہر تھا کہ باوجود پروہتوں کی اثر کے انکے دلوں میں اب بھی خاندان شاہی کی طرف سے حد درجہ خلوص و محبت باقی ہے۔ اماسس اور لیڈس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ انہوں نے بڑی محبت سے منتیس کو اپنے سینہ سے لگاکر الوداع کیا۔ اور تاشو بھی اپنی بہن سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ بعد ازاں چند مذہبی رسومات ادا کی گئیں۔ اور مسافر کشتیوں پر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ پھر انکے بادبان کھول دیئے گئے اور وہ روانہ ہوگئیں۔ یہ وقت ایسا تھا کہ شاید ہی کسی کی آنکھیں پرنم نہ ہوں مگر سنگدل پروہتوں پر کچھ اثر نہ تھا۔ وہ اپنی شکلیں سنجیدہ بنائے کھڑے تھے۔ اور اجنبیوں کے چلے جانے پر بہت خوش تھے۔ تاشو مسافروں کی جانب اپنا رومال ہلا ہلا کر خیر باد کہہ رہی تھی۔ اس کے دل کو کسی حالت قرار نہ تھا۔ اول تو اپنی عمر بھر کی ساتھی بہن چھوٹ رہی تھی۔ دوسرے وہ نوجوان ایرانی، جس پر وہ جان و دل سے عاشق و شیدا تھی جدا ہو رہا تھا۔ بڑی دیر تک اس غریب شاہزادی کے آنسوؤں کی جھڑی بند نہ ہوئی۔ اماسس نے سب کے سامنے اسے سینہ سے لگاکر بہت کچھ دلاسہ و تسکین دی۔ پھر اُس نے اپنے پوتے نکو کو دونوں ہاتھوں میں لیکر اوپر اُٹھایا جسے دیکھتے ہی لوگوں نے ایک بہت بڑا نعرہ خوشی کا بلند کیا اور بادشاہ کو مبارکباد دینے لگے۔ شہزادہ ولیعہد یعنی سامتیک اپنے باپ کے قریب ہی مُنہ بنائے خاموش کھڑا تھا۔ اتنے میں مہا پروہت تیتھو تپ اس کی طرف بڑھا

اور ہاتھ پکڑ کر فرعون کے پاس لے گیا اور دونوں کو ملا کر خاندان شاہی کے لئے دست بدعا ہوا۔ یہ دیکھتے ہی تمام مصری اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے زمین پر سجدے میں گر پڑے اماسس کو بھی سب کے سامنے اپنے لڑکے سے بغلگیر ہونا پڑا مگر مہاپروہت سے اس نے دبی زبان میں یہ الفاظ کہے "اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے خاندان کی عزت کی خاطر مجھے سب کچھ منظور ہے اور شہزادہ کا قصور معاف کرتا ہوں"۔

مہاپجاری "آپ کو ننجاری کا خط مل گیا"

فرعون "ہاں! اور فنیس کے تعاقب کے لئے احکام بھی صادر ہو گئے"

مہاپجاری "اور اب مصر کے تاج و تخت کی اصلی وارث۔ شاہ ہوفرا کی دختر بھی بہ سلامت اس ملک سے روانہ ہو گئی"

فرعون "ممفس میں اب کوئی یونانی مندر تعمیر نہ ہو گا"

مہاپجاری "(ہاتھ اٹھا کر) آئسس ہم سب کو خوشی و امن و امان بخشے اور مصر کی شان و شوکت کو ابدالآباد تک قائم و دائم رکھے"



نوکراتیس کے یونانیوں نے اپنے مہربان و سرپرست بادشاہ کی لڑکی کے اعزاز میں ایک بہت بڑی رخصتی دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ جیوں ہی بندرگاہ میں اُس کی کشتی پہنچی بکثرت جانور یونانی دیوتاؤں پر قربان کئے گئے۔ لوگوں نے گیت اور بھجن گانا شروع کئے اور بہت سی خوبصورت دوشیزہ لڑکیاں لباس فاخرہ سے آراستہ ایک تحفہ نذر کرنے لائیں۔ یہ ایک چھوٹا سا طلائی حلقہ تھا۔ جس کے چاروں طرف بنفشہ کے خوشبودار پھول لگے ہوئے تھے اور شادی کے موقعہ پر دلہن کے سر پر رکھا جاتا تھا۔ اسے پیش کرنے کی خدمت اُسی لڑکی کے سپرد کی گئی جو سب سے زیادہ حسین تھی۔ یہ رھوڈوپس کی نواسی پری جمال سافو تھی جو اُسے ہاتھ میں لئے ہوئے نہایت

ادب سے شہزادی کے سامنے آئی۔ نتتیس نے نہایت شکرگذاری کے ساتھ اُسے قبول کیا اور لڑکی کی پیشانی پر بوسہ دیکر۔ پھر تمام مجمع کو رخصت کیا۔ اور اپنی کشتی پر جو قریب ہی لگی تھی جاکر سوار ہوگئی۔ اب ملاحوں نے اپنی اپنی ڈانڈیں ہاتھ میں لیکر ہم آواز گانا شروع کیا۔ کشتیاں روانہ ہوگئیں۔ پچھوا ہوا کے جھونکوں نے اُن کے بادبانوں کو پھیلا دیا۔ اور کنارے سے ہزاروں لوگوں کی آوازیں جو رخصتی گیت گارہے تھے گونج اٹھیں۔ شاہزادہ بروبیہ شاہی کشتی کے بالائی تختہ پر کھڑا ہوا اب آخری بار اپنی معشوقہ کو الوداع کہہ رہا تھا۔ سافو دم بخود تھی اور دل ہی دل میں افرودیت سے جو مسافروں کی نگہبان خیال کی جاتی تھی دعائیں مانگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں مگر اپنے عاشق کی تسکین کے لئے مسکرا رہی تھی۔ اس کا دل بیتاب تھا۔ مگر آیندہ ملنے کی امید اُسے تھامے ہوئی تھی۔ بوڑھی ملیتہ لڑکی کے سر پر ایک چھتری لگائے پیچھے کھڑی تھی۔ اور زار وقطار رو رہی تھی۔ اتنے میں اتفاقاً سافو کے ہار سے چند پتیاں ٹوٹ کر نیچے گر پڑیں جسے دیکھتے ہی بڑھیا کی حالت بالکل بدل گئی۔ اسکی باچھیں کھل گئیں اور جلدی سے اپنے آنسو پونچھکر سافو کے کان میں کہنے لگی :۔

"اُو مبارک ہو۔ پیاری بچی یہ بڑا اچھا شگون ہے۔ جن لڑکیوں کے ہار سے پتیاں گرتی ہیں اُن کی مراد جلد برآتی ہے اور انکا چاہنے والا بخیر وعافیت واپس آتا ہے۔"

باب بارھواں

بابل[1] میں آمد آمد

سات ہفتے اس واقعہ کو گذر گئے تھے کہ اُس بڑی شاہراہ پر جو مغرب سے ہوتی ہوئی کلدانیہ کے مشہور پایہ تخت کو جاتی ہے بکثرت رتھیں اور ہتھیار بند پیادوں و سپاہیوں کی

[1] بابل جسکے آثار قدیمہ بمقام حلہ نزد بغداد ابھی تک موجود ہیں۔ قدیم دنیا کا ایک بہت بڑا شہر تھا اور سلطنت کلدانیہ کا دارالخلافت تھا۔ اسکی لمبائی پندرہ میل تھی۔ اسکی شکل مربع تھی اور بیچوں بیچ سے دریائے فرات بہتا ہوا نکلتا تھا۔ اسکی شہر پناہ ۳۵۰ فٹ اونچی اور ۸۷ فٹ چوڑی نہایت درجہ مضبوط اور ناقابل تسخیر خیال کیجاتی تھی۔ اس میں ایک سو برنجی دروازہ تھے۔ اور اندر متعدد نہایت عالی شان محلات۔ مندر۔ باغ و شکارگاہیں تھیں۔ دریا پر پتھر کا ایک خوبصورت پل تھا جسے بخت نصر نے بنوایا تھا۔ اسی بادشاہ کا ایک قلعہ اور ایک عالی شان محل بھی تھا جسکے سمت جنوب میں وہ وسیع ہال یا دیوان واقع تھا جہاں بلشہ زار نے ایک غیبی ہاتھ کو دیوار پر اپنی قسمت کا فیصلہ لکھتے ہوئے دیکھا تھا۔ (یہ واقعہ کتاب دانیال میں موجود ہے۔) یہاں وہ معلق باغات بھی تھے۔ جو عجائبات عالم سے شمار کیے جاتے۔ نیز بَل۔ مردک۔ اشتر۔ اور ننِخ کے مندر بھی تھے۔ سب سے زیادہ عالی شان معبد بَل تھا۔ جہاں سے ایک بڑی چوڑی سنگین سڑک محل شاہی تک جاتی تھی اور خاص موقعوں پر اس پر دیوتا کا ایک بہت بڑا جلوس نکلا کرتا تھا۔ جو ایک قابل دید نظارہ تھا۔ یہاں وہ عظیم الشان منارہ بھی تھا جس کا ذکر مقدس کتابوں میں آیا ہے اور جسکے متعلق خیال ہے کہ ایک مندر کا حصہ تھا۔ بابل کی تاریخ نہایت دلچسپ اور پراز انقلابات ہے۔ صدیوں تک اشور اسکا زیرفرمان رہا۔ مگر ۹ صدی ق م۔ آزاد ہو گیا۔ اور ۷۰۲ ق م میں اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ سنہ ۶۰۶ ق م جب میدیا نے اشور کو تباہ کیا تو بابل کا دوسرا دور شروع ہوا اور بخت نصر کی حکومت ہوئی جس نے

قطاریں نظر آئیں۔ یہ وہی شاہی قافلہ تھا جو مصر سے روانہ ہوا تھا اور اب منزل مقصود کے قریب تھا کیونکہ بابل کے عالی شان مندر و عمارات دور سے نظر آرہے تھے۔

مصری شہزادی نیتیتس ایک چار پہیوں والے مرصع وزریں رتھ پر جسے ہر ماکسا[51] کہتے تھے جلوہ گر تھی۔ یہ گاڑی نہایت خوشنما و آراستہ تھی۔ اسکی بلند چھت لکڑی کے منقش ستونوں پر استادہ تھی۔ اسکے اندر کمخواب کے گدے بچھے ہوئے تھے اور کھڑکیوں پر زربفتی پردے پڑے تھے۔ اس میں چار مضبوط گھوڑے جتے تھے جنہیں کوچبان نہایت ہوشیاری کے ساتھ چلا رہے تھے۔ اور قریب ہی جلو میں لیدیہ کا سابق فرمانروا اور اس کا لڑکا اپنے گھوڑوں پر سوار آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ انکے آگے آگے ایرانی سواروں کا ایک رسالہ اپنی زرق برق وردی میں نظر آرہا تھا۔ اور پیچھے باربرداری کی پچاس گاڑیاں

اس شہر کو بہت زینت اور رونق بخشی۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ نابونادیوس تھا جسے آثار قدیمہ کے جمع کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ اس نے شہر میں ایک میوزیم بنا رکھا تھا۔ پروہت اس سے ناراض تھے اور سلطنت کا انتظام زیادہ تر اسکے جنرل و ولیعہد بلشہ زار کے ہاتھ میں تھا۔ جب کورش نے بابل پر حملہ کیا تو اُسے ایک عرصہ تک اس شہر کا محاصرہ کرنا پڑا۔ اس کی شہر پناہ اس قدر مضبوط تھی کہ محصورین اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتے تھے اور دیوار پر کھڑے ہو کر ایرانیوں پر پھبتیاں اُڑاتے تھے۔ بالآخر کورش نے یہ تدبیر کی کہ اپنی فوج پیچھے ہٹا کر بہت سی نہریں کھودنا شروع کیں۔ جنکی وجہ سے دریائے فرات کا جو شہر کے اندر سے جاتا تھا رُخ بدل گیا اور بوقت شب جب اہل بابل اپنی عید منا رہے تھے اور بالکل غافل تھے۔ مع اپنی فوج کے غیر محفوظ اور پایاب دریا کے پھاٹک کے اندر داخل ہو گیا۔ بلشہ زار رقص و سرود کی محفل کے لطف اُٹھا رہا تھا۔ یکایک تمام سین بدل گیا اور درفش کیانی بابل پر لہرانے لگا۔ کورش نے مفتوحین کے ساتھ عمدہ سلوک کیا اور حضرت دانیال پیغمبر جو وہاں موجود تھے نہایت عزت کے ساتھ بادشاہ انسے پیش آیا اور تمام مظلوم بخت نصر کے قیدی یہودیوں کو آزاد کر کے یروشلم کو پھر آباد کیا۔ (دنڈرس پاست۔ سائکس۔ ایران نامہ)

۵۱ بقول زنوفن یہ گاڑیاں اُس زمانہ میں صرف ایشیا میں رائج تھیں۔ (پروفیسر ایسبر)

چھ سو ٹٹو اور باقی ماندہ لوگ تھے

جس سڑک سے یہ قافلہ گذر رہا تھا وہ دریائے فرات کے کنارے واقع تھی اور اسکے چاروں طرف ایسی زرخیزی وخوش حالی نظر آتی تھی جسکی مثال دنیا میں نہ مل سکے گی۔ گیہوں۔ جو وکنجد وغیرہ کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ جنکے ایک حصہ سے تین سو گنہ پیداوار ہوتی تھی۔ نیز میوہ دار درختوں کے بکثرت نخلستان تھے۔ خصوصاً کھجوروں کے درخت سرتاسر لدے ہوئے تھے۔ اور ہر طرف چشموں۔ نہروں ونالیوں کی اس قدر کثرت تھی اور ایسے عجیب وغریب انجن۔ چکیاں۔ پہیئے وپمپ پانی کھینچ کھینچ کرار دگرد کی خطہ زمین کو سیراب کر رہے تھے جنہیں دیکھکر کوئی شبہ نہیں رہتا تھا کہ فن زراعت وآب رسانی کو یہاں کے باشندوں نے کمال پر پہنچا دیا ہے۔

یہ زمانہ موسم سرما کا تھا۔ اس وقت آسمان کا مطلع صاف تھا مگر آفتاب کی حدت ناگوار طبع نہ تھی۔ عظیم الشان دریائے فرات پر بکثرت کشتیاں ونجرے چل رہے تھے جنکے ذریعہ آرمینیا کے پہاڑی ممالک کی پیداوار عراق کے میدانوں میں آتی تھی اور یونانی تجارت کا مال بابل کے بازاروں میں پہنچتا تھا۔ لب دریا بکثرت گاؤں بسے ہوئے تھے۔ جنکی آبادی رفتہ رفتہ گنجان معلوم ہونے لگی جس سے ظاہر ہوا کہ شہر کے مضافات قریب ہیں اور ایک اعلیٰ درجہ کی مہذب ومنتظم مملکت کا پایہ تخت کچھ دور نہیں ہے۔

شہزادی کی گاڑی اور تمام خدم وحشم ایک وسیع عمارت کے سامنے جسکی دیواریں اینٹوں کی تھیں اور جس سے ملحق ایک پائیں باغ تھا پہنچکر ٹھیریں۔ خادموں نے بڑھکر گری سس کا گھوڑا پکڑا اور سب سے پہلے وہی اُترکر شہزادی کے پاس گیا اور کہنے لگا "یہ ہماری آخری منزل ہے۔ سامنے دور ایک بلند مینار نظر آرہا ہے جو بل دیوتا کی مشہور ومعروف لاٹھ ہے اور اہرام مصری کی طرح عجائبات دنیا میں شمار کی جاتی ہے۔ غالباً غروب آفتاب سے پہلے ہم لوگ بابل کے برجی پھاٹکوں تک پہنچ جائینگے۔ اچھا اب گاڑی سے اُترو

اور مکان میں قدم رکھ کر تھوڑی دیر کے لئے آرام کرو۔ میں تمہاری خواصوں کو ابھی بھیجتا ہوں۔ آج تمہیں ایرانی بیگمات کا لباس پہننا پڑیگا۔ تاکہ شہنشاہ کی نظروں میں مقبول اور باعث عزت ہو۔ بس اب چند گھنٹوں میں وہ آنے ہی والے ہیں۔ (شہزادی کی طرف بغور دیکھکر) ہیں! تمہارا چہرہ کیوں اس قدر زرد و اُترا ہوا ہے۔ شاید سفر کی تکان ہے۔ مشاطہ سے تاکیداً کہدینا کہ رخساروں پر غازہ اچھی طرح ملے۔ یاد رکھو کہ پہلی مرتبہ کی ملاقات کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ خاصکر تمہارے شوہر کی طبیعت ایسی ہے کہ ان پر یہ بات بدرجہ اولیٰ صادق آتی ہے اگر جیسا مجھے یقین ہے تم کو دیکھتے ہی وہ فریفتہ ہوگیا تو ہمیشہ کے لئے غلام بن جائیگا لیکن بخلاف اسکے تم ناپسند ہوئیں تو وہ ایسی روکھی و سخت طبیعت کا ہے کہ پھر تمہیں نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ میری عزیز بچی۔ عنقریب تیری زندگی کا ایک بہت بڑا واقعہ ظہور میں آنیوالا ہے۔ خبردار گھبرا نہ جانا۔ ہمت بلند رکھنا اور میری نصیحتوں پر پورے طور سے عمل کرنا۔"

نٹیتیس۔ (اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ کر) "کریسس میں آپ کو اپنا سب سے بڑا نگہبان و پشت پناہ خیال کرتی ہوں اور اپنے باپ کی برابر سمجھتی ہوں آپ کی شفقت و محبت کا کہانتک شکریہ ادا کروں۔ دیکھئے کسی حالت میں میرا ساتھ نہ چھوڑ دیئے گا۔ معلوم نہیں ابھی میری زندگی میں کیا کیا مصائب و غم لکھے ہیں۔ لیکن جس طرح آپ کی مدد سے اس دشوار گذار سفر کے مرحلے جھیل گئی۔ اسی طرح آیندہ بھی آپ کی نظر عنایت رہی تو میری تمام مشکلیں آسان ہو جائینگی میرا بال بال آپ کے احسانات میں بندھا ہوا ہے۔ اور ہزار ہا زبانیں بھی لاؤں تب بھی آپ کا شکریہ ادا نہیں کرسکتی۔"

یہ کہہ کر پری جمال شہزادی نے بوڑھی کریسس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور بیٹیوں کی طرح اُسے پیار کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد جب سب انتظام ٹھیک ہوگیا تو دختر فرعون اپنی گاڑی سے اُتر کر فرودگاہ میں داخل ہوئی۔ صحن مکان تک پہنچی تھی کہ سامنے سے ایک شخص آتا ہوا نظر پڑا جس کے پیچھے

بہت سی خواصیں و کنیزیں متعدد اشیاء اپنے ہاتھوں میں لئے تھیں یہ بوگس[۵۱] حرم شاہی کے خواجہ سراؤں[۵۲] کا سردار تھا اور دربار میں بہت بڑا مرتبہ و اعزاز رکھتا تھا۔ اس کا قد لانبا اور جسم فربہ تھا۔ اس کا چہرہ جس پر ہر وقت ایک عجیب تمسخرانہ و تصنع آمیز مسکراہٹ رہتی تھی۔ ڈاڑھی مونچھ سے صاف تھا۔ اس کا لباس زنانہ تھا کانوں میں بالیاں پہنے تھا۔ دست و بازو گلو بھی عورتوں کی طرح بیش بہا جواہرات سے مزین تھے۔ اسکے لمبے بال ایک رنگین فیتہ سے سر پر بندھے تھے اور اُن سے ایک قسم کی تیز خوشبو آرہی تھی۔ بوگس نے شہزادی کو

---

۵۱ بگاوس۔ بگاوش یا بوگس (فارسی جدید میں باغ یا بغ تلفظ ہو سکتا ہے) اس نام کے کئی خواجہ سرائے شاہی ایران میں گذرے ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور اردشیر سوم کے عہد میں تھا۔ یہ شخص نہایت قابل تھا۔ تمام ملک کا انتظام اس کے ہاتھ میں تھا۔ جب بادشاہ اس کے خلاف ہوگیا تو اس نے زہر دیکر اُسے مار ڈالا اور نہایت بیرحمی کے ساتھ اس کے تمام لڑکوں کو بھی سوائے ایک کے قتل کر دیا۔ پھر اسے تخت پر بٹھا کر خود حکومت کرنے لگا لیکن ارشاک نے جب سلطنت اپنے ہاتھ میں لینا چاہی تو اُسے بھی مع اُسکے لڑکوں کے مار کر خاندان کا خاتمہ کر دیا اور خدا منش ملقب بہ دارلوش سوم کو تخت پر بٹھایا۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے بھی زہر کا جام دینا چاہتا تھا کہ بادشاہ نے اسی کو پینے پر مجبور کیا اور اس طرح بگاوش اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ (ایران نامہ)

۵۲ محلات شاہی میں خواجہ سرا مقرر کئے جاتے تھے۔ ان کی ایک کثیر تعداد بطور خراج ہر سال آتی تھی۔ چنانچہ بابل کو سالانہ پانچ سو نوعمر لڑکے پیش کرنا پڑتے تھے۔ مفتوحہ اقوام سے بھی انکی بھرتی ہوتی تھی۔ مثلاً جب دارا نے یونانی شہروں کو فتح کیا تو بہت سے نوجوان قیدیوں کو خواجہ سرا بنا ڈالا۔ ہخامنش کے زمانہ میں انکا بہت بڑا اقتدار تھا۔ انکا افسر اعلیٰ تمام حرم کا نگراں تھا۔ اور بادشاہ پر بہت بڑا اثر رکھتا تھا۔ بعض اوقات یہ خواجہ سرا بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کئے جاتے تھے۔ ساسانیوں کے زمانہ میں بھی انکا وجود تھا۔ مگر ایسے باثر نہ تھے۔ مسلمان حکمرانوں نے بھی انہیں کی تقلید کی۔ (رالنس)

سامنے آتے ہی بڑے ادب سے سلام کیا اور اپنے بھدے ہاتھ کو جس کی انگلیاں چمکدار انگوٹھیوں سے لدی ہوئی تھیں۔ منہ کے سامنے لیجاکر ایک عجب انداز سے مٹک کر بولا۔ "اے ملکہ والا تبار! یہ ناچیز آپ کی خدمت میں فرمانروائے عالم شہنشاہ کمبوجیہ کی طرف سے تہنیت وخوش آمدید کا پیغام لایا ہے اور ایک لباس فاخرہ بھی پیش کرتا ہے جسے بموجب حکم سلطانی اب حضور زیب تن فرماکر جلوہ افروز ہوں۔ یہ تمام خواصیں جو میرے پیچھے کھڑی حضور ہی کی خدمت کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض نہایت ہوشیار مشاطہ ہیں۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی تبدیل ہیئت کرکے ایک مصری زمرد سے ایرانی الماس بنادیں گی" یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹ گیا اور اپنی انگلی سے ایک دوسرے شخص کی طرف اشارہ کیا جو اس سرائے کا حاکم تھا۔ اس نے نہایت ادب سے شہزادی کے سامنے انواع واقسام کے فواکہات نذر کئے۔ نیتیتس نے چند مناسب لفظوں میں دونوں کا شکریہ ادا کیا اور پھر اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ جہاں بادل ناخواستہ اُسے اپنے وطن کے کپڑوں کو خیرباد کہنا پڑا۔ اور اجنبی ہاتھوں سے ایک نئے ملک کا لباس پہننا پڑا جو نہایت خوشنما وبیش بہا تھا مگر اس کے مذاق وطبیعت کے مطابق نہ تھا۔

اس وقت باہر اہالیان قافلہ میں ایک عجیب ہل چل مچی ہوئی تھی۔ خورونوش کا سامان ہورہا تھا۔ بکاول وباورچی جلدی جلدی اپنے اپنے کام میں مشغول تھے اور نوکر چاکر بھی بڑی پھرتی سے میزیں۔ کرسیاں وبرتن وغیرہ گاڑیوں سے نکال رہے تھے۔ غرضکہ تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ تمام سامان مہیا ہوگیا حتیٰ کہ گلدستے تک میزوں پر سج گئے اور تھکے ماندے مسافر کھانے پینے میں مصروف ہوگئے۔ سفارت ایران کا یہ تمام سفر اسی عیش وعشرت کے ساتھ کٹا تھا۔ باربرداری کے گھوڑوں وٹٹوؤں پر جو اس قافلہ کے ہمراہ تھے ہر قسم کی آسائش کا سامان لدا ہوا تھا اور معمولی موم جامے یا بیش بہا زردوزی کے خیموں وڈیروں سے لیکر چاندی کے پیر رکھنے کی تپائیاں تک موجود تھیں۔ نیز ہر قسم کے

ملازم واہل حرفہ ساتھ تھے۔ نان بائی۔ باورچی۔ کاسہ بردار۔ آب دار۔ روغن ساز۔ پھولوں کے ہار بنانے والے۔ اور حجام وغیرہ غرضکہ سب مع اپنے سازوسامان کے ہمراہ تھے۔

یہ سفر بڑی دور ودراز مسافت کا تھا مگر مناسب وموزوں فاصلوں پر آرام دہ سرائیں وچوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ جہاں کچھ دیر ٹھیر کر گھوڑے بدلے جاتے تھے اور مسافر باغوں یا سایہ دار درختوں کے سایہ میں بیٹھ کر گرمی ودھوپ سے پناہ لیتے تھے۔ نیز سردی کے زمانہ میں پہاڑی منزلوں پر بھی اسی طرح کے موزوں مکانات تھے۔ جہاں آتشدان وغیرہ ہر وقت گرم وروشن رہتے تھے۔ اور ٹھیرنے والوں کو ہر قسم کا آرام ملتا تھا۔ ان سراؤں و منزلوں کی سب سے پہلے جس بادشاہ نے بنیاد ڈالی وہ کورش اعظم تھا۔ اس نے اپنے[1] تمام ممالک محروسہ میں عمدہ سڑکیں بنوا کر سفر کی تکالیف کو بہت کچھ دور کر دیا۔ اور اسی کے زمانہ سے پیغام رسانی یا ڈاک کا بھی ایک عمدہ وباضابطہ انتظام قایم ہوا۔ ہرکارے تیز رفتار گھوڑوں پر بیٹھ کر اپنے خطوں کے جھولے کمر سے باندھے ہوئے سرپٹ روانہ ہوتے تھے اور منزل پر پہنچتے ہی دوسرے سواروں کو جو تازہ دم گھوڑوں پر تیار بیٹھے رہتے تھے حوالہ کر دیتے تھے۔ یہ بھی اسی طرح روانہ ہوتے تھے اور ایک چشم زدن میں شاہی

[1] دارائے اعظم کے زمانہ میں اسے اور بھی ترقی ہوئی۔ ملک میں جگہ جگہ شاہراہیں تھیں۔ قافلوں و مسافروں کی حفاظت آرام وآسائش کا انتظام تھا۔ سب سے مشہور وہ شاہراہ تھی جو شوس سے ساردیس تک جاتی تھی اور قریب ۱۷ سو میل لمبی تھی۔ اس پر ۱۱۰ چوکیاں وکارواں سرائے تھے جن پر ہر وقت پہرہ رہتا تھا۔ شاہی ڈاک کا ہرکارہ تیز رفتار گھوڑے پر سرپٹ روانہ ہوتا تھا اور منزل پر پہنچتے ہی ایکدوسرے ہرکارہ کو جو گھوڑے پر سوار اسکا منتظر رہتا تھا خطوں کا تھیلا حوالہ کر دیتا۔ آخر الذکر بھی آناً فاناً ہی ہوا ہو جاتا۔ دن ہو یا رات۔ دھوپ ہو یا گرمی۔ لو چلتی ہو یا برف پڑ رہی ہو۔ مگر یہ قاصد برابر آندھی کی طرح سفر کرتے ہوئے تھوڑے عرصہ میں ڈاک کو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے پر پہنچا دیتے تھے۔ ساسانیوں کے زمانہ میں بھی یہی قاعدہ تھا اور عربوں نے بھی اسی کی تقلید کی (پروفیسر الفنس)

مراسلے ہزاروں میل پہنچ جاتے تھے۔ ان پیغامبر ہرکاروں کو جنکی تیزی وشہسواری کی تمام دنیا میں شہرت تھی **انگریس** کہتے تھے۔ غرضکہ ایرانی امرا جن میں بوگس بھی جاکر شامل ہوگیا تھا جب کھاپی کر فارغ ہوچکے تو روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سب سرا کے باہر جمع ہوئے اتنے میں اسکا دروازہ یکایک کھلا اور **نیتیتس** شاہانہ لباس سے آراستہ پیراستہ بصد شان و شوکت سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ اسکے چہرہ پر ایک عجیب رعب تھا۔ غرور حسن کی ایک دلفریب ادا تھی۔ ساتھ ہی ایک اجنبی لباس پہن کر باہر آنے سے خجالت وشرم سے آنکھیں نیچی تھیں اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ حاضرین کی جیوں ہی اس پر نظر پڑی احسنت وآفریں کا ایک نعرہ انکی زبان سے نکلا اور بکمال ادب زمیں بوس ہوگئے۔ شہزادوں وامراوسفرا نے اپنی گردنیں جھکادیں کیونکہ دختر فرعون ایرانی ملکہ کا لباس پہنتے ہی بالکل ہی بدل گئی تھی۔ اور بجائے اگلی سی سادگی ولڑکپن کے اسکے طرز وانداز میں ایک عجیب شاہانہ تمکنت وآن بان پیدا ہوگئی تھی۔ جس نے اسکے شناساؤں کے دلوں کو نہایت مرعوب کردیا تھا۔ یہ تعظیم وتکریم دیکھ کر بظاہر اُسے خوشی ہوئی۔ گردن کے اشارہ سے اس نے اپنے احباب کا شکریہ ادا کیا۔ پھر خواجہ سرا سے مخاطب ہوکر ایک حاکمانہ لہجہ سے بولی۔ "تم نے اپنا فرض بہت اچھی طرح انجام دیا اور میں نے تمہارے لائے ہوئے تحائف وخواصوں کو بھی پسند کیا۔ اب میں اپنے شوہر سے ملونگی تو تمہاری اس حسن خدمت کی تعریف کرونگی۔ مگر فی الحال اپنی اظہار خوشنودی کی غرض سے تم کو یہ طلائی زنجیر انعام دیتی ہوں" بوگس نے زنجیر لیکر نہایت ادب سے شہزادی کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ لیکن دل ہی دل میں جل گیا۔ کیونکہ آج تک بادشاہ کی کسی بیوی نے نہ تو اس لہجہ سے اُسسے خطاب نہ اس غرور وتمکنت کے ساتھ برتاؤ کیا تھا۔ اُسے اپنے عہدہ کا بڑا گھمنڈ تھا۔ کمبوجیہ کی تمام بیویاں ہمیشہ اسکی خوشامد واطاعت میں لگی رہتی تھیں اور حرم شاہی میں اس کا اثر واقتدار ضرب المثل تھا۔ اس لئے اسکی ناراضی بجا تھی مگر اس وقت وہ ضبط کر کے پیچھے ہٹ گیا اور پھر دوبارہ سلام کیا لیکن

شہزادی متوجہ نہ ہوئی اور کریسس سے مخاطب ہو کر دبی زبان میں بولی "پدرمن میں آپ کی شفقت و محبت کی اس قدر مشکور ہوں کہ کوئی چیز نہیں جسے دیکر اُس کی تلافی کر سکوں۔ صرف آپ ہی کی بدولت مجھے امید ہے کہ میری زندگی اس ملک میں اگر بخوشی نہیں تو کم از کم آرام و چین سے تو بسر ہوگی"۔ اسکے بعد بآواز بلند تاکہ سب لوگ سُن سکیں بولی "کریسس یہ ایک انگشتری میں آپ کو بطور نشانی دیتی ہوں۔ اسے جب سے میں مصر سے روانہ ہوئی ہوں کبھی میں نے اپنے پاس سے جدا نہیں کیا۔ گو یہ قیمت میں کم ہے مگر اسکی قدر و منزلت میری نگاہ میں بہت ہی زیادہ ہے۔ کیونکہ جب یونانیوں کے معزز و مشہور حکیم فیثاغورث ہمارے پروہتوں کے علوم و فنون حاصل کرتے مصر تشریف لائے تھے تو میری والدہ کو یہ انگوٹھی تحفتہً نذر کی تھی جنہوں نے رخصت ہوتے وقت اسے مجھے عنایت فرمایا۔ اس پر ایک خوشنما فیروزہ کا نگ جڑا ہے جس پر سات کا عدد منقوش ہے۔ یہ عدد تقسیم نہیں ہو سکتا اور اُس سے مراد جسمانی و روحانی تندرستی ہے کیونکہ وہ بھی ناقابل تقسیم ہے یعنی ایک عضو بھی بیکار ہو جاتا ہے تو تمام جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور خیالات فاسد کا ذرہ برابر اثر فوراً روح کو پریشان کر دیتا ہے۔ اس لئے جب کبھی اس عدد کو دیکھیے گا تو مجھے یہ خیال کرکے یاد فرمائیگا کہ آپکی صحت و وسلامتی کی ہمیشہ دعاگو ہوں اور اُس لطف و کرم کی ملتجی ہوں جو آپ کی نیکی و پارسائی کا شیوہ ہونے کی وجہ سے سب سے بڑی روحانی صحت و تندرستی کی دلیل ہے (کریسس انگشتری کو لیکر شکریہ ادا کرتا ہے) نہیں آپ یہ الفاظ زبان پر لاکر مجھے خجل نہ کیجئے میں اگر آپکی تمام پرانی دولت و حشمت بھی واپس کر دوں تو بھی آپ کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی (گیجیس سے مخاطب ہو کر) گیجیس میں تمہیں ہاتھی دانت کا ایک سرود دیتی ہوں جو تمہارے ہی وطن کی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا نمونہ ہے۔ جب اسے بجانا تو دینے والیکو بھول نہ جانا۔ (زپیروس کی طرف رخ کرکے) مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں وفاداری و

رفاقت کا مادہ بہت ہے اسلئے تمہیں یہ زنجیر دیتی ہوں۔ کیونکہ ہم لوگ زنجیر کو اپنی پریم دیوی ہاتھر کا زیور خیال کرتے اور اتحاد و محبت کی نشانی سمجھتے ہیں۔ (دارا سے) آپ مصری نجوم وعلوم کے دلدادہ ہیں۔ میری طرف سے یہ سونے کی انگوٹھی قبول کیجے جس پر تمام راس منڈلوں کے چکر نہایت خوبی کے ساتھ کندہ ہیں۔ (بردیہ کی طرف متوجہ ہو کر) بردیہ تم میرے سب سے زیادہ چہیتے دیور ہو۔ تم کو میں ایک ایسی نشانی دینا چاہتی ہوں جو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ سنگ یشم کا ایک خوبصورت تعویذ ہے جسے اپنے پاس رکھو۔ میری چھوٹی بہن تاشو نے رخصتی کی آخری شب مجھے پیار کر کے اسے گلے میں پہنا دیا تھا اور کہا تھا کہ کشش وحب کے لئے یہ اکسیر ہے۔ جو کوئی اسے پہنے گا وہ اپنے مطلوب سے ملکر مراد کو پہنچے گا۔ معلوم نہیں کہ میری بہن کے دل میں کیا خیال تھا کہ اسے دیتے وقت زار و قطار روتی جاتی تھی اور تمہارا نام لیتی تھی۔ اس لئے میں اس کی خواہش بجالانے کیلئے یہ نادر شے اب تمہیں کو حوالہ کرتی ہوں۔ تم سمجھنا کہ وہی تمہیں اپنے ہاتھوں سے دے رہی ہے۔ اور جب اسے دیکھنا تو سئیز کے اس پرلطف زمانے کی یاد کو جو ہماری صحبت میں گذرا تھا تازہ کر لینا۔" شہزادی یہ تمام گفتگو یونانی زبان میں کر رہی تھی اب وہ خدام کی طرف جو دور ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے تھے متوجہ ہوئی اور اپنی ٹوٹی پھوٹی فارسی میں کہنے لگی "تم سب سے میں بہت خوش ہوں اور ایک ہزار طلائی ستاتر[۵۱] انعام میں دیتی ہوں۔ (خواجہ سرا کی طرف دیکھ کر) بوگس میرا حکم ہے کہ یہ رقم ان سب کو دو دن سے پہلے تقسیم ہو جائے۔ (کریسس سے مخاطب ہو کر) میں اب اپنی گاڑی میں سوار ہونا چاہتی ہوں۔ آپ ہی مجھے لیچلیے۔" کریسس فوراً آگے بڑھا اور شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کی طرف لیچلا۔ راستہ میں نیتیتس نے چپکے سے اسکے کان میں کہا "فرمایئے آپ

---

۵۱ بقول ہیروڈ یہ دنیا کا سب سے قدیم سکہ تھا۔ اوزان و پیمایش کے متعلق بعض محققین کا خیال ہے کہ اہل اشور نے بہت زمانہ پہلے انھیں رواج دیدیا تھا۔ (ایبر)

مجھ سے خوش ہوئے کہ نہیں۔ میں نے کوئی بات نامناسب تو نہیں کہی؟"

کری سس (بیٹی) بیٹی! تو نے مجھے اس وقت نہایت ہی مسرور کیا اور سچ کہتا ہوں کہ مجھے اب یقین ہو گیا کہ مادر شاہ کے بعد تیرے ہی قدم سب کی گردن پر رہیں گے اور تیری ہی قدر و منزلت سب سے زیادہ ہو گی۔ اس وقت تیرا طرز گفت گو و انداز بیان نہایت پرشوکت و شاہانہ تھا۔ تجھے کمتر و ناچیز ذرائع سے بڑے بڑے مقصد پورا کرنیکا خوب ہی سلیقہ آتا ہے۔ یقین جان کہ ان تحائف کو جن کی قیمت کچھ زیادہ نہیں ہے۔ ایرانی امرا نہایت گرانبہا اور قابل فخر سمجھیں گے۔ تو نے ان لوگوں کو جنہیں صرف زر کثیر دوسروں کی طرف پھینکنا آتا ہے اور اسکی مقدار کو سب سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ ایک نہایت عمدہ سبق سکھا دیا کہ تحائف عطا کرنے کا سب سے بڑا منشا کیا ہے۔ یعنی ذاتی خوشنودی کا اظہار باہمی لطف و ارتباط کو قایم رکھنا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہرگز اسے نہ بھولیں گے (کچھ دیر خاموش رہکر اور لڑکی کی طرف بغور دیکھکر) چشم بد دور۔ تمہارا چہرہ اس وقت کیسا بحال و خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ آرام سے بیٹھی ہو یا ایک تکیہ اور نیچے رکھ دوں؟ (چونک کر) یہ کیا ہے؟ ذرا شہر کی طرف دیکھنا کتنی بڑی آندھی اُٹھی ہے۔ اور کیسا بھاری گرد و غبار اس طرف امڈا چلا آرہا ہے۔ مجھے خیال ہے کہ یہ بادشاہ کی سواری ہے جو تمہیں لینے کے لئے تشریف لارہے ہیں۔ بیٹی! اب ذرا سنبھل کے بیٹھ جا اور جب شوہر کی نگاہ تجھ پر پڑے تو خبردار رعب میں آکر گھبرا نہ جانا۔ ایسے بہت کم لوگ ہیں جو اسکے شعلہ انگیز نگاہوں کی تاب لاسکتے ہیں۔ اگر تو نے بلا کسی خوف و جھجک مقابلہ کر لیا تو فتح ہے۔ یاد رکھ! تیری ہمت و جرأت کی آزمائش کا سب سے زیادہ نازک وقت آپہنچا۔ **افرودیت** اپنے رحم و کرم سے تیری حامی و مددگار ہو اور شوہر کی نظروں میں تیرے حُسن و جمال کو دوبالا کر دے۔ (ساتھیوں سے مخاطب ہو کر) دوستو! گھوڑوں پر سوار ہو کر جلدی آگے بڑھو۔ شہنشاہ تشریف لائے ہیں۔ **نتتیس** کی اس وقت عجب حالت تھی۔ وہ اپنی زرنگار گاڑی میں دم بخود بیٹھی ہوئی

دل مضطرب کو دونوں ہاتھوں سے تھامے تھی۔ اب گرد و غبار اور قریب آگیا اور سورج کی کرنیں سواروں کے ہتھیاروں و نیزوں پر اس طرح چمکنے لگیں جس طرح ابر سیاہ میں بجلی کوند کر تڑپتی ہو۔ اتنے میں دامن خاک چاک ہوا۔ جلوس کے ہراول نظر آئے مگر فوراً سڑک کے ایک موڑ پر پہنچکر گنجان جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔ اب ایک لحظہ کے بعد وہ پھر نمودار ہوئے اور چشم زدن میں سواران خاصہ اپنے صبا رفتار گھوڑوں پر اتنے قریب آ گئے کہ صرف سو قدم کا فاصلہ رہ گیا۔ اور انکی صورتیں بخوبی نظر آنے لگیں اس جلوس میں جس طرف دیکھو پر تکلف لباس۔ ساز و سامان۔ طلائی زیورات و جواہرات آنکھوں کو خیرہ کئے دیتے تھے۔ سواروں کی تعداد سو سے کچھ زیادہ تھی۔ وہ اپنے سفید نسائی[1] نسل کے گھوڑوں پر بڑی شان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان گھوڑوں کی لگاموں میں سونے کی گھنٹیاں بندھی تھیں انکی جھولیں زربفتی۔ کاٹھیاں مرصع اور رکابیں چاندی کی تھیں انکے ایال نہایت خوبی کے ساتھ سنوارے گئے تھے اور کانوں کے پاس ریشمی پھندنے لٹک رہے تھے۔ جب یہ سب نکل چکے تو انکے پیچھے ایک نہایت وجیہ و باوقار شخص نظر آیا جو بڑے دبدبہ و شان کے ساتھ ایک مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ گھوڑا کیا تھا ایک سمند باد رفتار تھا۔ جو اپنے منہ سے پھین وجھاگ پھینکتا۔ کنوتیاں بدلتا۔ اُچھلتا۔ کودتا۔ چمکتا۔ ایسا تند خو وحشی معلوم ہوتا تھا کہ اس کا قابو میں لانا بھی اسی سوار کا کام تھا۔ جو اپنی رانوں سے دبائے ہوئے اُس پر اس طرح بیٹھا تھا کہ زبردست جانور بے بس ہو کر ہانپنے لگا تھا اور اس کا تمام جسم پسینہ سے شرابور تھر تھر کانپ رہا تھا۔

[1] نسائی یعنی میدیا موجودہ عراق عجم کے گھوڑے اپنی خوبصورتی۔ تیز رفتاری اور مضبوطی کے لحاظ سے تمام عالم میں مشہور تھے۔ یہ عموماً سمند بھورے یا سفید رنگ کے ہوتے تھے۔ آخرالذکر مقدس خیال کئے جاتے تھے۔ اور بادشاہوں کی قربانی کے لئے مخصوص تھے۔ آج کل بھی عراق کے گھوڑے مشہور ہیں اور سفید گھوڑا متبرک و افضل سمجھا جاتا ہے۔ (سائکس)

اس بے مثل سوار کا لباس[۱] نہایت پر تکلف تھا۔ ریشمی جامے یا عبا پر سرخ و سفید چار خانہ دار
دھاریاں تھیں جن پر زردوزی کام سے شاہین و باز کی شکلیں بنی تھیں۔ شلوار نہایت خوشنما
ارغوانی رنگ کی تھی۔ اور بوٹ زرد و ملائم چمڑے کے تھے۔ اسکی کمر میں ایک طلائی
پٹی لگی تھی جس سے ایک چھوٹی سی خنجر نما تیغ جسکے قبضہ پر جواہرات جڑے تھے لٹک رہی
تھی۔ اسکے سر پر تاج شاہی تھا جس کے چاروں طرف سفید و نیلگوں رنگ کا ایک سربند

[۱] کیانیوں کے حالات بالتحقیق معلوم نہیں مگر ہخامنش اپنی طرز معاشرت اور لباس وغیرہ میں بہت
کچھ شاہان میدیا کے پیرو تھے۔ ڈاڑھی لمبی اور بال گھونگروالے رکھتے تھے۔ جلوس و دربار وغیرہ
کے موقعوں پر ارغوانی رنگ کا ایک جبہ یا قبا جو نہایت قیمتی ریشمی کپڑے کا ہوتا تھا زیب تن کرتے تھے
اسکی آستینیں فراخ تھیں۔ سینہ سے کمر تک چست تھا اور بعض اوقات اسکے دامن میں ایک طرف
زردوزی کا خوبصورت کام بنا ہوتا تھا۔ وہ ٹخنوں تک نیچا ہوتا تھا۔ اسکے نیچے بھی ایک پیرہن پہنتے
تھے جو گھٹنوں تک جاتا تھا۔ پائجامہ سرخ ریشمی کپڑے کا شلوار نما ہوتا تھا۔ جوتے زرد یا ارغوانی رنگ
کے اونچے ہوتے تھے اور اوپر تسموں یا بٹن سے بند رہتے تھے۔ زیورات بھی لوازمہ
لباس تھے۔ کانوں میں گوشوارے۔ گلے میں زنجیر۔ ہاتھوں میں کنگن یا بازوبند جو نہایت بیش بہا
ہوتے تھے پہنتے تھے۔ مگر سب سے زیادہ مابہ الامتیاز بادشاہ کی کلاہ تھی جسے دیکھتے ہی دور سے
وہ پہچان لیا جاتا تھا اسے یونانی زبان میں کتارش یا کدارش اور ایرانی فارسی میں کشترم کہتے تھے
یہ گرانبہا جواہرات سے آراستہ ایک اونچی سی مدور یا کشتی نما ٹوپی تھی جسکا بالائی حصہ چپٹا اور چوڑا ہو کر
زیادہ پھیلا ہوا معلوم ہوتا تھا اسکی دیوار پر چنٹیں نہ تھیں اور اسکے نیچے ایک نیلے و سفید رنگ کا
فیتہ لگا رہتا تھا۔ یہ رنگ صرف بادشاہ کے لئے مخصوص تھے۔ سیر و شکار کے موقعوں پر بھی
ایک میدی قبا زیب تن ہوتی تھی مگر آسانی کی غرض سے اسے کمر سے کھونس کر اگلے دامنوں کو پیچھے
کر دیتے تھے اور دست و بازو و گھٹنوں سے نیچے ٹانگیں برہنہ رہتی تھیں نیز سر پر بجائے تاج کے ایک چوڑی
سی پٹی بندھی رہتی تھی۔ ساسانیوں کے زمانہ میں اس لباس میں بہت ترمیم ہوئی جسکا ذکر یہاں بے محل ہوگا
(پروفیسر راالنسن۔ وغیرہ)

جو خاندان ہخامنش کا نشان بنا ہوا تھا۔ اسکے سر کے بال لمبے و سیاہ تھے اور ڈاڑھی بھی بہت گھنی تھی جس سے چہرہ کا رعب و شان اور بھی زیادہ ہو گیا تھا۔ اسکی آنکھیں بالوں سے بھی زیادہ سیاہ و چمکدار تھیں اور ان سے بجائے نرمی و رحمدلی کے درشتی اور سنگدلی ٹپکتی تھی۔ اسکی ناک سوئے کی سی تھی۔ ہونٹ پتلے پتلے تھے۔ اور بلند پیشانی پر پرانے زخم کا ایک گہرا سا نشان تھا۔ اسکی تمام طرز و انداز سے ایک غیر معمولی قدرت۔ تکبر و جلال برستا تھا۔ تھیئنس نے جیوں ہی اس شخص کو دیکھا مبہوت سی ہو گئی اور کسی طرح اپنی نگاہ اسکی چہرہ پر سے نہ ہٹا سکی۔ آج تک اس نے اس دبدبہ و شان کا نہ کوئی آدمی دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ اُسے محسوس ہوا کہ مردانگی و شجاعت کا تمام تر جوہر اسی کے مغرور چہرہ میں سما گیا ہی اور وہ تو کیا بلکہ تمام دنیا اسی ایک فرد بشر کی اطاعت و خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اسکے دل میں ایک ہیبت سی سما گئی مگر جس طرح انگور کی بیل کی نازک شاخیں کسی مضبوط تنہ درخت سے لپٹکر سہارا پکڑتی ہیں اسی طرح وہ بھی جو جنس ضعیف سے تھی اس زبردست و طاقتور شخص کی طرف ایک غیر معمولی کشش محسوس کرنے لگی۔ اسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ سامنے جابر و قہار سیتھ کھڑا ہے۔ یا بخشش و کرم کا دیوتا انسانکی شکل میں زمین پر اترا ہے۔ اس کے قلب کی عجب حالت تھی جسکا اثر چہرہ سے صاف ظاہر تھا یعنی جس طرح دوپہر کے وقت آسمان پر ابر ہوا ور روشنی و سایہ جلدی جلدی یکے بعد دیگرے نمایاں ہوں۔ اسی طرح اُسکے خوبصورت رخساروں پر بھی کبھی سرخی زردی دوڑ جاتی تھی۔ ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ اور اپنے مشفق و مکرم اُستاد کرہی سمس کا سب سکھایا۔ پڑھایا سبق بھول گئی تھی۔ لیکن جیوں ہی کمبوجیہ نے اپنے ہنہناتے ہوئے منہ زور اسپ کو لگام کھینچ کر گاڑی کے پاس کھڑا کیا۔ اور اُسکی طرف بغور دیکھنے لگا تو بجائے خوفزدہ ہوکر آنکھیں نیچی کر لینے کے وہ بیساختہ اُسکے چہرہ کو تکنے لگی اور بلا کسی کے بتائے فوراً سمجھ گئی کہ وہی اس کا شوہر و شہنشاہ عالی وقار ہی۔ وہ اگرچہ ابھی

کمسن و ناسمجھ تھی۔ مگر شاہی خون اسکی رگوں میں بھی دوڑ رہا تھا اس لئے اُس شخص کی جو نصف دنیا کا ایک مطلق العنان فرمانروا تھا تیز و چھبنے والی نگاہیں مرعوب نہ کر سکیں اور جسقدر دلیری سے وہ انکا مقابلہ کرتی رہی اتنا ہی زیادہ کمبوجیہ کے درشت و سخت چہرہ پر نرمی و تلطف کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس نے بڑی عزت و وقار کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا اور باخلاق و مہربانی مزاج پرسی کی پھر اُسکے ہمراہیوں کی طرف پلٹ کر دیکھا یہ لوگ اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے تھے اور بعض تو بادشاہ کو دیکھتے ہی سربسجود زمین بوسی کر رہے تھے۔ اور بعض دربار ایران کی رسم و رواج کے مطابق اپنے ہاتھونکو آستینوں کے اندر چھپائے گردنیں جھکائے ہوئے خاموش کھڑے تھے۔

اب اس نے اپنے گھوڑے سے اُترنا چاہا۔ فراشوں نے چشم زدن میں ایک بیش بہا سُرخ قالین راستہ پر بچھا دیا۔ تاکہ قدم زمین پر نہ پڑنے پائیں۔ کمبوجیہ نے اُترتے ہی اپنے عزیزوں و دوستوں کو خوش آمدید کہا بر دیہ و دارا کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور کریسس سے ہاتھ ملا کر خواہش ظاہر کی کہ وہ بطور ایک ترجمان اُس کے ساتھ نیتیتس کے پاس چلے۔ یہ دیکھتے ہی بڑے بڑے امرا نے لپک کر گھوڑے کی رکابیں تھامیں۔ بادشاہ نے سوار ہوتے ہی تمام جلوس کو روانگی کا حکم دیا۔ اور خود تنہا شہزادی کی گاڑی کے قریب گیا اور کریسس سے اس طرح ہمکلام ہوا "مجھے دختر فرعون کا حسن و جمال بہت پسند آیا۔ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ میرے سوالوں کا جواب دیں۔ تم اس کا صحیح ترجمہ مجھے سُناؤ۔ کیونکہ میں سوائے ایران۔ بابل و میدیا کے اور کسی ملک کی زبان نہیں جانتا۔"

نیتیتس ان الفاظ کو سمجھ گئی۔ اس کا دل مارے خوشی کے اُچھلنے لگا اور قبل اسکے کہ کریسس بادشاہ کو جواب دے اس نے نہایت شیریں لہجہ سے اپنی ٹوٹی پھوٹی فارسی میں یہ کہا "دیوتاؤں کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ مجھ سے راضی و خوش ہوئے۔

میں اپنے آقا کی زبان سے بالکل نابلد نہیں ہوں کیونکہ میرے بزرگ و مشفق کریسیس راستہ بھر مجھے فارسی پڑھاتے آئے ہیں تاہم مجھے وقت کم ملا ہے۔ اور ایک معمولی ناسمجھ لڑکی ہوں اس لئے معاف فرمائیگا اگر مجھ سے غلطیاں سرزد ہوں اور آپ کی باتوں کا پوری طور سے جواب نہ دے سکوں۔"

بادشاہ یہ سنکر مسکرایا۔ اسکی خود بین و تملق پسند طبیعت کو شہزادی کی یہ رضاجوئی و اظہار شوق بہت پسند آیا اُسے نہ صرف حیرت ہوئی بلکہ اس لڑکی کی عزت بھی اسکی نگاہوں میں زیادہ ہوگئی کیونکہ آج تک عموماً جن عورتوں سے اُسے سابقہ پڑا تھا وہ جہالت و بیکاری میں اپنا وقت گذارتی تھیں اور سوائے ایک دوسرے کے خلاف سازشیں اور اچھے لباسوں وزیوروں کی خواہشیں کرنے کے علمی مذاق سے بالکل بے بہرہ تھیں۔ اس لئے اس نے مسرت و لطف آمیز لہجہ سے کہا "میں یہ سُنکر بہت خوش ہوا کہ تم بلا کسی ترجمان کے مجھ سے گفتگو کر سکتی ہو۔ ہماری زبان نہایت شیریں و پُرمعنی ہے اُسے اچھی طرح سیکھنے کی کوشش کرو۔ میں اپنے عزیز دوست کریسس کو آئندہ سے تمہاری تعلیم کے لئے مقرر کرتا ہوں۔" کریسس جھک کر آداب بجالایا اور کہنے لگا "حضور کا حکم میرے سر آنکھوں پر۔ یہ میری عین خوشی و افتخار کا باعث ہے۔ دختر اماسس سے بڑھ کر بھلا کون مجھے ایسا شاگرد مل سکتا ہے جو اپنے اُستاد کا ایسا مطیع و احسانمند اور پڑھنے لکھنے کا ایسا شوقین و دلدادہ ہو۔"

بادشاہ۔ "بیشک! وہ ایک ایسے ملک سے آئی ہے جس کا علم و ہنر شہرۂ آفاق ہے مجھے امید ہے کہ وہ مجوس کی تعلیم سے بہرور ہو کر بہت جلد ہمارے مذہب کو بھی سمجھ لیگی اور اُسے صدق دل سے قبول کرلے گی۔"

نٹیٹس نے آنکھیں نیچی کرلیں جس بات کا اُسے اس قدر خوف تھا اب آخر سامنے آئی اور آئندہ سے اُسے اپنے وطن کے دیوتاؤں کو خیرباد کہکر ایک نامعلوم و اجنبی

مذہب کی تقلید کرنا پڑیگی۔ اُس سے اُسکے دل میں ایک قسم کا اضطراب و خلجان پیدا ہوا
جسے کمبوجیہ نے نہ دیکھا اور اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھکر اس طرح بولا:۔
"ہماری والدہ محترمہ کاسنداانہ تم کو فرائض زوجیت اور اس ملک کے آداب شاہی
کی تعلیم و تلقین فرمائیں گی۔ کل میں خود تمہیں انکی خدمت میں لے چلونگا اور اب پھر اس
بات کو دُہرا کر کہتا ہوں جسے تم نے اتفاق سے سن لیا ہے یعنی یہ کہ میں تمہیں دیکھکر
بہت خوش ہوا ہوں اور تم میری مقبول خاطر ہوئی ہو۔ اب اس کا قایم رکھنا تمہارا کام
ہے۔ ہم بھی اپنی طرف سے تمہارے آرام و راحت کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے
لیکن ایک امر کا اور خیال رکھنا وہ یہ کہ بوگس جسے میں نے تمہاری پیشوائی کے لئے
بھیجا تھا اُس سے بعزت و احترام پیش آنا۔ وہ ماہدولت کے حرم شاہی کا افسر اعلیٰ
ہے اور اُس کی بہت سی باتوں پر تمہیں کاربند ہونا پڑیگا"

شاہزادی۔ (مغرورانہ ادا سے) "بوگس خواہ تمام دوسری بیگیات پر اپنا حکم چلائے مگر
مجھ پر اس دنیا میں سوائے حضور کے اور کسی کی مجال نہیں کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔ میں اُس
خود مختار ملک کی پلی ہوئی ہوں جہاں عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر سمجھے جاتے
ہیں۔ اور اس کہنے کی معافی چاہتی ہوں کہ وہی خودداری و غیرت اس لونڈی کے سینہ میں
موجزن ہے جو اُسکے پیارے شوہر کی آنکھوں سے عیاں ہے۔ حضور میرے آقا۔ میرے
مالک و میرے خاوند ہیں۔ میں بدل و جان آپ کی خدمت و اطاعت کرنے کو تیار ہوں
مگر ایک زنانے۔ زرخرید غلام خواجہ سرا کی خوشامد درآمد کرنا میری شان کے خلاف ہے
اور میں ہرگز ایسا نہ کرونگی"

کمبوجیہ یہ سُنکر نہایت متحیر ہوا۔ اس نے سوائے اپنی ماں کے اور کسی عورت کے منہ
سے یہ الفاظ نہ سُنے تھے۔ وہ حد درجہ مغرور و خود پسند تھا تاہم نتیتس کی اس آن بان
سے ناخوش نہ ہوا بلکہ اس کے دل میں شہزادی کی وقعت اور بھی بڑھ گئی اور اسکی زبان

اپنی شان میں مالک و آقا کے الفاظ سنکر نہایت مسرور ہوا اور سر کے اشارہ سے اپنی رضامندی کا اظہار کرکے کہنے لگا "تم حق بجانب ہو۔ تم پر صرف میری ہی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے میں تم کو ایک علیحدہ محل میں رکھونگا اور ابھی حکم دیتا ہوں کہ وہ خوبصورت معلق باغات جنہیں تم دیکھ کر بہت خوش ہوگی فوراً تمہارے رہنے سہنے کیلئے آراستہ کردیئے جائیں"

نتیتس "میں اس عنایت و مہربانی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں اور حضور کے اس انعام خسروانہ سے جو خوشی مجھے حاصل ہوئی ہے بیان نہیں کرسکتی۔ میں آپ کے بھائی بردیہ کی زبانی ان معلق باغات کا حال سن چکی ہوں کہ وہ ایک بادشاہ کے عشق و محبت کی یادگار ہیں۔ اس لئے مجھے انکے دیکھنے کا پہلے سے شوق تھا۔ آپ نے میری تمنائے دلی پوری کردی"

کمبوجیہ "کل سے تم وہیں جاکر رہوگی۔ اب یہ بتاؤ کہ میرے سفیر و عزیزوں نے مصر میں کس قسم کا برتاؤ کیا۔ اور انکے متعلق تمہارا کیا خیال ہے"

نتیتس "میری زبان میں طاقت نہیں کہ بیان کرسکوں۔ کون ہے جو آپ کے ذیوقار احباب و اعزہ سے ملے اور انکی خوبیوں کا گرویدہ نہ ہوجائے۔ میرے کل خاندان کو ان سے حد درجہ کا انس ہوگیا تھا۔ خاصکر آپکے چھوٹے بھائی بردیہ نے تو ہم سب کو اپنا گرویدہ بنالیا حتیٰ کہ عام مصری بھی جو اجنبیوں سے تعصب رکھتے ہیں انکی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان تھے"

ان الفاظ میں نہ معلوم کیا اثر تھا کہ بادشاہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس نے کچھ بڑبڑا کر جلدی سے منہ موڑ لیا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ دیکر اس زور سے چابک مارا کہ الف ہوکر گرتے گرتے بچا اور پلٹتے ہی اس زور سے بھاگا کہ تمام جلوس کو پیچھے چھوڑکر چشم زدن میں بابل کی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ شاہزادی کی گاڑی بھی اب روانہ ہوگئی تھی۔ دور سے شہر کی عظمت و شان دیکھکر دنگ رہ گئی اور جب قریب پہنچی تو اسکو استحکام و قلعہ بندی نے اور بھی حیرت میں ڈال دیا۔ بابل کے چاروں طرف سوائے اس سمت کے جہاں ایک دلدل کے

ہونے سے قدرتی حفاظت تھی ایک عظیم الشان شہر پناہ تھی جس کا دور نو میل سے زیادہ تھا وہ دو سو ہاتھ اونچی اور چوڑائی میں اس قدر وسیع تھی کہ دو گاڑیاں بآسانی ساتھ ساتھ جا سکتی تھیں۔ اُس پر جگہ جگہ مناسب خوشنما بُرج نصب تھے جنکی تعداد قریباً ڈھائی سو تھی۔ اور اس قدر مضبوط تھے کہ بذاتِ خود مختصر سے قلعے معلوم ہوتے تھے۔

اس فصیل کے اندر بڑی بڑی سر بفلک عمارات نظر آتی تھیں۔ وہ ایسی عالی شان تھیں کہ انکے سامنے تھیبز و ممفس کے مندروں واہراموں کی بھی کچھ حقیقت نہ تھی شہر میں داخل ہونیکے لئے متعدد برنجی دروازے تھے جن میں سب سے بڑا پھاٹک اسوقت جلوسِ شاہی کے لئے کُھلا ہوا تھا۔ اس پھاٹک کے اوپر دونوں جانب اونچے اونچے برج تھے اور اُسکے سامنے ایک بڑا عظیم الشان بت بطور ایک محافظ کھڑا ہوا تھا۔ اس بُت کے دونوں بازوؤں پر پَر لگے تھے۔ اس کا جسم بیل کا تھا اور شکل انسان کی جسکی لمبی سی ڈاڑھی اور چہرہ نہایت سنجیدہ و بارعب تھا۔ نیتتیس اُسے دیکھ کر نہایت متحیر ہوئی اور جب اُسکی نگاہ پھاٹک سے گذر کر اُس لمبی وکشادہ شاہراہ پر گئی جو اُسکی آمد کی خوشی میں آج بڑی زیب وزینت کے ساتھ سجائی گئی تھی تو یہ حیرت ایک غیر معمولی دلچسپی سے بدل گئی۔

یہاں پھاٹک کے سامنے لوگوں کا ایک جمِ غفیر کھڑا تھا جس نے سُنہری گاڑی اور بادشاہ کی سواری دیکھتے ہی بڑے جوش خروش سے خیر مقدم کیا۔ خصوصاً جب بردیہ پر جو سب سے زیادہ ہر دلعزیز تھا انکی نگاہیں پڑیں تو اس زور سے نعرۂ خوشی بلند ہوا کہ آسمان و زمین ہل گئے۔ شہنشاہ کا درشن ایک عرصے سے رعایا کو نصیب نہ ہوا تھا۔ کیونکہ شاہانِ میدیہ کے رسم ورواج کے مطابق وہ بہت ہی کم عوام کے سامنے ظاہر ہوتا تھا۔ اور دیوتاؤں کی طرح غائب از نظر حکومت کرتا تھا۔ اسلئے اسکا شاذونادر باہر نکلنا لوگوں کے لئے ایک بہت بڑے میلے یا تہوار سے کچھ کم نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج بابل کے تمام باشندے اپنا اچھے سے اچھا لباس پہنے ہوئے تماشہ کو نکلے تھے۔ اور عورتیں بھی دریچوں وکھڑکیوں میں کھڑی

ہوئی اوپر سے پھول پھینک رہی تھیں اور جلوس پر طرح طرح کی عطر آمیز خوشبوئیں چھڑک رہی تھیں۔ ان مکانات کی چھتوں سے بیش بہا و خوشنما کپڑے و قالین لٹک رہے تھے اور پھولوں کے بیشمار ہار و مالے بھی دورویہ آویزاں تھے۔ نیچے سڑک پر مہندی و ناڑ کے پتوں کا فرش بچھا تھا اور جگہ جگہ بڑے بڑے عود دان رکھے تھے جن کے خوشبودار بخورات سے تمام ہوا مہک رہی تھی۔ شاہراہ کے دورویہ شاہی فوج صف باندھے کھڑی تھی جس کے پیچھے اہالیان شہر کا مجمع تھا۔ جو عموماً سفید کتاں کے کپڑے یا رنگین کوٹ چھوٹے چغے پہنے تھے اور اپنے ہاتھوں میں لمبے لمبے عصائیں وجریبیں جنکے سروں پر نقرئی و طلائی انار و گل کی شکلیں بنی تھیں لئے ہوئے تھے۔

شاہی جلوس جن سڑکوں سے ہوتا ہوا گذرا وہ سب نہایت ہموار۔ سیدھی و کشادہ تھیں انکے دوطرفہ پختہ اینٹوں کے بڑے بڑے اور اونچے مکانات تھے مگر سب سے زیادہ بلند اور ہر طرف سے نظر آنے والا ایک عالی شان مندر تھا جو بَل دیوتا کے نام سے منسوب تھا۔ یہ ایک منارہ کی شکل تھا جسکے مختلف منازل نیچے سے اوپر تک بتدریج چھوٹے ہوتے ہوئے چلے گئے تھے اور باہر سیڑھیوں کے آٹھ بڑے بڑے چکر تھے جو ایک اژدہے کی طرح بل کھاتے ہوئے اُس چوٹی تک پہنچتے تھے جس پر خاص معبد[۱] واقع تھا۔

محلات شاہی بھی اپنی طرز تعمیر کے لحاظ سے شہر کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھے۔ انکے گرد برجی پھاٹکوں دار تین فصیلیں تھیں اور انکے در و دیوار بھی بُت تراشی و نقاشی کے کام سے بڑی خوبی سے سجائے گئے تھے۔ کہیں تو عجیب و غریب مجسمے بنے تھے جو انسان۔ چرند۔ و پرند و مچھلی وغیرہ کی اشکال مختلفہ کا ایک مجموعہ تھے کہیں سیر و شکار۔ جنگ و جدال اور رسومات

۱ اس معبد کا ذکر اکثر قدیم کتابوں میں آیا ہے۔ اسے بعض لوگ مینار بابل سے منسوب کرتے ہیں۔ اس کا پہلا درجہ جو ۲۶۰ فٹ اونچا تھا ابھی تک شکستہ حالت میں موجود ہے۔ معبد کے گرد جو دیوار تھی وہ غالباً ۴۰۰ فٹ لمبی اور ۳۰۰ فٹ چوڑی تھی اسکے آثار ابھی تک موجود ہیں۔ (ایبرا)

مذہبی کے سین تھے جنہیں بڑی صنعت کے ساتھ کندہ کیا تھا۔ ان محلات کے جانب شمال ولب دریا وہ نہایت خوبصورت سبز پہاڑی تھی جو باغات معلقہ[۵] کے نام سے مشہور تھی۔ اور اس کی سمت مشرق **فرات** کے دوسرے کنارے پر ایک دوسرا محل نظر آتا تھا جو اول الذکر سے ایک نہایت خوشنما سنگین پل کے ذریعہ ملا دیا گیا تھا۔

[۵] بخت نصر کو سلطنت بابل ہوا کشترا (سیاکزاز) شاہ میدیا کی مدد سے ملی تھی۔ اس اتحاد کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہوا کشترا کی ایک پری جمال لڑکی اسکی زوجیت میں آئی۔ اس ایرانی شاہزادی کے آرام ودلبستگی کی غرض سے بخت نصر نے وہ عالی شان باغ ومحل تعمیر کرایا جو باغات معلقہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ محل شاہی کے شمالی شرقی گوشہ میں واقع تھا۔ اس کی چہار دیواری ۲۰ فٹ چوڑی تھی۔ اس کا دور ۱/۴ میل تھا۔ اور بلندی ۳۵۰ فٹ تھی۔ اس کی بنیاد دیواریں وغیرہ پتھر کی تھیں۔ اس میں نیچے سے لیکر اوپر تک متعدد منزلیں یا درجے ایک دوسرے کے اوپر چلے گئے تھے۔ اور ایک قسم کی چھت دار برآمدے معلوم ہوتے تھے جنہیں پتھر کی کمانیں سہارا دیئے تھیں۔ اور ایک چوڑا زینہ گھومتا ہوا چوٹی تک پہنچا تھا جس پر محل کے خاص کمرے واقع تھے۔ ہر منزل کے فرش پر ملائم مٹی بچھا دی گئی تھی جس میں نہ صرف چھوٹے بلکہ بڑے پھل دار درخت بھی موجود تھے۔ ستونوں پر بیل دار پودے چڑھائے گئے تھے اور خوشبو دار پھول اس کثرت سے تھے کہ تمام باغ ہر وقت مہکتا رہتا تھا۔ آب پاشی بذریعہ نلوں کے تھی جو پانی کو سب سے اونچے حوض پر لیجاتے تھے۔ اور نمی ڈسیلن سے محفوظ رہنے کے لئے کمانوں کے اوپر سیسے کے پتروں یا لفت ورال کی استرکاری سے کام لیا گیا تھا۔ رہنے کے کمرے نہایت خوشنما۔ آراستہ و کشادہ تھے۔ دور دور کا نظارہ و سیر وہاں بیٹھ کر ہو سکتی تھی اور گرم سے گرم موسم میں بھی ٹھنڈی و خوشبو دار ہوا کے جھونکوں سے دلکو فرحت و تسکین ہوتی تھی۔ اس باغ کے چند آثار اب بھی باقی ہیں۔ اس کی بنیاد کا پتہ لگا ہے۔ اور وہ کنوئیں بھی برآمد ہوئے ہیں جن میں پانی اٹھانے کی کلیں لگی ہوئی تھیں۔

(ونڈرس پاسٹ)

غرضکہ جب شاہی جلوس محل کے قریب پہنچگیا تو بڑے اہتمام کے ساتھ شہزادی کو اتارا گیا۔ غلاموں نے لپک کر گھوڑے پکڑے۔ خواجہ سراؤں نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور ایک چاندی کی تپائی نیچے رکھدی جس پر شہزادی اپنے پیر رکھ کر نیچے اتری اور خواصوں کے جلو میں محل کے ان آراستہ کمروں میں پہنچگئی جو اس کی عارضی سکونت و قیام کے لئے حرم سرا میں مخصوص کردیئے گئے تھے۔

اُدہر کمبوجیہ مع اپنے تمام عزیزوں، مصاحبین، اکابر و عمائدین سلطنت ایک نہایت آراستہ مقام میں جسے دیوان خاص کہنا چاہیئے کھڑا تھا۔ ہر طرف سے مبارک و سلامت کی آوازیں آرہی تھیں اور بادشاہ نہایت مسرور و شاداں ہر ایک سے ہنس ہنس کے باتیں کررہا تھا۔ اتنے میں یکایک ایک عجیب شور و شغب کی آواز سنائی دی۔ اور ایک حسین و دوشیزہ لڑکی جو نہایت اعلیٰ درجہ کی پوشاک وزیورات سے آراستہ تھی۔ اور جس کے بالوں کی خوبصورت لٹوں میں بڑے بڑے موتی ہل رہے تھے دوڑتی ہوئی دفعتہً مردوں کے مجمع میں آکر کھڑی ہوگئی۔ اور اسکے پیچھے پیچھے بہت سی لونڈیاں و خواصیں گھبرائی ہوئی ہانپتی کانپتی چلاتی ہوئی آئیں۔ کمبوجیہ کی نگاہ جیوں ہی اس شوخ و شریر لڑکی پر پڑی تو مسکراتا ہوا اس کا راستہ روک کر سامنے کھڑا ہوگیا مگر وہ بڑی پھرتی سے دبک کر فوراً اس کے ہاتھوں سے نکل گئی اور کچھ روتی اور کچھ ہنستی بے اختیار بردیہ کے گلے سے لپٹ گئی۔ یہ دیکھتے ہی خواصیں تو ٹھٹک کر دور نہایت ادب سے کھڑی ہوگئیں۔ اور بادشاہ نے چلاکر کہا " اتوسا۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے تجھے معلوم نہیں کہ اب سیانی ہوئی۔ بچہ نہیں ہے۔ بالیاں[1] پہنے ہے۔ میں تجھے بھائی سے ملنے کو منع نہیں کرتا۔ لیکن اپنے جوش محبت میں غیروں کے سامنے اس طرح بے باکانہ چلا آنا شہزادیوں کی شان کے خلاف ہے۔ آج میری خوشی کا دن ہے

[1] قدیم ایران میں پندرہ برس کی عمر ہوتے ہی دوشیزہ لڑکی کے کانوں میں بالیاں پہنا دیتے تھے جس کے یہ معنی تھے کہ وہ اب سن بلوغ کو پہنچ گئی اور قابل شادی ہے۔ (اڈیٹر)

اس لیے تجھے معاف کرتا ہوں۔ اگر پھر دوبارہ یہ حرکت کی تو میں بوگس کو حکم دونگا کہ بارہ دن تک تجھے ایک جگہ بند کر دے اور نکلنے نہ دے۔ جا۔ اب اندر بھاگ جا تیری خواصیں منتظر کھڑی ہیں۔ اور والدہ سے کہنا کہ میں ابھی بردیہ کو لیکر حاضر ہوتا ہوں۔ ادھر آ۔ میں تجھے پیار کرنا چاہتا ہوں۔ ہیں! تو میرا کہنا نہیں مانتی۔ بڑی شریر لڑکی ہے۔ ذرا ٹھہر تو جا"

یہ کہکر کمبوجیہ اپنی بہن کی طرف جھپٹا اور اس زور سے اسکے دونوں ہاتھ پکڑے کہ وہ چلانے لگی اور منہ چھپا کر چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر اس نے زبردستی پیار کر کے چھوڑ دیا۔ اور لڑکی روتی ہوئی اپنی خواصوں کے پاس بھاگ کر اندر چلی گئی۔

بردیہ کو بھائی کی یہ حرکت سخت ناگوار گذری اس نے قریب آکر آہستہ سے کہا "آپ نے ناحق غریب بچی کو اس زور سے پکڑا کہ وہ مارے درد کے رونے لگی"۔ یہ سن کر بادشاہ غصہ سے لال ہوگیا اور بردیہ کو بھی کچھ سخت سست کہنے والا تھا مگر رک گیا۔ اور محل کی طرف اشارہ کر کے بولا "چلو۔ اب والدہ کے پاس چلیں۔ وہ تمہاری بہت منتظر ہونگی۔ مجھ سے انہوں نے باصرار کہہ دیا تھا کہ آتے ہی تمہیں فوراً انکی خدمت میں لے آؤں۔ معلوم نہیں ان عورتوں کا کیا حال ہے کہ بلا تمہیں دیکھے انہیں چین ہی نہیں آتا۔ نیتیتس بھی مجھ سے کہتی تھی کہ تمام زنان مصر تمہارے گھونگر والے بالوں اور گلابی رخساروں کو دیکھ کر بالکل فریفتہ ہوگئی تھیں۔ واقعی بڑے خوش نصیب ہو۔ میتھرا سے دعا مانگو کہ وہ تمہیں دائمی حسن عطا کرے اور بڑھاپے کی مصیبتوں سے بچائے"۔

بردیہ۔ "کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ ظاہری شکل وصورت کے علاوہ میں ان تمام صفات سے خالی ہوں جو مرد کا جوہر اصلی سمجھے جاتے ہیں"۔

کمبوجیہ "میرا کچھ مطلب نہیں۔ اور نہ میں اپنے الفاظ دوسروں کو سمجھانے کا عادی ہوں۔ چلو"

بردیہ "مجھے امید ہے کہ آپ ایک دن مجھے یہ ثابت کرنے کا موقع دیں گے کہ شجاعت و

مردانگی میں بھی میں کسی ایرانی سے کم نہیں ہوں"

کمبوجیہ۔ (طنز آمیز لہجہ سے) آج کے پُرجوش خیر مقدم اور لوگوں کے نعرہ ہائے خوشی سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ تعریف حاصل کرنیکے لئے کوئی مردانگی یا جراَت دکھانے کی ضرورت نہیں ہے"

بردیہ "بھائی۔ یہ آپ کیا فرماتے ہیں!"

کمبوجیہ "چلو۔ ان فضول باتوں سے کیا فائدہ۔ عنقریب **ماساجت** سے ایک جنگ چھڑنے والی ہے۔ تمہیں بھی موقعہ دیا جائیگا۔ پھر میں دیکھونگا کہ تم کیا ہو اور کیا کرسکتے ہو"

استنے میں دونوں بھائی حرم کے اندر اپنی معزز ماں کے سامنے پہنچ گئے۔ **کاسندانہ** جو اپنے پیارے بردیہ کی واپسی کا بڑی بیتابی سے انتظار کر رہی تھی اسکی آواز سنتے ہی گھبرا کر اٹھی اور اُسے اپنی آغوش محبت میں لیکر تمام رنج و غم بھول گئی۔ مادرِ شاہ کی دونوں آنکھیں اک عرصہ سے بے نور تھیں اسلیئے وہ اپنے چہیتے لڑکے کے خوبصورت چہرہ و سر کو ٹٹول کر ہاتھ پھیرتی جاتی تھی اور بار بار گلے لگا کر پیار کر رہی تھی۔ اور اس قدر محو تھی کہ بڑے لڑکے کی موجودگی کو بالکل بھول گئی تھی جو اپنے چھوٹے بھائی سے ماں کی اس قدر شفقت و محبت دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

کمبوجیہ کی فطرت میں خود پسندی کا مادہ از حد تھا۔ لڑکپن ہی سے اسکی عادت خراب ہوگئی تھی۔ اس کی تمام خواہشیں پوری کی جاتی تھیں۔ اس کے ذرا سے اشارہ پر لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں اس لئے جب جوان ہوا اور تخت شاہی پر بیٹھا تو حد درجہ کا ضدی و مغرور ہو گیا۔ کیا مجال کوئی اسکی رائے سے اختلاف کرسکے۔ چھوٹے بڑے سب اس کی رعایا ہونے کی حیثیت سے عقل و فہم میں اُس سے کمتر تھے۔ اگر کسی کی زبان سے کوئی کلمہ اعتراض سن پاتا تو آگ بگولا ہو جاتا اور اپنے آپ کو سب پر بالا و افضل سمجھتا۔ یہ تمام باتیں اول عمر کی خراب تربیت کا نتیجہ تھیں۔ جسکے ملزم والدین تھے

اور لوگوں کو حیرت تھی کہ کورش اعظم[۱] جو ایک غیر معمولی قابلیت رکھتا تھا۔ نصف دنیا کا فاتح تھا۔ جس نے ایرانی قوم کو ایک حالت گمنامی سے تھوڑے عرصہ میں سرتاج عالم بنا دیا اور ایک عظیم الشان سلطنت کے نظم و نسق کو اس خوبی کے ساتھ انجام دیا مگر اپنے چھوٹے سے خاندان کو نہ سنبھال سکا اور اولاد کی تربیت میں سخت غلطی کا مرتکب ہوا۔ اس نے کمبوجیہ کو صغر سنی ہی سے اپنا جانشین تصور کر کے لوگوں کو حکم دیدیا تھا کہ آنکھیں بند کر کے اس کی غلامی و فرمانداری کریں۔ مگر یہ نہ سوچا کہ جو شخص آیندہ دوسروں پر حاکم ہوگا اس میں خود پہلے اطاعت گذاری کا مادہ پیدا کرنا چاہیئے اور بزرگوں کے احکام کی عزت و حرمت کا احساس ہونا چاہیئے۔

کاسندانہ اپنے شوہر کی بڑی چہیتی بیوی تھی۔ اسکی کئی اولادیں ہوئیں۔ سب سے بڑا کمبوجیہ تھا۔ بعدہٗ تین لڑکیاں اور انکے پندرہ سال بعد بردیہ پیدا ہوا۔ اس عرصہ میں پسر اولین کی محبت قدرتی طور سے کسی قدر کم ہوگئی اور سب سے چھوٹا اپنے ماں باپ کا

---

[۱] کورش اعظم کا دنیا کے سب سے بڑے تاجداروں میں شمار ہے۔ علاوہ نہایت قابل جنرل و فاتح ہونے کے اور تمام صفات انسانی سے بھی متصف تھا۔ وہ نہایت وجیہ و شکیل تھا۔ جری جفاکش مدبر۔ خدا ترس۔ منکسر مزاج۔ فیاض اور ظریف الطبع بھی تھا۔ چنانچہ یہ حکایت مشہور ہے کہ جب وہ لیدیا پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا تو ایشیائے کوچک کے یونانیوں نے اسکی مدد نہ کی لیکن جب اسے فتح نصیب ہوئی تو خود اطاعت قبول کرنے آئے اور مراعات شاہی کے خواستگار ہوئے اسوقت کورش نے یہ برجستہ جواب دیا۔ "یونانیو تم نے یہ حکایت بھی سُنی ہے ایک مرتبہ ایک مچھیارا کسی تالاب کی مچھلیوں کو نچانا چاہتا تھا۔ اس نے بین بجا کر بہت کوشش کی مگر وہ نہ نا چیں تب اس نے جال ڈالکر سب کو پکڑ لیا اور کنارہ پر لاکر پھینکدیا تو وہ خود بخود ناچنے کودنے لگیں۔ مچھیارے نے جواب دیا جب میں نے کہا تھا تو نہ ناچیں اب تمہاری خوشامد کرنے سے کیا ہوتا ہے۔" کورش اعظم کے ہم عصر دنیا میں بڑے بڑے لوگ تھے۔ گوتم بدھ (ہند)۔ کنفوشیوس (چین)۔ سولن (یونان)۔ پبلیکولا روما میں تھا۔ (رالنس۔ ایران نامہ)

دلارا بن گیا اور بڑے ناز و نعم کے ساتھ اسکی پرورش ہوئی ۔ یہ لڑکا نہ صرف اپنے حسن و جمال میں یکتائے زمانہ تھا ۔ بلکہ نہایت مطیع ۔ ملنسار و نیک دل تھا اس لئے والدین اُسے اور بھی چاہنے اور کمبوجیہ سے بے اعتنائی برتنے لگے ۔ تاہم بوجہ وارث تاج و تخت ہونیکے ہمیشہ اس کا پاس و لحاظ رکھتے تھے ۔ اس نے اکثر لڑائیوں میں بہادری و شجاعت کے کارنمایاں دکھائے مگر بوجہ اپنی نخوت و غرور کے ہردلعزیز نہ ہو سکا ۔ اور باوجود ہر قسم کی داد و دہش و انعام و اکرام کے لوگ اس کے سامنے آتے ہوئے ڈرتے تھے ۔ بخلاف اسکے بردیہ سے انہیں بڑی الفت تھی ۔ وہ انکے پیارے بادشاہ گورش اعظم کا ہم شبیہ تھا اور اسی کی طرح رعایا سے بڑی دلجوئی و لطف و کرم سے پیش آتا تھا ۔ کمبوجیہ کو بھی پورے طور سے اس بات کا احساس تھا اور اُسے اب یقین ہو چلا تھا کہ خواہ کتنا ہی زر و جواہر نثار کرے مگر عوام کے دلوں کو ہاتھ میں لانا یا انکے رجحان طبع کو بدلنا ناممکن ہے ۔ اسے بردیہ سے کوئی خاص رنج یا عداوت نہ تھی لیکن جب یہ خیال کرتا کہ ایک نوعمر لڑکے نے جس نے ابھی تک اپنی عمر میں کوئی چھوٹی سی مہم بھی سر کی تھی ۔ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے وہ اُسے اپنا ایک ہیرو سمجھنے لگے ہیں تو اسکے دل میں حد درجہ کی جھنجلاہٹ و پیچ و تاب پیدا ہوتا تھا ۔ اسکی مطلق العنان طبیعت کو جو بات پسند نہ آتی وہ اُسے فوراً بیہودہ اور بیجا سمجھنے لگتا اور اسکے مرتکب کو مورد الزام گردانتا ۔ جس سے ہر شخص خائف و ترساں رہتا تھا اس خاص موقع پر بردیہ کے لئے رعایا کا اس قدر جوش و خروش ۔ ماں بہن کی ایسی الفت و چاہت دیکھکر اور سب سے بڑھکر یہ کہ نیتیتس کی زبان سے بھی اسکی تعریفیں سنکر اسے ایک عجیب رشک و حسد پیدا ہوا ۔ یہ ایسا جذبہ تھا جس سے اس کا مغرور دل ابھی تک ناآشنا تھا اور جسے اسکی خوددار شاہانہ طبیعت اپنی خلاف شان سمجھتی تھی ۔

گذشتہ چند دنوں میں دختر فرعون نے اسکے سخت دل پر ایک غیر معمولی اثر پیدا کیا تھا ۔ وہ ایک مشہور و معروف آزاد ملک کی جلیل القدر شاہزادی تھی اور ابھی

اُس سے بخوبی واقف بھی نہ تھی کہ فوراً جان و دل سے اسکی اطاعت کا دم بھرنے لگی اور صرف اسی کی خوشنودی کے لئے نہایت محنت سے ایک غیر زبان سیکھنے لگی۔ نیز اسکے مزاج میں ایک ایسی تمکنت۔ آن بان اور ادائی باتوں سے نفرت تھی جو کمبوجیہ کو بہت پسند آئی اس طرح کی کسی عورت سے اُسے آجتک سابقہ نہ پڑا تھا۔ اور نہ ایسی بلند بالا جو روش نازنیں اسکی نظروں سے گذری تھی۔ وہ اُسے دیکھتے ہی بے اختیار فریفتہ و مفتوں ہو گیا لیکن جب اس کی زبان سے بھی بردیہ کی تعریف سُنی تو ظاہر ہے کہ اُس نے کس قدر محسوس کیا ہوگا اور رشک و حسد کی دبی ہوئی آگ پورے طور سے بھڑک اٹھی ہو گی بعدہٗ ماں کی ملاقات نے اسے اور بھی افروختہ کر دیا۔ اس لئے حرام سرا سے جب بھائی کو ساتھ لئے باہر نکلا تو اسکی تیوریوں پر بل پڑے تھے اور غیر معمولی طور سے سنجیدہ و خاموش معلوم ہوتا تھا۔ کچھ دیر بعد اُسے ایک خیال آیا اور یکایک بردیہ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ دو تم ابھی مجھ سے ملتجی تھے کہ شجاعت و مردانگی دکھانے کا تم کو کوئی موقعہ دیا جائے میں اُسے منظور کرتا ہوں۔ تپوری نے علم بغاوت بلند کیا ہے اور ایک فوج انکی سرکوبی کے لئے سرحد کی طرف بھیجی گئی ہے۔ تم ابھی فوراً روانہ ہو جاؤ اور رے[1] پہنچکر اس مہم کی سرداری اپنے ہاتھ میں لو اور بہادری و قابلیت کے جوہر دکھاؤ"

[1] رے کو قدیم زمانہ میں راغہ کہتے تھے۔ اسکے کھنڈر طہران سے پانچ میل بہ سمت جنوب مشرق واقع ہیں۔ یہ قدیم سلطنت میڈیا کا دار الخلافہ تھا۔ اور ایرانی تہذیب و تمدن کا بہت بڑا مرکز تھا۔ کہتے ہیں کہ اسکا بانی ہوشنگ تھا جو چار ہزار برس قبل مسیح گذرا ہے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ ۶۰۰ صدی قبل مسیح یہ شہر خوب آباد تھا۔ اوستا میں دو بار اس کا ذکر آیا ہے۔ اور یونانی و رومن و عرب مصنفین نے بھی اس کا حال لکھا ہے۔ ہارون رشید اسی شہر میں ۷۶۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ اصطخری کا بیان ہے کہ دسویں صدی میں رے اس گرد و نواح کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اور تمام ایران میں سوائے نیشاپور کے سب سے زیادہ آباد تھا۔ اس کے متعدد دروازے۔ بازار۔ سرائیں وغیرہ تھیں اور ایک قلعہ بھی تھا جس کے قریب

بردیہ "میں بہت خوش ہوں اور آپ کی عنایت و مہربانی کا از حد ممنون ہوں۔ اگر اجازت ہو تو اپنے ساتھ دارا۔ کیمبیس و زیپروس کو بھی لیتا جاؤں "

کمبوجیہ "میں اسے بھی منظور کرتا ہوں۔ دیکھو نہایت خوبی سے اپنے فرائض کو انجام دینا ورو دیر نہ لگانا اور تین مہینے سے پہلے ہی یہاں آجانا۔ تاکہ اُس لشکر جرار کے ساتھ بھی شامل ہو سکو جو موسم بہار میں ماساجٹ کے مقابلہ کو جائیگا "

بردیہ "میں کل ہی روانہ ہوتا ہوں "

کمبوجیہ "خدا حافظ "

بردیہ "بھائی جان! میری ایک اور التجا ہے جسے ہر مرد کی دعا سے اگر بفتح و ظفر واپس آیا تو آپ سے عرض کرونگا۔ قبول فرمائیگا "

کمبوجیہ "ہاں۔ بخوشی "

بردیہ جو اپنی پیاری معشوقہ سافو کا خیال کر رہا تھا۔ یہ سُنتے ہی مارے خوشی کے اُچھل پڑا اور بڑے جوش سے کہنے لگا "اب مجھے کوئی خوف نہیں۔ اور غنیم کے دس گنہ لشکر سے مقابلہ کرکے اُسے شکست دینے کے لئے آمادہ ہوں "

کمبوجیہ " کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ اپنے قول کو پورا کرکے دکھاؤ تو مجھے یقین آئے (کچھ سوچکر) ذرا ٹھیرو! مجھے تم سے ایک بات اور کہنا تھی۔ تمہاری عمر قریباً بیس برس کے ہو گئی مگر ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔ میری خواہش ہے کہ اب اس میں تاخیر نہ ہو اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جامع مسجد واقع تھی۔ آب رسانی کی بکثرت قناتیں تھیں۔ یہاں کا سکہ دینار و درہم تھا۔ یہاں کے باشندے اکثر شریف الطبع تجارت پیشہ تھے۔ پندرھویں صدی میں یہ شہر بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ آج کل شمالی دیوار کا ایک ذرا سا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ جسکے قریب ایک ٹیلا قلعہ رے کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں پُرانے قلعہ کے کچھ کھنڈر نظر آتے ہیں۔

(پروفیسر جیکسن)

سردار ویدارنا[1] کی لڑکی روشنک کو تمہارے لئے منتخب کرتا ہوں۔ وہ حسین و خوبصورت ہے اور خاندانی لحاظ سے بھی ہر طرح تمہارے لئے موزوں و مناسب ہے۔"

بردیہ "بھائی جان! خدا کے لئے ابھی شادی کا ذکر نہ کیجئے۔ میں....."

کمبوجیہ "نہیں۔ تمہاری شادی کی مجھے بہت جلدی ہے۔ کیونکہ ابھی تک خود میرے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔"

بردیہ "آپ ابھی جوان ہیں اور خدا کے فضل سے ضرور صاحب اولاد ہونگے۔ علاوہ بریں میں یہ نہیں کہتا کہ کبھی شادی نہ کرونگا لیکن گستاخی معاف۔ جبتک کوئی بڑا کام کر کے نام پیدا نہ کرلوں۔ اُس سے معذور سمجھا جاؤں۔"

کمبوجیہ "اچھا تو جب واپس آؤ گے تو تمہارے عقد کا انتظام کیا جائیگا۔ مگر میری صلاح مانو تو ابھی بیاہ کر کے بیوی کو بھی ساتھ لیتے جاؤ۔ کیونکہ ہم ایرانیوں کا قاعدہ ہے کہ جب مال و دولت یا بیوی ساتھ ہوتی ہے تو ان دونوں کی حفاظت کے لئے خوب جان توڑ کر لڑتے ہیں۔"

بردیہ "(گھبرا کر) بھائیجان مجھے معاف کیجئے۔ میں آپ کو والد مرحوم کی روح اقدس کی قسم دیتا ہوں کہ ایسی عورت سے مجھے شادی کرنے پر مجبور نہ کیجئے جسے نہ مینے دیکھا ہے نہ آیندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ روشنک کے لئے دوسرے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ اُسے دوہ پا کے حوالے کر دیجئے جو حسین عورتوں کا بڑا دلدادہ ہے۔ یا دارا دبس کو بخشدیجئے کیونکہ وہ ویدارنا کے قریبی عزیز و رشتہ دار ہیں۔ مگر مجھ پر رحم کیجئے۔ میرے لئے اس سے بڑھکر مصیبت . . . !"

کمبوجیہ۔ (زور سے ہنس کر اور بردیہ کے کلام کو قطع کر کے) شادی و مصیبت! اسکے

---

[1] ہیدارنس (یونانی)۔ ویدارنا (قدیم فارسی)۔ یکے از ہفت بزرگان فارس کہ داریوش را برانداختن گوماتائی غاصب کمک نمودند۔ از نسل اوشاہان آرمینیا ظہور کردند (ایران نامہ جلد اول)

کیا معنی۔ عجب بیوقوف ہو۔ اور اپنی شادی بیاہ کے معاملہ میں یہ خود رائی کیسی؟ معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے یہ خراب عادت سیکھ کر آئے ہو۔ واقعی مجھے اب افسوس ہے کہ ناحق میں نے ایسی ناتجربہ کار اور کچی عقل کے لڑکے کو ایک اجنبی ملک میں بھیجکر خراب کیا۔ مجھے چھوٹوں کی زبان سے انکار و مخالفت پسند نہیں اور بعد جنگ کسی قسم کا بہانہ نہ سنونگا۔ فی الحال میں تمہیں کسی ایسے کام کے لئے مجبور نہیں کرتا جو تمہارے موجودہ فرائض میں حارج ہو۔ اور بلا شادی کئے جانے دیتا ہوں۔ مگر مجھے تمہاری باتوں سے شبہ ہوتا ہے کہ انکار کرنے کا سبب اور ہی کچھ ہے جسے تم مجھ سے چھپانا چاہتے ہو۔ اگر ایسا کیا تو یاد رکھو میں بہت خفا ہونگا۔ جاؤ اب رخصت ہو۔ لڑائی کے بعد میں تمہاری کوئی بات نہ سنونگا۔ تم میری عادت سے واقف ہو۔"

بردیہ "شاید جنگ کے بعد میں خود آپ سے اس امر کی نسبت عرض کرونگا۔ جسے ابھی قبول کرنے میں مجھے عذر ہے۔ میری رائے ناقص میں کسی شخص کو اس کی خلاف مرضی شادی بیاہ کے لئے مجبور کرنا دور از انصاف ہے۔ میں آپ کا نہایت مشکور ہوں کہ اس وقت میرے حال پر رحم فرما کر آپ نے درگذر کیا۔"

کمبوجیہ "ہاں۔ مگر آیندہ اس کی توقع مجھ سے نہ رکھنا۔ تمہارے اس غیر معمولی اضطراب کو دیکھ کر صاف پتہ چلتا ہے کہ شاید تم کسی کے عشق میں مبتلا ہو۔ اسی لئے عورتوں سے نفرت کرتے ہو اور شادی کے نام سے دور بھاگتے ہو۔"

بڑے بھائی کی زبان سے یہ کلمات سن کر بردیہ مارے شرم کے پسینے پسینے ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑے جوش سے کہنے لگا "مکرم و محترم بھائی! معاف فرمایئے۔ میں اس وقت اپنے راز کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ اور آپ کا بھرتہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں خدا حافظ۔ والدہ اور اتوسا سے اب رخصت ہونے جاتا ہوں۔ بعدہٗ بھابی صاحبہ کی خدمت میں بھی سلام کے لئے حاضر ہونگا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

یہ سُننا تھا کہ کھسوچیہ نے دانت پیس کر بھائی کی طرف گھور کر دیکھا اور اُسے کسی قدر گھبرایا ہوا پا کر مشتبہ ہوا اور نہایت روکھے پن سے یہ جواب دیا "تم اپنا کام کرو اور لڑائی پر چلے جاؤ۔ میری بیوی سے ملنے کی کچھ ضرورت نہیں۔"

بعدہ اپنی پیٹھ موڑ کر اور ہیردیہ کو حیران و ششدر اُسی جگہ چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر مختلف کمروں سے ہوتا ہوا اُس عالی شان ایوان میں پہنچا جو نہایت خوبی کے ساتھ آراستہ پیراستہ تھا۔ جہاں معززین و عمائدین سلطنت اور درباری وغیرہ اپنی زرق برق پوشاکیں پہنے ہوئے موجود تھے۔ ان میں بعض سپہ سالار یا افسران فوج تھے۔ بعض سترپ یا والیان صوبہ۔ بعض حکام عدالت یا خزانچی۔ دبیر۔ شیر۔ خواجہ سرا۔ دربان۔ حاجب۔ کاسہ بردار۔ میر طویلہ۔ میر شکار۔ حکیم۔ منجم۔ لہ چشم وگوش۔ پرچہ نویس۔ قاصد۔ ایلچی۔ غرضکہ ہر قسم کے لوگ اپنی جگہوں پر مؤدب کھڑے ہوئے شاہ عالی جاہ کی آمد کے منتظر تھے۔ اُسکے آگے آگے نقیب چوبدار و عصا بردار تھے اور پیچھے بہت سے غلاموں و خادموں کا غول تھا جن میں چتر بردار۔ فراش۔ کہار۔ نامہ بر و ہرکارے وغیرہ شامل تھے۔ اور شاہی کاتب بھی اپنے آقا کے بالکل قریب اسکے حکم پر گوش برآواز تھے۔ اور ذرا سا اشارہ پاتے ہی اسکے احکام سزا و جزا کو فوراً قلم بند کر لیتے تھے اور ان حکام کو مطلع کر دیتے تھے جنکے سپرد اُنکا عمل درآمد تھا اس وقت یہ ایوان یا عالی شان ہال روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ اسکے عین وسط میں ایک خوشنما کھانے کی میز بچھی تھی جس پر اس کثرت سے طلائی و نقرئی برتن نظر آتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا شاید انکی وجہ سے ٹوٹ جائیگی۔ ہال کے ایک جانب دوسرا کمرہ تھا جسکے دروازہ پر مرصع ارغوانی رنگ کے پردے پڑے تھے اور اندر ایک چھوٹی سی طلائی میز پر ایسے نادر و بیش بہا برتن سجے ہوئے تھے جنکی

لہ "چشم وگوش" سے مراد افسران پولیس یا کوتوال تھا۔ ہخامنش نے شاید مصریوں سے اس خاص لقب کو لیا ہوگا کیونکہ انکی قدیم کتبات میں یہ مذکور ہے "شاہ مصر بالا کی دو آنکھیں اور شاہ مصر زیریں کے دو کان"۔
(پروفیسر ایبر)

قیمت کروروں سے زیادہ شمار کی جاسکتی تھی۔ یہ کمرہ خاص بادشاہ کے کھانے کے لئے مخصوص تھا۔ یہاں پردہ کے پیچھے وہ دوسروں کی نظر سے پوشیدہ اپنے تمام مہمانوں کے حرکات و سکنات کو جو باہر کی میز پر بیٹھے ہوئے بخوبی مشاہدہ کر سکتا تھا۔ شاہی دسترخوان پر صرف چند ہی منتخب لوگ مدعو کئے جاتے تھے جنہیں "مصاحبین بادہ" کہتے تھے۔ اور ہر درباری کی یہ تمنا و آرزو تھی کہ اُسے یہ فخر حاصل ہو۔ علاوہ بریں جب کسی سے بادشاہ خوش ہوتا تھا تو اپنے خاصہ سے کوئی قاب اُٹھا کر اُسے بھجوا دیتا تھا جیسے ایک

ؔ بادشاہ عموماً تنہا میز پر کھانا کھاتا تھا۔ مگر کبھی اسکی منظور نظر ملکہ یا اسکے لڑکیاں بھی شامل ہو جاتیں۔ اگر بادشاہ آتی تو وہ سب سے اونچی جگہ بیٹھتی اور بادشاہ مودبانہ اسکے سامنے بیٹھتا۔ علاوہ اسکے اگر کوئی دوسرا مدعو کیا جاتا تو بہت زیادہ باعث افتخار تھا۔ اسی طرح اگر کسی مہمان کے لئے دسترخوان پر سے کوئی کھانا بھیجا جاتا تو وہ خاص الطاف خسروانہ کی نشانی تھی۔ شہنشاہ کی میز کے سامنے بعض اوقات ایک پردہ حائل ہوتا۔ اسکے باہر نیچے میز پر امرا و وزرا درجہ بدرجہ بیٹھتے اور بعد فراغ طعام سب کھڑے ہوکر جام صحت پیتے۔ پھر بادشاہ اگر چاہتا تو باہر نکل کر آتا اور ایک کرسی زرنگار سے ٹیک لگا کر شراب کے جام نوش کرتا اور بعض اوقات اپنے وزرا سے اہم ملکی معاملات پر بحث کرتا۔ کھانے نہایت لذیذ و الوان و اقسام کے ہوتے تھے۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ سب سے پہلے فواکہات لائے جاتے۔ ایران میں اب تک یہی دستور ہے۔ کھانے کے برتن طلائی یا نقرئی اور جام و ساغر بھی طلائی مرصع کار۔ جواہر نگار یا بلورین ہوتے تھے۔ شراب نوشی کا اس زمانہ میں بڑا شوق تھا۔ عہدہ ساقی یا کاسہ بردار کا بہت معزز عہدہ تھا وہ عموماً کوئی امیر یا سردار ہوتا تھا۔ اسی طرح مطبخ کا انتظام بھی ایک خاص افسر کے سپرد تھا۔ ان دونوں کا فرض تھا کہ ہر کھانے یا پینے کی چیز کو پہلے چکھ لیں تاکہ زہر آلودہ نہ ہو۔ نیز ہر شے کی صفائی اور خوبی کا نہایت درجہ خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب کبھی بادشاہ باہر جاتا تو شہر شوش کے دریا کا پانی چاندی کی صراحیوں میں بھرا ہوا ساتھ رہتا تھا۔ شاہی مطبخ بہت بڑے ہوتے تھے۔ پندرہ ہزار آدمیوں کے لئے روز کھانا پکتا تھا۔ اور سالگرہ وغیرہ کے دن تمام شہر کی دعوت ہوتی تھی۔ (پروفیسر رالنس وغیرہ)

بہت بڑا اعزاز و نوازش خسروانہ خیال کیا جاتا تھا۔

کمبوجیہ کے داخل ہوتے ہی تمام حاضرین اسکے سامنے اوندھے منہ سجدے میں گر پڑے۔ صرف چند خاص امرا اور اسکے رشتہ دار جن کا مابہ الامتیاز سفید و نیلے رنگ کے سر بند تھے گردنیں جھکائے اور آستینوں میں ہاتھ چھپائے کھڑے رہے۔ اور جبتک شہنشاہ اپنے خاص مقام پر ایک کرسی زرنگار پر جلوہ افروز نہ ہوا سب اسی طرح مؤدبانہ رہے۔ پھر باہر کی منیر پر اپنی اپنی جگہ قرینے سے بیٹھ گئے۔ اور اشارہ پاتے ہی اکل و شرب میں مصروف ہوگئے۔ قسم قسم کے کھانے انکے سامنے لائے گئے۔ ان میں سب سے زیادہ پرتکلف وہ نفیس میوے و لذیذ مٹھائیاں تھیں جو یونان میں "ایرانی فواکہات" کے نام سے مشہور تھیں جب اس سے فارغ ہو چکے تو کاسہ بردار مہ ناب کے خم و صراحیاں اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے حاضر ہوئے۔ بادشاہ بھی اپنے کمرے سے اب باہر نکل آیا۔ اور عام درباریوں کے منیر کے سرے پر بیٹھ گیا۔ اس کا اشارہ پاتے ہی ساقیان خوبرو طلائی جاموں میں شرابیں بھر بھر کر سامنے لائے جنہیں سب سے پہلے میر آبدار نے اپنی زبان پر چکھ کر اطمینان کرلیا کہ زہر آلود نہیں ہے۔ بعد ازاں دور چلنے لگے اور وہ مےنوشی شروع ہوئی جس کی تقلید آیندہ زمانہ میں سکندر اعظم نے اس بری طرح کی کہ حد اعتدال سے گذر گیا اور بدمستی و نشہ میں پرانی دوستی و عہد و پیمان فراموش کر کے ان حرکات کا مرتکب ہوا جنہوں نے اسکی شہرت و نام آوری پر ہمیشہ کے لئے داغ لگا دیا۔

کمبوجیہ آج غیر معمولی طور سے خاموش تھا۔ اس کے دل میں ایک عجب شبہ پیدا ہو چلا تھا۔ یعنی بردیہ شاید اسکی حور شمائل منگیتر پر عاشق ہے۔ ورنہ کیا وجہ کہ باوجود اسکے سخت اصرار و حکم و نیز اس امر کے جتانے پر بھی کہ بلحاظ مصلحت ملکی اسکے لئے جلد شادی ضروری ہے پھر بھی اس نے انکار کر دیا۔ اور کیا سبب کہ وہ اپنی روانگی سے پہلے نتیتس سے ملنا چاہتا تھا۔ اور کیوں اجازت طلب کرتے وقت اسکے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور وہ

مضطرب و سراسیمہ ہو گیا تھا۔ اور دختر فرعون نے بھی کیوں پہلی ہی ملاقات میں صاف صاف لفظوں میں اسکی تعریف کی تھی۔ ان خیالات کے آتے ہی بادشاہ دل ہی دلمیں حد درجہ جھنجلایا اور سوچا کہ بہتر ہی ہوا کہ بردیہ فی الحال یہاں سے جا رہا ہے اور اگر بھائی ہونیکا پاس و لحاظ نہ ہوتا تو وہ اسے اس جگہ بھیجدیتا جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں آسکتا۔

نصف شب گذرنیکے بعد جب دعوت ختم ہوئی اور دربار برخاست ہوا تو سردار خواجہ سرا سامنے حاضر ہو کر آداب بجالایا۔ اب اس کا یہ فرض منصبی تھا کہ اگر بادشاہ بالکل نشہ میں مدہوش نہ ہو گیا ہو تو حرم کے اندر اُسے لیجائے۔

بوگسس "عالیجاہا۔ ملکہ فدیما حضور کی نہایت بےچینی سے منتظر ہیں"

بادشاہ۔ "ہونے دے مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ بتا کہ 'معلق باغات' کا محل آراستہ ہو گیا یا نہیں"۔

بوگسس۔ "کل تک ضرور تیار ہو جائیگا"

بادشاہ۔ "میری مصری بیگم کے لئے کون کون سے کمرے سجائے گئے ہیں"

بوگسس "وہی جن میں حضور کے والد مکرم کی ملکہ ودم رہا کرتی تھیں۔

بادشاہ" ہاں۔ یہ اچھا کیا۔ خبردار امیری نئی ملکہ سے نہایت عزت کے ساتھ پیش آنا اور جبتک ما بدولت کا ارشاد نہ ہو اپنی طرف سے کوئی حکم نہ دینا۔ (بوگسس سر تسلیم خم کرتا ہے) اور یہ بھی یاد رکھ کہ کسی شخص کو حتی کہ کرےسس تک کو بلا میرے حکم کے اُن سے ملنے کی اجازت نہیں ہے"

خواجہ سرا" کرےسس تو آج ہی شام وہاں تشریف لائے تھے"

بادشاہ۔ (چیں بجبیں ہو کر) "کس غرض سے؟ اور نٹیتس سے کیا باتیں ہوئیں؟"

بوگسس "غلام نہیں عرض کر سکتا کیونکہ اُسے یونانی زبان نہیں آتی۔ مگر یہ جانتا ہے کہ اثنائے گفتگو میں کئی مرتبہ شہزادہ بردیہ کا نام آیا تھا۔ اور ملکہ والا تبار نہایت مغموم اور افسردہ معلوم ہوتی تھیں"

یہ سنتے ہی کمبوجیہ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور بوگس کی طرف گھور کر غصہ سے بولا "تیری زبان سڑ جائے! تجھ پر اہرمن کی پھٹکار! میرے سامنے سے دور ہو" پھر غلاموں و مشعلچیوں کے جلو میں کچھ بڑبڑاتا ہوا جلدی سے اپنی خوابگاہ کو چلا گیا۔

دوسرے دن بوقت دوپہر بردیہ مع اپنے رفقا اور خدم و حشم و مہم تیوری پر روانہ ہو گیا کریسس شہر پناہ کے باہر تک پہنچانے آیا۔ بردیہ نے جھک کر اُسکے کان میں کہا "کوئی نامہ بر مصر سے میرے نام خط لائے تو مہربانی کر کے اُسے مجھے جلد بھیج دیجئے گا"

کریسس۔ (مسکرا کر) "بلا یونانی زبان جانے خط کس طرح پڑھ سکو گے؟"

بردیہ "گجبیں میرے رازداں ہیں۔ مجھے اُن پر پورا بھروسہ ہے۔ اور (مسکرا کر) حضرت عشق بھی میرے ذہن کو تیز کر کے کچھ نہ کچھ مدد دیں گے"

کریسس "کل میں نے نتیتیس سے بھی تمہاری روانگی کا ذکر کیا تھا۔ انہوں نے بہت بہت دعا و سلام کے بعد یہ کہا ہے کہ اپنے مصری دوستوں کو مت بھول جانا"

بردیہ "ہرگز نہیں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے"

کریسس۔ (بردیہ سے آخر بار رخصت و بغلگیر ہو کر) "میرے فرزند دلبند! اب جاؤ۔ دیوتا ہمیشہ تمہارے حافظ و نگہبان رہیں۔ یاد رکھو باغیوں سے اپنے نیک دل باپ کی طرح رحم سے پیش آنا۔ اور یہ نہ سمجھنا کہ انکی یہ حرکت گستاخی یا کبر و غرور پر مبنی ہے بلکہ اسکا محرک وہ مبارک جذبۂ انسانی ہے جس کا نام آزادی و حریت ہے اور جو ایک کمزور و عاجز شخص کو اپنی جان و مال فدا کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ پیارے بردیہ کبھی نہ بھولنا کہ رحم و کرم۔ ظلم و خونریزی سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ تلوار تو فوراً مار کر خاتمہ کر دیتی ہے۔ مگر جاں بخشی و عفو ہمیشہ کے لئے آدمی کو بندۂ بے زر بنا دیتا ہے۔ جنگ و جدل طبع انسانی کا ایک وحشیانہ مظہر ہے۔ ہماری خلقت کا وہ بدترین نمونہ ہے جو ہمیں خونخوار درندوں کی مانند ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیتا ہے۔ امن و امان کی تمام برکتیں

اُٹھ جاتی ہیں۔ نوجوان و تنومند تہِ خاک ہوتے ہیں۔ بڈھے و کمزور زندہ رہتے ہیں۔ قوم برباد خاندان تباہ ہوجاتے ہیں۔ اس لئے جہانتک جلد ہوسکے اُسے ختم کرنے کی کوشش کرنا میں بھی تمہارے لئے فتح و نصرت کی دل سے دعائیں مانگونگا۔ اچھا اب رخصت۔"

باب تیرھواں

نتیتیس کی سسرال

کمبوجیہ کو اُس رات بالکل نیند نہ آئی۔ پری جمال شہزادی کی یاد اسکے دل کو بے چین کر رہی تھی اور رشک و حسد کے جذبے خواہش وصل کو اور بھی بھڑکا رہے تھے ایرانی شریعت کے مطابق ایک غیر ملک کی عورت جبتک مذہب[1] زردشت قبول کر کے

[1] زردشت یا زردشترا دنیا کے اُن مشہور لوگوں میں گذرا ہے جنہوں نے نیچر پرستی کو توڑ کر لوگوں کو خدائے واحد کی پرستش کی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ اسکے سن ولادت و مقام پیدائش دونوں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۶۶۰ ق م میں یہ صوبۂ آذربائجان میں پیدا ہوا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سولن یونان میں زندہ تھا۔ اور اہل یہود بابل میں اسیری کی مصیبتیں اٹھا رہے تھے۔ بعض اس کا مولود رَے یا باختر بتاتے ہیں۔ مرزا عباس شوستری مصنفہ ایران نامہ کا خیال ہے کہ یہ پندرہ سو برس قبل مسیح پیدا ہوا تھا۔ اور حضرت موسیٰ کا ہمعصر تھا غرضکہ جب یہ جوان ہوا تو دنیا سے کنارہ کش ہوکر کوہِ سولن یا سہند کے ایک غار میں گوشہ نشین ہوگیا۔ یہاں اُسے الہام باری ہوا۔ اور بعد ازاں جھیل ارمیہ کے قریب ایک میدان میں اہرمزد کے سات فرشتوں نے اسے احکام الٰہی سکھائے۔ اہرمن نے بہکانے کی بہت کوشش کی مگر ناکامیاب رہا۔ زردشت نے اب اپنے مذہب کی تلقین شروع کی۔ تمام ایران کا سفر کیا اور آخرکار شاہ گشتاسپ جو غالباً شمال مشرقی

اس کے تمام قواعد و رسومات سے واقف نہ ہوجائے۔ بادشاہ کو اسے نکاح میں لانے کی اجازت نہ تھی۔ اور کم از کم اُسے ایک سال انتظار کرنا پڑتا تھا۔ مگر کمبوجیہ کو اسکی کیا پرواہ تھی۔ وہ اپنے آپ کو تمام قوانین سے افضل و برتر سمجھتا تھا اور تین ماہ کی مدت کو بس کافی خیال کرتا تھا کہ اس عرصہ میں نتیتس مجوس کی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر اُس کی زوجیت میں آنیکے قابل ہوجائیگی۔ بادشاہ کی اس غیر معمولی بیتابی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ دختر فرعون پر نظر پڑتے ہی اسکے ناآشنا دل میں یکایک ایک ایسا جذبہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا جس نے اسے اپنی تمام بیویوں سے ایک سخت نفرت پیدا کردی تھی۔ اُسے اپنا تمام حرم سرا ویرانہ نظر آتا تھا۔ اور کیسا حرم سرا! جسے ایک پرستان یا اندر کا اکھاڑا کہنا چاہئے جہاں آہو چشمانِ ارمن۔ گلرخانِ قاف و گرجستان۔ نازنینانِ ہند۔ سنہری بالوں والی ایران و میدیہ کی حوروش لڑکیاں۔ زنانِ بابل جنکی خوش اندامی و عیش پسندی مشہور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایران کا ایک کیانی تاجدار تھا مع اپنے تمام درباریوں کے اس کا مرید ہوگیا۔ اسنے اس مذہب کو بہت ترقی دی۔ کافروں سے متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ اور زردشت بھی اسی قسم کے کسی جہاد میں ۷۷ برس کی عمر میں مارا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ جنگ تورانیوں سے ہوئی تھی۔ اور خراسان میں بلخ کے قریب زردشت شہید ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک دن معبد کے اندر بیٹھا ہوا عبادت کررہا تھا کہ ایک شخص نے پیچھے سے آکر خنجر بھونک دیا۔ غرضکہ زردشت کی سوانحات میں قصہ کہانیوں کا بہت حصہ شامل ہوگیا ہے۔ جادوگروں و دیوؤں سے بھی اسکی اکثر جنگ ہوئی ہے۔ اور وہ سب بالآخر مغلوب ہوئے ہیں۔ اسکے صحیح احوال و احکامات کا بہت کم پتہ لگتا ہے۔ اسکی مذہبی کتاب زند اوستا تھی۔ جو اسکے بعد مرتب ہوئی تھی اسکی ۲۱ جلدیں تھیں جنمیں دس لاکھ ابیات تھے جو بحکم شاہ گشتاسپ سونیکے حروف میں لکھے گئے تھے۔ یہ کتاب پرسی پولیس کے خزانہ میں محفوظ تھی سکندر نے جب اس شہر پر حملہ کیا تو اس کتاب کو جلوا دیا۔ اب اسکے صرف ایک حصہ یعنی وندیداد کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی کسی قدر مشتبہ ہے کیونکہ کئی سو برس بعد عہد ساسانیان میں اسے زبان پہلوی میں مرتب کیا گیا تھا۔ اب اسکا بھی کہیں پتہ نہیں۔ آجکل سب سے قدیم نسخہ تیرہویں صدی عیسوی کا ہے۔ (رالنس۔ جیکسن وغیرہ)

تھی۔ غرضکہ تمام جہان کی حسینانِ ماہ وش تھیں جو ہر وقت اسکی خوشامد و خدمت کیلیئے موجود رہتی تھیں۔ علاوہ اسکے خاندان ہخامنش کی کئی ایک ذی مرتبہ خواتین بھی تھیں جو باضابطہ اسکے عقد میں آچکی تھیں۔ انہیں میں اسکی ایک خالہ زاد بہن فدیما دختر اُٹانس (اُتنو) بھی تھی۔ جو ابتک اسکی بیویوں میں سب سے زیادہ ممتاز و چہیتی سمجھی جاتی تھی۔ مگر وہ بھی اب دختر فرعون کے سامنے نظروں سے گر گئی۔ مصری شہزادی کی آن بان و عالی حوصلگی سب پر بالا تھی۔ دوسری بیویاں لونڈی باندیوں کی طرح ہمیشہ اسکی خوشامد درآمد کرتی تھیں مگر اس میں رانیوں کی طرحداری و شان و شوکت تھی۔ وہ اسکے قدموں پر گر گر جبہ سائی کرتی تھیں لیکن بالا بلند نِتِتیس ایک شاہانہ تمکنت و خودداری کے ساتھ دلیرانہ گفتگو کرتی تھی۔ اب آیندہ فدیما کی جگہ وہی اُسکی خاص ملکہ ہوگی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اعلیٰ مرتبہ پر وہ اُسے سرفراز کریگا اور جو عزت سیروس اعظم نے ملکہ کاسندانہ کو بخشی تھی۔ وہی اس کو بھی دیجائیگی یعنی صرف اُسی کو امور سلطنت میں صلاح و مشورہ دینے کا حق ہوگا۔ وہی اس کی ہمجلیس اور مشیر خاص ہوگی۔ باقی سب جاہل و بیوقوف ہیں اور سوائے اچھے لباسوں و بیش بہا زیورات پر جان دینے یا آپس میں لڑنے جھگڑنے و شر و فساد کرنیکے انہیں اور کچھ نہیں آتا۔ نِتِتیس میں اور ان میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ باوجود ایک اجنبی و غیر ہونیکے کتنی جلد اسکے مزاج کو سمجھ گئی۔ اور آیندہ بھی ہمیشہ اُسے خوش کرنے کی کوشش کریگی کیونکہ اس ملک میں اب سوائے اُسکے اور کون اُسکا حامی و مددگار ہو سکتا ہے اس لئے ہرگز کسی سے دل لگانے کی جرأت نہ کریگی اور اسی کی محبت کا دم بھرے گی۔ غیروں کی صحبت سے وہ اُسے دور رکھے گا خصوصاً بردیہ کو اب ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اگر ذرا بھی اسکی نیت بد کا پتہ چل گیا تو خیر نہیں ہے اور اسے فوراً معلوم ہو جائیگا کہ جو لوگ شہنشاہ کی راہ میں رخنہ اندازی یا اسکے مقابلہ کی جرأت و ہمت کرتے ہیں انکا کیسا انجام بد ہوا کرتا ہے

نتیتیس کی رات بھی بڑی بےچینی سے کٹی۔ اسکی خوابگاہ سے ملحق حرم کی بیگمات کی نشست و برخاست کا خاص کمرہ تھا جہاں سے گانے بجانے کی آوازیں دیر تک آتی رہیں اور بوگسں کی باریک و کرخت آواز بھی جو عورتوں سے ہنسی مذاق کر رہا تھا اکثر سنائی دیتی رہی۔ آخر جب رات بہت گذری تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ سب خواب خرگوش کے مزے لینے لگے لیکن شہزادی کی آنکھوں سے نیند اب بھی اُچاٹ تھی۔ کبھی اپنے پیارے وطن کو یاد کرتی کبھی اپنی غریب بہن تاشو کا خیال کرتی۔ کبھی بردیہ کی صورت سامنے کھڑی ہو جاتی۔ اور کریسس کا یہ کہنا یاد آتا کہ وہ کل ایسی جنگ پر جا رہا ہے جہاں اسکی جان کا بہت خوف ہے۔ غرضکہ اسی اُدھیڑ بن میں کروٹیں بدلتی رہی۔ دن بھر کی تھکی ماندی تھی آخر کچھ دیر بعد آنکھ لگ گئی تو یہ خواب پریشان نظر آیا۔ کہ اس کا پیارا شوہر یعنی شہنشاہ کمبوجیہ ایک مشکی گھوڑے پر سوار ہے اور کہیں جا رہا ہے۔ اتنے میں بردیہ کی لاش سامنے پڑی ہوئی نظر آتی ہے جسے دیکھتے ہی گھوڑا بڑے زور سے اچھلتا ہے اور بادشاہ کو زمین پر گرا کر اسے گھسیٹتا ہوا دریائے نیل میں لیجا کر پھینک دیتا ہے۔ پھر فوراً ہی دریا کا پانی یکایک خون کی طرح سُرخ ہو جاتا ہے جسے دیکھتے ہی اسکے مُنہ سے ایک چیخ نکلتی ہے کہ اہرام مصری گونج اُٹھتے ہیں اور انکی صدائے بازگشت بڑھتے بڑھتے ایسی وحشتناک معلوم ہوتی ہے کہ یکایک اسکی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ گھبرا کر پلنگ پر بیٹھ جاتی ہے مگر یہ کیا تھا؟ عالم خواب ہے یا بیداری؟ درحقیقت ایک ہولناک آواز کانوں میں آئی اس نے کھڑے ہو کر جلدی سے کھڑکی کا دروازہ کھول دیا اور باہر جھانک کر دیکھا۔ جہاں ایک نہایت خوشنما چمن کھلا تھا۔ جسکی کنج دردشوں میں طرح طرح کے پودے و درخت تھے۔ اور انکی تمام ڈالیاں و پتیاں اس وقت شبنم سے بھیگی تھیں۔ سپیدۂ صبح نمودار ہو چکا تھا۔ نسیم سحری کے جھونکے چل رہے تھے۔ ہر طرف خاموشی و سکوت کا عالم تھا۔ شہزادی ٹھنڈی ہوا کے لگتے ہی اب بالکل بیدار ہو گئی تھی اور اس دلکش سماں سے پورے

طور سے لطف اُٹھا رہی تھی کہ اتنے میں اسکی نگاہ دو شخصوں پر پڑی جو محل سے نکل کر باغ میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کو اُس نے فوراً پہچان لیا۔ وہ نرگس خواجہ سرا تھا جو ایک نوجوان حسین عورت سے نہایت گھل مل کے باتیں کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد یہ دونوں اسی کی کھڑکی کی طرف آتے ہوئے نظر آئے جسے دیکھتے ہی منتیتیس فوراً ایک پٹ بند کر کے پیچھے چھپ گئی۔ اور بغور اُنکی گفتگو سُننے لگی۔

خواجہ سرا ”دختر فرعون ضرور اپنے سفر کے بعد تھک گئی ہوگی اور شاید ابھی تک سو رہی ہے“

عورت۔ ”جلدی بتاؤ۔ کیا واقعی یہ اجنبی عورت میرے لئے خطرناک ثابت ہوگی“

خواجہ سرا ”میری بھولی بھالی ننھی جان! ابھی تک تمہیں یہی نہیں معلوم“

عورت۔ ”بھلا کہو تو تمہیں اس بات کا کیوں اندیشہ ہوا“

خواجہ سرا ”تم نے سُنا نہیں۔ اس لاڈلی بیگم پر میرا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ اور خود شہنشاہ کے زیرِ حکم رہے گی“

عورت۔ ”بس اسی قدر۔ یہ تو کوئی بات نہیں“

خواجہ سرا ”جانِ من تمہیں کیا خبر۔ میں بادشاہ کے مزاج سے خوب واقف ہوں اور صرف صورت ہی دیکھ کر اسکے دل کا حال اسطرح تاڑ جاتا ہوں جس طرح کوئی معلم یا اُستاد ایک کھلی ہوئی کتاب بآسانی پڑھ لیتا ہے“

عورت۔ ”(متوحش ہو کر) اگر یہ ہے تو اس بدذات کو نیچا دکھانا چاہئے۔ اور اُسے تباہ کرنے کی جلدی فکر کرنی چاہئے“

خواجہ سرا ”(ناک پر انگلی رکھ کر) ذرا سچ کہنا۔ میری بھولی بھالی فاختہ کو بھی جوش آ گیا“

عورت (تیوری چڑھا کر) ”بڑا گستاخ مردوا ہے۔ میں جاتی ہوں۔ یہاں اب نہیں ٹھیروں کہیں کوئی دیکھ نہ لے“

خواجہ سرا:۔ "دیکھے گا کون۔ جاؤ نہیں۔ خفا نہ ہو۔ تمہارے ہی مطلب کی بات ہے۔ ایک دن تم ہی میرے پاس ہاتھ جوڑتی ہوئی آؤگی۔"

عورت:۔ "دیکھ مجھے تنگ نہ کر۔ تو نے کوئی تدبیر بھی سوچی ہے کہ یوں ہی باتیں بنا رہا ہے۔"

خواجہ سرا:۔ "پیاری فدسا۔ تم تو ابھی سے ایسی گھبرا گئیں۔ ذرا صبر سے کام لو۔ فی الحال خاموشی مصلحت ہے۔ مجھے کریسیس سے صرف ڈر ہے۔ یہ حد درجہ کا ہوشیار و زیرک شخص ہے اور مصریہ کے معاملات میں بہت دلچسپی لیتا ہے۔ اسکے جاتے ہی دیکھنا پھر کیسا جال پھیلاتا ہوں۔ مجال ہے کہ کوئی اس میں پھنس کر باہر نکل جائے۔"

یہ کہہ کر دونوں ٹہلتے ہوئے اس قدر دور نکل گئے کہ نتیتیس کو اور باتیں سنائی نہ دیں۔ اس نے غصہ سے کھڑکی کو بند کر دیا اور کنیزوں کو آواز دیکر کپڑے پہنانے کا حکم دیا۔ وہ اپنے دل میں بڑی شکر گذار تھی کہ خیر دشمن سے تو خبردار ہوگئی اور یہ جان گئی کہ کن خطرات کا ابھی اُسے سامنا کرنا ہے۔ نیز یہ علم بھی اُسے ہو گیا کہ وہی شہنشاہ کی چہیتی و خاص بیوی ہوگی۔ اور دوسرے رقیب ابھی سے اُس پر رشک و حسد کھانے اور آزار دہی کی فکریں کرنے لگے۔ اس سے بجائے خوفزدہ ہونیکے اس کے دل میں غرور و مسرت کے جذبات پیدا ہوئے اب اسے اپنی اصلی قدر و قیمت معلوم ہوگئی۔ اور دوسروں کا مقابلہ کرنے سے خائف نہ ہوئی۔ کیونکہ اُسے اپنی نیکی و پاکدامنی پر پورا بھروسہ تھا اور یقین تھا کہ سچ کو کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ اور دشمن جو کچھ بھی کریں گے اپنے منہ کی کھائیں گے۔ اور بالآخر فتح و نصرت کا سہرا اُسی کے سر پر بندھے گا۔ انہیں خیالات میں غلطاں و پیچاں تھی کہ اتنے میں اُسے اپنا خواب یاد آیا اور مشاطہ سے جو اُسکے بالوں کو سنوار رہی تھی مخاطب ہو کر بولی "میں نے آج صبح تڑکے ایک عجیب آواز سنی تھی وہ کیا تھی؟"

نشاط "بیوی کیا آپ کا مطلب گھڑیال سے ہے"
نیتیس "مجھے معلوم نہیں۔ مگر وہ ایسی مہیب آواز تھی جسے سنتے ہی میں قبل از وقت بیدار ہو گئی"
خادمہ "میں سمجھ گئی۔ وہ اس بڑے گھنٹے کی آواز تھی جو ہر روز علی الصباح امیرزادوں کو جگانے کے لئے بجایا جاتا ہے آپ جلد اسکے عادی ہو جائے گا۔ مجھے بھی وہ پہلے بہت وحشت انگیز معلوم ہوتا تھا۔ مگر اب یہ حال ہے کہ چھٹیوں کے زمانہ میں جب اس کا بجنا بند ہو جاتا ہے تو اس وقت کی خاموشی ایک عجب بات معلوم ہوتی تھی۔

بیوی! شاید آپ کو خبر نہیں کہ ان امیرزادوں کی تربیت خود بادشاہ سلامت کرتے ہیں باغات معلقہ سے آپ کو یہ تماشا بخوبی نظر آئے گا کہ کس طرح گرمی ہو یا جاڑہ سویرے تڑکے ان نوجوان طالب علموں کے پرے کے پرے قواعد سے فارغ ہو کر حمام کی طرف جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان غریبوں کو چھ ہی برس کی عمر سے اپنے والدین سے چھڑا کر بادشاہ کی زیر نگرانی بڑی سخت تربیت و تعلیم دی جاتی ہے"

نیتیس "کیا اس سے یہ مقصد ہے کہ شروع زمانہ عمر ہی سے وہ درباری عیش و عشرت سے واقف ہو جائیں"

خادمہ "جی نہیں۔ بلکہ اس کے بالکل برخلاف انکی زندگی بڑی تکلیف سے کٹتی ہے ان کو زمین پر سونا پڑتا ہے۔ اور کھانے کو روٹی۔ پانی اور بہت ہی تھوڑا سا گوشت ملتا ہے شراب و کباب و میوے وغیرہ کبھی آنکھ سے دیکھنے کو میسر نہیں آتے۔ بلکہ اکثر تو کئی کئی دن تک کچھ کھانیکو نہیں ملتا تھا تاکہ ریاضت و فاقہ کشی کے عادی ہو جائیں جب ہم لوگ پسارگد[1]

---

[1] پزارگد۔ پارساگرد۔ پاژارگا۔ یہ کورش اعظم اور کمبوجیہ کا پایہ تخت تھا یہیں اول الذکر نے استیاژ آخری تاجدار میدیا کو شکست دی تھی۔ آجکل اسکے آثار میدان مرغاب میں نظر آتے ہیں۔ یہ میدان مشہد مرغاب (ایک قریہ) سے جو اصفہان سے پانچ دن کا راستہ ہے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں پہنچتے ہی جو شئے سب سے پہلے نظر آتی ہے وہ ایک وسیع چبوترہ بلند مقام پر ہے۔ جسے تخت سلیمان کہتے ہیں۔ اور جو غالباً کورش کا دربار

یا اکتبانہ[۵۱] جاتے ہیں جہاں کڑاکے کی سردی پڑتی ہے تو صبح اُٹھتے ہی ان سب لڑکوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہال تھا۔ آگے چل کر وہ سب سے زیادہ عجیب عمارت ملتی ہے جو قبر مادر سلیمان کے نام سے مشہور ہے۔ مگر حقیقت میں کورش اعظم کا مقبرہ ہے۔ اسکی اونچائی ۳۵ فٹ۔ لمبائی ۲۰ فٹ۔ اور چوڑائی ۱۷ فٹ تھی۔ یہ بالکل پتھر سے بنا تھا۔ اور ایک اونچے چبوترہ پر واقع تھا جسکی اب صرف سات سیڑھیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اس کا دروازہ ۴ فٹ اونچا اور ڈہائی فٹ سے کچھ زیادہ چوڑا ہے۔ یونانی مورخ لکھتے ہیں کہ سکندر کے زمانہ میں اس پر ایک کتبہ (جسکا اب پتہ نہیں) تھا اور یہ عبارت کندہ تھی:۔

"اے انسان! ہر کہ باشی واز کجامی آئی بداں من کورش موسس سلطنت ایران ہستم۔ بر من حسد مکن۔ واز یں جزئی خاک کہ جسد مرا پوشانیدہ۔ مرا محروم منما" بقول ان مورخین کے اس مقبرہ کے قریب ایک خوشنما چہار دیواری و چمن بھی تھا اور متولی کی قیام گاہ بھی ایکطرف واقع تھی۔ مقبرہ کے اندر کورش کی لاش ایک طلائی تابوت میں محفوظ تھی جس کے نزدیک ایک کوچ تھا جسکے پائے طلائی تھے۔ اور ایک میز پر بیش بہا جواہرات و لباس رکھے ہوئے تھے۔ جب سکندر اعظم زیارت کو آیا تو کوئی شے باقی نہ تھی۔ لوگ سب لوٹ کر لیگئے تھے۔ سکندر نے نہایت احترام کے ساتھ دوبارہ ان اشیا کو بہم پہنچایا اور دروازہ کو چن کر اپنی مُہر لگادی۔ (پروفیسر جیکسن)

۵۱ ہگمتان۔ اکتبانہ۔ ہمتان۔ یعنی موجودہ ہمدان۔ بقول ہیرو ڈوٹس اس کا بانی فراورتس پہلا شاہ مید تھا۔ (۷۰۰ ق۔م۔) اسکے گرد سات دیواریں تھیں۔ اسکے اندر مشہور عبادتگاہیں اور لکڑی کے عالی شان محلات شاہی تھے۔ اور جہاں آجکل مصلی ہے وہاں وہ مشہور قلعہ تھا جسکے متعلق ہیرو ڈوٹس لکھتا ہے کہ اربسس شاہ اشور نے اپنی دولت وہیں جمع کی تھی۔ کورش کا بیشمار خزانہ اسی میں تھا۔ اور سکندر نے بھی اپنا مال غنیمت یہیں لاکر محفوظ رکھا تھا۔ اس قلعہ میں باغی حکمراں و قیدی رکھے و قتل کئے جاتے تھے۔ ہخامنش کے زمانہ میں ہمدان انکا موسم سرما کا پایہ تخت تھا۔ سکندر بھی دوبار یہاں آتا۔ اور کہتے ہیں کہ اسی شہر میں جب ایک رات محفل طرب منعقد تھی۔ اس کا ایک نہایت چہیتا سردار مرگیا۔ سکندر نے شراب کے نشہ میں گرد و نواح کے تمام نوجوانوں کو قتل کرا کے متوفی ہفستین پر بھینٹ چڑھایا۔ اور اس کا ایک مقبرہ بھی تیار کرایا۔ عربوں

نہایت ٹھنڈے پانی میں نہانا پڑتا ہے۔ اور جب ہم سوسا[۵۱] میں مقیم ہوتے ہیں اور موسم گرما میں غضب کی دہوپ و لُو چلتی ہے تو ان کو عین دوپہر کے وقت بڑی سخت دوڑیں و ورزشیں کرائی جاتی ہیں۔"

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کے زمانہ میں بھی یہ شہر ایک بڑا تجارت گاہ تھا۔ تیمور نے اس پر حملہ کیا اور ۱۸ صدی میں آغا محمد شاہ نے بھی اسے خوب لوٹا۔ بوعلی سینا کا مزار ہمدان ہی میں ہے۔ آثار قدیمہ میں ایک پتھر کا شیر دامن مصلی ہی میں ابھی تک موجود ہے جسے غالباً شاہان میدیہ نے نصب کرایا تھا۔ مسعودی نے اسے باب اسد کے قریب دیکھا تھا اور وہ لکھتا ہے کہ شہر والے اُسے بہت متبرک سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جبتک کھڑا رہے گا کوئی تباہی نہ آئے گی۔ کچھ عرصہ کے بعد جب یہ گر پڑا تو واقعی یہ پیشین گوئی صحیح نکلی اور شہر پر سخت بربادی اور آفت آئی۔ اب وہ بہت شکستہ ہو گیا ہے لیکن پرانے توہمات باقی ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کو اس پر بٹھاتی ہیں۔ بانجھ عورتیں اسکی پیشانی پر بوسہ دیتی ہیں۔ اور اکثر لوگ اس پر پتھر کے ٹکڑے رکھ کر منتیں مانگتے ہیں۔ ہمدان کے قریب کوہ الوند کی چوٹی پر دارا اور خشیارشاہ کے وہ مشہور کتبے ہیں جنہیں یہاں کے لوگ گنج نامہ کہتے ہیں۔ (پروفیسر جیکسن)

[۵۱] سوسا یا شوس جسکے آثار شستر و اہواز کے نزدیک موجود ہیں نہایت قدیم و مشہور شہر تھا۔ یہ سلطنت ایلم (موجودہ عربستان۔ لورستان و پشت کوہ) کا دار الخلافہ تھا۔ اور ۴۰۰۰ برس قبل مسیح سے لیکر ۶۵۰ برس بعد مسیح تک آباد رہا یعنی دنیا میں سب سے زیادہ عمر کا شہر ہوا ہے۔ اوائل ایام سے یہاں تمدن کے آثار پائے جاتے ہیں۔ غالباً یہاں سب سے پہلے حبشی و تورانی اقوام آباد تھی۔ پھر سامی قوم کے لوگ آئے۔ بعد ازاں اشور کی حکومت ہوئی۔ فارس کی تہذیب و تمدن کی یہیں سے ابتدا ہوئی۔ کورش نے ایک بہت بڑا قلعہ بنایا جسکا ذکر انجیل میں آیا ہے۔ اور اپنی دولت اس میں جمع کی۔ دارا نے اپنا عالیشان محل جسے سکندر نے آگ لگا کر برباد کر دیا اسی شہر میں بنوایا تھا۔ اسکے ایک صدی بعد خشیارشاہ دوم نے بھی ایک دوسرا عظیم الشان محل یہاں تعمیر کرایا۔ انہیں کے آثار میں تیر اندازوں و شیروں کے وہ مشہور مرقعے ہیں جو چکنی اینٹوں پر مختلف رنگوں سے بنائے گئے تھے (اجر کاشی) اور آجکل عجائب خانہ لوور کو زینت بخش رہے ہیں۔ غرضکہ اس شہر میں بکثرت انقلاب آئے کئی بار برباد ہوا اور پھر بنا خاندان اشکانی و ساسانی عہد میں گو اسکی شہرت کم تھی تاہم خوب آباد تھا۔ (سائکس و رالنس)

نتیتیس "تاہم سخت حیرت کی بات ہے کہ یہی لڑکے آیندہ بڑے ہو کر ایسے عیش پسند ہو جاتے ہیں"

خادمہ "ہر انسان کی طبیعت کا یہی خاصہ ہے کہ جس قدر اُسے بھوکا رکھا جائیگا اتنا ہی زیادہ وہ لذیذ کھانوں پر گریگا۔ اسی لئے ایک نوجوان امیر زادہ جو اپنے چہار طرف تمول و عیش کے سامان دیکھتا ہے مگر اُن سے محروم رکھا جاتا ہے۔ آیندہ جب اُسے آزادی نصیب ہوتی ہے تو پھر خوب جی کھول کر زندگی کے مزے لوٹتا ہے۔ مگر پرانی تربیت کا اثر اب بھی اُسکی طبیعت میں رہے۔ اور بوقتِ جنگ و جدل یا شکار سخت زندگی جھیلنے کے لئے فوراً تیار ہو جاتا ہے۔ اسے بھوک پیاس کا کچھ خیال نہیں آتا۔ اور باوجود اپنی نازک پاپوشوں اور ریشمی شلوار کے پانی میں کود پڑنا یا دلدل میں چلنا وہ بچوں کا ایک کھیل سمجھتا ہے۔ اور گرم پہاڑی چٹانوں پر لیٹکر اس آرام سے نیند کے مزے لیتا ہے گویا مخملین یا نرم گدیلوں والی کسی سیج پر سو رہا ہے یہ امیر زادے ہمارے قوم کے لئے باعثِ فخر ہیں۔ آپ کسی دن انکے بہادرانہ کرتب ضرور ملاحظہ فرمائیگا یا بادشاہ سے کہئے گا وہ خود آپ کو تماشا دکھا دیں گے"

نتیتیس "ہمارے مصر کا بھی یہی حال ہے بلکہ ہمارے یہاں تو لڑکوں و لڑکیوں دونوں کو ورزشیں سکھائی جاتی ہیں۔ خود مجھی کو دیکھ لو۔ میرے ہاتھ پیر کیسے مضبوط ہیں۔ مجھے دوڑنا۔ کودنا۔ تیرنا و گیند وغیرہ کھیلنا خوب آتا ہے"

مشاطہ "سچ کہئے مجھے تو سنکر بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ ہم لوگ تو صرف کاہلی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور چرخہ کاتنے اور روٹی پکانے کے سوائے اور کچھ نہیں جانتے۔ کیا یہ سچ ہے کہ مصری عورتوں کو لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا ہے"

نتیتیس "ہاں یہ بالکل صحیح ہے۔ ہمارے ملک میں شاید ہی کوئی عورت ہو جسے لکھنا پڑھنا نہ آتا ہو"

مشاطہ "متھرا کی قسم! آپ لوگ نہایت مہذب و تعلیم یافتہ ہیں۔ ہمارے ایران میں تو سوائے مجوس یا کاہنوں کے اور کسی کو یہ ہنر نہیں آتے۔ امیر زادوں کو تو بس[1] اسی قدر سکھایا جاتا ہے کہ سچ بولیں۔ مطیع رہیں۔ بہادری کے جوہر دکھائیں۔ ہرمزد کی پرستش کریں۔

[1] ہخامنش کے زمانہ میں عوام اپنی اولاد کو اپنے پیشہ و کام کے موافق تعلیم دیتے تھے۔ برہمنوں کے لڑکے لکھنا پڑھنا سیکھتے تھے اور مذہب کے ساتھ قانون و حکمت کی بھی تعلیم پاتے تھے۔ کتابیں اس زمانہ میں شاذونادر تھیں۔ اسلئے زیادہ تر حافظہ پر دارومدار تھا۔ شاہزادوں و امیر زادوں کی تعلیم بالکل مختلف ہوتی تھی۔ زنوفن لکھتا ہے کہ پانچ سال کی عمر ہوتے ہی انہیں والدین سے علیحدہ کر کے ایک خاص مکتب میں داخل کر دیا جاتا تھا جس کے چار مدارج تھے۔ پہلے درجہ میں ۵ تا ۱۶ سال کے لڑکے تھے جنہیں راستگوئی۔ اطاعت بزرگان تیراندازی و شہسواری سکھائی جاتی تھی۔ دوم درجہ میں دس سال تک تربیت پاتے اور اصول ملک داری۔ عدالت و اصول جنگ وغیرہ کی تعلیم پاتے۔ اور جب بادشاہ شکار وغیرہ کو جاتا اسکے ہمرکاب رہتے۔ درجہ سوم میں ۲۵ سال کی عمر سے فنون جنگ اور استعمال آلات حرب وغیرہ کی تکمیل ہوتی۔ اور لڑائیوں میں آزمائش و امتحان لیا جاتا۔ یا کسی ولایت میں حاکم بنا کر بھیجا جاتا۔ چوتھے درجہ میں قوانین شرع۔ داد و قضا وغیرہ کی تکمیل کی جاتی اور مناسب عہدوں پر انہیں سرفراز کیا جاتا۔

ہیرودوٹس لکھتا ہے کہ اوستا میں گو مذہبی تعلیم کی تاکید کی گئی ہے لیکن ہخامنش سپاہی و جنگجو تھے امیرزادوں کو زیادہ تر اسی کی تعلیم دی جاتی تھی اور بڑی سختی کے ساتھ انکی تربیت کی جاتی تھی۔ تعلیم گاہ بادشاہ کے محل کے قریب ایک صحن ہوتا تھا۔ دوسرے شہروں میں والی کا محل یا کوئی بڑی عمارت عامہ اسکے لئے مخصوص کی جاتی۔ بازاروں کے قریب تعلیم گاہیں نہ بنائی جاتی تھیں کیونکہ لڑکوں میں دھوکہ بازی و دروغ گوئی کی عادات نہ پیدا ہو جائیں۔ پہلا سبق یہی تھا کہ جھوٹ بولنا سخت گناہ ہے۔ ناموران قدیم کے کارنامے بیان کئے جاتے تھے اور انکے قدم بقدم چلنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ سب سے زیادہ فوجی تعلیم تھی۔ جس میں تکالیف جسمانی کا عادی ہونا ضروری تھا۔ انکی غذا روٹی نمک اور ابلا ہوا گوشت تھا و سویرے تڑکے گھنٹہ کی آواز پر اٹھتے اور پچاس پچاس جماعتیں کسی خاص مقام پر شاہزادوں کی سرکردگی میں جمع ہوتیں۔

شکار کھیلیں۔ شہ سواری کریں۔ عمدہ درختوں و پودوں کو باغات میں لگائیں۔ اور چند ضروری نباتات کو پہچان سکیں۔ اگر کسی کو شاذونادر جناب دارا کی طرح لکھنے پڑھنے کا شوق ہوتا ہے تو وہ مجوس کے پاس جاکر ملتجی ہوتا ہے۔ عورتیں اس قسم کے علوم سے بے بہرہ رکھی جاتی ہیں۔ اور عموماً بالکل جاہل ہوتی ہیں۔ اب آپ تیار ہوگئیں۔ یہ موتی شہنشاہ نے آج ہی صبح بھیجے تھے۔ آپ کے سیاہ بالوں میں کیسے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ گستاخی معاف۔ ذرا کھڑی ہوجایئے۔ میں دیکھوں تو۔ یہ جوتیاں پیروں میں کچھ بڑی ہیں۔ ذرا اس دوسری جوڑ کو پہن کر دیکھیئے۔ ٹھیک آتی ہے کہ نہیں۔ چشم بددور یہ لباس آپ پر سجتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے کوئی پری اتر آتی ہے۔ ہاں ابھی آپ کو ان ریشمی شلواروں کی عادت نہیں اور اونچی ایڑی کی جوتیاں کسی قدر تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں۔ مگر ذرا چند قدم چل کر مشق کر لیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد آپ تمام ایرانی خواتین سے اپنے حُسن خرام میں سبقت لیجائیگا۔"

شہزادی اب اپنے بناؤ سنگار سے فارغ ہوکر بیٹھی تھی کہ بوگس اجازت طلب کرکے حاضر ہوا اور نیتیس کو مادرِ شاہ یعنی کاسنداتہ کے پاس جہاں کمبوجیہ بھی منتظر تھا لیچلا۔ راستہ بھر اس نے شہزادی سے نہایت تصنع آمیز چاپلوسی و خوشامد کی باتیں کیں۔ اُسے آفتابِ درخشاں۔ ماہِ تاباں۔ گلبنِ حُسن و ادا۔ مخزنِ جود و سخا وغیرہ کہکر طرح طرح سے خوش کرنا چاہا۔ مگر نیتیس بالکل متوجہ نہ ہوئی اور نہایت حقارت سے اسکی طرف

بسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بڑی دیر تک دوڑ لگاتے۔ سرپٹ گھوڑے پر جلدی سے اترتے چڑھتے۔ شمشیر زنی۔ تیر اندازی و نیزہ بازی کی مشق کرتے انھیں زور سے بولنے کی ہدایت کی جاتی۔ موسم کی سختیوں کا عادی بنایا جاتا۔ سخت دھوپ میں گھنٹوں دوڑایا جاتا۔ موسم سرما میں جب برف و کہرہ پڑ رہا ہو مع اپنے تمام اسلحہ دریاؤں کو پار کرتے۔ جانور چراتے کھلے میدانوں میں رات بھر جاگتے۔ کئی دن تک بھوکے پیاسے پہاڑیوں کو طے کرتے۔ (رالنس۔ ایران نامہ)

مُنہ پھیرے رہی - وہ اپنے دلدادہ کمبوجیہ کے خیال میں اسوقت محو تھی اور حجرہ شاہی کے قریب آتے ہی اس کا کلیجہ بانسوں اچھلنے لگا تھا - اس کمرے کے دروازوں و کھڑکیوں پر ہندوستانی ریشم کے سبز پردے پڑے تھے - تاکہ دھوپ و روشنی کا بچاؤ ہو اور اندر تاریکی رہے - اور نابینا خاتون کی آنکھوں کو تکلیف نہ پہنچے - فرش پر بابل کے ایسے دبیز اور ملائم قالین بچھے تھے کہ ان پر چلتے ہی پیر دھنس جاتے تھے - دیواروں پر نہایت خوبصورت نقش و نگار تھے - جن میں سونا چاندی - لاجورد - آبنوس - عاج - عنبر اور بجھو کی ہڈی وغیرہ سے صناعی کا کمال دکھایا گیا تھا - متعدد کرسیاں و کوچیں بچھی تھیں جنکی طلائی ڈھانچوں پر چیتے و شیر کی کھالیں منڈھی تھیں - اور پاس ہی کئی ایک خالص سونے و چاندی کی میزیں و تپائیاں بھی قرینہ سے رکھی تھیں - ملکہ کا سندانہ ایک خوبصورت آرام کرسی پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی - اسکے زیب تن ایک نہایت بیش قیمت بنفشئی رنگ کا لباس تھا جس پر نقرئی و طلائی کام لِسا ہوا تھا - اسکے سر پر مصر کی بنی ہوئی باریک جالی کا ایک دوپٹہ تھا جس کے دونوں سرے پشت گردن سے سامنے آکر ٹھوڑی کے نیچے ہلالی شکل میں بندھے تھے - اسکی عمر ساٹھ و ستر کے درمیان تھی - قد لانبا اور تیر کی طرح سیدھا تھا آنکھیں بے نور ہونکی وجہ سے بند تھیں - چہرہ کے خط و خال نہایت پاکیزہ تھے - اور ان سے حد درجہ کی ذہانت - شفقت و رحمدلی برستی تھی - اور ایسی بزرگی و شان پائی جاتی تھی جو ہر طرح کورش اعظم کی عالی مرتبت بیوہ کے لایق و سزاوار تھی -

ملکہ کے قدموں کے پاس ایک تپائی پر اسکی سب سے چھوٹی لڑکی اٹوسا بیٹھی ہوئی اپنی طلائی تکلہ سے لمبے لمبے دھاگے کھینچ رہی تھی - سامنے کمبوجیہ استادہ تھا اور پس پشت مصری کحال نِنجاری جس کی شکل کمرے کی تاریکی میں کسی قدر دھندلی نظر آرہی تھی - خاموش بت کی طرح کھڑا تھا -

نیتیتس کے اندر داخل ہوتے ہی بادشاہ آگے بڑھا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر ماں کے پاس

لے آیا۔ جیسے دیکھتے ہی دخترِ فرعون نے قدموں پر گر کر اسکے ہاتھوں کو نہایت خلوص و
ادب کے ساتھ بوسہ دیا اور نابینا خاتون نے بھی اپنا ہاتھ بڑی محبت سے اسکے سر پر رکھکر
یہ کہا۔ "بیٹی۔ ہرمزد تیرا آنا مبارک کرے۔ میں پہلے سے تیری تعریف سُن چکی ہوں اور بہت
خوش ہوں کہ مجھے ایسی لایق و فایق بیٹی ملی۔ تو بھی آج سے ہمیشہ مجھے اپنی ماں کیطرح سمجھنا۔"
نیتیتس نے ملکہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر اپنی شیریں و نازک آواز سے یہ جواب دیا۔
"میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ یہ میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ **کورش اعظم**
کی جلیل القدر ملکہ مجھے اپنی دختر کے لقب سے یاد فرماتی ہیں۔ میرا دل جوشِ مسرت سے پھولا
نہیں سماتا۔ ایک عرصہ کے بعد آج وہ مبارک دن آیا ہے کہ میں کسی کو اپنی پیاری ماں کہکر
پکار سکتی ہوں۔ اب میری جان و دل سے یہی کوشش ہوگی کہ اپنی اطاعت و فرمانبرداری
سے اس اعزاز کی مستحق بنوں۔ اے بانوئے محترم! مادرِ مشفقہ! آپ سے بھی اس لونڈی
کی بس یہی التجا ہے کہ کبھی اپنے دستِ شفقت کو اسکے سر سے نہ اٹھائیگا اور ہمیشہ اپنی پند و
نصائح سے میری ہدایت فرماتی رہیئے گا۔ جب کبھی میرا کمزور دل اپنے وطن کی یاد میں غمگین
و پژمردہ ہوگا تو آپ ہی کے پاس آؤنگی۔ آپ ہی کے قدموں پر سر رکھکر اپنا حال عرض کرونگی
آپ بھی میری تسلی و تشفی فرماکر ماں باپ کی یاد کو دل سے بھلا دیں گی۔" یہ کہکر وہ زار و قطار
رونے لگی۔ اُسکے گرم گرم آنسو ملکہ کے ہاتھوں پر پڑے اس نے نہایت محبت سے شہزادی
کو گلے لگالیا اور اسکی پیشانی پر بوسہ دیکر کہا۔ "بیٹی! رو نہیں۔ میں تیرے جذبات کو بخوبی
سمجھتی ہوں۔ آج سے میرا مکان اور میرا دل دونوں تیرے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ تو
میری لختِ جگر ہے۔ اپنا کوئی حال مجھ سے ہرگز نہ چھپانا اور ہمیشہ ماں کہکر مجھے پکارنا چند
ماہ کے بعد تیرا بیاہ ہوجائیگا اور ہرمزد وہ دن بھی جلد لائیگا جب تو خود بال بچوں والی ہوکر
شفقتِ مادری کو محسوس کرے گی اور کسی دوسرے کی الفت کی ایسی محتاج نہ رہے گی۔"
کمبوجیہ "یہی میری بھی تمنا و آرزو ہے۔ والدہ! میں بہت خوش ہوں کہ آپ نے بھی

میری منگیتر کو پسند کیا - وہ ابھی ایک غیر ملک میں ہونے کی وجہ سے گھبراتی ہیں - لیکن مجھے یقین ہے کہ بہت جلد یہاں کی باتوں سے مانوس ہو جائیں گی اور تین چار مہینے میں ہمارے آداب ورسومات سے پوری آگاہی حاصل کر کے میرے عقد میں آنیکے قابل ہو جائینگی"-

مادرِ شاہ۔ "لیکن شریعت ...."

کمبوجیہ۔ "میں چار مہینے سے زیادہ نہ ٹھیرونگا - پھر دیکھتا ہوں کہ کون مجھے شادی کرنی سے روکتا ہے - برہمنوں پر زیادہ مجھے اعتبار نہیں - غرضکہ اس مسئلہ پر پھر آپ سے گفتگو کرونگا - اب رخصت ہوتا ہوں (مصری حکیم کی طرف مخاطب ہو کر) نلنچاری! میری ماں کی آنکھوں کے علاج میں غفلت نہ کرنا - تو شہزادی نتیتیس کا ہموطن ہے اس لئے اگر انکی خواہش ہو تو کل تو ملنے جا سکتا ہے - (عورتوں سے مخاطب ہو کر) بردیہ نے تم سب کو سلام کہلا بھیجا ہے - وہ مہم تپوریہ پر روانہ ہو گیا"

اتوسا یہ سنکر آبدیدہ ہو گئی - اور ملکہ بھی کسی قدر چیں بجبیں ہو کر بولی "بھلا چند ماہ کے لئے بردیہ کو ہمارے پاس چھوڑ دیتے تو کیا حرج تھا - اس کا جانا ایسا ضروری نہ تھا - ہمارا جنرل بگاز[1] تپوریہ ایسی چھوٹی قوم کو بآسانی سزا دے سکتا تھا -

بادشاہ - یہ صحیح ہے - مگر بردیہ نے خود خواہش کی تھی کہ اسے اپنی بہادری دکھانیکا کوئی موقع دیا جائے اس لئے سوائے اُسے بھیجنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا"

ملکہ۔ "تاہم اگر تم چاہتے تو وہ کچھ دن اور انتظار کر سکتا تھا - ماساجت سے ایک بڑی جنگ ہونیوالی ہے اُس میں اُسے اپنی نام آوری کے بہت سے موقعے ملجاتے"

اتوسا۔ (تیز کلام ہو کر) اب اگر اس لڑائی میں بھائی بردیہ کو کوئی زخم کاری لگا تو میں آپ ہی کو الزام دونگی کہ والد مرحوم کے انتقام میں حصہ لینے سے آپنے انہیں محروم رکھا"

کمبوجیہ۔ (غضب آلود ہو کر) چپ تو بڑی زبان دراز ہے - ایک دن اس گستاخی کا ایسا

---

[1] بگاباز یا میگابازوس -

مزہ چکھا دونگا کہ یاد رکھے گی - بردیہ بوڑی اتراتی ہے - گھبرانہیں وہ بہت سخت جان ہے اس لڑائی سے اچھا خاصہ واپس آئیگا - (ماں سے مخاطب ہوکر) آپ نے بھی بہت زیادہ نازو پیار کرکے بردیہ کو ایسا بگاڑ دیا کہ وہ کسی کام کے قابل نہ رہا۔"

مادرِ شاہ "کمبوجیہ! تمہارا یہ کہنا بالکل بیجا ہے - کیا بردیہ میں صفاتِ مردانگی موجود نہیں ہیں؟ یہ کس کا قصور تھا کہ ابھی تک اُسے جنگ میں نام آوری کا کوئی موقع نہ مل سکا؟ اور اب بھیجا بھی تو ایسی چھوٹی سی جنگ پر جو اُسکی کسرِ شان ہے - تم بادشاہ ہو تمہارا حکم میرے سر آنکھوں پر - مگر بحیثیت ماں ہونیکے مجھے تم سے شکایت کا حق حاصل ہے - کیونکہ میری حالت کا تم نے کچھ خیال نہ کیا اور میرے بچے کو جسکی فرقت میں میں تڑپ رہی تھی - چند دن بھی میرے پاس نہ رہنے دیا - وہ تو بڑی مہم تک انتظار کرنیکے لئے بخوشی آمادہ تھا مگر تم نے اپنی ہی ضد بالا رکھی اور اُسے . . . ."

کمبوجیہ (غصہ کو ضبط کرکے) "خیر جو کچھ ہوا سو ہوا - اب اسکے متعلق میں اور زیادہ سننا نہیں چاہتا" یہ کہکر منہ پھلائے ہوئے باہر نکل گیا اور اپنے خدم و حشم کے جلوس میں جو اُسکے منتظر تھے قصر دربار کی طرف بڑھا - اسے ایک گھنٹہ گذر گیا - مگر نتیتس اسی طرح ملکہ کے سامنے مؤدبانہ بیٹھی ہوئی اپنے ملک کے عجیب و غریب حالات سنا رہی تھی اور اسکے مختلف سوالوں کا جواب دے رہی تھی -

اتوسا "تمہاری باتیں سُنکر مجھے مصر دیکھنے کا اس قدر شوق ہوا ہے کہ بیان نہیں کرسکتی تمہارا ملک ہمارے ایران سے بالکل ہی مختلف معلوم ہوتا ہے - تمہارے دریائے نیل جسکے ساحل ایسے سرسبز و آباد ہیں ہمارے فرات سے بھی زیادہ بڑی ہوگی - تمہاری مندروں کی عظمت و شان اور اُنکی زینت اور رنگینی قابل دید ہوگی اور وہ مصنوعی پہاڑ جنہیں اہرام کہتے ہیں اور جو تمہارے بادشاہوں کے مدفن ہیں کیسے عجیب و غریب ہونگے -

میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے تہوار و میلے بھی جن میں مرد و عورت ایسی آزادی کے ساتھ ملتے جلتے ہیں بڑے دلچسپ و پرلطف ہوتے ہونگے - ہمارے ملک میں تو عورتوں کو صرف

نوروز یا بادشاہ کی سالگرہ کے دن میلوں وغیرہ میں جانے کی اجازت ملتی ہے۔ مگر غیر مردوں سے باتیں کرنا یا آنکھ اُٹھا کر انکی طرف دیکھنا بھی سخت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ **مصر** اسکے بالکل برعکس ہے۔ اماں جان! **متھرا کی قسم**۔ میں بھی مصری ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ یہاں تو ہم غریب عورتیں لونڈیوں سے بدتر ہیں۔ تاہم مجھے **کورش اعظم** کی بیٹی ہونے کا فخر ہے۔ اور اپنے آپ کو کسی سے کمتر نہیں سمجھتی۔ آپ ہی فرمایئے میں غلط تو نہیں کہتی۔ کسی کی مجال ہے کہ میرا حکم نہ مانے میرے دل میں بھی کیا بھائیوں کی طرح شہرت و نام آوری کی خواہش و تمنا نہیں۔ کاش کہ مجھے موقع ملتا تو شہ سواری۔ تیر اندازی۔ شناوری اور لڑائی وغیرہ کے تمام فنون میں ماہر ہو کر باہر مردوں کے مقابلہ کو نکلتی۔"

اتوسا کی آنکھیں مارے جوش کے چمکنے لگیں۔ وہ اپنی جگہ سے اُچھل کر کھڑی ہو گئی اور تکلہ کو اس زور سے گھما کر پھینکا کہ اسکے دھاگے اُلجھ کر ٹوٹ گئے۔

کاسندانہ۔ (محبتانہ جھڑکی دیکر) "کیا فضول بکتی ہے۔ یہ کام عورتوں کے لئے موزوں نہیں انہیں اپنی خانہ داری میں دل لگانا چاہیئے۔ اور اسی کو مقصد زندگانی سمجھ کر صابر و شاکر رہنا چاہیئے۔ مردوں کی زیادہ حرص کرنا انکے لئے فضول و نازیبا ہے۔"

اتوسا۔ "مگر اماں جان۔ کیا اس دنیا میں بہت سی عورتیں نہیں ہیں جو مردوں کی طرح رہتی ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ **تھمیسیرا** میں ایک دریا کے کنارے عورتوں کی ایک قوم بستی ہے جنہیں **امیزن** کہتے ہیں اور جو مردوں کی طرح لباس و اسلحہ پہن کر جنگ و جدل کرتی ہیں۔"

کاسندانہ۔ (حیرت سے) "یہ تجھ سے کس نے کہا۔"

اتوسا۔ "یہ میری بڑھیا دایہ **اسٹیفن** کہتی تھی۔ اس کا باپ **سائی نوپ** کا باشندہ تھا اور ایک لڑائی میں قید ہو کر یہاں آیا تھا۔"

نلتیتس۔ "میں سمجھتی ہوں کہ اس بیان میں کسی قدر مبالغہ ہے۔ مجھے اسکی اصلیت معلوم ہے اور وہ یہ ہے کہ **امیزن** کا وجود ضرور ہے اور وہ مردانہ لباس بھی پہنتی ہیں۔ مگر

در حقیقت وہ ایک جنگجو دیوی کی سیوا کرتی ہیں اور اس لباس میں پجاریوں کو اپنی ماتا کا درشن کراتی ہیں۔ کری سس کہتے تھے کہ امیزن کی فوج ایک خیالی بات ہے اور یونانیوں کی ایک طبع زاد کہانی ہے۔ اس میں انہیں کمال حاصل ہے کہ اصلی واقعہ پر قصہ کہانی کا رنگ چڑھا کر اُسے نہایت دلچسپ بنا دیتے ہیں۔

اتوسا " (مایوسانہ لہجہ سے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانی نہایت دروغ گو اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔"

نتیتیس " یہ تو نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ سچائی کی وہ بھی آپ لوگوں کی طرح قدر کرتے ہیں۔ اسے جھوٹ نہیں بلکہ انکی شاعرانہ بلند پردازی کہنا چاہیئے۔ وہ اس قسم کی کہانیوں کی نظمیں بنا کر لوگوں کے سامنے گاتے بجاتے ہیں اور انہیں محظوظ و متحیر کرتے ہیں۔"

کاسندانہ " ہمارے یہاں بھی تو یہی حال ہے۔ رستم و زال کی داستان دیکھو اور میرے شوہر کے کارناموں پر بھاٹوں نے کیا اچھے گیت تصنیف کئے ہیں اور اُن کی پیدائش[۵۱] اور اوائل عمر کے واقعات کو کیسا دلچسپ بنا کر گاتے پھرتے ہیں۔ اسے جھوٹ نہیں

---

۵۱ ہیرو ڈوٹس وزنوفن اس بادشاہ کی ولادت کے متعلق جو روایت بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ استیاز شاہ میدیا نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ اسکی لڑکی مندان کے بطن سے ایک ایسا چشمہ جاری ہوا ہے کہ نہ صرف ایران بلکہ تمام دنیا ڈوب گئی۔ اس نے منجموں سے اسکی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ تیرا نواسا بہت بڑا فاتح و کشور کشا ہوگا۔ استیاز کو اس سے اندیشہ ہوا اور اپنی بیٹی کی کمبوجیا حاکم فارس سے شادی کرا دی۔ کچھ دنوں بعد بادشاہ نے پھر ایک خواب دیکھا کہ مندان کے جسم سے اتنی بڑی انگور کی ایک بیل نکلی ہے کہ تمام دنیا چھپ گئی۔ وہ اب بہت خائف ہوا۔ بیٹی کو طلب کر کے اپنے پاس رکھا اور جب اسکے وضع حمل کا زمانہ آیا تو اپنے وزیر ہارپاگس کو اُسے سپرد کر دیا اور خفیہ طور سے سمجھا دیا کہ اس کا لڑکا جب پیدا ہو تو اُسے مار کر کہیں گاڑ دینا۔ غرضکہ جب بچہ پیدا ہوا تو وزیر نے جو خود اپنے ہاتھ سے مارنا نہ چاہتا تھا۔ مہرداد نامی ایک چرواہے کو اُسے سپرد کر دیا۔ اتفاق سے چرواہے کی بیوی نے بھی اسی وقت ایک مردہ بچہ جنا تھا

کہہ سکتے۔ (ملیتیس سے خطاب کر کے) مگر ملٹی یہ تو بتا کہ یہ صحیح ہے کہ یونانی بڑے عقلمند ہوتے ہیں۔ میں نے انکے علم و ہنر کی بڑی شہرت سُنی ہے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس نے خاوند کو منا کر دونوں کا تبادلہ کر لیا۔ اور اپنے بچہ کی مردہ لاش لیجا کر وزیر کو اطمینان دلا دیا۔
اب کورش جب بڑا ہوا تو اتفاقاً ایک دن اپنے ہمجولیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ لڑکوں نے اسے اپنا حاکم مقرر کیا تھا۔ وہ انہیں مختلف احکام دے رہا تھا۔ اتنے میں ایک امیرزادہ بھی ادھر آنکلا اور کھیل میں شامل ہو گیا۔ مگر اس نے کورش کا حکم نہ مانا اور کورش نے جب اسے سزا دی تو وہاں سے جا کر اس نے اپنے باپ سے شکایت کر دی جس نے بادشاہ کے کانوں تک یہ خبر پہنچائی۔ بادشاہ نے گڈریئے کو مع اُسکے لڑکے کے اپنے سامنے بلایا۔ اور اسکی شکل و شباہت انداز و اطوار دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ ضرور اسی کا نواسا ہے۔ وزیر سے اس نے جواب طلب کیا۔ اس نے کہا کہ جہاں پناہ میں نے اسی گڈریئے کو بچہ سپرد کر دیا تھا۔ اس پر مہرداد نے تمام واقعہ کہہ سُنایا۔ بادشاہ بظاہر یہ سُنکر خوش ہوا اور لڑکے کو اُسکے والدین کے پاس فارس بھیجدیا۔
فردوسی نے بھی کیخسرو کے ولادت کے متعلق اسی قسم کی ایک حکایت بیان کی ہے۔ یعنی اس کا باپ سیاوش پسر کیکاؤس تھا۔ افراسیاب نے جب ایران پر حملہ کیا تو بادشاہ نے اسے اپنی فوج کا سردار بنا کر دشمن کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ رستم کی امداد سے سیاوش کو فتح ہوئی اور افراسیاب سے اس نے صلح کر لی۔ اس پر کیکاؤس بہت ناراض ہوا مگر سیاوش عہد شکنی کرنا نہ چاہتا تھا۔ اس نے افراسیاب کے پاس پہنچکر امان لی جس نے اس کی بڑی عزت کی اور اپنی لڑکی فرنگیس سے شادی کر دی۔ کچھ عرصہ کے بعد افراسیاب اس سے برہم ہو گیا اور اپنے وزیر پیران ویسہ کے مشورہ کے خلاف اس نے سیاوش کو قتل کر دیا۔ یہ خبر جب ایران میں پہنچی تو ایک ہنگامہ مچگیا۔ تمام ملک نے ماتم کیا۔ اور زمانہ دراز تک سیاوش کی رسم سوگواری باقی رہی۔
سیاوش کے قتل کے بعد اس کا لڑکا کیخسرو پیدا ہوا۔ بادشاہ نے اُسے مارنے کا حکم دیا۔ مگر پیران ویسہ نے رحم کھا کر اسے مہرداد چرواہے کے سپرد کر دیا۔ جب یہ بڑا ہوا تو اس نے افراسیاب سے اپنے باپ کا بدلہ لیا۔ ان دونوں حکایتوں کی وجہ سے بعض لوگ کورش اعظم کو کیخسرو۔ استیاژ کو افراسیاب اور ہارپاگس کو پیران ویسہ سمجھتے ہیں۔ مگر دوسرے محققین اسکے خلاف ہیں۔ اور دو خاص وجوہات پیش

نتنتیتس "میں اس کا پوری طور سے فیصلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ہم مصریوں کی صنعت و حرفت کا معیار یونانیوں سے کسی قدر مختلف ہے۔ ہمارے مندروں میں جو دیوتاؤں کی بت ہیں وہ ایسے پُرہیبت و عظیم الشان بنائے جاتے ہیں کہ دیکھنے والا انکے سامنے اپنے کو ایک چیونٹی سے زیادہ حقیر و ناچیز تصور کرتا ہے اور بے اختیار سجدہ میں گر پڑتا ہے۔ مگر یونانی مادہ پرست و ظاہری تناسب و حسن و خوبی کے دلدادہ ہیں اور اپنے دیوتاؤں کے مجسمے بھی اسی طرز پر بناتے ہیں کیونکہ انکا خیال ہے کہ یہ دنیا ایک مقام عشرت و عیش ہے۔ اور انسانی پیدائش کا مقصد اُس سے پوری طور سے لطف و حظ اُٹھانا ہے درانحالیکہ ہم مصری اُسے ایک خواب و خیال کہتے ہیں اور اصلی زندگی کا آغاز مرنے کے بعد سمجھتے ہیں۔"

اتوسا "یونانیوں کے حالات نہایت دلچسپ ہیں۔ میں ابھی اور سنوں گی۔ مگر اب ذرا نبنچاری جو اتنی دیر سے کھڑا ہے اماں جان کی آنکھوں پر پٹی باندھکر اپنے کام سے فارغ ہو جائے۔"

مصری کحّال جو نہایت سنجیدہ رو و بلند قامت تھا اپنے ملک کے پروہتوں کی طرح ایک سفید لباس پہنے تھا۔ اشارہ پاتے ہی آگے بڑھا اور ملکہ کی آنکھوں پر بڑی ہوشیاری سے دوا لگا کر اور پٹی باندھ کر چپ چاپ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ نتنتیتس کو ہموطن ہونے کی وجہ سے قدرتی طور سے اُس سے دلچسپی ہوئی اور اس نے نہایت مہربانی سے اپنی زبان میں اس کا حال پوچھا مگر قبل اسکے کہ وہ کچھ جواب دے ایک غلام اندر داخل ہوا جس نے عرض کیا کہ کرے سس تشریف لائے ہیں اور ملکہ کی قدمبوسی کے خواہشمند ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرتے ہیں۔ اول یہ کہ کیخسرو خاندان کیانی سے اور غالباً ۸۰۰ برس قبل مسیح گذرا ہے اسکا نام قدیم کتابوں میں کا داسرو یا ہوسر داندکور ہے۔ دوم یہ کہ افراسیاب تورانی تھا۔ بخلاف اسکے استیاز شاہ میدیا نسل آریہ سے تھا۔ فردوسی نے غالباً دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے۔ (ایران نامہ۔ رالنس۔ سائکس)

کریسس کے آتے ہی سب نے نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اتوسا اس کے گلے لپٹ گئی۔ ملکہ نے ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا اور نتیتیس نے بھی کھڑے ہو کر ادب سے سلام کیا۔
کریسس۔ (ملکہ سے) "میں نہایت خوش ہوں اور دیوتاؤں کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپکا دیدار پھر نصیب ہوا۔ یہ میرے بڑھاپے کا زمانہ ہے معلوم نہیں کب موت آجائے۔ اب زندگی کے ایک ایک دن کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتا ہوں"
ملکہ۔ "مجھے تم پر رشک آتا ہے کہ اب بھی تمہارے دل میں زندگی کی اس قدر آرزو محبت باقی ہے۔ میں گو تم سے عمر میں چھوٹی ہوں مگر اب زیادہ جینا اجیرن ہو گیا اور جو دن اس محرومی و معذوری کی حالت میں گذرتے ہیں انہیں ہر فرد کی طرف سے ایک سزا سمجھتی ہوں"
کریسس "شاید میرے کان دھوکہ دیتے ہیں۔ کورش اعظم کی بہادر و مستقل مزاج بیوی کبھی ایسے مایوسانہ الفاظ اپنی زبان پر نہیں لا سکتی۔ اے خاتون محترم مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کی یہ مصیبت بہت جلد دور ہو جائے گی اور آئندہ زمانہ خوشی و راحت سے کٹے گا۔ قاعدہ ہے کہ جو شخص بیمار ہوتا ہے وہی تندرستی کو ہزار نعمت سمجھ سکتا ہے جس کی آنکھیں بے نور ہوتی ہیں وہی بینائی کی کچھ قدر کر سکتا ہے۔ خیال فرمایئے کہ جب دیوتاؤں کے فضل سے آپ کو صحت ہو جائے گی اور ایک مدت کے بعد آپ دنیا کی خوبصورت چیزوں آفتاب کی روشن شعاعوں اور اپنے عزیزوں و پیاروں کے چہروں کو دیکھیے گا تو جو مسرت اُس وقت آپ کو حاصل ہو گی وہ ان تمام برسوں کی صعوبت و کلفت کی ایک لحظہ بھر میں تلافی کر دیگی۔ اس وقت آپ کو اپنی زندگی از سرِ نو تازہ معلوم ہو گی اور آپ میرے معزز دوست سولن کے قول سے اتفاق کریں گی"
ملکہ۔ "ان کا کیا قول ہے"
کریسس "آپ نے شاید سُنا نہیں کہ ایک مرتبہ سولن نے ایک مشہور یونانی

شاعر کی نظم دیکھی جسمیں اُس نے نشاطِ عمر کا ساٹھ برس تک زمانہ قرار دیا تھا۔ اس پر وہ بہت خفا ہوا اور اس کی تردید کی اور کہا کہ شاعر کو چاہیے کہ بجائے ساٹھ کے اسّی کر دے۔"

کاسندرانہ "نہیں میری ہرگز یہ خواہش نہیں۔ اگر میری آنکھیں بینا بھی ہو جائیں تو بھی اتنی مدت تک مجھے جینا منظور نہیں۔ کیونکہ اپنے پیارے شوہر کے بعد میری حالت اس دنیا میں ایک ایسی گم گشتہ مسافر کی طرح ہے جو کسی ریگستان یا بیابان میں بے یار و مددگار ادھر اُدھر بھٹک رہا ہو۔"

کرہی سس "معاف فرمایئے گا۔ آپ اپنی اولاد اور اُس سلطنت کو جس کا آغاز و نشو و نما آپ ہی کے سامنے ہوا۔ شاید بھولی جاتی ہیں۔"

کاسندرانہ "نہیں میری اولاد اب خیریت سے جوان ہوئی۔ انہیں میری مدد کی اب کچھ ضرورت نہیں اور سلطنت کو جو کہتے ہو تو اس کا خود سر بادشاہ بھلا ایک بوڑھی عورت کی صلاح و مشورے کی کیا پرواہ کرتا ہے۔"

اس پر دونوں لڑکیوں کے آنسو نکل آئے اور اتوسا و ننتیتیس دونوں نے ملکہ کے ہاتھ پکڑ کر نہایت منت سے عرض کیا "اے مادرِ مشفقہ! آپ کا سایہ ہم دونوں پر ہمیشہ قایم رہے۔ کیا آپ کو ہماری خاطر بھی منظور نہیں۔ خیال تو فرمایئے کہ بلا آپ کی حمایت و مدد کے ہمارا کیا حال ہوگا۔" کاسندرانہ یہ سن کر مسکرائی اور لڑکیوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر بہت آہستہ سے بولی "تم سچ کہتی ہو۔ ابھی تمہیں اپنی زندگی کے بہت سے مرحلے طے کرنا ہیں۔ اور شاید عنقریب وہ وقت آئے کہ تم دونوں کو میری مدد کی ضرورت ہو۔"

کرہی سس۔ (ملکہ کے دامن کا بوسہ دیکر) میری اُولوالعزم ملکہ! آپ کی زبان مبارک کے لیے یہی الفاظ شایاں ہیں۔ معلوم نہیں کہ ہم سب کو آپ کی امداد کی کس وقت ضرورت پڑے شاہ کمبوجیہ کی حالت ایک ایسی سخت فولاد کی مانند ہے جس پر ضرب لگتے ہی چنگاریاں نکلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ آپ ہی ہیں کہ ان چنگاریوں سے اپنے عزیزوں و پیاروں کو

محفوظ رکھے گا - صرف آپ ہی ہیں جو شہنشاہ کے غصہ کو ٹھنڈا کر سکتی ہیں - انکی نگاہوں میں
اگر کسی کا پاس و لحاظ ہے تو صرف آپ ہی کا - دوسروں کی رائے کو وہ نفرت و حقارت
سے دیکھتے ہیں مگر آپ کے کہنے کا ان پر اب بھی بڑا اثر پڑتا ہے - اس لئے جب وقت
آئیگا تو نہ صرف ہم سب کے لئے بلکہ خاندان و سلطنت کے لئے بھی آپ ہی کی ذات
بابرکت معذرت و شفاعت کا ذمہ لے سکے گی - اور یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت اگر
آپ کے سامنے شہنشاہ نے اظہار فروتنی نہ کیا اور آپ کی نصیحت پر کاربند نہ ہوا تو کچھ عجب
نہیں کہ دیوتاؤں کا غضب اس پر نازل ہو اور ماں کی نافرمانی اور اپنے غرور و تکبر کی
اسی دنیا میں کوئی سخت سزا ملے "

کاسندانہ " کیا کہوں - میں تو اپنے آپ بالکل مجبور و معذور پاتی ہوں - تم لوگوں نے
خود دیکھا ہوگا کہ کمبوجیہ میرے کہنے کا اب کس قدر کم خیال کرنے لگا ہے "

کریسس " تاہم یہی کتنی بڑی بات ہے کہ وہ آپ کی نصیحت کو سُن تو لیتے ہیں اور
خواہ اس پر عمل نہ کریں مگر انکے دل میں ایک خلش ضرور رہتی ہوگی جو بہت سی ظالمانہ حرکات
سے انہیں باز رکھتی ہوگی - میں بھی آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں کیونکہ کورش اعظم کی
وصیت کے موافق مجھے بھی مشیر خاص کا مرتبہ حاصل ہے - اور بعض اوقات شہنشاہ کے
تشدد و ظلم کے خلاف زبان کھولنے کی ہمت کر سکتا ہوں - اس تمام ملک میں آپ و میں
صرف دو ہی ایسے ہیں جن کے کہنے کا ان پر کچھ اثر پڑ سکتا ہے اس لئے ہم دونوں کو
یکجہت ہو کر نہایت استقلال و ہمت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا چاہئے - میں اچھی طرح
جانتا ہوں کہ اپنے لڑکے کی اوائل عمر کی خراب تربیت پر خیال کرکے آپ اکثر اپنے آپ
کو ملامت کیا کرتی ہوں مگر پشیمانی و تاسف عقلمندوں کا شیوہ نہیں - بجائے اسکے
اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے - کیونکہ ایک فلسفی کا قول ہے کہ پشیمانی اپنے زہریلے اثر
سے دل کو پژمردہ و پامال کر دیتی ہے - مگر اصلاح و ترمیم کا ارادہ و خیال انسان کی ہمتوں کو

بڑھا کر اُسے ترقی و کامیابی کے اوج پر پہنچا دیتا ہے "

نیتیتس "ہم مصریوں کے اعتقاد کے مطابق بیالیس ۴۲ گناہ کبیرہ ہیں۔ ان میں ایک پشیمانی بھی ہے "

کریسس "۔ اس پر مجھے یاد آیا کہ شہنشاہ نے تمہاری تعلیم و تلقین مذہب کی ہدایت فرمائی تھی جس کا مجھے ابھی انتظام کرنا ہے۔ میری تو عین خواہش تھی کہ اب تمام دنیوی جھگڑوں سے سبکدوش ہو کر شہر بریخی جیسے آقائے نامدار سیروس اعظم نے مجھے بخشا تھا۔ چلا جاؤں اور زندگی کے آخری دن آرام وچین سے گذاردں مگر فرمان شاہی سب پر مقدم ہے اور تمہاری خاطر بھی مجھے بہت کچھ منظور ہے اس لئے فی الحال اپنے ارادہ کو ملتوی کر کے یہیں رہونگا۔ اور تمہیں زبان فارسی میں سبق دونگا۔ ملکہ مکرمہ تمکو آداب و آئین شاہی سکھائینگی اور **اوروپیلیٹس** موبد اعظم جو اب تمہارے روحانی پیشوا و پیر مرشد ہیں تمہیں مذہب کی تعلیم دینگے "

نیتیتس جو اس سے پیشتر خوش تھی اور مسکرا رہی تھی یہ سُنتے ہی کچھ مغموم سی ہو گئی اور آنکھیں نیچی کر کے مایوسانہ لہجہ سے بولی "تو کیا اپنے وطن کے دیوتاؤں کو جنکی ہمیشہ پرستش کرتی رہی ہوں اب چھوڑ دوں اور انہیں دل سے بھلا دوں "

کاسندانہ "(رنجیدہ ہو کر) ہاں انکا خیال اب تمہیں بالکل ترک کر دینا چاہئے۔ بیوی کا فرض ہے کہ سوائے اپنے خاوند کے اور کسی کے دوست عزیز سے مطلب نہ رکھے۔ دوسرے دیوتاؤں کو بھی غیر سمجھے اور انکی پرستش سے توبہ کر کے اپنے شوہر کے دین پر بصدق دل ایمان لے آئے "

کریسس "علاوہ بریں۔ ہمارا منشا یہ نہیں ہے کہ تم اپنے معبود حقیقی کو بھول جاؤ۔ ہم تو صرف ایک دوسرا نام دیکر تم سے کہتے ہیں کہ اُسے اس نام سے یاد کرو۔ راستبازی و سچائی کو مصری زبان میں ما کہتے ہیں اور یونانی میں الیتھیا۔ دونوں مختلف لفظ ہیں مگر ایک ہی معنی رکھتے

ہیں۔ اسی طرح ہم سب کا معبود برحق بھی ایک ہی ہے لیکن نادان لوگ اپنے توہمات باطلہ سے طرح طرح کی غلط فہمیوں میں پڑ جاتے ہیں۔ دیکھو بیٹی! جب میں خود بادشاہ تھا تو کبھی کبھی سورج دیوتا کے بجائے یونانی اپالو کو بھی بھینٹ و نذر چڑھا دیا کرتا تھا اور اب جب سے ایران آیا ہوں اہرمزد کے سامنے دعا کو ہاتھ اٹھاتا ہوں اور **متھرا و اناہیتا**[1] پر ایمان رکھتا ہوں۔ حکیم **فیثا غورث** جن کے نام نامی سے تو واقف ہے صرف ایک خدائے واحد کو مانتے تھے۔ اسی کو وہ تمام جہان کا نور و تنظیم و تخلیق کا سرچشمہ خیال کرتے تھے اور اپنا اپالو کہتے تھے۔ حکیم **زینوفین**۔ ہومر کے بیشمار دیوتاؤں کو بیہودہ سمجھ کر انکی ہنسی اڑاتا تھا اور صرف ایک خدا کی پرستش کرتا تھا اور اسی کو اس تمام عالم کا صانع مطلق اور وہم و ادراک کا مبدا اولی تصور کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اسی کی ذات باری سے تمام عالم وابستہ ہے اور گو مادہ کی صورت ہمیشہ مبدل و متغیر ہوتی رہتی ہے۔ مگر خالق کی قدرت و قوت لازوال ہے اور کبھی نہیں بدلتی۔ بھلا بتاؤ تو کہ مصیبت و لاچاری کی حالت میں انسان کس کے سامنے مدد کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اور جب رنج و غم کی سیاہ گھٹائیں دل پر چھانے لگتی ہے تو کس کا نام بے اختیار زبان سے نکلتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے خوبصورت مناظر کو دیکھ کر اور اسکے انواع و اقسام نعمتوں سے حظ اٹھا کر کس کے احسان و شکرگذاری کی ہر بن مو گواہی دیتا ہے۔ یہ تمام باتیں جو فطرتاً انسانی طبیعت میں پیدا ہوتی ہیں خالق اکبر کے وجود کا سب سے بڑا ثبوت ہیں۔ اور ہمیں سچے ایمان و عقیدت کی طرف لیجاتی ہیں۔ تو بھی بیٹی اسی کی پیروی کر اور بخوبی سمجھ رکھ کہ مصریوں۔ یونانیوں اور ایرانیوں کا کوئی جدا معبود نہیں۔ وہ سب ایک

---

[1] اناہیتا۔ ناہید یا زہرہ۔ یہ یونانیوں کے افرودیتہ کے مشابہ تھے۔ اردشیر دوم کے زمانہ میں اس کی اور متھرا کی پرستش اورمزد کے ساتھ ہونے لگی۔ اس بادشاہ نے معبدوں میں ناہید کے بت رکھوائے جہاں اسکی عبادت کے بہانے سے بہت سی مخرب اخلاق رسوم برتی جاتی تھیں۔ ناہید کی پرستش زردشت سے پہلے بھی اشور و بابل میں مروج تھی۔ (ایبر۔ رالنس)

ہی ذات باری کی جس کے ہاتھ میں تمام مخلوق عالم و انسانی اقوام کی قسمتوں کا فیصلہ ہے پرستش کرتے ہیں مگر بعض اس کو جدا ناموں سے پکارتے ہیں اور بعض اپنی نادانی سے اس کی صفات کو مختلف دیوتا سمجھ کر پوجتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں"۔ ایرانی خواتین نے معمر و بزرگ کریسس کی فلسفانہ گفتگو کو نہایت دلچسپی و غور سے سُنا۔ نتیتیس کے بھی تمام شکوک رفع ہو گئے اور اس نے کہا "آپ بجا فرماتے ہیں۔ میری والدہ لیڈیس جنہیں حکیم فیثاغورث کی شاگردی کا فخر حاصل ہے انکے بھی یہی خیالات ہیں۔ مگر مصری پروہت اسکے سخت مخالف ہیں۔ اور ایسے خیال رکھنے والوں کو ملیچھ کہتے ہیں۔ اس لئے میں بھی ڈرتی تھی اور اپنے دل سے انہیں دور رکھتی تھی مگر اب ایسا نہ کروں گی۔ اور ان پر پورے طور سے ایمان رکھوں گی جن باتوں پر کریسس کی طرح عاقل و یاکباز بزرگ کا عقیدہ ہو وہ بھلا کفر ہو سکتی ہیں۔ ارو بیستیس بخوشی آئیں میں انکی تعلیم نہایت شوق سے حاصل کروں گی اور اُسی ایک معبود کا دھیان رکھونگی جس کی قدرت تمام عالم پہ حاوی ہے۔ اور جو نہ صرف پیدا کرنے والا ہے بلکہ اپنی مخلوق کی پرورش و نگہداشت بھی کرتا ہے اور ہر سچے بندے کی خواہ وہ کسی ملت و قوم کا ہو دعا سُنتا ہے اور مصیبت زدہ دلوں کو تسکین و راحت پہنچاتا ہے"۔

کریسس یہ سُنکر مسکرایا۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ نتیتیس کے لئے اپنے دیوتاؤں کو اتنی جلدی چھوڑ دینا کوئی آسان کام نہیں۔ مصریوں کی طبیعت بڑی ضدی و وہمی ہوتی ہے۔ اور انکے پرانے توہمات بڑی مشکل سے دور ہو سکتے ہیں۔ اُسے شاید یہ معلوم نہ تھا کہ ملکہ لیڈیس یونانی النسل ہونے کی وجہ سے فیثاغورث کے اصولوں سے بخوبی واقف تھی۔ اور اپنی لڑکیوں کو اکثر تعلیم کرتی تھی۔ نیز اسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ نتیتیس کے دل میں اپنے پیارے شوہر کو خوش کرنے کی کتنی بڑی خواہش تھی اور اس کی خاطر اپنے دیوتاؤں کو چھوڑ دینا زیادہ مشکل نہ تھا۔

کریسس۔ (نتیتیس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھ کر) شاباش۔ تمہاری طبیعت

کی اصلاح پسندی سے میں بہت خوش ہوا۔ اسکے انعام میں تم کو ہر روز صبح و شام ملکہ کرم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ اور اتوسا بھی تم سے ملنے کے لئے باغات معلقہ جایا کرے گی۔"

یہ سُن کر دونوں شاہزادیاں نہایت خوش ہوئیں اور کری سس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنے لگیں۔

کری سس۔ (اتوسا سے) "میں تمہارے لئے سئیز سے گیندیں اور چھلّے لایا ہوں یہ ایک مصری کھیل ہے جسے تم بہت پسند کرو گی۔"

اتوسا "گیند! وہ تو بڑی بھاری لکڑی کی ہوتی ہے۔ اُسے لیکر میں کیا کرونگی۔"

کری سس۔ (ہنسکر) "ڈرو نہیں۔ یہ گیندیں نہایت نازک و ہلکی ہیں۔ چمڑے یا مچھلی کی کھال کی بنی ہوئی ہیں جنہیں ایک چھوٹا سا بچہ بھی اٹھا سکتا ہے۔ یہ وہ بھاری بھاری گیندیں نہیں ہیں جن سے ایرانی نوجوان لڑکے کھیلتے ہیں۔ (دختر فرعون سے) نتیتیس اب تمہیں کھیلنے و دل بہلانے کیلئے ایک ہمجولی مل گئی۔ خوش ہوئیں کہ نہیں۔"

دختر فرعون "میں بیحد خوش ہوں اور آپکی عنایتوں کی نہایت مشکور ہوں۔"

کری سس "اپنے روزانہ دستور العمل کو پھر اچھی طرح سمجھ لو۔ صبح کے وقت تم اپنی والدہ یعنی ملکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انکی تعلیم سے مستفید ہو گی اور اتوسا سے بھی ملو گی۔ دوپہر کے وقت میں تم کو فارسی پڑھانے آونگا اور تمہاری دلبستگی کے لئے مصر کی تازہ خبروں سے مطلع کرونگا۔ اور ہر دوسرے دن ارد سپتس تم کو مذہبی تعلیم کا سبق دیا کریں گے۔"

دختر فرعون "میں بڑی محنت سے دل لگا کر پڑھونگی۔"

کری سس۔ سہ پہر کے وقت اتوسا تمہارے یہاں جائیں گی اور جتنی دیر تک چاہو گی رہیں گی۔ اب تو تمہیں کوئی شکایت نہیں۔"

لڑکی۔ (نہایت گرمجوشی سے اپنے بزرگ محسن کے ہاتھوں کا بوسہ دیکر) "میں اس قدر خوش ہوں کہ بیان نہیں کرسکتی اور دعا کرتی ہوں کہ آپ کی محبت وشفقت اسی طرح ہمیشہ میرے شامل رہے۔"



باب چودھواں

شہنشاہ کی سالگرہ

دوسرے دن نِنتتیس "معلق باغات" کے محل میں اُٹھ گئی اور کریسس کی ہدایات کے مطابق اپنے اوقات کو بڑی پابندی دولد ہی سے بسر کرنے لگی۔ ہر روز وہ ایک بند پالکی میں سوار ہوکر ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی اور اسکی شفقت والفت کو روزافزوں دیکھ کر اپنے دور افتادہ والدین کو بھول گئی تھی۔ نیز دخترکورش سے بھی اسے اپنی بہن کی طرح محبت ہوگئی۔ وہ بڑی شوخ وشریر لڑکی تھی اور ہمیشہ چھیڑ چھاڑ وہنسی مذاق کرکے اُسے ایسا بہلائے رکھتی تھی کہ کبھی وطن کا خیال نہ آنے پاتا تھا۔

دونوں کے مزاج میں بہت بڑا فرق تھا۔ ایک سنجیدہ ومتین تھی اور دوسری نہایت بے چین وجوشیلی تاہم ان میں خوب بنتی تھی اور ایک دوسرے کے جذبات کو قابو میں رکھتی تھی۔

کریسس دکاسدانہ اپنی نئی شاگرد کے شوق تعلیم سے نہایت خوش تھے اور موبد اعظم بھی اس کی ذہانت وقابلیت کی تعریفیں روز کمبوجیہ سے کیا کرتا تھا۔

تھوڑے ہی عرصہ میں نِنتتیس نے زبان فارسی میں ایک اچھی استعداد

حاصل کرلی۔ اور بادشاہ بھی جو اکثر اپنی ماں کے پاس اسی سے ملنے کی غرض سے آیا کرتا تھا۔ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اُسے روزانہ بیش بہا جواہرات ولباس بھیجکر سرفراز کرنے لگا اس کے دل میں اس لڑکی کی اس قدر عزت تھی کہ کبھی تنہا محل میں اس کے پاس نہ جاتا۔ وہ اُسے باقاعدہ عقد میں لاکر اپنی خاص ملکہ بنانا چاہتا تھا اور اُس مرتبہ وعروج پر پہنچانا چاہتا تھا جس کی تمنا میں حرم کی بڑی بڑی بیگمات برسوں سے تڑپ رہی تھیں۔

کمبوجیہ ایسے تند خو وسخت فزاج شخص پر **نیتتیس** کے متانت وحسن نے عجب جادو کا اثر کیا۔ اسے دیکھتے ہی اس کا تمام غصہ کافور ہو جاتا تھا۔ پیشانی کے بل دور ہو جاتے اور شقاوت و بیرحمی۔ نرمی وانسانیت سے بدل جاتی۔ اس کے اشتیاق ووارفتگی کا یہ حال تھا کہ جب وہ اُسکی بہن کے ساتھ کھیل میں مشغول ہوتی تو وہ برابر ٹکٹکی باندھے اسی کی صورت کو دیکھتا رہتا۔ ایک مرتبہ اتفاق سے گیند پانی میں گر پڑی تو وہ لپک کر دوڑا اور اپنے کپڑوں سمیت حوض میں کود کر اُسے نکال لایا۔ **نیتتیس** خوفزدہ ہوکر چلانے لگی مگر کمبوجیہ مسکراتا ہوا اس کی طرف آیا اور گیند دیکر کہنے لگا "یاد رکھنا۔ اگر پھر کبھی ایسی حرکت کی تو میں اس سے بھی زیادہ ڈراؤنگا" بعدہٗ اپنے گلے سے ایک طلائی اور مرصع زنجیر اتار کر پری جمال معشوقہ کو پہنا دی جو اپنا سر جھکا کر ایک عجب شرمیلی ادا سے آداب بجالائی اور ایسی ترچھی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھنے لگی جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ دل میں کیا خیالات موجزن ہیں۔ وہی لڑکی جو کبھی اس مغرور وخودسر شخص سے اسقدر ڈرتی تھی اب اس پر جان ودل سے فدا تھی۔ وہ اسکی نگاہوں میں ایک بڑے دیوتا سے کچھ کم نہ تھا جس کی وہ پرستش کرتی تھی۔ جسکی خدمت میں وہ اپنی جان تک دینے کو راضی تھی۔ جس کے خیال ومحویت نے اسے اپنے تمام عزیزوں کی یاد کو بھلا یا تھا۔ جسکی صورت دیکھ کر جیتی تھی جب وہ چلا جاتا تو اسکی عجب حالت ہو جاتی۔ جب اُسکے آنے کی خبر سنتی تو بدن تھر تھر کانپنے لگتا اور تمام جسم میں ایک سنسنی سی پیدا ہو جاتی

گری سس یہ کیفیت دیکھ کر فوراً تاڑ جاتا اور اس کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتا۔ ایک دن اس نے اس کے حسب حال مشہور یونانی شاعر انکرین کی یہ غزل گا کر سنائی۔

چالاک شکاری کے جو ہتھیار نظر آئیں
جو ایشیا میں جنگ کے خوگر ہیں سپاہی
عاشق کی نگر ہیں جو چمکتی ہوئی آنکھیں
آتی ہیں ہمیں سے نظر اندر کی وہ بھٹی

پہچان لیا جاتا ہے وہ اُن سے مقرر
ہیں پگڑیاں آتی نظر اُن سب کے سروں پر
گویا کہ یہ کاشانہ دل کے ہیں کھلے در
ہیں جس میں محبت کی دہکتے ہوئے اخگر

غرضکہ اسی طرح عشق و محبت۔ کھیل کود و تعلیمی اشغال میں مہینے و دن اس طرح پلک جھپکاتے گذر گئے کہ کچھ خبر ہی نہ ہوئی۔ اب عراق کا موسم بہار بھی جو دسمبر کی برسات کے بعد شروع ہوتا ہے ختم ہونیکو آیا۔ ہری بد کے زمانہ میں سب سے بڑا تہوار[۵۱] یعنی نوروز بھی بڑی

[۵۱] ہخامنش کے زمانہ میں مشہور تہوار یا جشن حسب ذیل تھے۔ (۱) جشن نوروز۔ اس سے سال نو کی ابتدا مراد نہ تھی بلکہ زمانہ بہار کا آغاز تھا یعنی وہ دن جب آفتاب برج حمل میں آتا ہے اور ہری بد شروع ہوتا ہے (۲۱ مارچ) کہتے ہیں کہ جمشید کے زمانہ سے اس کا آغاز ہوا اور آج کل بھی یہ ایران میں ہر سال منایا جاتا ہے۔ (۲) جشن مہرگان۔ نئے سال کا آغاز یعنی موسم خزاں کی ابتدا۔ یعنی جب سورج برج میزان میں آتا ہے (۳۰ ستمبر) کہتے ہیں کہ اس دن فریدوں نے ضحاک پر فتح پائی تھی۔ اور دارائے اعظم نے گومتا کو قتل کر کے بغاوت مغاں فرد کی تھی۔ اسی وجہ سے مشہور ہے کہ تہوار مغاں کش اور مہرگاں دونوں ایک ہی زمانہ میں ہوتے تھے۔ اس دن مغ اپنے گھر سے باہر نکلتے تو ذلیل کئے جاتے تھے۔ (۳) جشن فرم یا آتش۔ ہوشنگ کی آگ دریافت کرنے کی یادگار تھا۔ اس دن تمام آتشکدے چراغان کئے جاتے تھے۔ (۴) جشن تیرگاں۔ ستارہ شعرا مینھ دخوش حالی کا دیوتا ہے۔ وہ اپنے دشمن خشک سالی کے دیو پر فتح پاتا ہے اور مینہ برسا کر تمام دنیا کو شاداب کرتا ہے۔ ناہید دیوی کا بھی تعلق مینہ سے ہے۔ اسکے نام سے بھی جشن ہوتا تھا کہتے ہیں کہ منوچہر کے زمانہ سے اس تہوار کا آغاز ہوا۔ (۵) جشن سالگرہ۔ یا تولد بادشاہ۔ علاوہ اسکے فصل و کاشت کے موقعوں پر چند اور بھی تہوار تھے۔ شہری و دیہاتی ایک جا جمع ہو کر دعوتیں کرتے تھے۔ پروہت

دہوم دہام سے منایا گیا۔ بعدہ مئی کا مہینہ آیا۔ اور گرمی شدت سے پڑنے لگی۔ نیتتیس ابھی تک بابل ہی میں مقیم تھی اور تمام ایرانیوں کو بخوبی معلوم ہو گیا تھا کہ وہی عنقریب شہنشاہ کی منظورِ نظر بیوی بنے گی۔ اس سے بوگس میر خواجہ سرا حد درجہ پریشان تھا۔ کیونکہ بادشاہ کے حرم میں نہ آنے کی وجہ سے اب اس کا اقتدار بہت کم ہو گیا تھا۔ اور وہ ان عورتوں کے ذریعہ جو اسکے تابع فرمان تھیں اپنے یا دوسروں کے لئے کوئی کام نہ نکال سکتا تھا۔ البتہ فدمیہ سے اب اس کی راہ و رسم بڑھ گئی۔ دونوں میں نیتتیس کے خلاف سازشیں و مشورے ہونے لگے مگر کمبوجیہ کی محبت اور شاہزادی کی پاکبازی وعفت کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ فدمیا اپنی ذلت وخواری سے نہایت پریشان و مضطرب تھی اور روزانہ بوگس سے کچھ کرنیکے لئے تقاضہ کرتی تھی مگر وہ یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ ابھی صبر کرو میں اپنے وقت کا منتظر ہوں۔ بالآخر چند ہفتوں بعد ایک دن وہ اُسکے پاس بہت خوش خوش آیا اور کہنے لگا "میری پیاری نازنین! کہو کیا انعام دو گی۔ آج مجھے ایک ایسی اچھی تدبیر سوجھی ہے کہ اس مصریہ کا ناس نہ کر دوں تو میرا نام بوگس نہ رکھنا۔ ذرا شہزادے بردیہ کو تو آ جانے دو پھر اپنا جال پھیلا کر تماشے دکھاؤں گا۔" فدمیا مارے خوشی کے اُچھل پڑی اور باصرار مزید حالات پوچھنے لگی۔

بوگس نے مسکرا کر کہا "کسی عورت ذات کو اپنا رازداں بنانا گویا شیر کے مُنہ میں ہاتھ دینا ہے مجھے تمہاری عقل ودانائی پر پورا بھروسہ ہے مگر یہ معاملہ ایسا نازک ہے کہ ابھی اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نکالنا قرینِ مصلحت نہیں سمجھتا۔ تمہیں لازم ہے کہ آنکھ بند کر کے میری ہدایات پر عمل کرو اور چپ چاپ بیٹھی تماشہ دیکھو کہ کیا ظہور میں آتا ہے۔"

کحال نبنجاری اب بھی ملکہ کاسندانہ کے علاج کے لئے روزانہ حاضر ہوا کرتا تھا

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) دعائیں پڑھتے تھے۔ اور ہر شخص اپنے حسب مقدور نیاز و نذر چڑھاتا تھا

(ایران نامہ۔ رالنس وغیرہ)

مگر وہ ایرانیوں سے دور بھاگتا تھا اور اپنی کم گوئی اور تنہائی پسندی کی وجہ سے لوگوں میں ایسا مشہور ہو گیا تھا کہ دربار میں ہر خوش طبع و زندہ دل شخص کو بردیہ سے مثال دیتے تھے۔ اور ایک روکھے پھیکے ناآشنا آدمی کو ننچاری کے نام سے پکارتے تھے اُسے تمام دن ملکہ کے محل میں ورق گردانی کرتے گذر جاتا تھا اور بوقت شب بادشاہ کی اجازت سے بلند میناروں پر اجرام فلکی کا مشاہدہ کرنے جاتا تھا۔ ایک دن کلدانی پروہتوں نے جو علم نجوم کے بڑے ماہر تھے اُسے بل کے عالی شان مندر سے افلاک کا نظارہ کرنے کے لئے کہا مگر اُس نے نہایت غرور کے ساتھ انکار کر دیا۔ علیٰ ہذا اروسپتیس موبد اعظم نے بھی جب اُسے بابل کی وہ دھوپ گھڑی دکھانا چاہی جو دنیا میں مشہور تھی اور یونانیوں نے بھی اُسی سے نقل کی تھی تو نہایت حقارت و رکھائی سے اُسکی طرف پیٹھ موڑ کر یہ کہتا ہوا چلدیا "تمھیں کو وہ گھڑی مبارک ہو۔ بھلا مجھے کیا دکھاؤ گے۔ ہم لوگ اس علم کے اُس زمانہ سے ماہر ہیں جب تمھیں گھنٹے گھڑی کا نام بھی نہ معلوم تھا۔"

نتیتس جب کبھی اُسے دیکھتی تو نہایت مہربانی و اخلاص کے ساتھ پیش آتی مگر وہ اُس سے بھی کچا کھچا رہتا۔ اور دور بھاگتا۔ لڑکی کو بڑی حیرت تھی آخر ایک دن اُس سے نہ رہا گیا اور پوچھنے لگی "ننچاری! کیا تم مجھ سے خفا ہو۔ یا کوئی مجھ میں بُری بات دیکھی ہے کہ ایسی بے اعتنائی کرتے ہو؟"

حکیم "تم میرے نزدیک بالکل غیر و اجنبی ہو۔ میں ایسے شخص کو نہ اپنا ہموطن کہنا چاہتا ہوں نہ کوئی اُس سے واسطہ رکھتا ہوں جو اتنی جلد اپنے عزیز و اقارب کو بھول جائے اور اپنے مذہب و ملت کو بالائے طاق رکھ کر دوسروں میں مل جائے۔"

بوگس کو جب خبر ہوئی کہ حکیم شاہزادی سے ناراض ہے تو اُسے ملانے کی کوششیں کرنے لگا اور تحفہ تحائف پیش کر کے اُسے اپنا حلیف بنانا چاہا مگر ننچاری نے نہایت رُکھائی سے انکار کر دیا اور خواجہ سرا کو دھتکار کر اُسے شرمندہ کیا۔ بوگس رات دن تازہ

تازہ خبروں کی فکر میں رہتا تھا۔ جب کوئی ہرکارہ دربار میں آتا تو سب سے پہلے وہ اُس سے جنگ ہتپوری کے حالات پوچھتا۔ آخر کار ایک دن قاصد نے خبر دی کہ باغی مطیع ہوگئے اور شہزادہ عنقریب مع تمام سپاہ کے واپس آنے والا ہے۔ اس کے تین ہفتے بعد تمام شہر میں بردیہ کی آمد آمد کی دھوم مچگئی۔ نہایت جوش وخروش کے ساتھ اسکا استقبال کیا گیا۔ دوست واحباب نے مبارک باد دی۔ شہر میں پہنچتے ہی وہ سب سے پہلے اپنی ماں کی قدمبوسی کے لئے محل کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں کمبوجیہ نے بھائی کو بڑی محبت سے گلے لگایا اور اُسکی سلامتی و فتح پر اظہار خوشنودی کر کے ماں کے پاس اس موقع سے لے گیا جب اُسے معلوم تھا کہ نتیتیس بھی وہاں موجود ہوگی۔ وہ اپنی منگیتر کو اب بھائی کے سامنے کر دینے میں کچھ حرج نہ سمجھتا تھا بلکہ اپنے گذشتہ رشک وحسد کو بالکل بیجا خیال کر کے اُسے خاص طور سے یہ دکھانا چاہتا تھا کہ وہ اس پر کس قدر بھروسہ واعتبار رکھتا ہے۔ کمبوجیہ کی حالت ان چند مہینوں میں بالکل بدل گئی تھی اسکے مزاج میں ایک عجب انقلاب پیدا ہوگیا تھا۔ اور بجائے تشدد و بیرحمی کے۔ اب اسکے داد و دہش و رحمدلی کے چرچے ہونے لگے تھے۔ سزا و قتل کا بازار سرد پڑ گیا۔ کوئی دِگدھوں کے مارے شہر سے دور بھاگ گئے اور جہاں بابل کی دیواروں پر پہلے سینکڑوں مجرموں کی لاشیں لٹکتی نظر آتی تھیں اب وہاں ایک بھی نہ تھی۔

دربار شاہی کا بھی رنگ بالکل بدل گیا۔ اولاً خواجہ سراؤں کا رسوخ تھا اب امرائے خاندان ہخامنش کا اقتدار بڑھ گیا اور بادشاہ انہیں کی صلاح ومشورہ پر عمل کرنے لگا۔ ان امرا میں زیادہ تر اُس کے قریبی عزیز ورشتہ دار تھے جن میں سب سے زیادہ ممتاز اس کا چچازاد بھائی گشتاسپ پدر دارا۔ والی فارس تھا جو عموماً شہر پارسا گرد میں رہتا تھا۔ فرناسپیس[۱] اس کا نانا تھا۔

[۱] پدر کاسندانہ و پدر زن کورش اعظم بود از (فرنا۔ اسپا)۔ (ایران نامہ)

آتانس⁵¹ اس کا چچا و سسر تھا۔ انتافرس اسپہ تینیس۔ گاوبروا⁵²۔ ویدارنا⁵³۔ جنرل بگاباز۔ سفیر فرش اسپا⁵⁴ ودیگر امرائے ہاخہ منش سے تھے۔ نیز لیدیہ کا معزول بادشاہ کریسس اور بوڑھا و بہادر آریاسپ⁵⁵ بھی مشیر سلطنت کی حیثیت رکھتے تھے اور آجکل سب⁵⁶ دربار میں موجود تھے۔ انکے علاوہ چونکہ جشن سالگرہ کا زمانہ تھا۔ اس لئے کل ممالک

⁵¹ آتانس۔ اُتنو یا خوش تن۔ زمانہ دارا میں ساحل ایشیائے حقیر کا حاکم ہوا۔ اور قسطنطنیہ (اس زمانے کا بی زانتیم) کو اسی نے تسخیر کیا۔ (ایران نامہ)

⁵² گبریاس۔ گاوبروا (دارندہ گاؤ) مشہور سردار تھا۔ دارا کے ہمراہ گوماتا کے قتل میں شامل تھا۔ دارا کی بہن نے اس سے شادی کی۔ اور اس کے لڑکے مردانوس کو دارا نے اپنی لڑکی عقد میں دی۔ دارا کی منقش تصاویر میں یہ بھی سردار نیزہ لئے ہوئے اسکے پاس کھڑا ہے۔ (ایران نامہ)

⁵³ ہیدارنس یا ویدارنا۔ یہ بھی اُن سات مشہور سرداروں میں تھا جنہوں نے دارا کی امداد کی تھی۔ اسی کی نسل سے شاہان آرمینیا تھے جنہوں نے عہد داریوش سے سلوکید تک اپنی سلطنت جاری رکھی۔ (ایران نامہ)

⁵⁴ پرکزاسپس۔ فرش اسپا یا پرکزاسپ۔ کورش اعظم و کمبوجیا کے مشہور سرداروں میں سے تھا جس سے وہ ظالمانہ حرکت سرزد ہوئی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

⁵⁵ اراسپس۔ آریاسپا یا آریاسپ۔ یعنی دارندہ اسپ نیک۔ (ایران نامہ)

⁵⁶ درباریوں میں خاندان شاہی کے بعد امراء و وزرا کا مرتبہ تھا۔ عہد کیانیان میں سردار زابلستان کا بہت زیادہ رسوخ تھا۔ انہوں نے کئی پشتوں سے بیش بہا ملکی خدمات کی تھیں۔ ایران کو غنیم کے حملوں سے بچایا تھا۔ اس لئے شہنشاہ انکی بہت قدر کرتے تھے۔ انہیں میں زال و رستم کا شمار تھا جن کے کارنامے اگر صحیح سمجھے جائیں تو درحقیقت انہیں بادشاہ گر کہنا چاہیے۔ ہخامنش کے زمانہ میں بھی چھہ خاندان سب سے زیادہ سربرآوردہ سمجھے جاتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ انکے چھہ اجداد نے جن کا ذکر اس ناول میں آگے چل کر آئیگا۔ دارائے اعظم کو گوماتا کی بغاوت فرو کرنے میں امداد دی تھی۔ انکی اولاد کو خاص حقوق حاصل تھے یعنی ہر وقت بادشاہ کی خدمت میں بلا اطلاع حاضر ہوسکتے تھے۔ لبعدہٗ بروہت۔ جاگیردار۔ نجومی

محروسہ کے عمائدین و سردار۔ صوبوں کے والی یا سترپ۔ مختلف اقوام کے پروہت۔ ایلچی و سفیر وغیرہ سب شہر بابل میں آکر جمع ہوئے تھے اور اپنی نذریں پیش کرکے شہنشاہ کو مبارکباد دینے کے منتظر تھے۔ انکی موجودگی اس رسم قربانی کے وقت بھی ضروری تھی۔ جب کثیر التعداد جانور۔ گھوڑے۔ گدھے۔ گائے بیل و ہرن وغیرہ ذبح کئے جائیں گے اور بادشاہ و سلطنت کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگی جائیں گی۔

شہنشاہ کی سالگرہ کے دن تمام شہروں و قرب و جوار کے گاؤں میں مفت کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ رعایا کو انعام و خلعت بخشا جاتا تھا اور ہر شخص کو اجازت تھی کہ دربار میں آکر کسی ایک شے کی التجا در خواست کرے جو کبھی رد نہ کی جاتی تھی۔ خاصکر اس سال کے جشن میں تو اور بھی زیادہ مراعات مدنظر تھیں کیونکہ اس کے ساتھ ایک دوسری خوشی بھی شامل تھی اور شہنشاہ نے اسکے دس دن بعد اپنی شادی کی تاریخ مقرر فرمائی تھی۔ اس خبر کے سنتے ہی ہر طرف سے لوگ جوق جوق بابل آئے تھے دریائے فرات کے دونوں کناروں پر محلات مہمانوں سے بھر گئے تھے اور شہر کی بھی یہ حالت تھی کہ کسی جگہ تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ علاوہ بریں تمام شاہراہیں و بازار نہایت خوبی کے ساتھ آراستہ پیراستہ کئے گئے تھے۔ اور انکے دورویہ مکانات پر اس کثرت سے جھنڈیاں اور بیش بہا کپڑے لٹکے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) و سرداران فوج کا مرتبہ تھا۔ دبیر یا کاتب شاہی بھی نہایت معزز سمجھا جاتا تھا۔ وہ تمام خطوط و مراسلات کو پڑھکر بادشاہ کو سناتا تھا۔ فرامین مرتب کرکے ان پر مہر لگاکر روانہ کرتا تھا۔ نیز مشہور واقعات کو بھی کتاب کی صورت میں قلم بند کرنا اسی کا کام تھا۔ شعرائے سلطنت کا بھی بڑا مرتبہ تھا۔ عمر رسیدہ عقلمند۔ ذی ہوش۔ حاضر جواب و فصیح البیان شخص کو یہ خدمت سپرد کی جاتی تھی۔ حاجب و سالار بار جس کا فرض لوگوں کو سامنے پیش کرنا تھا۔ امرائے سلطنت سے ہوتا تھا۔ اسی طرح کاسہ بردار چتر وغیرہ بردار۔ اور رتھ چلانے والے بھی نہایت معزز امیروں سے منتخب کئے جاتے تھے۔

(رالنسن وغیرہ)

کہ کبھی اس سے پیشتر نظر نہ آئے تھے۔ شہنشاہ اپنی رعایا کے اس جوش و خروش کو دیکھ کر
پھولوں نہ سماتا تھا اسے دنیوی جاہ و جلال کی کچھ کمی نہ تھی۔ صرف ایک بات کی کسر تھی یعنی
کوئی اس سے سچی محبت رکھنے والا موجود ہو۔ جو اس شان و شوکت کے تماشے دیکھ کر خوش
ہو۔ سو ہرمزد کے فضل سے یہ بھی حاصل ہوگئی اور ایک حوروش و پری جمال لڑکی اُسے ایک
بڑے ہیرو کی طرح پرستش کرنے لگی۔ اس خیال کے آتے ہی اسکی مسرت و خوشی کی انتہا
نہ رہی۔ بخشش و فیاضی سے خزانوں کے مُنہ کھول دیتا اور ہر طرف زر و جواہر انعام واکرام
کی بوچھار ہونے لگتی۔ مہم تپوری کی واپسی پر سب سے پہلے جنرل بگاباز نے حاضر ہوکر
شہزادہ بردیہ اور اُسکے ساتھیوں کی شجاعت و بہادری کی بادشاہ سے بہت تعریف کی
کمبوجیہ نے ان نوجوان بہادروں کو گلے لگاکر بیش بہا طلائی زنجیریں عطا کیں اور بردیہ
سے بہت خوش ہوکر کہا "جان برادر مجھے یاد ہے کہ تم اپنی کسی خواہش کو جنگ کے بعد
مجھ سے کہنا چاہتے تھے۔ اب بیان کرو۔ میں اپنا وعدہ پورا کرنیکے لئے تیار ہوں"
بردیہ نے بھائی کے لحاظ سے آنکھیں نیچی کرلیں اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اپنا مطلب
کس طرح ادا کرے اس پر کمبوجیہ بہت ہنسا اور اپنے مصاحبوں کی طرف دیکھ کر کہنے لگا
"دوستو۔ دیکھتے ہو۔ ہمارا نوجوان سورما ایک شرمیلی لڑکی کی طرح آنکھیں نیچی کیے
خاموش کھڑا ہے۔ اچھا میں اس وقت زیادہ اصرار نہیں کرتا۔ کچھ دن بعد میری سالگرہ کا
جشن ہوگا اس وقت شراب کے چند جام پی کر یقین ہے کہ اسکی زبان کھل جائے گی اور
مجھ سے اپنے دلی مدعا کا اظہار کردیگا۔ دیکھ بردیہ کوئی بڑی بات مانگنا۔ میں جیسا خود شادان
و فرحاں ہوں اسی طرح اپنے عزیزوں و دوستوں کو بھی خوش و خرم و بامراد دیکھنا چاہتا ہوں"
بردیہ سر جھکا کر آداب بجالایا اور اندرون محل یہ قصد کرکے چلا کہ اب زیادہ تاخیر مناسب
نہیں اور فوراً والدہ کے پاس جاکر اپنا راز دل بیان کردینا چاہیئے۔ اس کے دل میں
طرح طرح کے خطرے و وسوسے آنے لگے کہ کہیں ملکہ مخالفت نہ کرے مگر کرسیس

پہلے سے موجود تھا اور معزز خاتون کے سامنے بڑی خوش بیانی سے سافو کی صورت و سیرت کی ایسی تعریف اور اس کی لیاقت و ہنرمندی کو ایسا بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا کہ مادر شاہ تھوڑے عرصہ کی رد و قدح کے بعد نیم راضی ہو گئی۔

ملکہ "یونانی لڑکی اور ہمارے ایرانی شہزادے کی شرعی بیوی!! یہ بات تو کبھی سننے میں نہیں آئی۔ کمبوجیہ کو جب معلوم ہو گا تو کیا کہے گا؟ اور کس طرح اُسے راضی کر سکیں گے"؟

اتنے میں بردیہ بھی آ پہنچا اور ماں کی یہ گفتگو سُنکر بولا "اماں جان! آپ اسکی کچھ فکر نہ کیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ بھائی صاحب بھی جب میری سافو کا حال سُنیں گے تو انکار نہ کریں گے"۔

ملکہ "میں کریسس کی زبانی تمہاری منظورِ نظر کی بہت تعریفیں سُن چکی ہوں اور خوش ہوں کہ آخر تمہیں اپنی شادی کا خیال تو ہوا۔ مگر میری رائے میں غیر کفو میں شادی کرنا فرزند کورش کے لایق و سزاوار نہیں۔ تم نے کبھی یہ بھی غور کیا ہے کہ اگر کمبوجیہ لاولد رہا تو سرداران ہخامنش ایک یونانی عورت کی اولاد کو ہرگز وارث تاج و تخت تسلیم نہ کریں گے"۔

بردیہ "مجھے حکمرانی کی خواہش و تمنا نہیں۔ علاوہ بریں بہت سے ایرانی تاجدار ایسی عورتوں کے بطن سے ہوئے ہیں جو میری سافو سے بھی رتبہ میں کم تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب آپ اور دیگر اعزا میرے دُر یکتا کو دیکھیں گے تو ہرگز مجھے نشانہ ملامت نہ بنائینگی"۔

ملکہ "میری دل سے دعا ہے کہ تمہاری سافو بھی نتیتیس کی طرح نیک دل و خوش سیرت ہو۔ دیکھو مجھ مصیبت زدہ اندھی کی کیسی خبر گیری و اطاعت کرتی ہے۔ اس کا قدم ہمارے گھر میں ایسا مبارک ہوا کہ تمہارے بھائی کی سخت مزاجی بالکل بدلگئی اور اس کی سنجیدگی و متانت نے تمہاری بہن اتوسا کی بھی طبیعت کو بدل دیا۔ وہ پہلے شوخ و لاپروا تھی اب پڑھنے لکھنے کی طرف دل لگانے لگی۔ ذرا لڑکیوں کو آواز دینا وہ

شاید باغ میں کھیل رہی ہیں۔ میں ابھی بلا کر اُن سے کہتی ہوں کہ ان کی ایک نئی سہیلی آنے والی ہے۔"

بردیہ "اماں جان۔ گستاخی معاف۔ جب تک بادشاہ کی اجازت نہ مل جائے میری رائے میں لڑکیوں سے اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔"

ملکہ "ہاں بیٹا سچ کہتے ہو۔ ابھی لڑکیوں سے چھپانا چاہئے۔ معلوم نہیں آئندہ کیا پیش آئے۔ پہلے تمہارے بھائی کا منشاء دریافت کر لینا چاہئے۔ ہرمزد تمہارے دل کی مرادیں بر لائے اور عمر دراز کرے۔"

اب شہنشاہ کی سالگرہ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اور وہ دن جس کے لوگ اس قدر منتظر تھے آپہنچا۔ علی الصباح دریائے فرات کے کنارے رسم قربانی شروع کی گئی۔ مگر اس سے پہلے چاندی کا ایک بہت بڑا اگن ہوتر ایک مصنوعی ٹیلہ پر قایم کیا گیا۔ اور بکثرت سفید پوش مجوس[1] جنکے منہ پر ایک کپڑا لپٹا ہوا تھا تاکہ سانس کی نجاست باہر نہ جائے

---

[1] قدیم زمانہ میں پروہت کو اتھرون (رئیس روحانی) کہتے تھے۔ انکا بہت بڑا مرتبہ تھا اور بخلاف ہند دوسری ذات کے لوگ بھی اس میں داخل ہو سکتے تھے مگر عموماً اہل میدیا اکثر اتھرون ہوتے تھے۔ انکے لئے شادی بیاہ منع نہ تھا۔ انکا لباس مذہبی موقعوں پر ایک پیروں تک نیچی لانبی عبا تھی۔ سر پر بندے یا کسی دوسرے کپڑے کی اونچی نوکدار ٹوپی جس میں کنٹوپ کی طرح دو کان ہوتے تھے کہ منہ تک ڈھک جاتا تھا۔ انکے فرائض حسب ذیل تھے۔

(۱) ذبح قربانی۔ سوائے موبد کے اور کوئی جانور ذبح نہ کر سکتا تھا۔ (۲) رسم تطہیر کو انجام دینا۔ یہ وندیداد میں نہایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ (۳) طبابت۔ بذریعہ دعا۔ دوا۔ طلسم۔ تعویذ و افسون و جراحی۔ (۴) قضاوت۔ (۵) اختر شناسی و منجمی۔ (۶) تعبیر خواب۔ (۷) قتل حیوانات موذی۔ مثلاً مگس پشہ۔ وغیرہ کو مارنا۔ اسکے لئے ایک خاص چمڑے کا اوزار موسوم بہ خرفس انکے پاس رہتا تھا۔ مجرموں و گنہگاروں کی سزادہی کے لئے بھی انکے پاس کوڑے رہتے تھے۔ (۷) انکا سب سے بڑا مقدس فرض مقدس

اس کے گرد جمع ہوئے مقدس آگ روشن کی گئی - صندل کی پتلی پتلی لکڑیاں اس میں ڈالی گئیں اور چھڑیوں کے بنڈل سے کرید کرید کر کے اسکے شعلوں کو دہکایا گیا حتی کہ وہ آسمان سے باتیں کرنے لگے اور خوشبودار دہواں فضائے عالم میں پھیل گیا - پھر قربانی کے جانور قریب ہی ایک چراگاہ میں ذبح ہوئے - انکے خون و گوشت وغیرہ کو گھانس پھونس و پتوں میں نہایت احتیاط سے جمع کیا گیا تاکہ کوئی مردہ مادہ زمین سے جسے ہرمزد پاک نے بنایا ہے لگنے نہ پائے - بعدہٗ موبد اعظم یعنی ارو پیتس نے آتشگاہ کے قریب آکر اس میں تازہ گھی دنمھن ڈالا جس سے بھڑک کر شعلے اور اونچے اٹھے اور لوگ یہ خیال کر کے کہ یہ نور آتشیں مخزن انوار عالم یعنی ہرمزد کی طرف رجوع ہو رہا ہے - بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ سجدے میں گر پڑے - پھر موبد اعظم نے مقدس پودے یعنی ہوما[۵] کی پتیاں و ڈنٹھل ایک

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) آگ کی خدمت و حفاظت تھی - بوقت پرستش وہ اپنے منہ کے سامنے ایک چھوٹا سا رومال ڈال لیتے تھے - اسے پتی داں کہتے تھے - ایک خاص درخت کی لکڑیوں کی چھڑی بھی جس کا نام برسما ہے انکے پاس ہوتی تھی - اس سے وہ غیب کی باتیں بتاتے تھے - ظروف میں پتھر و لوہے کی کھرل سونے چاندی کے پیالے - تھالیاں اور ایک چاقو جس سے زمین پر لکیریں کھینچتے تھے - لوازمات پرستش و طہارت تھے آخرالذکر کے لئے ایک نو پور کا ڈنڈا بھی رکھتے تھے - اسکے سرے پر ایک چمچہ لگا رہتا تھا - تاکہ نجس شخص کے جسم پر طہارت کا پانی دور سے چھڑکا جا سکے -

عہد ہخامنش میں اس فرقہ کی زیادہ عزت نہ تھی اور نہ اُسے ملکی اقتدار حاصل تھا - شاید یہی وجہ ہو کہ پروہتوں نے ناراض و برہم ہو کر اس خاندان کے بہت کم حالات لکھے ہیں - بخلاف اسکے عہد ساسانیان میں انہیں بہت عروج ہوا اس لئے انکے حالات بھی ایرانی صحائف میں زیادہ تفصیل کے ساتھ نظر آتے ہیں - (رالنس - ایران نامہ)

[۵] ہوما - یہ ہندوؤں کے وید کا سوما ہے - (وید میں لکھا ہے کہ سیمرغ اسے آسمان سے لاتا ہے) یہ ایک پودہ ہے جو پہاڑوں پر اگتا ہے - پروہت جن کا گراس کا عرق کھینچتے ہیں - کچھ آگ پر چڑھاتے ہیں - کچھ

کھرل میں کوٹ کر ان سے عرق نکالا اور اُسے آگ پر چھڑک کے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر سب سے پہلے شہنشاہ اور اپنے ملک و قوم کے لیے دعائے خیر کی اور اشلوک پڑھکر زرخیز زمین۔ مصفا پانی۔ چمکدار دھات۔ سرسبز نباتات وغیرہ یعنی تمام مفید اشیار کی پاک ارواح کی حمد و ثنا کی اور تاریکی۔ دروغ۔ بیماری۔ موت۔ سردی۔ خشک سالی بنجر زمین۔ گندگی نجاست و کیڑوں مکوڑوں کی حذمت کی اور اُنکے صانع یعنی بدذات انگر مینو یا اہرمن پر لعنت بھیجی۔ اب تمام مجمع نے ایک ساتھ ہو کر نیکیوں کی شان میں بھجن گایا۔ پھر بادشاہ نے ہاتھ اٹھاکر دعا مانگی اور رسم قربانی ختم ہوگئی۔

اب کمبوجیہ اپنے زریں رتھ پر سوار[۱] ہوکر جو جواہرات سے جگمگا رہی تھی اور اُس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دودھ میں ملاکر خود پیتے ہیں۔ یا حاضرین کو تقسیم کرتے ہیں۔ اس کا پینا دافع امراض۔ باعث برکت و درازی عمر سمجھا جاتا ہے۔ (رالنس۔ ایران نامہ)

[۱] عوام الناس کو سوائے چند موقعوں (نوروز۔ سالگرہ۔ روانگی بہ جنگ گاہ) کے بہت کم اپنے شہنشاہ کے درشن نصیب ہوتے تھے۔ شاہی سواری کے لئے بڑی بڑی تیاریاں کی جاتی تھیں۔ شاہراہیں جھنڈیوں وغیرہ سے آراستہ ہوتی تھیں۔ لوگوں کی آمد و رفت بند ہو جاتی تھی۔ دورویہ سپاہیوں کی قطاریں کھڑی ہوتی تھیں۔ گھنٹیاں و بگل بجتے۔ ہر شخص منتظرانہ محل کی طرف نظر اُٹھاتا۔ اتنے میں اس کا عالی شان پھاٹک کھلتا۔ سواران خاصہ اپنی زرق برق وردیاں پہنے نمودار ہوتے۔ پھر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ شہنشاہ کی سواری نکلتی۔ رسم قربانی کے موقع پر ترتیب جلوس کس قدر مختلف تھا۔ یعنی سب سے پہلے ہزار سواروں کا ایک رسالہ نکلتا۔ بعدہ قربانی کے جانور یعنی گھوڑے۔ بیل جنکی گردنوں پر طلائی جوئے لگے ہوتے تھے۔ پھر خورشید و ناہید کی رتھیں جن میں نہایت خوبصورت گھوڑوں پر چوبکرڈیاں جتی ہوئی ہوتیں۔ اور رتھبان از روئے ادب پاپیادہ انکے ساتھ ہوتے۔ بعدہٗ ایک اور عالی شان رتھ نظر آتی جس میں مقدس آگ آگنی ہوتر میں رکھی ہوئی نظر آتی پھر قشون جاودانی کی صفیں اور آخر میں شاہنشاہ عالی جاہ ایک نہایت بیش بہا طلائی درشکہ یا رتھ پر سوار نظر آتا۔ اسکے پیچھے بکثرت چوبدار۔ نیزہ بردار۔ ایرانی و غیر ایرانی رسالے۔ اور پیدل سپاہیوں کے

چار خوبصورت نسائی گھوڑے جتے تھے محل کی طرف روانہ ہوا۔ اسکے جاتے ہی ہر طرف ہل چل مچگئی۔ امراو وزرا نے اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھ کر دربار عام کا رخ کیا۔ پروہت اپنے حصے بخرے میں مشغول ہو گئے۔ قربانی کا سب سے اچھا گوشت انہوں نے اپنے واسطے رکھ لیا۔ باقی ماندہ عوام کو تقسیم کر دیا۔

یہ اس لئے جائز سمجھا جاتا تھا کہ انکے اعتقاد کے مطابق نیک ارواح جنکے لئے قربانی کی جاتی ہے جانوروں کے گوشت کے زیادہ حاجتمند نہیں بلکہ انکی روحوں کو لیکر خوش ہوتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ قربانیاں اس کثرت سے ہوتی تھیں کہ غریب غربا کا گذارہ انہیں پر تھا۔ اس رسم کے بعد ہر شخص کے لئے دعا مانگنا فرض تھا۔ مگر صرف اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ شہنشاہ و قوم وملت کے لئے کیونکہ ہر افراد جزو قوم ہیں جسکی بھلائی سب پر مقدم ہے اور بادشاہ کو بھی اسی لئے خصوصیت حاصل تھی کہ وہ تمام قومی صفات کا مجموعہ خیال کیا جاتا تھا یہی وہ جذبات تھے۔ یہی وہ ایثار و خود فروشی تھی جس نے قدیم ایران کو تمام دنیا میں ایسا ممتاز و طاقتور بنا دیا تھا۔ مصری بھی اپنے فراعنہ کو دیوتاؤں کا اوتار سمجھتے تھے اور ایرانیوں سے کہیں زیادہ انکی عزت وحرمت کرتے تھے۔ لیکن آخر الذکر زیادہ آزاد و مطلق العنان تھے۔ ان پر پروہتوں کا بہت کم اثر تھا اور مصریوں کی مانند وہ تعصب و تنگ خیالی نہ تھی کہ غیر مذہب والوں کو ملک میں نہ دیکھ سکیں۔ چنانچہ بابل کی فتح کے بعد اسکے باشندوں کی پرستش میں بالکل مزاحمت نہ کی گئی۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کے یہودی و یونانی وغیرہ بھی پوری آزادی کے ساتھ اپنے مذہب و رسم ورواج کی پابندی کر سکتے تھے۔ یہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پرے کے پرے نکلنا شروع ہوتے۔ (ساسانیوں کے زمانہ میں ہاتھی بھی جلوس کے ساتھ نکلتے تھے) بعض کا بیان ہے کہ سب سے آگے مقدس آگ کے رتھ ہوتے تھے۔ اسکے پیچھے ۳۶۵ لڑکے (بحساب روزہائے سال) پیادہ چلتے۔ پھر دوسری رتھیں آتیں اور شہزادگان۔ اعیان دربار۔ قشون جاودانی اور اور سب سے آخر بادشاہ ہوتا۔ (رالنس۔ ایران نامہ)

سبب تھا کہ آج شہنشاہ کی سالگرہ کے دن صرف مجوس ہی مصروف عبادت نہ تھے بلکہ دیگر اقوام و مذہب والے بھی اپنے دیوتاؤں کے سامنے بھینٹ چڑھا کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ اور شہر بابل ایک عظیم الشان قربانگاہ بن گیا تھا۔ جس کے بخورات دل بادل بلند مکانات و میناروں پر منڈلاتے ہوئے آسمان پر چڑھتے ہوئے روئے آفتاب کو نظروں سے چھپا رہے تھے۔ جب شہنشاہ اپنے محل پر پہنچگیا تو مختلف اقوام کے سفرا کا جلوس بھی اسی طرف روانہ ہوا۔ بابل کی سڑکیں جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ نہایت خوبی کے ساتھ سجائی گئی تھیں۔ راستوں پر مہندی۔ تاڑ۔ چنار۔ کوکنار۔ و گلاب وغیرہ کے پھول پتیاں وغیرہ بچھی تھیں۔ ہر طرف سے لوبان۔ عود۔ صندل کی مہک و خوشبوئیں آرہی تھیں اونچے مقامات پر خوشنما جھنڈیاں اُڑ رہی تھیں۔ اور انکی چھتوں و دیواروں سے بیش بہا قالین و پردے لٹک رہے تھے۔ ہر جگہ لوگوں کا اژدہام تھا۔ تماشائیوں کی کثرت تھی۔ اہل بابل کو ابھی تھوڑا ہی زمانہ انہیں مسخر ہوئے گذرا تھا۔ طوق و زنجیریں جو غلامی و اطاعت کی نشانیاں تھیں گلوں میں ڈالے ہوئے بکمال جوش و خروش اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اتنے میں سفرا کا جلوس نمودار ہوا۔ انکے نعروں سے تمام شہر گونج اُٹھا۔ انکے گروہ خوشی و مسرت سے اُچھلتے۔ کودتے۔ گاتے بجاتے نظر آئے۔ کہیں میدیہ والے اپنی ترئی۔ بگل یا ترم بجا رہے تھے اہل فرغیہ مُنہ سے بانسریاں پھونک رہے تھے۔ یہودیوں کے جھانجھ مجیرے و مرچنگ شور کر رہے تھے۔ اور کہیں لفلاگونیا والوں کی دف۔ ڈفلی۔ یونانیوں کی بین۔ شامیوں کے نقاروں۔ ہندوؤں کے ناقوس و قرنا۔ اہل باختر کے فوجی ترم اور بھونپوؤں کی آواز سے کان پھٹے جاتے تھے۔ ان لوگوں کا لباس مختلف رنگ برنگ کا تھا۔

انکے گھوڑوں کا ساز و یراق بھی نہایت خوشنما تھا۔ انکے سردار دکھیا پڑے

ساز و سامان کے ساتھ آئے تھے۔ ہر ایک اپنے ساتھ انواع[۱] و اقسام کے تحائف لایا تھا
کسی کے پاس نہایت اعلیٰ نسل کے گھوڑے تھے۔ کوئی ہاتھی و بندر۔ کوئی گینڈے۔
مینڈھے۔ گائے بیل۔ کوئی باختر کے دو کوہان والے اونٹ جنکے گلوں میں سونے
چاندی کی گھنٹیاں بج رہی تھیں لایا تھا کسی کے پاس گاڑیاں تھیں یا قیمتی لکڑیاں۔ ہاتھی دانت
بیش بہا پارچے۔ طلائی و نقرئی برتن سونیکے برادہ سے لبریز پیپے۔ سونے کی سلاخیں یا نادر
و کمیاب پودے تھے۔ علاوہ بریں شاہی چڑیا خانے یا شکارگاہ کے لئے ہرن چیتے
گورخر۔ نیل گائے۔ لنگور۔ کبوتر۔ اور دیگر خوشنما پروں والی یا بولنے والی چڑیاں بھی موجود
تھیں۔ یہ تمام تحائف از قسم خراج تھے۔ جو محکوم و باجگذار قوم کی طرف سے شہنشاہ
کے سامنے خاص موقعوں پر پیش کئے جاتے تھے۔ انکے ملاحظہ کے بعد پرکھنے و
جانچنے والے انکی قدر و قیمت کا اندازہ کرتے تھے۔ منشی و کاتب انہیں درج فہرست

[۱] پرسی پولس کے کھنڈرات کے سنگین مرقعوں میں اب بھی یہ سین موجود ہیں۔ اور مختلف باجگذار اقوام کے نمایندے شہنشاہ کے لئے تحائف لئے ہوئے دربار شاہی میں آتے نظر آتے ہیں۔ کسی کے سر پر بدوی (عرب) سربیچ کی طرح ایک رومال بندھا ہے جسم پر مختصر کوٹ ہیں۔ پیر گھٹنوں کے نیچے برہنہ ہیں۔ کسی کے سر پر لمبی نوکدار ٹوپیاں ہیں۔ پیروں میں چپل نما جوتے تسموں سے بندھے ہیں۔ جسم پر بھیڑ کی پوستین کے کوٹ ہیں۔ آخر الذکر سیتھی ساکی یعنی تاتار قوم کے سفیر ہیں۔ تحائف بھی مختلف و گوناگوں ہیں۔ کوئی ہندوستان کا بیل۔ باختر کا اونٹ۔ مینڈھا۔ گورخر۔ یا شیر لایا ہے جو شاہی چڑیا گھر کو زینت بخشیں گے۔ کسی کی پاس کوتل گھوڑے دار رتھیں ہیں۔ کوئی سمور۔ قالین۔ زربفتی زین پوش۔ نیزے۔ تیغ و تبر لایا ہے۔ کسی کے ہاتھ میں عطر کی شیشیاں تولیں جڑاؤ زیور وغیرہ ہیں بعض کے کاندھوں پر شیر کی کھالیں پڑی ہیں۔ بعض ترازو ہاتھوں میں لئے ہیں۔ جس سے شاید سونا چاندی تول کر نذر دینا مقصود ہے۔ ان لوگوں کو سالار بادشاہ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ کاتب انکے تحائف کی مقدار و میزان مندرج کرتے ہیں۔ اور اگر وہ بادشاہ کی پسند خاطر ہوئے تو خلعتیں و انعامات دیکر لانیوالوں کو رخصت کیا جاتا ہے (آرٹ آف پرشیا)

یا اگر قابلِ اطمینان نہ سمجھتے تو فوراً واپس کر دیتے ہیں اور پھر انکے لانے والوں کو دو گنہ نذرانہ پیش کرنا پڑتا ہے۔ اب سفرا کا جلوس بے روک ٹوک دربار عام کے قریب پہنچگیا اور یہاں بکثرت کوڑے بردار لوگوں کے ہجوم کو روکنے کیلئے مصروف انتظام تھے مختلف فوجیں نہایت قرینے سے پرا جمائے کھڑی تھیں اور شاہی جلوس کے پانچسو کوتل گھوڑے بیش بہا ساز و یراق سے آراستہ موجود تھے۔ دربار عام ایک نہایت خوبصورت عالی شان ایوان تھا جس کی زیب و زینت پر نگاہ پڑتے ہی آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں۔ اُس کے پرلے سرے پر ایک خوشنما سونے کا تخت[1] بچھا تھا جس کے سامنے چھ سیڑھیاں تھیں اور ہر زینہ پر دو طلائی کتے بطور محافظین بیٹھے تھے۔ تخت کے اوپر ایک ارغوانی رنگ کا مرصع چھتر جس کی چھت پر فروشی[2] کی مقدس شبیہ بنی تھی چار سونے کے کھمبوں پر سایہ فگن تھا۔ اسکے پیچھے چتر[3] بردار اور دیگر

ف۱ یہ ایک اونچے چبوترہ پر رکھا ہوتا تھا اسکے نہایت خوبصورت و منقش اونچے اونچے پائے تھے اور بہت سے بت ان اقوام مختلفہ کے جو ایرانی رعایا تھے اسے اپنے سروں پر اٹھائے تھے۔ موجودہ تخت ایران بھی اسی وضع کا ہے۔ (پرشین آرٹ)

ف۲ ہخامنش کتبات میں بادشاہوں کی شبیہ کے ساتھ ہمیشہ آفتاب کی شکل اور ایک خاص تصویر بنی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ ایک شخص ہے جسکی لمبی ڈاڑھی ہے۔ سر پر تاج ہے۔ داہنا ہاتھ اونچا کئے ہیں۔ بائیں میں ایک حلقہ پکڑے ہے اور خود بھی ایک حلقہ کے اندر گھرا ہوا ہے۔ جسکے دو رویہ دو پر ہیں۔ جو حالت پرواز میں بخط مستقیم کشادہ ہیں۔ اس شخص کے پیر نظر نہیں آتے۔ وہ ایک قبا زیب تن کئے ہے جس کی آستینیں فراخ ہیں اور دامن کنارہ دار ہیں۔ اس شکل کو بعض لوگ فرشتہ خیال کرتے ہیں۔ بعض ہرمز کی شبیہ سمجھتے تھے مگر حقیقت میں یہ شبیہ بادشاہوں کی روح اجداد یعنی فروشی ہے اور حلقہ سے مقصود دور شکنہ آسمانی ہے جو روح نیک کو دنیا سے بہشت جاودانی کی طرف لیجا رہا ہے۔ (ایران نامہ)

ف۳ سلاطین ہخامنش کا چتر سادہ تھا۔ اس میں حاشیہ و آرائش زیادہ نہ تھی۔ بادشاہ عموماً اپنے ہاتھ میں

خاص عہدہ دار کھڑے تھے۔ نیچے ادہر اُدہر شہزدگان - امرائے سلطنت پروہتوں وخواجہ سراؤں وغیرہ کا ہجوم تھا۔

اس عالی شان ایوان[۱] یا ہال کی چھت و دیواریں سونے کے پتروں سے جگمگا رہی تھیں - اس کے فرش پر بیش بہا اودے یا ارغوانی رنگ کے قالین بچھے تھے اس کے در ودروازے خالص چاندی کے تھے جنکے قریب عجیب وغریب پردار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک عصا بھی رکھتا تھا جو پانچ فٹ لمبا تھا - اور موٹھ سونے وجواہرات سے مرصع تھی - جس جگہ کھڑا ہوتا یا ٹھیرتا عصا سامنے رکھ لیتا - اور پیچھے ایک خاص افسر چتر کھول کر سایہ کرتا دوسرا مورچھل لئے ہوتا - تیسرا اسلحہ بردار تھا - جسکے ایک ہاتھ میں تبر و بائیں مونڈھے پر کمان تھی اور تخت کے نیچے دو خادم اپنے ہاتھوں میں اگردان لئے بتوں کی طرح خاموش نظر آتے - (آرٹ آف پرشیا - ایران نامہ)

[۱] ہخامنشی آثار دیکھنے کے بعد اس زمانہ کی شاہی عمارات خصوصًا دربار ہال کا نقشہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے یہ ایک عالی شان عمارت ایک سو (۱۰۰) یا اس سے بھی زیادہ ستونوں کی تھی - تین طرف سے یہ عمومًا بالکل کھلی ہوئی کشادہ اور ہوادار تھی - اس کی چھت لکڑی کی نہایت مرصع وخوشنما - اس کا فرش پتھر کا ہے اور سامانِ آرائش ایسا بیش بہا ہے کہ دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں - ہر دو دیوار سونے وچاندی کے پتروں سے جگمگا رہے ہیں خوبصورت ونازک ستونوں پر بھی سونے چاندی کے پتر جڑے ہیں - فرش پر بیش بہا و رنگین قالین بچھے ہیں - باہر کی چھت و ستونوں سے زرنگار پردے ریشمی ڈوریوں سے کسے ہوئے سائبان کی طرح بندھے ہیں - اور اندر کے ستونوں کے درمیان بھی جگہ جگہ چھت سے یہی زربفتی پردے لٹکے ہوئے نظر آتے ہیں - ان ستونوں کی قطاروں میں تخت سے کچھ دور نصف قد اونچے چاندی کے جنگلے ہیں جن سے یہ ایوان مختلف درجوں میں منقسم ہوگیا ہے - اور وہاں خوشنما زریں کرسیاں امرا و وزرا کی نشست کیلئے حسب مراتب بچھی ہوئی ہیں - ایوان کے باہر بھی نہایت خوشنما چمن بندی ہے - طرح طرح کے رنگین اور خوشبودار پھول ولپودے اُگے ہوئے ہیں - اور انکی قدرتی خوشنمائی - دربار کی آرائش اور درباریوں وسپاہیوں کی زرق برق پوشاکوں کے ساتھ مل جلکر عجیب بہار دیرہی ہے اور ایک ایسا ہوشربا دلچسپ منظر پیش کرتی ہے جسکی مثال بہت کم دنیا میں مل سکے گی - (آرٹ آف پرشیا)

جانوروں کے بُت جن کا سر انسان کا اور جسم بیلوں کی طرح تھا پاسبانی کر رہے تھے۔

ایوان کے باہر ایک بہت بڑا صحن تھا جہاں سپاہیان خاصہ جن کے نیزوں پر سونے و چاندی کے سیب نما لٹو لگے تھے پراجمائے[۱] کھڑے تھے۔ انکے سروں پر اونچی ٹوپیاں تھیں۔ جسم پر ارغوانی رنگ کے کوٹ تھے جن پر طلائی زرہ و چار آئینے نہایت خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ انکی پیٹیوں میں چھوٹی چھوٹی تلواریں کھنسی تھیں جنکے میان سونے کے تھے اور دستوں پر جواہرات جڑے تھے۔ انکے بعد وہ پلٹنیں جو قشون جاودانی[۲] کے نام سے مشہور تھیں صف آرا تھیں۔ انکے صوبہ بلحاظ اپنے قد و قامت۔ قوی جثہ۔

---

[۱] دارائے اعظم کے باڈی گارڈ میں دو ہزار سوار اور دو ہزار پیادے تھے۔ سوس اور پرسی پولس کے مرقعہائے آجر کاشی کے مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا لباس نہایت شاندار و پرتکلف تھا۔ جسم پر ایک رنگین ریشمی قبا جس پر نہایت خوشنما پھول بوٹے بنے ہیں۔ اور کناروں پر بھی زر دوزی کا کام ہے۔ ٹخنوں تک پہنچتی ہے۔ اسکی آستینیں خوب ڈھیلی ڈھالی و کشادہ ہیں۔ اور اسکے اوپر ایک مرصع کار واسکٹ زیب تن ہے۔ پیروں میں ملایم زرد چمڑے کے بوٹ سامنے تسموں سے بند ہے ہیں۔ انکے چہرے دجیہ و بارعب ہیں۔ ڈاڑھی و سر کے بال خوب آراستہ و گھونگروالے ہیں۔ اور عموماً عربوں کے کفیہ کی طرح ایک رسی سر پر بندھی ہے مگر بعض قالب نما یا چو کور جھنٹوں دار ٹوپیاں پہنے ہیں۔ انکے ہاتھوں میں طلائی کنگن اور کانوں میں بیش بہا بندے ہیں بائیں کاندھے پر ایک کمان پڑی ہے اور ایک مرصع کار ترکش بھی جس میں خوشنما پھندنے لگے ہیں۔ پشت پر لٹک رہا ہے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ایک لانبا نیزہ یوں پکڑے ہوئے ہیں جس طرح آجکل سلامی کرتے وقت بندوق سامنے کر لیتے ہیں۔ یہ نیزہ لکڑی کا ہے مگر اسکا پھل کسی چمکدار دھات کا ہے اور اُس کی موٹھ بشکل سیب طلائے خالص کی معلوم ہوتی ہے۔ (آرٹ آف پرشیا)

[۲] یہ ایران کے منتخب جانباز و جنگجو سپاہیوں کی فوج تھی جسے قشون جاودانی اس لئے کہتے تھے کہ بوقت جنگ اگر کوئی مارا جاتا تو دوسرا فوراً اس کی جگہ آجاتا اور تعداد میں کمی نہ ہوتی۔ یہ کل دس ہزار تھے جن کی دس پلٹنیں تھیں۔ انکی بھی وردی سپاہیان خاصہ کی طرح تھی مگر انکے نیزوں پر بجائے سیب کے

شجاعت و بہادری میں منتخب و یگانہ روزگار سمجھے جاتے تھے۔

بعض[۱۵] حکام درباری اپنے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے عصائے عاج لیتے تھے۔ ان کا کام اجنبیوں کے نام پکار کر شہنشاہ کے روبرو پیش کرنا تھا۔ اب یہ لوگ سفرا کو اپنے ساتھ لئے ہوئے نہایت ادب سے تخت شاہی کی طرف بڑھے۔ جبکی سیڑھیوں کے قریب پہنچتے ہی سب زمیں بوسی کے لئے جھک گئے اور اپنے ہاتھونکو آستینوں میں چھپا کر ارشاد سلطانی کے منتظر کھڑے رہے۔ بادشاہ کو جواب دینے سے پہلے انکا فرض تھا کہ اپنے مُنہ کے سامنے ایک کپڑا حائل کرلیں تاکہ انکی سانس جسم ہمایونی پر نہ لگنے پائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انار کی شکل تھی۔ عہد ساسانیان میں بھی یہ فوج موجود تھی۔ مگر شاید اسکی وردی مختلف تھی۔ (آرٹ آف پرشیا)

۱۵ امرائے ہخامنش کا لباس = انہوں نے بھی امرائے میدکے فیشن کی اتباع کی تھی دربار وغیرہ کے موقع پر ایک ریشمی جامہ یا قبا جس پر جانوروں کی شکلیں اور رنگ برنگ نقش و نگار بنے تھے زیب تن کرتی یہ جامہ ٹخنوں تک نیچا ہوتا تھا۔ اسکے کمر کے نیچے رفل اور چنٹیں پڑی تھیں۔ اسکی آستینیں کہنیوں کے نیچے خوب کشادہ و چنٹوں دار تھیں۔ پیروں میں موزے و جوتے پہنتے۔ سر پر ایک چوکور ٹوپی ہوتی جسکی دیوار پر چنٹیں پڑی تھیں۔ کانوں میں بالیاں کلائیوں میں کنگن اور گلے میں ہار پہنتے تھے۔ علاوہ اس میدی لباس کے امرائے فارس اپنے ملک کا خاص لباس بھی اکثر پہنا کرتے تھے یہ ایک چست کوٹ تھا جو گھٹنوں تک نیچا ہوتا تھا۔ پائجامہ شلوار نما اور ڈھیلا ڈھالا تھا۔ ٹوپی کی شکل ایک قالب یا گنبد کی طرح تھی اور اسپر چنٹیں نہ تھیں۔ ہر دو قسم کے طرز لباس کے ساتھ کمر پر ایک زریں پٹکہ جس میں ایک خنجر کھسا ہوا رہتا۔ ضرور ہوتا تھا۔ یا کبھی یہ خنجر ایک چرمی فیتہ سے بندھا ہوا داہنی ران پر پڑا رہتا تھا اور دوسری ران پر ایک بڑا خول جسکے اندر کمان ہوتی تھی لٹکا رہتا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں کوئی خوشنما پھول لئے رہتے اور یہ اُس زمانہ کے آداب میں داخل تھا کہ راستہ میں کوئی دوست آشنا ملجاتا تو اُسے یہ پھول پیش کرتے (آرٹ آف پرشیا۔ رالنس)

کمبوجیہ کا برتاؤ سفرا کے ساتھ انکے تحائف و اظہار اطاعت و فرمانبرداری کے مطابق اچھا یا برا تھا۔ وہ کسی کے ساتھ نہایت سختی کے ساتھ پیش آتا۔ کسی سے نہایت لطف و کرم سے خطاب کرتا۔ مثلاً جب یہودیوں کی سفارت تخت کے سامنے سے گذری تو اس نے بکمال مہربانی انہیں ٹھہر جانے کا حکم دیا۔

اس سفارت کے پیشوا یا سردار۔ دو نہایت باوقار و سنجیدہ شخص تھے۔ ایک تو بابل کی متمول شرفا کا لباس پہنے تھا دوسرے کے زیب تن ایک ارغوانی رنگ کے بے جوڑ کپڑے کی عبا تھی۔ جس میں زیبائش کے لئے بکثرت گھنٹیاں و پھندنے لگے تھے۔ اسکی کمر میں ایک پٹکا تھا جس میں سرخ۔ سفید و نیلے تینوں رنگ ملے تھے۔

اس کے گلے میں ایک چھوٹا سا بٹوا جس میں بارہ جواہرات ٹکے ہوئے تھے لٹکا تھا۔ اور ان پر بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں کے نام کندہ تھے۔ اسکی بلند پیشانی پر ایک سفید سر بند جس کے لمبے سرے شانوں پر پڑے ہوئے تھے بندھا تھا۔ غرضکہ یہ شخص اپنی طرز لباس سے یہود کا کوئی مذہبی پیشوا معلوم ہوتا تھا۔ بادشاہ اولاً اسکے ساتھی کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

بادشاہ "بلشزر! میں تجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد یہ پہلی مرتبہ تو ہمارے دربار میں حاضر ہوا ہے"

بلشزر "(نہایت انکساری سے گردن جھکا کر) اے شہنشاہ والا جاہ! آفتاب اقبال ہمیشہ تاباں و درخشاں رہے۔ حضور کا یہ ارشاد غلام کی حد درجہ فخر و مباہات کا باعث ہوا یہ بندہ ناچیز اپنے کو اس نوازش خسروانہ کا کسی طرح مستحق نہیں سمجھتا اور آج ڈرتے ڈرتے اپنی قوم کی طرف سے ایک غرض لیکر بارگاہ عالی میں آیا ہے۔ یہ مرد بزرگ جو میرے ساتھ ہیں ان کا نام جوشوا ہے اور ہمارے مذہبی سردار ہیں۔ یہ بھی بڑی دور و دراز سے ہزاروں مصیبتیں برداشت کر کے خدمت اقدس میں اسی غرض سے حاضر ہوئے ہیں

اور حضور کے جود و سخا و رحم و کرم سے امید رکھتے ہیں کہ اپنی مراد و تمنائے دلی حاصل کرینگے؛
کمبوجیہ "میں تمہارا مطلب و مقصد سمجھ گیا (جوشوا کی طرف رُخ کرکے) کیوں بوڑھے
ربی یہ صحیح ہے کہ نہیں کہ تو اپنے وطن میں تعمیر مسجد کی اجازت طلب کرنے آیا ہے؛"
جوشوا۔ (نہایت عجز کے ساتھ گردن جھکا کر) "جہاں پناہ بڑے روشن ضمیر ہیں حضور
سے کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی۔ یروشلم میں غلامان سلطنت اپنے شہنشاہ کے دیدار
کے از حد مشتاق ہیں اور اس غلام کو اسی لئے بھیجا ہے کہ انکی اس تمنائے دلی کا
اظہار بندگان عالی کے روبرو کرسکے اور یہ بھی دست بستہ عرض کرے کہ ہمیں اُس معبد
کی تعمیر جاری رکھنے سے روکا نہ جائے جسکی اجازت حضور والا کے والد مکرم نے خدا
انہیں غریق رحمت کرے ہمیں اپنی حین حیات میں عطا فرمائی تھی؛"
بادشاہ۔ (مسکرا کر) "تم لوگ بڑے ہوشیار و چالاک ہو اور موقع محل دیکھ کر اپنا مطلب
نکالنے کا ڈھنگ خوب جانتے ہو۔ خیر میں تمہیں اپنی وفادار رعایا میں شمار کرتا ہوں اور
آج میری سالگرہ کا دن ہے اس لئے مایوس نہ کرونگا اور وعدہ کرتا ہوں کہ عنقریب
تمہارے ملک کی طرف مراجعت کرکے یروشلم کی زیارت کرنے آؤنگا؛"
ربی "اس سے بڑھکر ہم غلاموں کے لئے کوئی زیادہ خوشی و فخر کی بات نہیں ہوسکتی؛
حضور والا کی آمد کی برکت سے ہمارے زیتون و انگوروں کے باغ بارور ہو جائیں گے۔ یروشلم
کے دروازے چشم انتظار کی طرح کھلے رہیں گے اور بنی اسرائیل اپنے آقائے مکرم و عالیشان
فرمانروا کے خیر مقدم کے لئے آنکھیں بچھائیں گے۔ پھر انکی خوشی کی کچھ انتہا نہ ہوگی جب

۱ کورش اعظم کے ظہور اور فتوحات کی پیشینگوئی حضرت اشعیاء علیہ نے کی تھی۔ یہ بادشاہ بہت
بڑا فیاض و خداترس تھا۔ اس نے نہ صرف یہودیوں کو قید سے نجات دی بلکہ بیت المقدس میں
اپنا معبد تعمیر کرنے کی بھی اجازت دی اور انکے سونے چاندی کے متبرک ظروف بھی جنہیں بخت
نصر لایا تھا۔ واپس کردیئے (رالنس۔ سائکس)

حضور والا انکی عرضداشت منظور کرکے بنائے معبد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

کمبوجیہ۔ (چلاکر) خاموش! میں اور زیادہ نہیں سُننا چاہتا۔ تیری پہلی درخواست کو منظور کرتا ہوں کیونکہ ما بدولت کی خود ایک عرصہ سے خواہش تھی کہ یروشلم کے عجائبات دیکھوں۔ اور صور و سیدا[۱۵] جن کی دولت و ثروت کی ایسی شہرت ہے اُنکی بھی سیر کروں۔ لیکن تعمیر معبد ایک امر دیگر ہے۔ اگر میں اُسکی اجازت دیدوں تو آیندہ سال تمہیں بخشنے کے لئے میرے پاس کیا رہ جائیگا"

ربّی "حضور کے غلام پھر کوئی التجا نہ کریں گے۔ اور آیندہ بھی زر و جواہر و تحائف کے پیش کرنے میں کبھی دریغ نہ کریں گے۔ عالیجاہا! آپ کی زبان مبارک سے صرف ایک لفظ کافی ہے۔ ہمیں دربار سے مایوس نہ پھیرئے اور اپنے خدا کا گھر بنانے کی اجازت دیدیجئے"

کمبوجیہ۔ (مسکراکر) "بنی اسرائیل تم عجب قسم کے لوگ ہو۔ میں تو سمجھتا تھا کہ تم ایسے خدائے واحد کی پرستش کرتے ہو جو غیر مادی ہے اور جس کی کوئی شکل و شبیہ نہیں بن سکتی پھر اُسے مکان یا گھر کی کیا ضرورت؟ اور اگر آندھی۔ پانی۔ گرمی و سردی سے اُس کی حفاظت لازم ہے تو میرے خیال میں وہ نہایت کمزور و واجب الرحم ہے۔ ہم اپنے معبود کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔ جہاں چاہے اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں یا عبادت کریں وہ دعا ضرور سُن لیگا"

---

۱۵ صور = ٹائر + سیدا = سیدان۔
یہ دونوں ساحل شام کے دو چھوٹے شہر ہیں۔ جو قدیم سلطنت فنیکیہ کے زمانہ میں تمام عالم میں مشہور اور صنعت و حرفت و تجارت وغیرہ کے مرکز سمجھے جاتے تھے۔ انجیل میں انکا اکثر ذکر آیا ہے۔ عربوں کے زمانہ میں بھی یہ خوب آباد تھے۔ جنگ صلیبی میں طرح طرح کے انقلاب یہاں آئے۔ سیدا کا گلاس و شراب مشہور تھی۔ (انسائیکلوپیڈیا)

ربی۔ (پُرجوش آواز سے) "بنی اسرائیل کا خدا ابھی ہر جگہ انکی دعائیں سُنتا ہے جب ہم فرعون کی قید میں اپنے وطن سے دور غلامی کی مصیبتیں جھیل رہے تھے تو اسی نے ہماری امداد کی۔ جب ہم بابل میں ظالموں کے جور و ستم سہہ رہے تھے تو اسی نے ہماری آہ و زاری سُنی۔ اور آپ کے والد ذی شان کو اقوام عالم پر مسلط کر کے ہماری رہائی کا باعث گردانا اور وہی آج بھی سُنے گا اور حضور والا کے دل کو ہمارے لئے رحم و کرم سے بھر دیگا۔ اے شہنشاہ والا تبار! آپ کے غلاموں کی صرف اسی قدر التجا ہے کہ انہیں ایک ایسا معبد تعمیر کرنے کی اجازت مل جائے جہاں وہ اپنے بارہ[1] منتشر فرقوں کو ایک جگہ جمع کر کے عبادت کر سکیں۔ اور اپنی عیدوں و تہواروں کو بلا کسی مزاحمت کے منا سکیں۔ اگر حضور نے ہم غریبوں کی یہ عرض منظور فرمالی تو ہمیشہ آپ کے اور خاندانِ شاہی کے دعاگو رہیں گے۔ خدا آپ کو اجر عظیم بخشے گا اور دشمنانِ دولت کو ذلیل و خوار کریگا۔"

---

[1] اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے۔ بنی اسرائیل آپ ہی کی اولاد تھے۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام۔ ابن یامین۔ یہودا وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کی اولاد اپنے اپنے جد کے نام سے مشہور ہوئی۔ بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے انہیں صاحبزادوں کی اولاد مراد ہے جو امتداد زمانہ کے ساتھ بہت پھلی پھولی اور اقصائے عالم میں پھیل گئی۔ انکا آغاز مصر ہی سے ہوا اس لئے کہ ہکساس کے زمانہ میں جب حضرت یوسف علیہ السلام وزیر مقرر ہوئے تو ان کے تمام بھائی یہیں آ گئے اور یہیں بود و باش اختیار کی۔ ہکساس کے بعد جب اس خاندان کی بربادی ہوئی تو بنی اسرائیل بھی معرض ابتلا میں آئے۔ کچھ مصر میں رہ گئے کچھ باہر چلے گئے اور تمام عالم میں منتشر ہو گئے۔ مصر سے بنی اسرائیل نے اس وقت بہ تمامہ ہجرت کی ہے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر فراعنہ کے دست تظلم سے انہیں نجات دی اور سب کو جمع کر کے اپنے ہمراہ لے گئے۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہے۔ اسی واقعہ کے سلسلہ میں فرعون مصر غرق ہوا تھا۔ ۱۲

بلشنزر۔ (بہت گڑگڑا کر) "شاہا! یہ غلام قدیم نمک پروردۂ سلطنت ہے۔ اسکی ناچیز خدمات پر خیال فرما کر رحم کیجیے اور ہماری التجا کو رد نہ فرمایئے۔"

بلشنزر بابل کے تمام یہودیوں میں سب سے زیادہ متمول و با اثر تھا۔ کورش اعظم بھی اس کی بڑی عزت کرتا تھا اور اکثر معاملات میں اس سے مشورہ لیتا تھا۔ اس لئے اسے یقین تھا کہ کمبوجیہ اس کی سفارش کو نامنظور نہ کریگا۔

کمبوجیہ۔ "اگر میں تمہاری درخواست قبول کرلوں تو اس کا کیا ذمہ کہ آئندہ بھی تم اطمینان و دلجمعی کے ساتھ رہوگے۔ میرے والد بزرگوار نے نہ صرف تم کو تعمیر معبد کی اجازت بخشی تھی بلکہ ہر طرح کی امداد دینے کا وعدہ بھی فرمایا تھا۔ جس کا کیا نتیجہ ہوا؟ پہلے تو تم سب متفق تھے اور خوشی خوشی بابل سے اپنے وطن روانہ ہوئے۔ مگر وہاں پہنچکر جیوں ہی تعمیر شروع ہوئی طرح طرح کے جھگڑے و فساد پیدا ہونے لگے حتی کہ عمائد بن شام نے کورش اعظم سے التجا کی کہ بنائے معبد کو بند کر دیا جائے اور ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے کہ تمہارے ہی ہمقوم ایک فرقہ نے مجھ سے بھی اسی قسم کی درخواست کی تھی۔ میں کسی کے مذہبی عقاید میں دخل دینا نہیں چاہتا۔ اور نہ تمہیں عبادت کرنے سے روکتا ہوں۔ لیکن ایسی عمارت کے بنانیکی اجازت نہیں دیسکتا جس سے خود تم ہی میں فتنہ و فساد برپا ہو اور سلطنت کے امن و امان میں فرق آئے۔"

بلشنزر۔ (مایوسانہ لہجہ سے) "مگر شاہا! اس کے متعلق تو خود حضور والا کے والد مکرم کا ایک تحریری اجازت نامہ موجود ہے۔"

بادشاہ۔ (حیرت سے) "تحریری اجازت نامہ!"

بلشنزر۔ "جی ہاں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دفتر شاہی میں ابھی تک موجود ہے۔"

بادشاہ۔ "اگر تمہارا یہ دعوی صحیح ہے تو اسے لاکر مجھے دکھاؤ۔ میں تمہیں اسکی تلاش کی اجازت ہی دیتا ہوں بلکہ ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ کیونکہ میری نگاہوں میں

والد مرحوم کے فرمان مبارک کی عزت آسمانی احکام سے کچھ کم نہیں ہے۔"
بلشزر "اگر غلام کو اجازت بخشی جائے تو وہ شاہی کاتبوں کی مدد سے اکتبانہ کے دفاتر میں تلاش کرے۔ کیونکہ وہیں وہ فرمان محفوظ ہے۔"
بادشاہ "میں بخوشی اجازت دیتا ہوں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ تم خالی ہاتھ واپس آؤ گے (جوشوا سے مخاطب ہو کر) ربی! اپنے اہل وطن سے کہہ دینا کہ میں اُس فوج کا ملاحظہ کر کے جسے اُنہوں نے جنگ ماساجت میں شامل ہونیکے لئے بھیجا ہے نہایت خوش ہوا۔ میرا سپہ سالار بگا باز انکے طرز و انداز کی بہت تعریف کرتا ہے اور مجھے امید ہے کہ پہلے کی طرح اب بھی وہ اپنی دلیری و شجاعت کے جوہر دکھائیں گے۔ (بلشزر سے) بلشزر تم میری شادی میں ضرور آنا۔ اور آج رات کی دعوت میں بھی شامل ہونا اور اپنے ہمراہ دوسرے سرداران یہود کو بھی لیتے آنا۔"
بلشزر۔ (نہایت ادب سے گردن جھکا کر) "جہاں پناہ کا ارشاد میرے سر آنکھوں پر۔ خدائے بنی اسرائیل حضور پر اپنی برکات و رحمتیں نازل فرمائے۔"
بادشاہ "تمہاری دعا سے میں خوش ہوا۔ کیونکہ تمہارے خدا کی میرے دل میں بھی عزت ہے۔ ہاں بلشزر! ایک بات اور یاد آئی جسے میں تم سے خاص طور سے کہنا چاہتا تھا۔ وہ یہ کہ میں نے سُنا ہے کہ کل چند یہودیوں نے اہل بابل کے دیوتاؤں پر ہنسی اُڑائی تھی اور انکی سخت دل آزاری کی تھی۔ دیکھو اپنے اہل وطن کو آگاہ کر دینا کہ اگر وہ تعصب و تنگدلی سے کام لیکر دوسروں کے مذہب کا مضحکہ اُڑائیں گے تو عوام انہیں نفرت و حقارت سے دیکھنے لگیں گے اور حکومت کو بھی مجبوراً انکی سرزنش کرنا پڑیگی۔ تم ہماری مثال نہیں دیکھتے ہو کہ اپنے مذہب پر قائم ہیں مگر دوسروں کی آزادی میں دخل نہیں دیتے اور نہ تمہاری طرح اپنے آپ کو خدا کا منتخب بندہ سمجھتے ہیں۔ میں تمہاری قوم کا سچے دل سے بہی خواہ ہوں اور انکی خودداری و جوش مذہبی کو برا

نہیں سمجھتا۔ مگر یاد رکھو کہیں یہ عُجب ولاف زنی حد سے گذر کر تمہاری تباہی و بربادی کا باعث نہ ہو"

اب اہل یہود کی سفارت زمیں بوسی کے بعد اُلٹے قدم پیچھے ہٹی۔ انہیں اپنے مقصد میں ناکامی تو ہوئی مگر ملبشزر کو پوری امید تھی بلکہ یقین تھا کہ اکبتانہ کے دفاتر میں فرمان شاہی مل جائیگا۔ اور تعمیر معبد کی انہیں اجازت حاصل ہو جائے گی۔ بعد ازاں شامی و یونانی سفرا پیش ہوئے۔ اور سب سے آخر میں ایک عجب قسم کے آدمیوں کا گروہ نظر آیا جن کی صورتیں بڑی بھیانک و وحشیانہ تھیں۔ لباس جانوروں کی کھال کا تھا مگر کمر کی پیٹیاں و پرتلے اور ہاتھوں میں جو تیر و نیزے لئے تھے خالص سونے کے تھے۔ انکے سروں پر سموری ٹوپیاں از قسم پاپاخ تھیں۔ جن میں بہت سے طلائی گھنگرو لٹک رہے تھے۔ ان لوگوں کے آگے آگے ایک شخص تھا جسکی شکل تو اپنے ساتھیوں سے مشابہ تھی لیکن وہ ایرانی لباس پہنے ہوئے تھا۔

کمبوجیہ انہیں دیکھ کر پہلے تو نہایت متحیر ہوا پھر یکایک اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور غضب آلود نگاہ سے میر بار یا حاجب کی طرف دیکھ کر بولا" گابُروا! یہ کون جنگلی لوگ ہیں اور میرے سامنے حاضر کئے گئے ہیں۔ اگر میری آنکھیں دھوکہ نہیں دیتیں تو شاید یہ وہی بدذات **ماساجت** ہیں جنہیں میں انکی حرکتوں کا مزا چکھانیوالا ہوں ذرا انکے کان کھول کر کہدے کہ میدیہ کے میدانوں میں ایک لشکر جرار تیار ہے جو تمہاری سرکوبی کے لئے عنقریب روانہ ہونے والا ہے اور وہی تمہاری باتوں کا جواب اپنی شمشیر سے دیگا"

حاجب ۔ (سر جھکا کر) "جہاں پناہ۔ یہ لوگ آج ہی صبح جب رسم قربانی ہو رہی تھی۔ شہر کے اندر داخل ہوئے اور یہ معلوم کر کے کہ حضور والا کی سالگرہ کی خوشی میں ایک دربار منعقد ہونے والا ہے۔ باریابی کے لئے مصر ہوئے اور کہنے لگے کہ

خدمتِ اقدس میں اپنی قوم کا ایک ضروری پیغام پہنچانا چاہتے ہیں اور بکثرت زر و جواہر و سونے کے انبار بھی جو ساتھ لائے ہیں بطور نذر پیش کرنا چاہتے ہیں"۔
یہ سنتے ہی بادشاہ کا غصہ کسی قدر فرو ہو گیا۔ اُس نے بہت گھور کے ان اجنبیوں کو جن کے قدآور و تنومند جسموں پر جھبری جھبری ڈاڑھیاں نہایت مہیب معلوم ہوتی تھیں دیکھا اور چلاکر کہا "اچھا ان لوگوں کو میرے سامنے آنے دو۔ ذرا میں سنوں تو سہی کہ میرے باپ کے یہ بدذات قاتل مجھ سے کیا عرض کرنا چاہتے ہیں"۔

گاؤبروا نے جماعت **ماساجت** کے ایک سب سے زیادہ معمر و قدآور شخص کی طرف اشارہ کیا۔ یہ ان خانہ بدوش وحشیوں کا سردار تھا اور تخت کے قریب آکر اپنی زبان میں بلند آواز سے کچھ کہنے لگا جس کا ترجمہ اُسکے اُس ساتھی و ہم وطن نے جو ایرانی لباس پہنے ہوئے تھا اور **کورش** کے اسیران جنگ میں ہونیکے سبب سے زبان فارسی سے بخوبی واقف تھا۔ حرف بحرف بادشاہ کو سُنانا شروع کیا۔
ماساجتی سردار "اے زبردست بادشاہ! ہم بخوبی جانتے ہیں کہ تو ہم سے ناراض ہے کیونکہ **کورش** ہمارے ہاتھوں لڑائی میں مارا گیا[۵۱]۔ مگر اس میں ہماری کیا خطا تھی۔ پہلے

[۵۱] کورش اعظم کی وفات کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کا بیان ہے کہ وہ مصر پر حملہ کرنیکا ارادہ کر رہا تھا کہ تاتاری فرقہ ماساجت نے ایران پر حملہ کیا۔ ایک سخت جنگ کے بعد تاتاریوں کو شکست ہوئی اور انکی ملکہ تمیرس ماری گئی۔ بعدہٗ کورش نے ترک دنیا کے خیال سے اپنے سرداروں کو بلاکر وصیت کی اور ملک کے دو حصہ کر کے ایک کمبوجیہ کو اور دوسرا بردیہ کو بخش دیا۔ یہ واقعہ کیخسرو کے حال سے جسکا ذکر شاہنامہ میں آیا ہے بہت کچھ مطابقت رکھتا ہے۔ زنوفن کا بیان ہے کہ کورش نے عمر طبعی پائی اور بیمار ہو کر مرا۔ ہیرودوتس کا دعویٰ ہے کہ وہ ۷۱ برس کی عمر میں تاتاریوں کے مقابلہ میں مارا گیا۔ اور انکی ملکہ تمیرس نے اسکے سر کو ایک خون آلود کاسہ میں رکھ کر یہ کہا "اپنی عمر بھر تو نے خونریزی کی اور سیر نہوا اب تو تجھے تسکین ہوئی ہے اچھی طرح اپنی پیاس بجھالے"۔ اسی مورخ کا یہ بھی قول ہے کہ اسکی لاش پر موم یا کوئی مصری مصالحہ لگا کر ایرانی اپنے ملک لیگئے اور وہاں ایک عالی شان مقبرہ میں اسے دفن کیا۔ (رالنس۔ ایران نامہ)

خود اُسی نے بلا وجہ حملہ آور ہو کر پیش قدمی کی تھی"۔

بادشاہ۔ (غصہ سے) "میرے والد محترم بالکل حق بجانب تھے اور تم لوگ واقعی سزا کے مستحق تھے خصوصاً تمہاری ملکہ تمیرس یا جیس کی یہ گستاخی و ہمت کہ حرم شاہی میں داخل ہونے سے اُس نے انکار کر دیا تھا"۔

سردار۔ "شاہا! خفا نہ ہونا۔ میری تمام قوم نے ملکہ کے اس فعل کو نہایت پسند کیا اور اسکی ہمت پر صد آفریں کی کیونکہ ایک چھوٹا بچہ بھی سمجھ سکتا تھا کہ **کورش** کا اس سے مقصد بڑھاپے میں کوئی نئی شادی کرنا نہ تھا۔ بلکہ اسی بہانہ وہ ہمارے ملک کو دبا لینا چاہتا تھا۔ جب اس کی یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اس نے فوج کشی کی غرض سے ہماری سرحد کے دریائے ارس پر ایک بڑا پل بنانا شروع کیا جسے دیکھ کر ہماری بہادر ملکہ نے کہلا بھیجا کہ اسکی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم دریا کے عبور کرنے میں مزاحم نہ ہونگے اور جہاں اسکا جی چاہے خواہ اپنی یا ہماری سرحد میں بے کھٹکے لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ اس پر کورش نے کریسس شاہ لیدیہ سے مشورہ لیکر ہمارے ہی ملک میں جنگ کرنا مناسب سمجھا اور فریب و دھوکہ بازی سے ہمیں شکست دی وہ اس طرح کہ پہلے اپنی فوج کا ایک چھوٹا سا حصہ ہمارے مقابلہ کو بھیجا جسے ہم نے بآسانی اپنے نیزوں و تیروں سے تباہ کر کے خیمہ و خرگاہ کو لوٹ لیا اور اپنی نادانی سے یہ سمجھ کر کہ بادشاہ کی تمام فوج مغلوب ہو گئی۔ مال غنیمت میں مشغول ہو گئے۔ اور ایک شیریں و خوش ذائقہ عرق کو پی کر جسے تم شراب کہتے ہو اور جسے ہم نے پہلے کبھی نہ چکھا تھا۔ ایسے غافل و بدمست ہو گئے کہ پھر ہمیں کچھ خبر نہ رہی۔ اسی حالت میں تمہارے لشکر نے اچانک ہم پر حملہ آور ہو کر قتل و غارت کرنا شروع کر دیا اور سینکڑوں کو گرفتار کر لیا جن میں ہماری ملکہ کا چھوٹا لڑکا سپرگیسس بھی تھا۔ جب اس بہادر لڑکے نے یہ سُنا کہ اس کی ماں اس شرط پر کہ اُسے آزاد کر دیا جائے صلح کی خواستگار ہے تو بظاہر اس نے رضامندی

ظاہر کی۔ مگر جیوں ہی اسکی ہتھکڑیاں کٹ کر ہاتھ خالی ہو گئے تو اس نے ایک خنجر چھین کر فوراً اپنے سینہ میں مار لیا اور یہ کہتا ہوا کہ میں اپنی قوم پر فدا ہوتا ہوں مر گیا۔ جب ہمیں اپنے عزیز شاہزادہ کی اس دلیرانہ موت کی خبر ہوئی تو ہم نے اپنی باقیماندہ فوج کو ایک جگہ مجتمع کیا اور ہمارے دلوں میں اس کا انتقام لینے اور اسی کی طرح اپنی قوم کی آزادی کے لئے جان دینے کا اس قدر جوش و خروش پیدا ہوا کہ بوڑھے و بچے تک لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ بعدہٗ جو جنگ ہوئی اس کا حال تمہیں معلوم ہی ہے کہ تم ہار گئے اور کورش بھی قتل ہوا اور اسکی لاش کو خون میں لتھڑا دیکھ کر ہماری ملکہ نے چلا کر یہ کہا " اے حریص شخص! تو خون کا پیاسا تھا۔ اب تو تجھے سیری ہوئی " یہ حال دیکھکر تمہاری وہ فوج جسے تم قشون جاودانی کہتے ہو آگے بڑھی اور ہمیں پسپا کر کے تمہارے باپ کی لاش اٹھا کر لیگئی۔ تم خود اس فوج کے سردار تھے اور اس دن بڑی بہادری سے لڑے تھے۔ میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں اور یہ بھی جتانا چاہتا ہوں کہ اسی تلوار نے جو میری کمر سے لٹک رہی ہے وہ زخم لگایا تھا جس کا نشان ابھی تک تمہاری پیشانی پر موجود ہے "۔

یہ سنتے ہی تمام دربار میں ایک سنسنی سی پھیل گئی اور لوگوں کا خیال ہوا کہ ایسے بیباک و گستاخ شخص کا سر اڑا دینا چاہئے مگر کمبوجیہ بجائے خفا ہونیکے مسکرا کر بولا " میں بھی تجھے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اس دن تو ایک تیز و سرخ گھوڑے پر جس پر سونیکا ساز و یراق تھا سوار تھا۔ آج تو میرے قبضہ قدرت میں ہے لیکن تجھے معلوم ہوگا کہ ہم ایرانی بھی بہادروں کی کس قدر عزت کرتے ہیں۔ (درباریوں کی طرف مخاطب ہو کر) دوستو! میں نے اس شخص کی طرح آجتک کوئی بڑا شجاع و فن سپہ گری کا ماہر نہیں دیکھا اسکے سامنے اپنی گردنیں جھکاؤ۔ کیونکہ شیوۂ مردانگی یہی ہے کہ ایک بہادر شخص کی خواہ وہ دوست ہو یا دشمن پوری عزت و حرمت کی جائے۔ (سردار ماساجت سے)

بوڑھے سردار! اب میری صلاح ہے کہ تو جلد اپنے وطن واپس جا اور لڑائی کے لئے تیار ہو کیونکہ تجھے دیکھ کر اور تیری بہادری و قوت یاد کر کے میرے دل میں تیرے مقابلہ کی خواہش از سر نو پیدا ہو گئی ہے۔ متھرا کی قسم تجھ ایسا جانباز و سورما دشمن ہزاروں بزدل دوستوں سے اچھا ہے۔ میں تجھے بعزت امن و امان رخصت کرتا ہوں۔ اب زیادہ دن یہاں نہ ٹھیرنا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں والد مرحوم کے انتقام کا جوش غالب آ کر میرے غصہ کو نہ بھڑکا دے اور تیری زندگی کا یہیں خاتمہ ہو جائے۔"

بادشاہ کا یہ کلام سن کر معمر سردار کے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ آئی جس میں تلخی و افسردگی بھری تھی۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز سے جواب دیا "بادشاہ! تجھے اب کس بات کا غم ہے۔ کیا تجھے اپنے باپ کا بدلہ ہماری قوم سے پورا نہیں مل گیا؟ ہمارا شہزادہ جو شرافت و شجاعت میں کسی سے کم نہ تھا مارا گیا۔ میدان جنگ میں ہمارے پچاس ہزار سورماؤں کا خون دریائے ارس کے ریتیلے کناروں پر جذب ہو گیا۔ مگر تیرے صرف تیس ہزار کام آئے جس کی وجہ ہماری بزدلی نہ تھی بلکہ ہمارے سموری کوٹ اور تیری سپاہ کے مضبوط زرہ بکتر جن پر ہمارے تیر کارگر نہ ہوتے تھے۔ اور سب سے بڑھکر تیرے ہی سبب سے ہم پر یہ مصیبت نازل ہوئی کہ ہماری شریف و بہادر ملکہ بھی مر گئی۔"

کمبوجیہ (متحیر ہو کر) "ہیں! کیا تمیرس مر گئی؟ ہمیں ایک عورت کے مارنے کا کیوں الزام دیتے ہو؟ بتا میں سننا چاہتا ہوں کہ آخر اس کی موت کیونکر ظہور میں آئی۔"

سردار۔ دس مہینے ہوئے کہ غریب ملکہ اپنے پیارے اور اکلوتے بچے کے غم میں گھل گھل کر مر گئی۔ اس لئے اس کی موت کا باعث بھی وہی جنگ ہوئی اور کورش کا انتقام تجھے مل گیا۔"

کمبوجیہ۔ "تمیرس واقعی نہایت بہادر و غیر معمولی عورت تھی۔ مجھے اسکے مرنے کا افسوس ہے اور سمجھتا ہوں کہ ہر مرد نے تم لوگوں سے میرے والد کے قتل کا خوب

بدلہ لیا۔ مگر خواہ کچھ بھی ہوتا ہم تمہاری ملکہ ۔شہزادہ و پچاس ہزار آدمی کورش تو کجا ایران کے ایک ادنیٰ بادشاہ کے بھی خون کا بدل نہیں ہو سکتے۔"

سردار۔" ہمارے ملک میں موت کے بعد سب کو مساوی سمجھا جاتا ہے اور ایک مقتول بادشاہ کی روح اسکے ادنیٰ غلام سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ۔ یہ صحیح ہے کہ تیرا باپ ایک بڑا شخص تھا لیکن ہم پر بھی اسکی بدولت جو مصیبتیں نازل ہوئیں ناقابل بیان ہیں بادشاہ! سن! میں نے ابھی کل حال بیان نہیں کیا۔ ملکہ کے انتقال کے بعد ہم لوگوں میں پھوٹ پڑ گئی ۔ دو شخص تاج و تخت کے دعویدار ہوئے اور نصف قوم ایک کی اور نصف دوسرے کی طرف دار ہو گئی ۔ پھر ایک سخت خانہ جنگی شروع ہوئی جس کے بعد ایک ایسی وبا پھیلی کہ ہمارے بہت سے بہادر فنا ہو گئے ۔ اس لئے اگر اب تو ہم پر فوجکشی کریگا تو ہم تیرے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے ۔ اور یہ زر و جواہر تیری خدمت میں پیش کرکے صلح و امن کے خواستگار ہیں۔"

کمبوجیہ۔" اچھا تو تم بے لڑے بھڑے میری اطاعت قبول کرتے ہو؟ میدیہ کے میدانوں میں جو لشکر جرار فراہم ہے اُسے دیکھ کر تم سمجھ سکتے ہو کہ مجھے تمہارے جانبازوں سے کیا کیا امیدیں تھیں ۔ لیکن اب تم ہی اپنی ہمت ہار گئے تو میں بھلا کس سے جنگ کر سکتا ہوں ۔ خیر میں اب اپنے بہادروں کو رخصت کر دونگا ۔ تم پر ایک حاکم مقرر کر کے بھیجونگا اور بخوشی تمہیں اپنی رعایا میں شامل کر لونگا۔"

یہ الفاظ سنتے ہی بہادر و غیرتمند سفیر کا چہرہ سرخ ہو گیا ۔ اس نے تھراتی ہوئی آواز سے جواب دیا۔

"کمبوجیہ! اگر تیرا یہ خیال ہے کہ ہم اپنی حب الوطنی اور آزادی کو خیرباد کہہ کر تیرے غلام بننے کے لئے تیار ہیں ۔ تو تو سخت دھوکہ میں ہے ۔ یہ سچ ہے کہ ہم تیری قوت کو پورے طور سے سمجھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ جنگ و وبا نے ہماری قوم کو اس قدر پست و

و کمزور کر دیا ہے کہ وہ تیرے بیشمار لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان سب باتوں کا ہمیں اعتراف ہے۔ پھر بھی یہ جتائے دیتے ہیں کہ جبتک دم میں دم ہے کبھی کسی کے غلام نہ بنیں گے اور نہ کسی ایرانی سٹرپ کے احکام و قوانین کے سامنے اپنی گردنیں جھکائیں گے۔ تو میرے اس کلمہ سے بہت ناخوش معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ایک سچی بات کہنے میں مجھے تیرے غیظ و غضب کی بھی کچھ پرواہ نہیں۔ اور دوبارہ سہ بارہ تکرار کے ساتھ بھی اُسے کہنے سے نہیں ڈرتا۔"

کمبوجیہ۔ دگرج کر) "اگر یہ ہے تو میرا جواب بھی بگوش ہوش سُن لے۔ تیری قوم کے لئے صرف دو ہی باتیں ہیں۔ یا تو اب مطیع ہو کر اپنے ملک کو ایران کا ایک صوبہ سمجھے اور میرے ناظم و نائب کو اپنا حاکم مان کر امن و امان سے زندگی بسر کرے۔ یا مجھے اپنا دشمن سمجھے اور یقین جان لے کہ میری فوج انہیں شرائط کو جنہیں میں اس وقت بکمال بخشش و مہربانی منظور کرتا ہوں۔ زبردستی بزور شمشیر منوالیگی۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہے تو آج بادلت کے الطاف خسروانہ سے فائدہ اُٹھاؤ گے ورنہ شکست دینے کے بعد جو انتقام تم سے لیا جائیگا وہ سب پر ظاہر ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ ذرا غور و فکر کے بعد مجھے جواب دو۔"

بہادر سفیر۔ "ہم نے پہلے ہی سے اس پر بخوبی سوچ سمجھ لیا ہے اور اپنے دل میں فیصلہ کر لیا ہے کہ مر جائیں گے مگر غلام نہ بنیں گے۔ ہمارے مکھیا سرداروں نے باہم مشورہ کر کے جو پیغام تجھے بھیجا ہے اُسے میں اب کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایرانیو! تمہیں معلوم ہے کہ ہماری قوم اس قدر کمزور ہوگئی ہے کہ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن یہ ہمارا قصور نہیں بلکہ سورج دیوتا کا غضب ہے۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ تم نے ہمارے ملک پر چڑھائی کے لئے ایک فوج کثیر جمع کی ہے جسے روکنے اور اپنی رہائی و نجات کی غرض سے ہم تمہیں ایک سالانہ خراج دینے کے لئے تیار ہیں لیکن باوجود اسکے

بھی اگر تم برسرِ پرخاش ہو تو یاد رکھو کہ خود تمہیں کو زیادہ نقصان پہنچے گا۔ کیونکہ جیوں ہی تمہارا لشکر دریائے ارس کے قریب پہنچے گا ہم اپنے بال بچوں سمیت وطن چھوڑ کر کسی دور کی جگہ چلے جائیں گے اور تمہارے ہاتھ نہ آئیں گے۔ اس سے ہمیں بالکل تکلیف نہ ہوگی کیونکہ تمہاری طرح ہم شہروں و قلعوں میں بند رہنا پسند نہیں کرتے اور گھوڑوں پر سفر کرنے و ڈیروں میں رہنے کے عادی ہیں۔ نیز ہم اپنے ساتھ زر و جواہر بھی لیجائیں گے اور اپنی سونے کی تمام کانوں کو بھی ایسا تباہ کرتے جائیں گے کہ بعدہٗ تم کو اُن کا نشان تک نہ مل سکے گا کیونکہ سوائے ہمارے اور کوئی انکے پوشیدہ مقامات کو نہیں جانتا۔ اب ہم اپنی آزادی مول لینے کی غرض سے ان کانوں کا ایک بہت بڑا حصہ ہر سال تمہاری نذر کرنیکے لئے تیار ہیں اس پر بھی اگر تم ہماری تباہی پر آمادہ ہو اور فساد سے باز نہیں آتے تو یاد رکھو کہ ہمارے ملک میں سوائے ریت و جنگل بیابان اور کچھ تمہارے ہاتھ نہ لگے گا اور تمہارا دشمن بھی جو چھلاوے کی طرح نظروں سے غائب ہو جائیگا اپنے داؤں پیچ سے غافل نہ رہے گا اور موقعہ پاکر اس قدر نقصان پہنچائیگا کہ تم اسکی تلافی نہ کر سکو گے۔ اس لئے ہماری عرض منظور کر کے صلح کر لو۔ ہم صرف آزادی و امن کے خواہاں ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ ہر سال تم کو پانچ ہزار تیز رفتار گھوڑے اور کثیر المقدار سونا تحفۃً بھیجا کریں گے اور جب کبھی تمہاری سلطنت کو ضرورت ہوگی ہم بطور حلیف تمہاری امداد کے لئے بھی تیار ہیں۔"

اتنا کہہ کر سفیر خاموش ہو گیا۔ کمبوجیہ آنکھیں نیچی کئے کچھ دیر تک غور و فکر کے ساتھ سوچتا رہا۔ بعدہٗ یہ جواب دیکر تخت سے اٹھ کھڑا ہوا۔

گاؤبروا! ان لوگوں کی اچھی طرح خاطر مدارات کرنا اور خاصکر اس شخص کے لئے جس نے مجھے زخمی کیا تھا ہمارے ہی دستر خوان پر سے خاصہ بھیجنا۔"

باب پندرھواں

مصر سے ایک خط

شہزادی نفیتیس اپنے محل میں تن تنہا مغموم و افسردہ خاطر بیٹھی ہے۔ آج اُسے سب سے پہلے دیگر بیگمات کے ساتھ مذہبی رسومات میں شامل ہونے اور کھلے میدان میں آتشکدہ کے سامنے عبادت کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ غیر مانوس[1] دعائیں و بھجن اسکے کانوں میں پڑے تھے اور ایسے معبود کی پرستش کے لئے وہ مجبور کی گئی تھی جس کا تصور ابھی پورے طور سے اُسکے ذہن میں نہیں سمایا تھا۔

---

[1] مثال دعائے از اوستا۔

تد تھوا پرسا اِزش موائی وچیا اہورا

من از تو پرسم راست بمن فرما اہورا

کسنا زاتھا پتا اشہ یا یا در ویو

کہ آفریدہ پدر نیکی در آغاز یا (قدیم)

کسنا کنگ استارم چاداد ادانم

کہ (آفرید) خورشید و ستارگان (و) ساخت راہ (فلک)

کہ یا ماو اُکش یا میتی ترفایتی تھواد

کہ آں ماہ (را) بزرگ (بدر) می سازد (و باز) ہلال می نماید جز تو

تاچہ ھمرو وسمی انیا چا دیدویہ

چنیں چیزہا مزدا می خواہیم (دا سرار) و دیگر بدانم۔

(ماخوذ از گاتھا۔ ایران نامہ)

اس موقع پر حرم شاہی کی جتنی خواتین وہاں موجود تھیں وہ رقیبانہ نگاہوں سے اس کی طرف اسطرح گھور گھور کر دیکھ رہی اور آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ ذکی الحس شہزادی گھبرا سی گئی اور گانے بجانے کی متواتر آوازوں نے جو شہر کی طرف سے آ رہی تھیں اُسے اور بھی پریشان خاطر کر دیا۔ اُسے اپنے وطن کے سین یاد آ گئے کہ کس طرح بڑے بڑے عالی شان مندروں میں جہاں حد درجہ کی خاموشی رہتی تھی وہ اپنی ماں بہن کے ساتھ پرستش کرنے جاتی تھی۔ اب یہاں دوسرا ہی طریقہ عبادت ہے دوسرے ہی معبود کا نام لیا جاتا ہے جو ابھی تک اسکے دلنشین نہیں ہو سکا تھا اس لئے ہر چند اس نے چاہا کہ کم از کم اپنے پیارے بادشاہ کی بہبودی و خوش حالی کی دعا مانگ لے مگر دل راغب نہ ہوا اور اسکی منتشر طبیعت کسی طرح مجتمع نہ ہو سکی۔

کاسندانہ وا توسا اسکے قریب ہی بیٹھی ہوئی بڑی صداقت و جوش سے مجوس کی ہم آواز ہو کر بھجن گا رہی تھیں مگر انکا اثر مصری لڑکی کے دل پر کچھ نہ تھا۔ وہ محض ظاہر داری کے لئے آنکھیں نیچی کئے خاموش سُن رہی تھی اور دوسرے ہی خیالات میں محو تھی۔

یہ بھجن عموماً نہایت شیریں و شاعرانہ تھے مگر ان میں ارواح نیک و بد کا اس کثرت سے نام لیا جاتا ہے اور بعض باتوں کی اس قدر تکرار کی جاتی ہے کہ سُننے والا تھوڑی دیر کے بعد اُکتا جاتا ہے مگر وہ لوگ جو اپنے بچپن سے انہیں متبرک سمجھتے آئے ہیں اور انکی آسمانی ہونے کی تلقین اوائل عمر ہی سے انہیں دی گئی ہے وہ قدرتاً زیادہ موثر ہوں گی اور حرف حرف پر وجد کریں گے لیکن **نیتیتس** جو اعلیٰ درجہ کی یونانی شاعری سے بخوبی واقف تھی۔ اس پر الفاظ کی شیرینی کا بہت کم اثر ہوا وہ اس سوچ میں پڑ گئی کہ اس نئے مذہب کے ارکان و قواعد سیکھنے میں گو اس نے بڑی محنت سے کام لیا ہے مگر ابھی تک عادی نہ ہونے کی وجہ سے ادائے رسومات میں ممکن ہے کہ کوئی بات فرو گذاشت ہو جائے اور رقیبوں و دشمنوں کو اس پر ہنسی اُڑانے کا موقع مل جائے۔ علاوہ بریں ایک اور بات

بھی اسکے اضطراب کا باعث تھی۔ یعنی قربان گاہ میں آنے سے قبل مصر سے ایک خط
اسکے نام آیا تھا جسے وہ اپنی میز پر اسی طرح بند چھوڑ آئی تھی اور اب سخت متفکر تھی کہ معلوم
نہیں کہ گھر کی کیا خبریں ہیں۔ والدین کیسے ہیں اور تاشو کا اپنے محبوب شہزادے کے
فراق میں کیا حال ہے۔ اس لئے جب تمام رسومات ختم ہوگئیں تو وہ سمجھی کہ ایک مصیبت
سے نجات ملی اور کاسندانہ و الوتسا سے رخصت ہو کر فوراً ہی اپنی سواری میں بیٹھ کر
محل کو روانہ ہوگئی اور وہاں پہنچتے ہی بڑی بیتابی کے ساتھ اس میز کی طرف بڑھی جس پر
خط رکھا تھا۔

شہزادی کے کمرہ میں اس وقت وہ خادمہ یا خواص جس نے سب سے پہلے
اُسے ایرانی لباس پہنایا تھا دست بستہ ایک طرف کھڑی تھی۔ جیوں ہی اسکی نظر اپنی مالکہ
پر پڑی۔ وہ ایک پر معنی نگاہ سے اُسے دیکھ کر مسکرانے لگی مگر اسے سخت حیرت ہوئی
جب شہزادی نے نہ اسکی طرف التفات کیا نہ ان اشیا کو نگاہ اٹھا کر دیکھا جو میزوں پر سجے
ہوئے جگمگا رہے تھے بلکہ فوراً اپنے خط کی طرف متوجہ ہوگئی اور اُس کی مہر توڑ کر
پڑھنے والی ہی تھی کہ خادمہ سے نہ رہا گیا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر سامنے آئی اور عرض کیا:۔

"آپ کی کچھ طبیعت تو خدانخواستہ ناساز نہیں ہے؟ یا اُس کاغذ کے ٹکڑے میں جو آپ
لئے ہیں کوئی جادو ہے جس نے دوسری دلفریب چیزوں سے غافل کر دیا ہے۔ میں صدقے
جاؤں۔ ذرا اس کو تھوڑی دیر کے لئے الگ رکھ دیجئے اور نگاہ اٹھا کر میز پر ان بیش بہا
تحائف کو جو شہنشاہ نے آپکے لئے بھیجے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ دیکھئے یہ ارغوانی پوشاک
جس میں سفید دھاریاں در وپہلا کام ہے کتنی خوبصورت ہے۔ یہ طرہ جس میں بڑے
بڑے ہیرے لگے ہیں کیسا نادر و بیش بہا ہے۔ یہ زیورات کیسے خوشنما و لاجواب ہیں
آپ ذرا دیکھئے تو اور سنئے جو ہرکارہ لایا تھا کہہ گیا ہے کہ حضور بندگان عالی کی خواہش
بلکہ آپ سے عرض ہے کہ ان سب کو زیب تن کرکے آج رات کی دعوت میں تشریف لائینگی

اس وقت میں سچ کہتی ہوں ملکہ قدسیا آپ کو دیکھ کر کیسا پیچ و تاب کھائیں گی۔ اور دوسری بیگمات بھی رشک و حسد کے مارے جل بھن کر خاک ہو جائیں گی۔ ایسی نادر پوشاک و زیور انہیں دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئے تھے۔ کیونکہ آج تک سوائے ملکہ کا سندانہ کے اور کسی کو دربارِ شاہی میں انہیں پہن کر آنے کی اجازت نہیں دیگئی۔ اور آپ کو اس طرح سرفراز کرنے کے یہ معنی ہیں کہ شہنشاہ اب آپ کو اپنی والدہ کی برابر مرتبہ بخشنا چاہتا ہے اور تمام دنیا پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ آپ بھی اسکی چہیتی بیوی و ملکہ خاص ہیں۔ میں واری جاؤں۔ اس لونڈی کو اجازت دیجیے کہ اس نئے ساز و سامان سے حضور کو آراستہ کرے اور ایسا سنگار کرے جسے دیکھتے ہی بد نصیب رقیبوں اور بُرے چاہنے والوں کے کلیجہ پر سانپ لوٹ جائے۔ کاش کہ میں اس وقت موجود ہوتی اور آپ کو ایوانِ خسروی میں آج رات داخل ہوتے دیکھتی۔ میری اچھی بیگم! اب دیر نہ کیجیے اور اپنی یہ سادی پوشاک اتار کر مجھے لباس شاہانہ پہنانے دیجیے"۔

شاہزادی چپ چاپ خادمہ کی باتوں کو سنتی رہی۔ پھر اس نے نگاہ بھر کر ان بیش بہا تحائف کو دیکھا اور ایک مسکراہٹ سی اسکے ہونٹوں پر آنے لگی۔ آخر وہ عورت ذات تھی اپنی زیب و زینت کی چیزوں کو دیکھ کر کیوں نہ خوش ہوتی۔ کیا وہ اُس شخص نے نہیں بھیجے تھے جسے وہ اپنی جان و دل سے بھی زیادہ عزیز سمجھتی تھی۔ کیا وہ اسکی خلوص محبت اور اس بات کا ثبوت نہ تھے کہ وہ اپنی تمام بیگمات پر اسی کو ترجیح دیتا ہے اور ہزار جان سے اس پر والہ و شیدا ہے۔ غرضکہ خط جس کے پڑھنے کے لئے وہ اسقدر بیتاب تھی اسی طرح بند اسکے ہاتھوں سے گر پڑا وہ اپنی خادمہ کے کہنے پر راضی ہو گئی جس نے بکمال صناعی تھوڑی ہی دیر میں اُسے بنا سنوار کر تیار کر دیا۔ نیتیش کا حسن خداداد پہلے ہی کیا کم تھا۔ اب ارغوانی رنگ کی پوشاک نے اسکے سڈول جسم و حسن کو اور دوبالا کر دیا۔ اور سر پر جواہرات سے چمکتے ہوئے تاج نے اسکی شان و

خوبی میں اور بھی چار چاند لگا دیئے۔ اتنے میں اُسکی نگاہ اس قلزمی آئینہ پر پڑی جو میز پر رکھا تھا
اپنی بے نظیر رعنائی و شاہانہ سج دہج کو دیکھتے ہی ایک عجیب و نئی کیفیت کا اظہار
اسکے چہرہ پر ہویدا ہونے لگا۔ غرور حسن سے وہ تمتمانے لگا اور کسی قدر اُس عجب و تکبر کی بھی
جھلک آگئی جس نے ایسے سخت دل و جلیل القدر بادشاہ کو اس کا دیوانہ و مسخر بنا دیا تھا۔
مشاطہ نے کئی بار مسرت و انبساط سے اپنی مالکہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر آنکھیں
دو چار ہوتے ہی کچھ ایسی مرعوب ہو گئی کہ بے اختیار اسکے قدموں پر گر پڑی۔ بلتیس کچھ
دیر تک تو اپنی خواص کو دیکھتی رہی۔ پھر آپ ہی اسکے دل میں ایک خیال آیا اور شرما
سی گئی۔ اور جھک کر بڑی مہربانی سے کنیز کو اٹھا کر اسکی پیشانی پر بوسہ دیا اور ایک طلائی
چوڑی اُسے انعام دی۔ پھر خط کو دیکھتے ہی جو میز پر پڑا تھا۔ اُسے رخصت کر دیا اور آپ
ایک ہاتھی دانت کی کرسی پر جو میز کے قریب تھی بیٹھ گئی۔ اس کا دل مارے خوشی کے
اس وقت پھولوں نہ سماتا تھا۔ وہ اپنی دیوی ہاتھر کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہی تھی اور کبھی اپنے
نئے جواہرات کو دیکھتی تھی کبھی اس طلائی زنجیر کو جو کمبوجیہ نے پانی میں کودتے وقت
اُسے عطا فرمائی تھی اپنے ہونٹوں سے لگاتی اور فرط محبت سے بوسہ دیتی تھی۔ اتنے
میں اُسے خط کا پھر خیال آیا اور کرسی کے ملائم گدوں پر آرام سے لیٹکر آہستہ آہستہ اُسے
کھولنے لگی اور یہ الفاظ اُسکی زبان سے بے اختیار نکلے "میری خوشی کا اسوقت کوئی کیا
اندازہ کر سکتا ہے۔ بیچارے نوشتے! تیرے لکھنے والے کو کیا خبر تھی کہ بلتیس
اتنی دیر تک تجھ سے غافل رہے گی"۔ اب اس نے بڑے شوق و مسرت سے اُسے
پڑھنا شروع کیا۔ مگر چند ہی سطروں تک پہنچی تھی کہ مسکراہٹ غائب ہو گئی چہرہ کا رنگ
متغیر ہو گیا اور ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ وہ خط ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔
غریب شہزادی کی عجب حالت ہو گئی۔ وہی آنکھیں جن سے متاثر ہو کر ابھی ماندانہ زمین
پر گر پڑی تھی۔ اب آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی تھیں۔ وہی سر جو غرور و تکبر سے پہلے بھرا تھا

اب ایسا جھکا کہ تاج اس پر بھاری ہوگیا اور منیر پر اُن موتیوں و جواہرات کے انبار پر گر پڑا جنہیں آنسوؤں کی جھڑی تر بتر کر رہی تھی۔ اس دردانگیز و غمناک خط کا مضمون حسب ذیل تھا

"لیدس زوجہ اماسس وملکہ مصر بالا و زیریں کی طرف سے اسکی دختر نیتیس زوجہ شہنشاہ ایران کو بعد دعا و شوق ملاقات کے معلوم ہو۔ پیاری بیٹی! یہ ہمارا قصور نہیں کہ اتنے دنوں سے تمہیں اپنے وطن کی کوئی خبر نہیں پہنچی۔ جو کشتی ہمارے نامہ و پیام لیجانیکے لئے مقرر کی گئی تھی اُسے ساموس والے جنہیں بحری ڈاکو کہنا چاہیے پکڑ کر اپنی بندرگاہ لے گئے۔ پولی کراتیس کی کامیابیوں نے اسے اب حد درجہ گستاخ کر دیا جب سے اس نے اہل لس بوس[۵۱] وملیسیا کو شکست دی ہے کوئی جہاز اسکی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ بی سیس تراتوس کے لڑکے اس کے دوست ہیں اور قرب[۵۲] و جوار کی دوسری طاقتوں کو بھی اس نے اپنا حلیف بنا لیا ہے۔ جس کا اب یہ نتیجہ ہے کہ ہر جہاز راں قوم اسکے پچاس چپوؤں والی کشتیوں سے ڈرتی ہے اور وہ انہیں حد درجہ نقصان پہنچاتا ہے۔ اسکے بیڑہ میں بیس ہزار سے زیادہ جنگجو ملاح ہیں اور اسکے جلوس میں ہمیشہ ایک زبردست باڈی گارڈ رہتا ہے جس کی وجہ سے کسی کو اس پر حملہ کرنے کی جرأت

۵۱ لس بوس (موجودہ جزیرہ متیلین یا مدلو) یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جو خلیج سمرنا کے شمال میں بحر قلزم واقع ہے پہلے ترکوں کی حکومت میں تھا اب یونانیوں کے قبضہ میں ہے۔

۵۲ یونانیوں کی متعدد نو آبادیاں اس زمانہ میں ساحل بحر روم پر آباد تھیں۔ انکی تہذیب و تمدن پر قرب و جوار کی سلطنتوں کا بہت اثر پڑا تھا۔ اہل فینیک سے انہوں نے جہاز رانی و حروف تہجی سیکھے تھے اور آیندہ چلکر تمام تجارت اُن سے چھین لی۔ اور سمندر کی قزاقی کرنے لگے تھے۔ اہل لیدیا سے انہوں نے سکہ زنی و دیگر علوم و فنون حاصل کئے۔ مگر چونکہ اس قوم کی طبیعت میں آزادی ذہن چلا بن تھا اس لئے خود اپنے ذہن دکوشش سے ان سب علوم کو ترقی دی اور ایک نئی زندگی بخشی۔ اور ایک ایسا فلسفہ ایجاد کیا جسکا اثر آجتک متمدن دنیا میں موجود ہے۔ (سائکس)

نہیں ہوتی۔ شہر ساموس میں اس نے ایک نہایت مضبوط قلعہ تعمیر کیا ہے اور اسکے
بندرگاہ کو بھی ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ نہ کوئی اسے زیر کر سکتا ہے نہ اسکے حاکم کو سزا دینے
کی ہمت کر سکتا ہے۔ ایک طرف تو وہ اپنے مال تجارت کو ستون ہر اکلیس[۱] کی راہ سے
مغرب کو روانہ کرتا ہے۔ دوسری جانب اسکے لٹیرے غیر اقوام جہازوں کی خبر لیتے
ہیں۔ اگر یہی حال رہا اور بقول تمہارے والد۔ دیوتاؤں کی ناخوشی سے کوئی آفت
ناگہانی اس پر نازل نہ ہوئی تو عنقریب پولی کراٹیس نہایت زبردست حکمران بن جائیگا
اور ساموس سے بڑھکر دنیا میں کوئی جزیرہ متمول نہ ہوگا

تمہارے والد۔ تم جانتی ہو کہ پولی کراٹیس کے پرانے دوست ہیں اس لئے
انہوں نے اسے رائے دی تھی کہ دیوتاؤں کو خوش کرنیکے لئے کوئی اپنی سب سے
زیادہ عزیز و بیش بہا چیز ان پر اس طریقہ سے بھینٹ چڑھائے کہ پھر اس کو واپس
نہ مل سکے۔ پولی کراٹیس نے اس پر عمل کیا اور اپنی ایک نہایت قیمتی و نادر انگشتری جو
اسے سب سے زیادہ عزیز تھی قلعہ کے برج پر سے سمندر میں پھینک دی۔ یہ انگوٹھی
یا چھلا ایک نہایت مشہور یونانی کاریگر کی صناعی کا نمونہ تھی اسکے بیچ میں ایک بڑا سا
خوبصورت زمردی نگ جسے دونوں طرف سے مچھلیاں پکڑے تھیں جڑا تھا اور
اوپر پولی کراٹیس کا طغرا نہایت خوبی کے ساتھ ایک سرود کی شکل میں کندہ تھا۔ اس
واقعہ کے چھ دن بعد ایک مچھلی اس کے مطبخ میں پکڑ کر لائی گئی جسکا شکم باورچیوں
نے چیرا تو اتفاقاً وہی انگشتری اندر سے نکلی۔ پولی کراٹیس نے فوراً ہمیں اس
عجیب واقعہ کی خبر پہنچائی جسے سنتے ہی بجائے حیرت و خوشی کے تمہارے والد کو
بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے سر ہلا کر کہا کہ واقعی جسکی قسمت میں جو لکھا ہے وہ ضرور پورا
ہوتا ہے۔ اسی دن سے انہوں نے پولی کراٹیس سے اپنے تمام تعلقات ترک
کر دیئے اور اُسے کہلا بھیجا کہ یہ میں اس لئے کرتا ہوں کہ اپنے کسی دوست کو مصیبت

دادبار میں گرفتار نہیں دیکھنا چاہتا جب حاکم ساموس کو یہ پیغام پہنچا تو وہ بہت ہنسا اور ہمارے
اُن خطوں کو جنہیں اُسکے لٹیروں سے چھین لیا تھا بڑی حقارت کے ساتھ واپس کر دیا۔
اب آیندہ سے ہم تمہیں ملک شام کے راستہ سے خط بھیجا کریں گے۔ تمہیں شاید تعجب ہو
کہ میں نے بجائے خانگی حالات سے شروع کرنیکے ایک دوسرے واقعہ کو جس سے
شاید تمہیں اس قدر دلچسپی نہ ہو ایسا طول دیکر کیوں لکھا اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہیں اپنے
والد کی افسوسناک حالت کے سُننے کے لئے تیار کر دوں۔ جو شخص پہلے ایسا خوش
مزاج روشن خیال دآشنا پرست ہو وہ ایک معمولی سے وہم پر اپنے دوست سے قطع تعلق
کر دے۔ اس سے تم سمجھ جاؤ گی کہ انکے مزاج میں اب ایسا غیر معمولی تغیر آگیا ہے۔ میں
اس کا سبب ابھی بتاؤنگی مگر پہلے اپنا حال زار بیان کر لوں۔ ہائے بیٹی! کیا کہوں۔ جب
سے تم گئی ہو۔ میں ایسی مصیبتوں میں گرفتار ہو گئی کہ دن رات روتے کٹتا ہے۔ کبھی تمہاری
بیمار بہن کا مُنہ تکتی ہوں۔ کبھی تمہارے باپ کو تسکین و سہارا دینے کے لئے جاتی ہوں۔
میرا کھانا پینا حرام ہو گیا کبھی فرصت نہیں ملتی۔ رات کے وقت یہ چند سطریں تمہیں لکھنے
بیٹھی ہوں مگر دل ٹھکانے نہیں۔ تاشو کے کراہنے کی آواز آتی ہے تو بے اختیار دوڑتی
ہوئی اُسے دیکھنے جاتی ہوں۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ میری اس بیمار بچی کو تم سے کس
قدر الفت ہے ہر وقت تمہارا ہی نام رٹا کرتی ہے۔ اور بخار کی حالت میں بھی جب ہزیان کا
زور ہوتا ہے تو تمہارا ہی نام زبان پر آتا ہے۔ تمہاری اُس مومی مورت کو جو کسی قدر تم سے
مشابہ ہے وہ کبھی اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیتی۔ یہ ایسی خوبصورت ہے اور
مشہور تھیوڈورس کی صناعی کا ایسا بیش بہا نمونہ ہے کہ ہمیں ہر وقت اندیشہ رہتا ہے
کہیں زیادہ چھونے چھانے سے خراب نہ ہو جائے اس لئے میری خواہش ہے کہ
عنقریب یونان بھیجکر اس کی ایک سونے کی نقل بنوا کر منگا لوں۔ اب اپنے دکھیا گھر کا
حال سنو۔ میں اپنا دل تھام کر کل واقعات بالترتیب بیان کرنے کی کوشش کرونگی

بیٹی زیادہ رنج نہ کرنا اور صبر سے کام لینا کیونکہ دیوتاؤں کی مرضی کے سامنے کسی کا چارہ نہیں تمہاری روانگی کے بعد تین چار دن تک تاشو برابر روتی رہی اور باوجود میرے و تمہارے باپ کے سمجھانے بجھانے اور پجاریوں کی دعا و پھونک وغیرہ کے کسی حال اُس غریب کے دل کو قرار نہ آیا۔ آخر چوتھے دن اسکے آنسو تھمے تو اس وقت سے اُسے چُپ لگ گئی جو بات اس سے پوچھی جاتی بڑی دیر میں آہستہ سے جواب دیتی اور دن بھر خاموش چرخہ کے پاس بیٹھی رہتی۔ کبھی جی میں آیا تو ذرا سا سوت کات لیا ورنہ گھنٹوں یوں ہی ہاتھ پہ ہاتھ رکھے کسی سوچ میں رہتی اور آہیں بھرا کرتی۔۔ وہی تاشو جسے تم جانتی ہو کیسی ہنس مکھ خوش مزاج تھی اور ہر وقت اپنے باپ کو چھیڑا کرتی تھی اب وہ کوئی ہنسی کی بات بھی سُنتی تو لبوں پر مسکراہٹ تک نہ آتی اور کہنے والے کا مُنہ تکنے لگتی۔ میں اکثر اُسے دلاسا دیتی۔ سمجھاتی بجھاتی اور کبھی خفا بھی ہوتی مگر سب بے سود۔ زیادہ کچھ کہا تو رونے لگتی یا یکبارگی شرما کر مجھ سے لپٹ جاتی پھر جلدی سے چرخہ کے پاس بیٹھ کر دیوانوں کی طرح چند منٹ تک کام کرتی۔ بعدہ اسی طرح سب چھوڑ چھاڑ کر آنکھیں نیچے کئے زمین کو دیکھنے لگتی اور کسی خیال میں محو ہو جاتی۔ اگر ہم کسی جشن یا تماشہ میں مجبوراً اُسے ساتھ لیجاتے تو بڑی بددلی کے ساتھ چلنے پر راضی ہوتی اور مہمانوں کی طرف مُنہ تھتائے الگ کھڑی رہتی ایک دفعہ ہم اُسے بوبستس[1] کی بڑی تیرتھ گاہ پر لے گئے جہاں ہر سال ایک بہت بڑا میلا ہوا کرتا ہے

[1] بوبستس کے حالات ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قدیم مصری ہر قسم کے میلوں اور تماشوں کے بڑے دلدادہ تھے اور اپنے مختلف دیوتاؤں کی یادگار میں مختلف زمانوں میں تہوار منعقد کرتے تھے مثلاً اسرس کے تین میلے تھے جن میں طرح طرح کی رسومات کے ساتھ اس مشہور دیوتا کی زندگی کے افسانے دکھائے جاتے تھے۔ ایپس بیل کا بھی ایک بڑا جشن ہوتا تھا۔ اسی طرح پشت۔ آئسس۔ منتیھ اور بوبستس کے بھی بڑے بڑے میلے تھے جن میں آخرالذکر نہایت مشہور تھا۔ ان سب میں لوگ خوب دل کھولکر رنگ رلیاں مچاتے۔ بداخلاقیوں کے مرتکب ہوتے اور طرح طرح

اور لوگ اپنی فکر و افکار بھول کر ہمہ تن عیش و تفریح میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دریائے نیل کے
کناروں پر بڑی چہل پہل رہتی ہے۔ قسم قسم کے کھیل و تماشے ہوتے ہیں۔ شراب و کباب
کے دور چلتے ہیں اور ہر طرف سے گانے بجانے و ہنسی دل لگی کی آوازیں آتی ہیں۔ تاشو
نے اس سے پہلے کبھی ایسے پر لطف تماشہ کو نہ دیکھا تھا۔ مگر وہاں پہنچتے ہی پہلے دن
اسکی عجیب حالت ہو گئی۔ اول تو وہ حبشیوں کی طرح ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر
اس قدر روئی کہ ہچکیاں بندھ گئیں اور ہم لوگ سخت پریشان و مایوس ہو کر وہاں سے
بھی بھاگے اور اپنی غمزدہ بچی کو پھر سئینز واپس لے آئے۔ اس کی صورت پر اب ایسی
پاکیزگی و نور برستا تھا کہ بالکل ایک دیوی معلوم ہوتی تھی اسکے چہرہ کا رنگ کاغذ کی طرح
سفید ہو گیا تھا۔ اور گلاب کی نئی پنکھڑی کی مثل بس ذرا سی سرخی باقی رہ گئی تھی۔ اس کا قد
دبلاپے کی وجہ سے لمبا معلوم ہوتا تھا۔ آنکھیں ہر وقت چمکتی رہتی تھیں اور یہ شبہ ہوتا تھا
کہ آسمان و زمین کی کوئی بات ان سے مخفی نہیں ہے۔ میرے خیال میں تو وہ دوسری
ہی دنیا کی سیر کیا کرتی ہے۔ غرض کچھ دنوں بعد ہمیں معلوم ہوا کہ اس کا ماتھا اور ہاتھ پیر
ہر وقت جلتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی زور دیکر بخار بھی آجاتا ہے۔ یہ حال دیکھا تو ہم بہت
گھبرائے اور اپنے ملک کے سب سے بڑے حکیم امھوتپ کو شہر تھنیز سے فوراً طلب
کیا۔ وہ تمہاری بہن کو دیکھتے ہی چپ ہو گیا۔ اور کچھ دیر بعد سر ہلا کر بولا کہ اسے ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی عجیب رسمیں کرتے۔ آسس کے میلہ میں پجاری برت اور پوجا پاٹ کے بعد
ایک بیل کی قربانی کرتے۔ اسکے پیٹ میں میوے و کشمش بھر کر تیل چھڑک کر آگ پر پکاتے حاضرین
اپنے جسموں کو کوڑوں سے زخمی کرتے اور پھر صدقہ کا بچا ہوا گوشت کھاتے۔ تھوتھ کے میلے میں شامل
ہونیوالے شہد اور انڈے کھاتے۔ اور جب ایک دوسرے سے ملتے تو یہ کہتے "سچائی بھی کیا شیریں ہے"
سورج دیوتا کے لئے بھی ہیلیو پولس میں متعدد میلے ہوتے تھے۔ علاوہ انکے مختلف فصلوں پر جو میلے اور
تہوار ہوتے تھے انکی تعداد کثیر تھی۔ (پردنیسر ولکنسن)

خطرناک بیماری کا اندیشہ ہے۔ اور زیادہ تکان یا ورزش جسمانی حتیٰ کہ چرخہ کاتنے اور زیادہ بولنے بالنے سے بھی تاکیداً منع کر گیا۔ بعدہ قسم قسم کی دیوتاؤں کو بھینٹ چڑھائی۔ نجومیوں ورمالوں سے رائے لی۔ ہاتھر کے پجاری نے جزیرہ فیلی سے ایک مجرب تعویذ بھیجا اُسیرس کے بڑے پروہت نے دیوتا کا ایک بال سونے کی ڈبیا میں رکھ کر اُسکے گلے میں ڈالنے کے لئے بھیجا اور نتیھوتپ ہمارے شہر کے مہاپجاری نے تمہاری بہن کی صحت کے لئے ایک بہت بڑی قربانی کا اہتمام کیا۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ کسی حکیم و پجاری کی تدبیر کارگر نہ ہوئی بلکہ نتیھوتپ نے تو ایک دن مجھسے صاف طور سے کہہ دیا کہ تاشو کے ستارے کچھ زیادہ امید افزا نہیں معلوم ہوتے۔ اسی عرصہ میں ایک اور غضب نازل ہوا۔ ممفس کا متبرک بیل ایک دن یکایک مر گیا اور پجاریوں نے اس کا سینہ چاک کیا تو دل کا کہیں پتہ نہ تھا اس لئے اُنہوں نے کہا کہ مصر پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ ابھی تک اسکی جگہ خالی ہے اور کوئی نیا ایپس[له] ظاہر نہیں ہوا ہے۔

له ایپس۔ اُس بیل کا نام تھا جو روح آسرس کا اوتار خیال کیا جاتا تھا۔ یہ اکیلا برق آسمانی کے نطفہ سے پیدا ہوا تھا۔ اس کے بال سفید۔ پیشانی پر ایک سفید مثلثی نشان پشت پر عقاب یا گِدھ کی۔ اور زبان کے نیچے گبریلے کی شکل تھی۔ اور اُس کی دم کے بال دُہرے ہوتے تھے۔ یہ نشانیاں اس بیل کی تھیں جو دیوتاؤں کی طرح پوجا جاتا تھا۔ اور ممفس کے ایک عالی شان مندر میں رکھا جاتا تھا۔ جہاں اسکے کھانے پینے اور آرام و آسائش میں حد درجہ کوشش و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ نہایت لذیذ غذائیں اسکے لئے تیار کی جاتی تھیں اور ایک خاص کنوئیں کا پانی اسکے پینے کے لئے روزانہ مہیا کیا جاتا تھا۔ اسکے رہنے کے دو اصطبل تھے اور سوائے شاذ موقعوں کے بہت کم باہر نکالا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک وہ خاص تہوار تھا جو اس کی خوشی میں سات دن تک مناتے تھے۔ پروہت اسے بڑے جلوس کے ساتھ باہر نکالتے تھے۔ فوج وغیرہ بھی ہمراہ ہوتی تھی اور جس مکان کے قریب سے ایپس گذرتا تھا لوگ اپنی گردنیں جھکا لیتے تھے۔ اور جو نو عمر لڑکے اسکی سانس کو سونگھ سکتے تھے

عوام میں مشہور ہے کہ دیوتا تمہارے باپ کے راج سے ناخوش ہیں اور بوتو کے پیام ربانی نے یہ ندا دی ہے کہ جبتک غیر مذاہب کے وہ تمام مندر جنہوں نے مصر کی سیاہ زمین[۱] کو ناپاک کر دیا ہے نیست و نابود نہ کر دیئے جائیں اور کافر اس ملک سے خارج نہ ہو جائیں گے دیوتاؤں کے غضب کی یہی حالت رہے گی اور انکی بخشش و مہربانی اس ملک پر سے ہمیشہ کے لئے اُٹھ جائے گی۔ ان سب بدشگونیوں کے آخر نتیجے بھی ظاہر ہونے لگے۔ تاشتو کا بخار بہت بڑھ گیا۔ نو دن تک اُسے ہوش و حواس نہ رہا۔ ہم سمجھے کہ اب جانبر نہ ہو گی مگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انکے متعلق خیال کرتے تھے کہ قوتِ کاہنہ ان میں آگئی اور آیندہ واقعات کی پیشینگوئی کرنے کے قابل ہو گئے۔

اپیس سے آرکل کا بھی کام لیتے تھے مثلاً ہاتھ بڑھا کر اسے کچھ کھانیکو دیتے۔ اگر وہ کھالیتا تو جواب اثبات میں ہوتا ورنہ نفی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سائل ایک اگن ہوتر پر لوبان جلاتا۔ چراغوں میں تیل ڈالتا اور اپیس کے داہنی جانب نذرانہ رکھکر اپنا منہ اسکے کان کے قریب لاکر استفسار کرتا۔ پھر اپنے دونوں کان بند کئے فوراً باہر نکل جاتا۔ اور جو شخص سب سے پہلے ملتا اُسکے مُنہ سے کوئی بات سُنکر شگون لیتا۔ آیندہ زمانہ میں یونانی بھی اُسکے معتقد ہو گئے تھے۔ جب یہ مقدس بیل اتفاقیہ مرجاتا۔ یا پچیس برس گذر جاتے تو اُسے خود مار ڈالتے۔ ان دونوں حالتوں میں ایسا سخت ماتم ہوتا گویا آسرس مر گیا ہے۔ اسکے جسم پر مصالحہ وغیرہ لگا کر تابوت ایک خوشنما کشتی میں رکھکر لے جاتے اور سینکڑوں پروہت تیندوے کی کھال زیب تن کئے عود دان۔ عصا اور دیگر ظروف ہاتھوں میں لئے ساتھ ساتھ ہوتے۔ ہزار ہا روپیہ اس جنازہ کے جلوس پر صرف ہوتا۔ بعد ازاں نئے اپیس کی تلاش میں خاص پروہت نکلتے اور جب وہ ملجاتا تو تمام ملک میں خوشیاں منائی جاتیں۔ چالیس دن تک وہ دریائے نیل کے قریب رکھا جاتا جہاں صرف عورتوں کو اسکی زیارت کی اجازت ہوتی۔ بعدہٗ بڑی شان و شوکت کے ساتھ ایک طلائی حجرہ میں بند کر کے اُسی کشتی پر بٹھا کر ممفس لیجاتے۔

(پروفیسر ولکنسن)

[۱] قدیم زمانہ کے لوگ مصر کو جیم کہتے تھے یعنی وہ ملک جس کی مٹی یا زمین سیاہ ہو (ایبر)

شکر ہے کہ بڑے علاج معالجہ کے بعد کچھ سنبھل گئی ہے اور اب اُسے کسی قدر افاقہ ہے تاہم اس قدر کمزور ہے کہ پلنگ سے اُٹھ نہیں سکتی اور دوسروں کی مدد سے نقل و حرکت کرتی ہے۔ اب اپنے باپ کی مصیبت کا حال سُنو۔ بوبسٹس کے تہوار میں انکی آنکھیں دُکھنے آئیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس ملک میں آنکھوں کا مرض[۵۱] کس قدر عام ہے۔ مگر بجائے آرام دینے یا بخوبی علاج کرنے کے وہ صبح سے شام تک اپنے کام میں مصروف رہتے تھے۔ یا تمہاری بیمار بہن کے پلنگ کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ ہم لوگوں نے بہت منع کیا لیکن انہوں نے ایک نہ سُنی۔ آخر آنکھیں روز بروز بدتر ہوتی گئیں اور جس دن تمہارے بابل میں بخیر و عافیت پہنچنے کی خبر آئی ہے اسی دن تمہارے باپ کی بینائی بالکل زائل ہوگئی۔ اور اب وہ اندھوں کی طرح ٹٹول ٹٹول کر چلتے ہیں۔ ساتھ ہی انکی طبیعت میں ایک عجیب و غریب انقلاب پیدا ہوگیا۔ خوشدلی و مسرت غائب ہوگئی۔ کمزوری وافسردگی بڑھ گئی۔ اور دوسروں کی مدد کی محتاجی نے ہمت و استقلال کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہدیا وہی جو پہلے کیسے دلیر و آزاد منش تھے اب ذرا ذرا سی باتوں میں پجاریوں کی اطاعت کرنے لگے۔ اب انکا زیادہ تر وقت نیتھ کے مندر میں الحاح و زاری و عبادتگذاری میں کٹتا ہے یا اپنی ممی کے لئے جو مقبرہ تیار کرا رہے تھے اسکے انتظام میں مصروف رہتے ہیں۔ انکے حکم سے اپالو کا مندر جسے یونانیوں نے ممفس میں تعمیر کیا تھا۔ اب فوراً منہدم کر دیا جائیگا۔ کیونکہ انہیں خیال ہے کہ اُسی کی وجہ سے تاشو بیمار ہوگئی اور ان کی آنکھوں پر بھی مصیبت نازل ہوئی۔ غرضکہ اسی قسم کے وہم و خیال میں وہ دن رات پڑے رہتے ہیں اور کبھی اپنی بیٹی کے پاس بھی آتے ہیں تو بجائے اس غریب کو تسکین یا دلاسہ دینے کے یہی کہتے ہیں کہ وہ بھی دیوتاؤں کے عذاب میں گرفتار ہے اور اب

[۵۱] پُرانے زمانہ میں بھی مصر میں آنکھوں کے امراض بہت عام تھے اور وہاں کے کحال یا آنکھوں کے ڈاکٹر دنیا میں مشہور تھے۔ (ایبر)

بہتر یہی ہے کہ اس دنیا کا خیال چھوڑ کر آخرت کا دھیان کرے تاکہ آسیرس کی خوشنودی کا
باعث ہو اور اُسکے قاضی جو پاتال میں رہتے ہیں گناہوں کا زیادہ مطالبہ نہ کریں۔ ان باتوں
سے میری بچی کو اور بھی خوف و صدمہ ہوتا ہے اور مجھے بھی بُرا معلوم ہوتا ہے جس کا شاید یہ سبب
ہو کہ باوجود مصر میں اتنے عرصہ تک رہنے کے میری طبیعت اب بھی یونانی ہے اور ہر وقت
موت کا خیال دل میں لاکر زندگی کو تلخ و بدمزہ نہیں کرنا چاہتی۔

کچھ دن ہوئے کہ حکیم امھوتیپ پھر مریضہ کو دیکھنے کے لئے آئے۔ مجھ سے علیحدہ
گفتگو ہوئی تو کہنے لگے مجھے یہی حیرت ہے کہ ایسی لاغر و کمزور لڑکی اتنے عرصہ تک ایسی
مہلک و سخت بیماری کے جھٹکوں کو کیونکر برداشت کرتی رہی۔ اسکی حالت ایسی خراب ہے
کہ کبھی کی چل بسی ہوتی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑی تمنا یا خواہش دل میں باقی ہے
اور زندہ رہنے کا خیال ایسا مستحکم ہے کہ روح کو قفس عنصری سے نکلنے کی اجازت نہیں
دیتا۔ اگر وہ مایوس ہو کر اب مرجانے کا ارادہ کرے تو ایسی آسانی سے دم نکل جائے جیسے
کوئی بیٹھے بیٹھے سو جاتا ہے۔ لیکن اسکی تمنا پوری ہو جائے تو گو یہ بحالات سے معلوم
ہوتا ہے تاہم ممکن ہے کہ وہ کئی سال تک زندہ رہے۔ مگر اسکی خواہش و امید کچھ دنوں اور
بر نہ آئی تو وہی جذبہ جو اُسے موت سے روکے ہوئے ہے باعث ہلاکت بن جائے گا
بیٹی! تو کچھ سمجھی؟ کہ وہ کونسا جذبہ اور کیا آرزو و تمنا ہے جو تیری بہن تاشو کو گھلا گھلا کر مار رہی ہے
شاید تجھے پہلے سے شبہ ہو۔ جسے میں اب دور کئے دیتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ تیرے دیور
کی یہ سب حرکتیں ہیں۔ اُسی نے ہماری تاشو پر ایک ایسا افسوں کر دیا ہے کہ وہ اس کے
عشق و محبت میں گرفتار ہو گئی۔ بچاری امنامن کا تو یہ قول ہے کہ ایرانی شاہزادہ یقیناً
کوئی جادوگر ہوگا جس نے ایک انچھر پڑھ کر شاہزادی کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ مگر مجھے اسکا
یقین نہیں آتا کیونکہ تاشو ایسی بھولی بھالی اور محبت کرنے والی لڑکی ہے کہ پردیسے سے
کم بھی کوئی حسین و جمیل ہوتا اور اسکی طرف نگاہ الفت سے دیکھتا تو وہ اسی کا دم بھرنے لگتی۔

غرضکہ کچھ بھی ہو مگر اب تو اسکے عشق کی یہ حالت ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی بلکہ بعض وقت تو اُسے کسی مافوق العادت اثر پر محمول کرنے لگتی ہوں۔ تمہاری روانگی سے کچھ دن پہلے مجھے اس بات کا شبہ ضرور تھا کہ لڑکی۔ ایرانی سے بہت مانوس ہو چلی ہے۔ لیکن اسکے رونے دھونے کو ہم تمہاری جدائی کا غم سمجھے۔ بعدہٗ جب وہ چُپ ہو کر ہر وقت مغموم رہنے لگی تو ہمیں حیرت ہوئی۔ مگر ابی کوس جو اُس زمانہ میں ہمارے یہاں مقیم تھے سمجھ گئے اور ایک دن اسکی طرف مسکرا کر کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے یہ حضرت کیوپڈ کی کارستانیاں ہیں اور اُسی نے اس غریب لڑکی کے دل پر ایک زخم کاری لگایا ہے۔ اس وقت تاشو اپنے چرخے کے پاس بیٹھی ہوئی حسب معمول کسی خیال میں گم تھی کہ ابیکوس نے میرے سامنے اسکے کان میں چپکے سے سافو کے یہ اشعار پڑھے۔

کہتی ہوں اسے مادرِ مشفق میں اپنے دل کا راز
کاتنے بُننے کا اب ہوگا نہ مجھ سے کاروبار

عشق ہے اک نوجواں کا میرے دل میں جلوہ گر
نازک افرودیت کے چھل کا ہوئی ہوں میں شکار

ان اشعار کے سُنتے ہی لڑکی کا چہرہ یکایک متغیر ہو گیا اور گھبرا کر پوچھنے لگی۔

"ابی کوس! کیا یہ آپ کے اشعار ہیں؟"

ابی کوس "وہ نہیں میرے نہیں بلکہ پچاس برس ہوئے کہ سافو کی زبان سے نکلے تھے"

تاشو (بڑے غور و تامل کے ساتھ) پچاس برس ہوئے!!

شاعر "ہاں عشق ہمیشہ سے یکساں رہا ہے جس طرح سافو پچاس برس ہوئے اسکے پنجہ میں گرفتار تھی۔ اسی طرح دنیا ابدالآباد سے رہی ہے اور آیندہ بھی ہمیشہ رہیگی"

یہ سُنکر ہمارے کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی آئی اور اس وقت سے جب کبھی چرخہ کے پاس بیٹھی انہیں اشعار کو گنگنایا کرتی۔ باوجود اس افشائے راز کے ہم لوگوں نے

کبھی کوئی ایسا سوال کرنا مناسب نہ سمجھا جو اُسکے محبوب کی یاد کو تازہ کر دے۔ مگر جب کبھی بخار کے دورے آتے اُٹھتے بیٹھتے بردیہ کا نام ہمیشہ زبان سے نکلتا۔ پھر جب ہوش آتا تو چپ ہو جاتی۔ ایک دن مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے پوچھا کہ بیٹی! بیہوشی کی حالت میں تو یہ کس کا نام رٹا کرتی ہے۔ یہ سُنکر وہ رو دی اور اپنا تمام حال دل مجھ سے صاف صاف کہہ سُنایا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھ کر بڑے اعتقاد و جوش کے ساتھ بولی "اماں اب مجھے یقین ہے کہ جب تک مجھے انکا دیدار نصیب نہ ہوگا میں ہرگز نہ مرونگی" کچھ دن ہوئے کہ اس نے یہ ضد کی کہ مجھے بڑے مندر میں لیچلو میں جا کر دعا مانگونگی۔ غرضکہ ہم لوگ جب لیگئے تو بوقت واپسی صحن سے ہو کر گذرے تھے کہ راستہ میں چند بچے کھیلتے نظر آئے۔ ان میں سے ایک چھوٹی سی لڑکی اپنی ہمجولی سے کچھ کہہ رہی تھی جسے سُنکر تاشو نے اپنے محافہ برداروں کو ٹھیرنے کا حکم دیا اور لڑکی کو پاس بلا کر پوچھا "تم ابھی کیا کچھ کہہ رہی تھیں"۔

لڑکی۔ "ہم اپنی گیاں سے اپنی بڑی بہن کا حال کہہ رہے تھے"

تاشو۔ (بڑی محبت سے لڑکی کو چمکار کر) وہ کیا ہے۔ ذرا ہم بھی سُنیں"۔

لڑکی۔ (مسکرا کر۔ ادب سے) "میں کہہ رہی تھی کہ کچھ دن ہوئے ہماری بڑی بہن کی منگنی ہوئی تھی مگر ہم نے اپنے دولہا بھائی کو نہیں دیکھا تھا۔ کل رات کا واقعہ ہے کہ جب ستارہ آسس[1] آسمان پر چمک رہا تھا ہم سب مکان کی چھت پر بیٹھے نرد کھیل رہے تھے۔ اتنے میں کسی کے آنے کی آہٹ سُنائی دی اور یکایک دولہا بھائی سامنے کھڑے ہو گئے اور ایک بڑا سا سونے کا خوبصورت ہار اپنی دلہن کے گلے میں پہنا کر آپا جان کے قدموں پر گر پڑے"۔

تاشو نے اُس لڑکی کو بڑی محبت سے پیار کر کے اپنا بیش بہا ہاتھ کا پنکھا انعام دیا

[1] آسس (آسرس کی بیوی۔ جو اسکی بہن بھی تھی) ڈاگ اسٹار یعنی شعرالیمانی بن گئی۔ اس ستارہ کا طلوع آغاز سیلاب کی علامت تھا اور مبارک سمجھا جاتا تھا۔ (ولکنس)

پھر جب ہم گھر پہنچے تو میں نے دیکھا کہ اُسے کوئی غیر معمولی خوشی ہے۔ کچھ دیر بعد میری طرف مسکرا کر کہنے لگی " اماں جان۔ آپ نے دیکھا مجھے مندر میں جانے سے کیا فائدہ ہوا۔ وہاں جو بات بچوں کی زبان سے نکلتی ہے وہ ضرور پوری ہوتی ہے۔ آج کا شگون بہت مبارک ہوگا۔ اور اس لڑکی کا کہنا دیکھ لیجے کہ آخر صحیح نکلے گا اور وہ ضرور آئیں گے اور اپنے ساتھ ایک سونے کا ہار بھی لائیں گے۔ آپ نے سُنا بھی اور کچھ سمجھیں بھی۔ پیاری اماں! میرا دل بولتا ہے کہ ضرور ایک مرتبہ پھر اُن سے ملکر رہوں گی۔

کل کا ذکر ہے میں نے **تاشو** سے کہا۔ تمہاری بہن کو خط لکھ رہی ہوں کچھ تم بھی لکھواؤ گی اس پر اس نے جواب دیا کہ میری طرف سے پیاری منیتیس کو بہت بہت آداب و اشتیاق دید کے بعد یہ لکھ دیجے کہ بہن میں آج کل بہت ناتوان و ضعیف ہو گئی ہوں۔ ذرا سی طاقت آجائے تو آپ کو اپنا مفصل حال لکھوں مگر آج جب میں یہ خط بھیجنے لگی تو اُس سے نہ رہا گیا اور ابھی ابھی بڑی مشکلوں سے ایک خط لکھ کر میرے پاس لائی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اسے بھی اپنے لفافہ میں بند کر کے بھیج دیجئے اور بہن کو لکھ دیجئے کہ سوائے اپنے اور کسی کو نہ دکھائیں۔ اب بیٹی میں اپنا خط ختم کرتی ہوں۔ قاصد بڑی دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔ کیا کہوں میں تو چاہتی تھی کہ تمہیں کوئی اچھی خبر سُنا کر خوش کرتی مگر جدھر نگاہ جاتی ہے سوائے غم و اندوہ کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ تمہارے بھائی کا بھی حال ناگفتہ بہ ہے وہ سوائے پجاریوں کے اور کسی کی بات ہی نہیں سُنتے۔ پنیتھوتیپ کا ان پر اس قدر اثر ہے کہ اب اسی کو ملک کے تمام سیاہ و سفید کا مالک سمجھنا چاہیے کیونکہ تمہارے غریب باپ نے اندھے ہونیکے بعد سامیتیک کو عنانِ حکومت دیکر پورا آزاد کر دیا اور یہ فرمان جاری کر دیا کہ وہی عنقریب مالک تخت و تاج ہونگے اسلیئے مناسب ہے کہ ابھی سے انہیں تمام شاہانہ اختیارات بخش دیئے جائیں۔ اسی کے بعد تمہارے بھائی نے فنیس کے بیگناہ بچوں کو رہوڈوفس کے مکان سے

زبردستی پکڑ بلایا۔ پھر اُن دو لاکھ سپاہیوں کی اولاد کو جو سامتیک اول کے زمانہ میں خفا ہو کر ملک حبش چلے گئے تھے بلا نیکے لئے پیغام بھیجے۔ تاکہ یونانی فوج کو نکال کر انہیں اپنا پشت پناہ بنائے۔ مگر اس میں اُسے ناکامی ہوئی۔ سامتیک کی ان حرکتوں سے یونانیوں میں سخت بےچینی پھیل گئی۔ انکے سردار ارسٹو میقس نے مع اپنے دس ہزار سپاہیوں کی نوکری چھوڑنے کی دھمکی بھی دی مگر اس نے کچھ پرواہ نہ کی اور افسوس ہے کہ فینس کے بچوں میں سے ایک کو نہایت بیدردی سے قتل کرا دیا۔ اس حادثہ کے بعد دوسرے دن یکایک ارسٹو میقس غائب ہو گیا۔ معلوم نہیں کدہر چلا گیا کسی کو آجتک پتہ نہ چلا۔ باقی ماندہ سپاہ روپیہ کے لالچ سے ابھی تک مصر میں موجود ہے مگر ظاہر ہے کہ اسکی حالت بھی کس قدر ناقابل اعتبار ہے۔ یہ تمام واقعات گذر گئے مگر تمہارے باپ کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ اب تارک الدنیا ہو کر ملکی باتوں میں کچھ دلچسپی نہیں لیتے۔ اور اپنا تمام وقت عبادتگذاری میں صرف کرتے ہیں۔ شہزادہ کتنا ہی ظلم و ستم کرے انہیں کچھ پرواہ نہیں۔ مجھ سے صوبوں کے ناظم اور افسران فوج کہتے تھے کہ اگر یہی حالت کچھ دنوں اور رہی تو مصر کی خیر نظر نہیں آتی۔ سامتیک آج ایک بات کرتا ہے اور کل اُسی کے خلاف حکم نافذ کرتا ہے۔ ہر کس و ناکس اس سے متنفر ہے۔ حکومت کا اعتبار و بھروسہ لوگوں کے دل سے اٹھتا جاتا ہے اور ہر طرف تباہی و ادبار کے نشان نظر آ رہے ہیں۔ پیاری بیٹی۔ اب میں تجھ سے رخصت ہوتی ہوں۔ دیکھ پردیس میں اپنے ماں باپ کو بھول نہ جانا۔ اور مجھے معاف کرنا کہ اتنے عرصہ تک تجھے ان باتوں سے بےخبر رکھا۔ تاشو کے لئے دعا مانگنا۔ کریسس اور دوسرے ایرانی دوستوں کو ہمارا سلام کہنا اور بریہ سے اپنی بہن کا حال کہہ کر جتنا دینا کہ وہ غریب اب لب گور ہے اور تمہیں اپنا آخری سلام بھیجتی ہے۔ ہاں اور اگر تم سے ممکن ہو سکے تو شاہزادہ کی کوئی نشانی لیکر اپنی بہن کو بھیجدو۔ تاکہ وہی دیکھ کر اسے کچھ تسکین ہو جائے۔ اور سمجھے کہ وہ ابھی تک اُسے بھولا نہیں ہے۔ اچھا تو اب الوداع

دیوتا ہمیشہ تمہیں اپنی سسرال میں خوش وخرم رکھیں اور ہمیں سلامتی کے ساتھ تم سے پھر ملائیں۔"

باب سولہواں

بوگس کی سازش

جس طرح صبح روشن کے بعد یکایک ابر سیاہ آکر مطلع صاف کو مکدر کر دیتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات خوش آیند امیدیں مایوسی وغم کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں نیلیتبس اس خط کا کس شوق کے ساتھ انتظار کر رہی تھی مگر اُسے پڑھتے ہی اسکی تمام مسرت و خوشی پر پانی پھر گیا۔ اور دل پر رنج واندوہ کا ایسا غبار چھا گیا کہ ایک لحظہ بھر میں اسکی زندگی کا وہ زمانہ جو اپنے پیاروں وعزیزوں کے ساتھ کس لطف وعیش کے ساتھ کٹتا تھا۔ بالکل خواب وخیال معلوم ہونے لگا۔ وہ اس وقت لباس شاہانہ زیب تن کئے دُلھن بنی ہوئی زار و نظار رو رہی تھی اور سوائے اپنے والدین کی مصیبت اور بہن کی علالت کے کوئی دوسرا خیال نہ آتا تھا۔ آنے والی زندگی کی آرزوئیں وامیدیں۔ حکومت ودولت کی خواہشیں وتمنائیں تمام دل سے مفقود ہو گئیں اور کمبوجیہ کی پیاری محبوبہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے عاشق کو بھی بھول گئی۔ وہی لڑکی جو کچھ دن بعد ایک عظیم الشان سلطنت کی ملکہ ہو کر کمال جاہ وحشم حاصل کرنے والی تھی ان سب باتوں کو فراموش کر کے اسوقت ہی اپنے خاندان کی مصیبت پر نوحہ وغم وگریہ وزاری کر رہی تھی اور کوئی آس پاس نہ تھا جو اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو تھوڑی دیر کے لئے تسکین ودلاسا دیتا۔

اب دن بہت زیادہ ڈھلکر سورج قریب غروب پہنچگیا۔ لیکن شاہزادی اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ اتنے میں ماندانہ باقی سنگار ختم کرنیکے لئے آہستہ سے کمرے کے اندر داخل ہوئی اور اپنی مالکہ کو میز پر سر نگوں دیکھ کر یہ سمجھی کہ شاید ابھی تک سو رہی ہیں اٹھانا مناسب نہیں عبادتگاہ سے آنے کے بعد بہت تھک گئی تھیں اسلئے آرام کرنا ضروری ہے تاکہ آج رات کے جشن میں بالکل تر و تازہ ہو کر شامل ہوں اور انکے حسن و جمال کے سامنے دوسرے ایسے ہی نظر آئیں جیسے چاند کی روشنی میں تمام تارے مدہم ہو جاتے ہیں۔

یہ سوچتی ہوئی ماندانہ آہستہ سے دبے پاؤں واپس چلی گئی۔ باہر نکلتے ہی اس نے سیدھا باغ کا رخ کیا اور ایک کیاری کے پاس جھک کر کچھ پھول توڑنے لگی۔ پھر اپنی چوڑی کے دیکھنے میں جسکے جواہرات چمک رہے تھے ایسی محو ہوگئی کہ اسکی نظر اس شخص پر نہ پڑی جو اپنے پنجوں کے بل کھڑا ہوا کھڑکی کی طرف گردن جھکائے نتیتیس کے کمرے میں جھانک رہا تھا اس نے جیوں ہی آہٹ پاکر خواص کو پلٹ کر دیکھا۔ فوراً الگ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اور اسکے پاس آکر زنانی آواز سے بولا "سلام! بی ماندانہ کہو تمہارا مزاج تو اچھا ہے؟"

ماندانہ یہ سنکر چونک پڑی اور بوگس کو پہچان کر بولی "اے ہے میرا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ کوئی غیر مرد ہوتا تو مجھے غش ہی آجاتا۔ تمہاری آواز تو زنانی ہے اس سے ڈرنا کیا؟"
بوگس سمجھ گیا کہ اس پر یہ طنز یہ جملہ کسا گیا ہے۔ مگر ظاہر داری سے مسکراتا ہوا ہاتھ مٹکا کر بولا "میں اس بھولے پن کے قربان جاؤں۔ سچ کہتا ہوں تجھ ایسی خوبصورت و نازک چڑیا اس محل کے پنجرے میں بند رہے گی تو کسی دن دم گھٹ کر جان پر آ بنے گی۔ گھبرا نہیں تیرے دن بھی اب پھرنے والے ہیں۔ تیری بیوی عنقریب ملکہ ایران ہونگی اور یقین ہے کہ ضرور کوئی بانکا ترچھا نوجوان ڈھونڈ کر اس سے شادی کر دیں گی۔ تو اس قید محن سے نجات حاصل کر کے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرے گی۔"

ماندانہ۔ (چیخ کر شوخی و طراری سے) "آپ اپنی ہمدردی و شفقت تہہ کر کے رکھ چھوڑیئے

مجھے خوب معلوم ہے کہ میری بیوی کے بے مثل حسن و جمال کو دیکھ کر بہت سے دلوں پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔ میری قسمت میں جو ہوگا وہ بلا آپ کی مدد کے مل جائیگا۔"

بوگس "دیکیوں نہ ہو اس میں کیا شک۔ اچھی صورت کے چاہنے والے بھی پیدا ہو جاتے ہیں شمع کو دیکھ کر پروانے گرتے ہیں۔"

ماندانہ (ناک بھوں چڑھا کر) معاف کیجئے مجھے پروانوں کی ضرورت نہیں۔ خصوصاً آپ سے تو خدا ہمیشہ کے لئے پناہ میں رکھے۔"

خواجہ سرا۔ (مسکرا کر) اے ہے ایسی نفرت۔ تمہارا کہنا میرے سر آنکھوں پر۔ مگر بی بی یہ تو بتاؤ۔ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا جو تم اس قدر ناراض ہو۔ بھول گئیں۔ میری ہی وجہ سے آج اس مرتبہ پر پہنچی ہو۔ میں کیا تمہارا ہم وطن نہیں اور تم پر کوئی حق نہیں رکھتا۔"

ماندانہ (جھنجلا کر) آخر آپ کا مطلب کیا ہے اور حق ہم وطنی کیوں جتایا جا رہا ہے۔ اگر یہی ہے تو اس شہر کے قریباً نصف باشندے جو میدیہ کے رہنے والے ہیں میرے ہموطن ہونیکے سبب سے کل ہی مجھے اپنی ملکہ کیوں نہیں بنا دیتے۔ یہ غلط ہے کہ تمہارے وسیلہ سے مجھے یہ مرتبہ حاصل ہوا بلکہ موبد اعظم **اروسپیتس** نے ملکہ **کاسندانہ** سے میری سفارش کی تھی نہ کہ تم سے۔ بڑے آئے احسان جتانیوالے۔ جاؤ اپنے گھر جا کر بیٹھو۔ یہاں تمہیں کوئی نہ پوچھے گا۔"

بوگس "۔ خدا کی پناہ ایسا غصہ و بے اعتنائی! آپ کو کچھ یہ بھی خبر ہے کہ میرا اب بھی اس محل میں کافی اقتدار ہے اور بلا میری اجازت کوئی یہاں قدم نہیں رکھ سکتا۔"

ماندانہ۔ "مجھے سب کچھ معلوم ہے بلکہ آپ سے بھی زیادہ خبردار ہوں مگر۔۔۔۔"

بوگس "۔ مگر عورت ذات بڑی ناشکر گذار ہوتی ہے اور کبھی کسی کے احسان کی مستحق نہیں۔"

ماندانہ۔ (بگڑ کر) ذرا زبان سنبھال کر بولئے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں کوئی رذیل

کمینی عورت نہیں بلکہ شریف خاندان سے ہوں۔ جو اپنے احسانمندوں کو پہچانتی ہے
مگر آپ ایسیوں کو پاپوش پر مارتی ہے۔"

بوگسں۔" تم بات بات پر چراغ پا کیوں ہوتی ہو میں تمہیں رذیل کب کہتا ہوں۔ کیا مجھے
معلوم نہیں کہ تمہارے والدین شریف مجوس خاندان سے تھے۔ اور جب عین عالم شباب
میں انکا انتقال ہوگیا۔ تو ہمارے موبد اعظم کے والد مکرم کے سایہ عاطفت میں تم نے پرورش
پائی۔ انہوں نے تمہیں اپنے بچوں کی طرح رکھا۔ پھر خیر سے جب تم جوان ہوئیں اور بالیاں
پہننے کے دن آئے تو گوماتا ہمارے موبد کا چھوٹا بھائی تمہاری پیاری صورت دیکھکر
سو جان سے عاشق ہوگیا اور گو ابھی اٹھارہ انیس برس سے زیادہ عمر کا نہ تھا مگر تم سے نکاح
کا خواہشمند ہوا۔ اب شرماؤ نہیں۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے آخر اس میں حرج ہی کیا۔ تم نے
کونسی بری بات کی جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ عشق و محبت ہو ہی جاتا ہے اور گوماتا و
ماندانہ کا جوڑ بھی کیا ہی اچھا ہے۔ سچ کہتا ہوں مجھے یہ دونوں نام ایسے پیارے لگتے
ہیں کہ اگر شاعر ہوتا تو اپنے ہیرو کا نام گوماتا اور اسکی معشوقہ کا ماندانہ رکھتا۔"

ماندانہ۔ (جو شرم سے پسینے پسینے ہوگئی۔ اپنے پیر کو زور سے زمین پر مارکر) خبردار جو اس
قسم کی ہنسی دل لگی مجھ سے کی۔ تم نے مجھے سمجھا کیا ہے۔"

خواجہ سرا۔ اے ہے تو میں نے کون سی بری بات کہی۔ یہی کہا ناکہ دونوں کا جوڑ بہت
اچھا ہے۔ اس میں چنچنے کی بات ہی کیا ہے۔ اگر خفا ہی ہونا ہے تو ارد بستس کی خبر لو
جس نے تم دونوں میں مفارقت و جدائی پیدا کردی اور اپنے بھائی کو راغہ بھیجکر تمہیں
حرم شاہی میں ملازم کرا دیا۔"

مندانہ۔" تم بڑے گستاخ ہو۔ اور میرے محسن پر ناحق تہمت و الزام لگاتے ہو۔"

بوگسں۔ اگر ایک حرف بھی جھوٹ کہتا ہوں تو خدا کرے میری زبان ہی سڑ جائے۔ تم
ابھی نادان و ناتجربہ کار ہو تمہیں دنیا کی خبر ہی کیا۔ موبد نے اپنے حسین بھائی کو اس لئے

دور سمجھ پاکہ اسکی شادی کسی بڑے گھرانے میں ٹھیرائے۔ تمہیں تو وہ ایک معمولی سی یتیم لڑکی سمجھتا ہے۔ جو اسی کی روٹیوں پر بلکہ اتنی بڑی ہوئی ہے۔ اس لئے تمہیں ایک معقول بہانہ سے اپنے گھر سے چلتا کر دیا۔ اب وہ منیزہ دنوشابہ کے رتبہ کی امیرزادیوں کی فکر میں ہے تاکہ انکی وجہ سے اُسے رسوخ و عزت حاصل ہو (کان کے پاس آکر) تم سے ایک راز کی بات کہتا ہوں کسی سے ذکر نہ کرنا۔ اروسپتس کو آجکل خاندان شاہی سے کوئی تعلق پیدا کرنے کی حد درجہ کاوش ہے۔ کیونکہ جنگ ماساجٹ کے زمانہ میں اُسے ملک پر حکومت کرنے کا ایک لاجواب موقع ملجائیگا۔ وہ خود تو اب بوڑھا فرتوت ہے اور شادی بیاہ کے لائق نہیں اس لئے اپنے چھوٹے بھائی سے کام نکالنا چاہتا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ وہ نہایت حسین وجمیل ہے اور شہزادہ بردیہ سے بہت کچھ مشابہ ہے"۔

ماندانہ۔ (جس کی تنک مزاجی اب بکایک غائب ہوگئی تھی) "ہاں تم سچ کہتے ہو۔ ایک بار مجھے بھی شہزادہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ میں سمجھی کہ گوماتا سامنے کھڑے ہیں پھر اپنی غلطی پر سخت پشیمان ہوئی۔ واقعی دونوں ایک دوسرے سے ایسے ملتے ہیں جیسے توام بھائی ہوں۔ اور حسن وجمال میں بھی دونوں لاثانی ہیں"۔

یہ جملہ بے اختیار زبان سے تو نکل گیا۔ مگر لڑکی کی آنکھیں نیچی ہوگئیں اور چہرہ مارے شرم کے سرخ ہوگیا۔

بوگس۔ (مٹک کر) اے ہے میری گلرو۔ گل اندام۔ تم ایسی لجاتی وشرماتی کیوں ہو۔ بیشک دونوں حسن کی تصویریں ہیں اور آپس میں بہت مشابہ ہیں لیکن نظر باز پہچان ہی لیتے ہیں۔ مثلاً آج ہی صبح میں باہر نکلا تھا کہ راستہ میں موبد اعظم کے بھائی۔۔۔"

ماندانہ۔ (اچھل کر سخت حیرت واستعجاب سے) "کیا کہا؟ کیا واقعی گوماتا یہاں موجود ہیں؟ تم نے انہیں دیکھا ہے؟ یا مجھے ستانے کیلئے بات بنا رہے ہو؟"

بوگس۔ "میری الھڑ نادان! تجھے میرا اعتبار نہیں۔ متھرا کی قسم آج ہی تو میں اُن سے

ملا ہوں ۔ دیر تک تمہارا ہی ذکر رہا ۔ وہ بڑی بیتابی و شوق سے سب حال پوچھتے رہے ۔ سچ کہتا ہوں ایسا خوشرو جوان تو کبھی میری نظر سے گذرا نہیں ۔ بڑی بڑی شربتی آنکھیں ہیں ۔ سنہرے گھونگر والے بال ۔ اور گلاب کی طرح سرخ و سفید رخسارے ہیں جنہیں دیکھ کر خود میرے دل کا عجب حال ہو گیا کہ بیان نہیں کر سکتا ۔ اب جس بات کو وہ کہے اور میں رد کروں ۔ یہ ناممکن ۔ اسکے لئے جان تک حاضر ہے (ماندانہ شرما کر منہ پھیر لیتی ہے) میری پری چہرہ نازنیں! تم تو ابھی سے شرمائی جاتی ہو ۔ میں نے پوری بات کہاں ختم کی ۔ (لڑکی کے کان میں آہستہ سے) اب تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ ہی غریب بوگس جس کے ساتھ ایسی رکھائی سے پیش آتی ہو ۔ اپنی ایک بے وفا شوخ ہموطن کی محبت کا کیسا حق ادا کرتا ہے "۔

لڑکی ۔ (تذبذب و شش و پنج میں) "مجھے تمہارا بالکل اعتبار نہیں اور نہ تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں آؤنگی ۔ نہ معلوم میری طرف سے تمہیں یکایک ایسے خلوص و محبت کا جوش کیونکر پیدا ہو گیا "۔

بوگس ۔ (اپنی جیب سے ایک فیتہ نکال کر جس پر نہایت خوشنما سنہرا اور دہیلا کام تھا) "اسے بھی پہچانتی ہو کہ نہیں "۔

ماندانہ ۔ (بیساختہ اچھل کر) "یہ تمہیں کیسے ملا ۔ میری نشانی ہے ۔ چلتے وقت میں نے انہیں دی تھی "۔

بوگس ۔ (گردن ہلا کر) "میں خوب جانتا تھا کہ لوگوں نے میرے خلاف تمہیں اس قدر بہکا دیا ہے کہ ہرگز میری بات کا یقین نہ کرو گی ۔ اسی لئے بطور ایک ثبوت کے گوماتا سے اس فیتہ کو مانگ لایا ہوں "۔

ماندانہ ۔ (بیتابانہ جوش محبت سے) "نہیں نہیں مجھے اب تمہارا بالکل اعتبار ہے ۔ خدا کے لئے جلد کہو انہوں نے کیا پیغام دیا ہے ۔ میں بہت ڈر رہی ہوں ۔ شام ہونے

آئی اور اتنی دیر ہوگئی۔ ابھی مجھے اپنی ملکہ کو دعوت کے لئے کپڑے پہنانا ہیں۔"
بوگس۔ (یکایک ایسا سنجیدہ منہ بنا کر کہ مندانہ ڈر گئی) گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں زیادہ نہ روکوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تم دل ہی دل میں شک کر رہی ہو کہ تمہارے لئے میں ناحق اتنی تکلیف گوارا کر کے کیوں اپنے کو خطرہ میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ اب اس کا اصلی سبب سنو۔ تمہیں اطمینان ہو جائیگا۔ وجہ یہ ہے کہ موبد اعظم سے میری سخت دشمنی ہے۔ وہ ہمیشہ بادشاہ سے میری شکایتیں کیا کرتا ہے اس لئے میں اُسے نیچا دکھانا چاہتا ہوں اور اسکا غرور توڑنیکی فکر میں ہوں اور وہ اس طرح کہ اسکے خلاف مرضی تمہاری و گوماتا کی شادی نہ کرادوں تو میرا نام بوگس نہ رکھنا کل رات بوقت طلوع ستارہ تشترِ[۱] تمہارا عاشق زار تم سے یہاں ملنے آئیگا۔ میں کوئی چال چلکر پہرے والوں کو ملا لونگا تاکہ اُسے اندر آنے سے نہ روکیں۔ وہ صرف ایک گھنٹہ تمہارے پاس ٹھہر سکتا ہے۔ اس عرصہ میں سب باتیں طے ہو جائیں گی اور آئیندہ بھی کوئی مزاحم نہو گا کیونکہ تم شہنشاہ کی منظور نظر ملکہ کی خواص ہو اور مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور تمہاری مرضی کے موافق شادی کے لئے سفارش کریں گی۔ اچھا تو یاد رکھنا۔ بھولنا نہیں۔ جیوں ہی ستارہ تشتر آسمان پر نمودار ہو بس سمجھ جانا کہ تمہارا ابھی کوکب شادمانی و اختر کامرانی بڑی آب و تاب کے ساتھ چمکنے والا ہے (مانداَنہ کو فکر مند و خاموش دیکھ کر) سچ بتاؤ آنکھیں نیچے کئے اب کیا سوچ رہی ہو۔ شاید میری طرف سے دل پسیجا ہے اور احسان مانتی ہو۔ کیوں یہی بات ہے نا؟ اس کا معاوضہ جب جی چاہے تو کبھی دیدینا۔ اور غریب بوگس پر کوئی بُرا وقت آکے پڑے تو اپنی ملکہ ذی شان سے اسکے لئے سفارش کرنے میں دریغ نہ کرنا۔ اچھا تو اب بتاؤ میں جاکر گوماتا سے ملوں کہ نہ ملوں۔ اور اُن سے جاکر کہوں کہ تمہاری معشوقہ ایسی بیوفا نہیں ہے۔

[۱] شاید سیریس (شعریٰ) سے مراد ہے جسے اہرمزد نے تمام ستاروں کا پاسبان مقرر کیا تھا۔ تشتر یا تستر کو بعض لوگ ستارہ تیر یا عطارد بھی کہتے ہیں۔ اس کی قدیم ایرانی پرستش کرتے تھے۔ اور اسے مشرق کا حاکم دا برو مینہ لانے والا سمجھتے تھے۔ (ایمان نامہ)

اور تم سے ملنے کی بڑی آرزو رکھتی ہے۔ (ماندانہ کو گم سُم دیکھ کر) تم ابھی تک سوچ ہی رہی ہو۔ یہاں اندھیرا ہوا جاتا ہے اور مجھے بھی دیر ہو رہی ہے۔ آج مجھے بیگمات کی تیاری وغیرہ کا بہت سامان کرنا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ گوماتا بھی زیادہ نہیں ٹھیر سکتے وہ پرسوں ضرور بابل سے روانہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ اردو سپنٹس کو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ پھر تم سے ملنے کی کوشش نہ کریں۔ اس لئے صرف کل ہی موقع ہے یہ ہاتھ سے گیا تو پھر نہیں آسکتا (ماندانہ سخت کشمکش و پیچ میں ہے) جو سوپاہ کھو یا۔ تم ابھی تک سوچ ہی رہی ہو۔ شاید یہ تمہاری مرضی کے خلاف ہے۔ اچھا تو میں اب یونہی واپس جاتا ہوں اور تمہارے غریب عاشق کو ٹکاسا جواب دیدونگا جسے سُن کر اُسے غش آجائے تو عجب نہیں۔ ایسی محبت سے فائدہ ہی کیا کہ کوئی ذرا سی تکلیف گوارا نہ کر سکے۔ بہتر ہوگا کہ اب آئندہ اس کا خیال ہی اپنے دل سے بھلا دو (ٹھنڈا سانس لیکر) خدا حافظ۔ (رکتی ہوئی زبان سے) میرا اپنا کام تو بلا تمہاری مدد کے بھی حاصل ہو جائیگا!"

غریب ماندانہ کے دل میں ایک عجب طوفان بپا تھا۔ کبھی تو اپنے عاشق سے ملنے کا خیال بے چین کئے دیتا تھا۔ کبھی سوچتی تھی کہیں بوگس کی اس میں کوئی شرارت و دھوکہ بازی نہ ہو۔ دل بھی یہی بولتا تھا کہ اُسے صاف جواب دیدے اور ابھی گوماتا سے نہ ملے۔ دور اندیشی۔ احتیاط و عقل سلیم جذبات پر غالب آتے تھے۔ وہ کہنے ہی والی تھی کہ جاکر اُن سے کہہ دو ابھی ملنا مناسب نہیں ہے کہ اتنے میں اسکی نگاہ پھر اس ریشمی فیتہ پر پڑی جسے اس نے کس محبت سے اپنے پیارے عاشق کے لئے تیار کیا تھا۔ بس کیا تھا۔ غضب ہو گیا۔ بچپن کے مزیدار سین نگاہ کے سامنے پھرنے لگے پرانی ملاقاتوں کی یاد نے اس کو تڑپا دیا اور ایک لحظہ بھر میں خواہش وصل و شوق دیدار نے تمام پاس و لحاظ۔ عزت و حرمت و اندیشہ ناک خیالوں کو دھوئیں کی طرح اُڑا دیا۔ اور قبل اسکے کہ بوگس رخصت ہو اسکی زبان سے بیساختہ نکل گیا "اچھا میں کل

بلدنگی" یہ کہتے ہی ایک آہوئے نورمیدہ کی طرح متوحش وسراسیمہ گھر کے اندر بھاگ گئی۔
بوگس جلدی جلدی قدم بڑھاتا چمن کی روشوں کو چھپاتا اب محل کی چار دیواری کے پاس پہنچا۔ یہاں اس نے نہایت احتیاط سے ایک چور دروازہ کھولا اور جب اُسے اطمینان ہوگیا تو آہستہ سے اُسے بند کر دیا اور باہر سے بہت سے گھونگے وسیپیاں وغیرہ جو وہاں بکثرت پڑے تھے بچھا دیئے تاکہ آنے جانیوالوں کو کوئی شبہ نہ ہو۔ بعدہٗ کچھ دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر یکایک کھلکھلا کر ہنس پڑا اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر مار کر جوش مسرت سے کہنے لگا "وہ مار لیا ہے۔ اب کہاں بچکر نکلتی ہے۔ اس کی بیوقوف خواص کیسی آسانی سے میرے چکمے میں آگئی۔ اور میاں گوماتا بھی اب میرے اشاروں پر کام کریں گے۔ منتیتس آج خوشی کے دن رو رہی تھی۔ نیلی سوسن بھی کل رات شگفتہ ہونے والی ہے اہاہا۔ میری تدبیریں خوب راست آئیں گی۔ مصر کی مغرور حسین شاہزادی؛ تو غریب بوگس سے بڑی حقارت ونفرت سے پیش آتی ہے ذرا ٹھہر تو جا۔ کل تیری اچھی طرح گت بنے گی۔ اور اپنی حرکتوں کا مزہ چکھے گی۔"

ان الفاظ کے ساتھ اسکی آنکھوں سے کینہ پروری۔ حسد وخصومت کے شعلے نکلنے لگے۔ وہ بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھا اور تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک دوسرے خواجہ سرا سے ملا۔ یہ نیکلیسی افسر باغبان تھا۔ بوگس اُسے دیکھتے ہی مسکرا کر بولا "کیوں بھئی نیلی سوسن کا کیا حال ہے"

افسر باغبان۔ (اپنے پیارے دلپسند پھول کا نام سنتے ہی جوش مسرت سے)
"ہرمزد کے فضل وکرم سے سب خیریت ہے میری پھولوں کی شہزادی آج خوب زور دل پر ہے مگر کل اس کا تماشا دیکھنا۔ جیوں ہی ستارہ تستر طلوع ہوگا وہ اس بہار وشان کے ساتھ شگفتہ ہوگی کہ دیکھنے والے عش عش کر جائیں گے۔ میری عین خواہش وتمنا ہے کہ کوئی اسکے دید سے محروم نہ رہ جائے۔ ورنہ ایک عرصہ تک پھر ایسا موقع ہاتھ نہ آئیگا

میری پیاری سوسن دس برس میں صرف ایک ہی رات اپنے اوج کمال پر پہنچتی ہے -
کل وہ رات ہو گی - ہماری مصری شہزادی نے بھی آنے کا وعدہ کیا ہے اور آپ بھی
شہنشاہ و دیگر امراکو مطلع فرما دیجئے گا کہ کل ضرور بوقت معینہ یہاں تشریف لائیں ۔"

بوگس - تمہاری تمنائے دلی یقیناً پوری ہوگی - لیکن شہنشاہ کی تشریف آوری کسی قدر
محال ہے - کیونکہ رسم شادی سے پہلے وہ اس باغ میں قدم رنجہ فرمانا پسند نہ کریں گے
تاہم دیگر امرائے ہخامنش جنہیں فن باغبانی سے بڑی دلچسپی ہے ضرور تشریف لائیں گے
اور اس نادر موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے - شاید میں کری سس کو بھی آنے پر
آمادہ کرسکوں - وہ پھولوں وغیرہ کے ایسے شائق نہیں لیکن پھر بھی یہ ایک عجیب چیز ہے
اُسے دیکھنے خوشی سے آئیں گے ۔"

باغبان "ہاں - کری سس بڑے قدر دان ہیں انہیں ضرور لائیگا - ذرا آکر دیکھیں تو
میری سوسن رانی دنیا کے تمام پھولوں سے کہیں زیادہ دلکش و خوشنما ہے - جب
آپ پہلے آئے تھے تو اُس کی چھوٹی چھوٹی کلیاں سبز پتیوں سے گھری ہوئی پانی پر
تیر رہی تھیں اب وہ بڑی ہوگئیں ہیں اور کل رات مبارک ستارے کو دیکھتے ہی ہنس
پڑیں گی اور آسمانی رنگ کے ایک بڑے گلاب کی شکل بن جائیں گی ۔"

باغبان اپنی ترنگ میں ابھی اور کچھ کہنے والا تھا کہ **بوگس** سلام کر کے رخصت ہو گیا
اور پھاٹک سے نکل کر اس جگہ پہنچا جہاں اسکی دو پہیوں والی گاڑی کھڑی تھی اور کوچبان
منتظر تھا - اس نے مالک کے بیٹھتے ہی گھوڑوں کی راسیں پکڑ لیں جنکی گردنوں میں پھندنے
گھنٹیاں لٹک رہی تھیں اور تیزی سے دوڑتا ہوا بہت جلد حرم شاہی[۵۱] کے باہر پہنچ گیا -

---

[۵۱] شاہان ایران کے حرم میں سب سے بڑی عزت مادر شاہ کی تھی جسکے سامنے خود بادشاہ سر جھکا دیتا تھا
اور دستر خوان پر سب سے زیادہ معزز جگہ پر بیٹھتا تھا بعد بانوئے بانوان یا شہنشاہ کی خاص بیوی کا مرتبہ تھا - یہ عموماً خواہر
شاہ یا ہفت سرداران داریوش اول کے خاندان سے ہوتی تھی - اسے تاج پہننے کا حق تھا - اور اسکے لئے

کمبو جبیہ کے محل میں اس وقت ایک عجب ہل چل مچی ہے۔ تمام بیگمات اپنے جشن میں شامل ہونے کی تیاریاں کر رہی ہیں اور نہا دھو کر خوب بناؤ سنگار کے بعد تر و تازہ و حسین بنکر جانا چاہتی ہیں۔ بوگس کے سپرد اسکا خاص انتظام ہے۔ وہ فوراً اس حصۂ محل کی طرف رجوع ہوتا ہے جہاں زنانے حمام واقع ہیں۔ یہاں ایک عجیب تماشہ نظر آتا ہے عورتوں کے چلانے ہنسنے و کھلکھلانے کی آوازیں آرہی ہیں۔ خاص حمام ایک گنبد نما عالی شان کمرے کی شکل ہے جس میں گرم و خوشبو دار بھاپ کی لپیٹیں دماغ کو معطر کر رہی ہیں اور قریباً تین سو خوش اندام و حسین عورتیں نیم برہنہ نہانے کے لیئے جمع ہوئی ہیں۔ انکے جسم پر باریک ریشمی کپڑے ہیں جو پانی کی وجہ سے ایسے چپک گئے ہیں کہ سڈول و بلوریں بدن بخوبی نمایاں ہیں اور انکا گلابی رنگ چھن چھن کر باہر نکل رہا ہے۔ حمام کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بہت بڑی جاگیر و بکثرت نوکر چاکر مقرر تھے۔ کبھی بادشاہ اس سے خفا ہو جاتا تو کسی دوسری غیر خاندانی عورت کو ملکہ بنا سکتا تھا مگر یہ شاذ تھا عموماً اس ملکہ کا بہت بڑا اثر تھا جسکی خاص مثالیں اتوسا ملکہ داریوش اول و پریزاد بانوئے داریوش ثانی تھیں۔ تیسرے درجہ میں دیگر منکوحہ عورتوں کا شمار ہی اور چوتھے میں کنیزیں اور داشتہ عورتیں ہیں۔ جو مختلف ممالک سے اپنے حسن و جمال گانے بجانے و تعلیم و تربیت کے لحاظ سے منتخب کر کے حرم شاہی میں داخل کی جاتی تھیں۔ یہ سب جداگانہ عمارات میں رہتی تھیں۔ خواجہ سراؤں کی زیر نگرانی و تعلیم تھیں۔ اور بوقت شب کھانیکے بعد بادشاہ کے روبرو ناچتی گاتی تھیں بعض اوقات جب وہ سیر و شکار یا جنگ پر جاتا تو اپنی چند منتخبہ کنیزوں و بیویوں کو بھی ہمراہ رکھتا تھا۔ شروع میں حرم کی تعداد زیادہ نہ تھی مگر آئندہ چل کر جس طرح بادشاہ عیش و عشرت میں پڑ گئے وہ بھی بڑھتی گئی اور اردشیر دوم کے قریب چار سو کنیزیں و زنان عقدی تھیں۔ ساسانی اس سے کہیں زیادہ سبقت لے گئے۔ بہرام گور کی عشق مزاجی مشہور ہے۔ اسکے حرم میں ہر طبقہ و ہر قوم کی عورت موجود تھی۔ لیکن خسرو پرویز نے ان سب کو مات کر دیا۔ بقول طبری اسکے محل میں بارہ ہزار داشتہ عورتیں تھیں جنکے کام کاج۔ بناؤ سنگار وغیرہ کے لئے قریباً ۴ ہزار خواصیں و چھوکریاں حرم شاہی میں موجود تھیں۔ (ایران نامہ۔ رالنس)

چھت سے پانی کی بوندیں ساون بھادوں کی طرح برس رہی تھیں اور نیچے مرمر کے فرش پر پری جمال نہانے والیاں ادھر اُدھر اچھل کود یا ایک دوسرے سے اٹھکھیلیاں و چہلیں کر رہی ہیں۔ کہیں انکے دس بیس کے غول ایک جگہ لیٹے ہوئے ہنسی دل لگی میں مشغول ہیں کہیں چکنے پتھر پر ایک لیٹی ہوئی اپنا بدن ملوا رہی ہے۔ کہیں دو تین میں بچوں کی طرح کسی بات پر جھگڑا ہو رہا ہے۔ کہیں ایک نے شرارت سے اپنے سامنے والی کو پاپوش ماردی ہے اور وہ جھنجتی ہوئی کھڑی ہو گئی ہے۔ کہیں دوسری سب سے الگ تھلگ آنکھیں بند کئے ایسے آرام سے بیٹھی ہے کہ دنیا مافیہا سے بیخبر ہے۔ کہیں ایک طرف چند نازنینان ارمن کھڑی ہوئی آوازیں ملاکر اپنی زبان میں کوئی مستانہ راگ گا رہی ہیں۔ دوسری طرف بعض ایرانی خواتین غریب ننتیتیں کو اپنا برا بھلا کہہ رہی ہیں گویا وہ ایک ہوّا ہے جس سے بچوں کو ڈرایا جاتا ہے۔ ان سب کے آس پاس اور ادھر اُدھر بہت سی کنیزیں جو بالکل برہنہ ہیں اور اپنے سروں پر گرم چادریں لئے ہوئے ٹہل رہی ہیں تاکہ اشارہ پاتے ہی اپنی بیگموں کے بدن ڈھانپ دیں۔

باہر پھاٹک پر خواجہ سرا جو حفاظت کے لئے کھڑے ہیں جلد فارغ ہونیکی تاکید کر رہے ہیں مگر نہانے والیاں انکی کچھ پرواہ نہیں کرتیں۔ وہ اپنی باندیوں و چھوکریوں کو پکارتی ہیں اور بہت آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بصد ناز و انداز آگے بڑھتی ہیں۔ اب نصف گھنٹے کے بعد یہ تمام سین بالکل کایا پلٹ ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرا وسیع و تاریک کمرہ ہے جس کی دیواروں سے ملے ہوئے اونچے اونچے ملایم گدے و قالین بچھے ہیں۔ اور جس طرح گلاب کی پنکھڑیاں شبنم کے بوجھ سے بے حس ہو جاتی ہیں اسی طرح ان گدوں پر نازنینانِ حرم بیحس و حرکت لیٹی ہوئی آنکھیں بند کئے اپنے خواب و خیال کے مزے لے رہی ہیں۔ انکے لمبے لمبے بالوں کی لٹیں جو بکھری ہوئی پیچھے پڑی ہیں ابھی تک تر ہیں۔ کنیزیں ریشمی رومالوں سے انہیں سکھا رہی ہیں۔ اور شتر کے بالوں کی چھوٹی تھیلیوں سے بدن پر بھی مالش کرتی جاتی ہیں پھر ایک نہایت ہلکی ریشمی چادر اوپر سے ڈھانپکر دبے پاؤں باہر نکل جاتی ہیں تاکہ کوئی آواز

واہٹ نہ ہونے پائے اور شہزادیوں کے آرام و نیند میں خلل نہ پڑے۔ خواجہ سرا بھی باہر سے دھمکاتے ہیں کہ جو شور مچائیگا اُسے آج رات محفل میں شامل ہونیکی اجازت نہ ملیگی۔

اس طرح آرام و استراحت میں ایک ساعت اور گذرجاتی ہے کہ اتنے میں ایک گھنٹہ زور سے بجتا ہے۔ اسکی آواز چاروں طرف گونجتے ہی تمام سین پھر یکایک بدل جاتا ہے۔ نازنینان حور وش آنکھیں ملتی انگڑائیاں لیتی ہوئی بصد ناز و انداز اپنی جگہ سے اٹھتی ہیں۔ مٹھائیاں و فواکہات لائے جاتے ہیں۔ کنیزیں حاضر ہوتی ہیں اور طرح طرح کے عطریات و خوشبودار روغن جسم پر ملتی ہیں۔ بال سنوارتی کاکلیں بناتی لٹوں میں موتی پروتی اور بیش بہا زیورات و قسم قسم کے رنگین ادنی و ریشمی لباسوں سے اپنی بیگموں کو آراستہ کرتی ہیں۔ پھر خوبصورت پاپوشیں جن میں موتی و جواہرات ٹکے ہیں پیروں میں پہناتی ہیں۔ مرصع کار سنہرے پٹکے نازک کمروں میں باندھتی ہیں اور جب سب بناؤ سنگار ختم ہوجاتا ہے تو باہر خبر دیجاتی ہے اور سردار خواجہ سرا یعنی بوگس کمرے میں داخل ہوتا ہے اسے دیکھتے ہی ہر طرف سے نعرہائے خوشی بلند ہوتے ہیں۔ اور پندرہ بیس حسینانِ مہ وش حلقہ بناکر اُسے بیچ میں گھیر لیتی ہیں اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑکر ناچتی اور اسکی تعریف میں گیت گاتی ہیں۔

شہنشاہ کی سالگرہ کے دن ہر بیگم کو اجازت ہے کہ اپنی کوئی ایک خواہش بیان کرے جو حتی المقدور پوری کی جاتی تھی۔ اس لئے جب ناچنے والیاں تھک کر علیحدہ ہوگئیں تو بہت سی صاحب غرض آتی ہیں اور بوگس سے لپٹ کر اسکی خوشامد درآمد کرتی ہیں۔ کوئی بڑے ناز سے اسکے گال تھپتھپاتی ہے کوئی اسکے ہاتھ چومتی ہے اور کان میں جھک کر کوئی پوشیدہ بات کہتی ہے اور بڑی لجاجت سے اُسے اپنی سفارش پر آمادہ کرنا چاہتی ہے۔ بوگس پہلے تو مسکراتا رہا پھر عاجز آکر اپنے کانوں میں انگلیاں دینے لگتا ہے اور یورش کرنیوالی عورتوں کو آہستہ سے پیچھے ڈھکیل کر ایک ایک کو پکڑکر اسی کی سی کہتا ہے میدیہ کی ناہید سے کہتا ہے کہ فینک کی پریرد کو سزا دلاؤنگا اور پریرد سے کہتا ہے گھبرا

نہیں ناہید کی خبر لونگا۔ مرجانہ سے وعدہ کرتا ہے کہ تجھے مریم سے زیادہ خوبصورت زیور دلاؤنگا
اور مریم سے کہتا ہے کہ مرجانہ سے میں ناخوش ہوں تجھے اُس سے بھی اچھے جواہرات لادونگا
ان تمام باتوں پر بھی اُسے جب اپنی رہائی کے آثار نہیں معلوم ہوتے اور چاروں طرف سے
ہجوم اور بھی زیادہ بڑھتا نظر آتا ہے تو چپکے سے اپنی جیب سے ایک طلائی سیٹی نکال کر زور سے
بجاتا ہے۔ اس آواز کے سنتے ہی پری جمالوں کا جمگھٹا یکایک منتشر ہو جاتا ہے۔ سب بھرا مار کر
جلدی سے پیچھے ہٹ جاتی ہیں جو ہاتھ اوپر اُٹھے تھے نیچے گر جاتے ہیں۔ قدم ٹھٹک کر رک
جاتے ہیں۔ زبانیں بند ہو کر منہ پر مہر لگ جاتی ہے۔ اور ہر طرف دفعتہً خاموشی وسناٹا چھا جاتا ہے
خواجہ سرا کی اس طلسمی سیٹی کی آواز ایسی ہی موثر ثابت ہوئی جس طرح بلوائیوں کے سامنے قانون بغاوت
کا اعلان کیا جائے۔ کیونکہ اس کا مطلب تھا "شہنشاہ کا واسطہ۔ خاموش"۔ بھلا پھر کسکی
مجال تھی کہ حکم عدولی کر سکتی اور اگر جرأت ہوتی تو سخت سزا کی مستوجب گردانی جاتی۔ خصوصاً
آج یہ آواز اور بھی زیادہ قابل تعظیم سمجھی جاتی تھی۔ اور سب سہمی ہوئی سر جھکائے کھڑی ہیں۔
بوگس نے یہ حالت دیکھی تو مسکراتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور اپنی اس حرکت کی تلافی کی غرض
سے انہیں دم دلاسے دیتا ہے۔ انکے حسن وجمال کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے گھبراؤ
نہیں میں آج شہنشاہ سے سب کی سفارش کروں گا۔ پھر اُن سے کہتا ہے کہ دو قطاروں
میں ترتیب وار برابر آکر کھڑی ہو جاؤ۔ سب فوراً اس حکم کی تعمیل کرتی ہیں اور جس طرح ایک
فوجی افسر اپنے سپاہیوں کا معاینہ کرتا ہے اسی طرح بوگس بھی سب عورتوں کو فرداً فرداً غور
سے دیکھتا ہے۔ اکثر ایسی ہیں جنکے بناؤ سنگار میں وہ کوئی عیب نہیں نکال سکتا۔ مگر
بعض کو انکے عیوب دور کرنیکے لئے ہدایتیں دیتا ہے۔ مثلاً رخساروں کا رنگ پھیکا ہے
ذرا سا غازہ مل لو۔ یا وہ بہت سرخ ہیں قدرے سفید سفوف لگا لو یا کاکلیں بہت نیچی ہیں
انہیں ذرا اونچا کر لو یا بھووں کا رنگ ہلکا ہے تھوڑا اور کاجل پھیر لو اور ہونٹ زرد ہیں ذرا
اور سرخ بنا لو۔ غرضکہ اسی قسم کے اور بہت سے نکات بتا کر بالآخر وہ باہر نکلتا ہے اور

وہاں سے فدیما کے پاس چلا جاتا ہے۔ فدیما بحیثیت شہنشاہ کی منکوحہ بیوی ہونے کے معمولی حرم سے علیحدہ ایک خاص کمرے میں رہتی تھی۔ وہ خاندان ہخامنشی کی شہزادی اور بادشاہ کی منظورِ نظر بیوی تھی مگر آج کل اس کی نظروں سے اتر جانے کی وجہ سے نہایت مغموم و اداس رہتی تھی۔ تاہم اس وقت وہ بھی نہایت شان و شوکت کے ساتھ لباس فاخرہ سے آراستہ پیراستہ اور زیورات سے لدی ہوئی ایک اونچی سی کرسی پر جلوہ گر تھی اسکے سر پر ایک خوبصورت تاج تھا جس سے ایک نہایت باریک سنہری ریشمی نقاب پیچھے لٹک رہی تھی اور چاروں طرف نیلی و سفید دھاریوں کا ایک سربند تھا جس سے اُسکی عالی نسبی و بنت ہخامنشی ہونیکا پتہ چلتا تھا۔ اسکے حسین ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر حرم کی سست و کاہل زندگی نے جسم کو مائل بہ فربہی کر کے کسی قدر بھدّا کر دیا تھا۔ سربند کے نیچے سے اُسکے سنہری بالوں کی گھنی گھنی لٹیں۔ چاندی کی چھوٹی چھوٹی زنجیروں و سونے کی مہروں و سکوں میں الجھی ہوئی اس کی سفید و شفاف کنپٹی و گردن پر نہایت خوبصورت و دلکش معلوم ہوتی تھیں۔ یوگس کے داخل ہوتے ہی فوراً اسکی پہلی نظر اپنے آئینہ پر پڑی اور دوسری خواجہ سرا پر۔ پھر جلدی سے اُٹھ کر اسکے سامنے آئی اور بیتابانہ پوچھنے لگی۔

"کیوں میں اچھی لگتی ہوں کہ نہیں اور وہ مجھے دیکھ کر آج خوش بھی ہونگے"؟

بوگس۔ (جس کے لبوں پر حسب معمول مسکراہٹ تھی۔ فدیما کو سر سے پیر تک بغور دیکھ کر) "میری طاؤس طناز! میری بلبل شیریں مقال! کون ہے جو تیری دلفریب صورت دیکھ کر خوش نہ ہو۔ تجھے آج شہنشاہ میری نگاہوں سے دیکھے تو سو جان سے قربان ہو جائے تیرے اس جملہ نے مجھے تڑپا دیا۔ اس میں کس غضب کا جذبۂ شوق۔ حسرت و ارمان بھرے ہیں اور یہ موہنی شکل بھی اس وقت ان جذبات کا ایک سچا آئینہ بن گئی ہے نیلگوں آنکھیں جوش و ولولہ جوانی سے شب اہرمن کی طرح سیاہ و فتنہ خیز معلوم ہوتی ہیں اور لبہائے شیریں نے وا ہوتے ہی دانتوں کی جھلک سے میری آنکھوں کو اسی طرح چکا چوند

کردیا ہے جس طرح البرز کی برف سے ڈھکی ہوئی سفید چوٹیاں نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہیں۔"
فدیمیہ اپنی تعریف سُنکر بہت ہی خوش ہوئی اور بڑے دلربایانہ ناز و انداز سے خواجہ سرا کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی " چلو ابھی محفل شاہی میں چلیں کہیں دیر نہ ہو جائے۔ بوگس میں سچ کہتی ہوں جب مصریہ کو اپنی جگہ بیٹھا دیکھوں گی تب تمہیں میرے انتہائے سوزش جگر کا حال معلوم ہوگا اور میری آنکھوں سے شعلہ ہائے آتش کا تماشہ دیکھو گے۔"
بوگس۔ (تسکین بخش انداز سے) " پیاری اطمینان رکھ۔ اُسے زیادہ دن تیری جگہ بیٹھنا نصیب نہ ہوگا۔"
ملکہ (بڑی بیتابی سے) " تو کیا تمہاری تدابیر راست آگئیں۔ بوگس! میرے اچھے بوگس! جلد جواب دو۔ کوئی بات مجھ سے نہ چھپانا۔ مجھ سے قسم لیلو جو ذرا بھی اپنی زبان ہلاؤں۔ بلکہ ہر طرح تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔"
بوگس " مجھے معاف کرو۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر تمہاری تسکین دہی و اطمینان کیلئے صرف اس قدر بتائے دیتا ہوں کہ سب کچھ تیار ہو چکا ہے جال بچھ گیا ہے اور بس دشمن کے پھنسنے کی دیر ہے۔ عنقریب میری خوبصورت فدیمیا پہلے سے بڑھکر اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے گی مگر شرط یہ ہے کہ آنکھ بند کر کے میری ہدایات پر عمل کرے۔"
فدیمیا (نہایت خوش ہوکر) " وہ کیا ہیں؟ میں بجان و دل انہیں بجالاؤں گی۔"
بوگس " شاباش! وفاداری و ہمت اسی کا نام ہے میرے کہنے پر چلوگی تو ضرور ہم کامیاب ہونگے۔ ممکن ہے کہ بعض باتیں تمہیں ناگوار گذریں مگر یاد رکھو آخر میں انہیں کا پھل اچھا ملیگا۔ اب ذرا غور سے سُنو اور بیچ میں ٹوکنا ٹاکنا نہیں کیونکہ مجھے بہت جلد ہی ہے اور وقت تنگ ہے۔ سب سے پہلے تم اپنے یہ تمام زیور وغیرہ اُتار کر پھینکیدو اور صرف وہ چیز جسے بادشاہ نے بوقت کتخدائی عطا فرمائی تھی پہنے رہو۔ پھر ان سب ریشمی و بھڑکدار کپڑوں کو بھی اُتار ڈالو اور ایک سادہ سودہ معمولی سا لباس پہن لو۔ اور اسی طرح دربار میں جاؤ۔

اور وہاں جب ملکہ کا سندانہ کا سامنا ہو تو بڑے ادب سے اُنکے قدموں کا بوسہ لینا اور دختر فرعون کو بھی دیکھتے ہی نہایت عاجزی سے گردن جھکا کر سلام کرنا۔"

فدسیما۔ (بڑی چراغ پا ہوکر) "یہ تو ہرگز مجھ سے نہ ہو سکے گا۔"

بوگس۔ اب زیادہ چون وچرا کا موقع نہیں۔ جلدی جلدی زیور اُتارو (فدسیما حکم بجالاتی ہے) شاباش یہ ٹھیک ہے تم اسی طرح کہنا مانو گی تو ہمیں ضرور فتح ہوگی (فدسیما کو افسردہ دیکھکر) کیا کہنا! کیا خوبصورت صراحی دار گردن ہے۔ کیا گورا گورا رنگ ہے جس کے سامنے قاف کی پریوں کا حسن بھی ماند معلوم ہوتا ہے۔"

فدسیما۔ "لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

بوگس۔ "جب تمہاری باری شہنشاہ سے مانگنے کی آئے تو غمزدہ لہجہ سے کہنا کہ جب سے حضور کے آفتاب کرم نے اس لونڈی کی طرف سے منہ چھپالیا اس کے مردہ دل میں اب کوئی تمنا و ہوس باقی نہیں رہی۔"

فدسیما۔ "میں ضرور یہی کہونگی۔"

بوگس۔ "جب تمہارے والد تم سے پوچھیں کہ بیٹی کیسی ہو تو فوراً رو دینا۔"

فدسیما۔ "اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ میں رونے لگونگی۔"

بوگس۔ "مگر شرط یہ ہے کہ سب کے سامنے رونا تاکہ تمہارے خاندان والے بھی اچھی طرح دیکھ سکیں۔"

فدسیما۔ "ہائے! اس میں تو میری بڑی ذلت و خفت ہوگی۔"

بوگس۔ "ذلت کیسی۔ تم انکی نگاہوں میں اور اونچی ہو جاؤ گی۔ اب ذرا جلدی سے یہ سرخ غازہ اپنے رخساروں سے پونچھ ڈالو اور سفید رنگ مل لو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس سے بھی زیادہ ہلکا۔"

فدسیما۔ "بوگس! تم بھی عجب اندھیر کرتے ہو اور ایسی باتیں کہتے ہو جن کا کرنا محال ہے

لیکن خیر مجھے تمہاری تعمیل حکم میں کوئی عذر نہیں"۔

خواجہ سرا۔ (خادمہ سے مخاطب ہوکر) "جلدی اپنی بیوی کے لئے سبز رنگ والی پوشاک لاؤ"

فدیمیا۔ (ٹھٹک کر) "اے ہے! اِس اُسے پہنونگی تو بالکل ہی لونڈی سی معلوم ہونگی"۔

بوگس۔ (مسکراکر) یہ صرف وہم و خیال ہے۔ بھلا تمہارے حسن خداداد کو کسی اچھے لباس کی ضرورت ہے؟ ہیرے ولال کی چمک کہیں سات پردوں میں چھپائی چھپ سکتی ہے"

فدیمیا "واہ! واہ! ان باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ مصر یہ مجھے دیکھ کر نہ ہنسے گی؟ اسکے سامنے میں کیسی ہیچ نظر آؤنگی"۔

بوگس "یہ بھی محض تمہارا وہم ہے۔ بخلاف اسکے ہر شخص تمہاری سادگی کی داد دیگا۔ اور دل میں کہے گا کہ اگر تم بھی عمدہ لباس پہنیں تو مغرور دختر فرعون سے بازی لیجائیں"۔

فدیمیا "لیکن میں جھک کر تو اُسے ہرگز سلام نہ کرونگی"۔

خواجہ سرا۔ (منہ بناکر) "نہیں تمہیں ضرور کرنا پڑیگا"۔

فدیمیا۔ (رونی شکل بناکر) "تمہاری شاید یہ مرضی ہے کہ میں سب کے سامنے حد درجہ ذلیل و خوار ہوجاؤں اور کہیں کی نہ رہوں"۔

بوگس "عجب ناقص العقل عورت ہو۔ میں اپنے وجوہات چند لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔ سنو اور آنکھ بند کرکے میرا حکم مانو۔ میرا سب سے بڑا یہ مقصد ہے کہ خاندان ہخامنش تمہارے دشمن کے برخلاف ہوجائے۔ بھلا سمجھو تو کہ جب ایک اجنبی کے سامنے تمہیں اس بُری حالت میں دیکھیں گے تو تمہارے دادا انتافرس اور تمہارے والد اُتانس کے غیظ و غضب کی کیا حالت ہوگی۔ تمہاری ذلت اور اپنی سخت ہتک سمجھیں گے اور ہمارے ساتھ بکمال ہمدردی شامل ہوجائیں گے اور اگرچہ اس وقت کمبوجیہ کی منظور نظر کے خلاف کچھ نہ کہیں لیکن جب مجھے ضرورت ہوگی فوراً میری مدد کریں گے۔ علاوہ بریں جب مصر یہ بادشاہ کی نظروں سے گرجائیگی تو

اُسے تمہاری یہی ادائیں - یہی سج دہج یعنی سادہ لباس - اُترا ہوا چہرہ - عاجزی و منکسر مزاجی بہت اچھی و بھلی معلوم ہونگی اور اُسکے سب خاندان والے بلکہ پروہت بھی اس بات پر زور دیں گے کہ اپنی خاندانی بیوی کے سامنے جسکے اخلاق و اطوار ایسے شستہ و حمیدہ ہوں کسی دوسری عورت کو ترجیح دینا خلاف مصلحت دراستی ہے - بھلا بتاؤ تو تمام ایران میں کوئی ایسی خاتون ہے جسے تم سے بڑھ کر نجیب الطرفین ہونیکا دعوے ہو سکے - یا تم سے بڑھ کر تاج شاہی کی سزاوار ہو - تمہاری موجودہ حالت ایک اتفاقیہ امر ہے - اور اگر پھر اپنے پرانے جاہ و عروج کے خواہشمند ہو تو ایک عارضی ذلت سے جسمیں تمہاری ہی ایک مصلحت مضمر ہے - ہرگز اپنے دل کو آزردہ و پریشان نہ کرو"

قدیما - (مطمئن ہوکر) "سچ کہتے ہو میں اب سمجھ گئی اور تمہارے ہی کہنے پر عمل کرونگی"

بوگس - (خوشی سے) اگر یہ ہے تو مجھے اپنی کامیابی کا اب پورا یقین ہو گیا - قریب آکر اور اُسے بغور دیکھ کر) تمہاری سیاہ و آہو مثال آنکھیں کیسی چمک رہی ہیں - (بلائیں لیکر) پیاری قدیما! میں تجھ پر دل و جان سے نثار - اہر مزدہ دن لائے کہ میں بادشاہ کو پھر تیرا دلدادہ شیدا دیکھوں اور مشتاق وصل تیرے حجرے کے دروازے تک لیجاؤں (خادم کو آواز دیکر) کوئی ہے! ذرا بیگمات سے کہنا کہ اب اپنی اپنی پالکیوں میں بیٹھ جائیں میں پہلے سے جا کر انکی جگہوں کا انتظام کرتا ہوں"

یہ کہکر سردار خواجہ سرا جلدی سے رخصت ہو کر باہر نکل گیا -

دعوت شاہی کا عظیم الشان کمرہ روز روشن کی طرح منور تھا اور ہزاروں چراغوں کا عکس ان سونے کی تختیوں سے جو در و دیوار پر آویزاں تھیں جگمگا رہا تھا - وسط ہال میں ایک بہت بڑی لمبی میز بچھی تھی جس پر اس کثرت سے طلائی و نقرئی برتن رکھے تھے کہ انکے بوجھ سے ٹوٹی جاتی تھی - نہایت خوشنما ساغر - جام صراحیاں - عود دان رکابیاں و پیالے وغیرہ جو مختلف ملکوں کی صناعیوں کا نمونہ تھے نظر آتے تھے - میز کی آرائش

دیکھنے والے اور طعام لانے والے خدام و خاصہ بردار بھی اس وقت اپنے اپنے کاموں میں نہایت درجہ مصروف تھے درباریوں و امیروں کی آمد شروع ہو گئی تھی اور جدھر نظر اٹھتی تھی ایک غیر معمولی جاہ و حشم اور دولت و ثروت کا سماں پیش تھا۔ اتنے میں میر ساماں نے جو امرائے دربار سے تھا۔ آبدار شاہی سے جو خود بھی ایک نہایت معزز امیر تھا یوں خطاب کیا:۔ "کیوں بھئی! سب صراحیاں بھری ہیں نا؟ شرابوں کا ذائقہ بھی چکھ لیا؟ ساغروں کی تو کمی نہیں؟ اور پولی کراٹیس کی بھیجی ہوئی شراب بھی آگئی کہ نہیں؟"

آبدار شاہی "جی ہاں سب تیار و موجود ہیں۔ بڑے بڑے نادر نمونے ہیں۔ خیوس کی خمر ایسی لاجواب ہے کہ سچ عرض کرتا ہوں اسکے سامنے بخت نصر کی مے ناب کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ لیجے ذرا چکھیے تو۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے ایک ہاتھ میں سونےکی ایک صراحی لی اور دوسرے میں ایک خوبصورت طلائی ساغر پکڑا اور اس خوبی سے شراب انڈیلی کہ زمین پر ایک قطرہ بھی نہ گرنے پایا پھر نہایت ادب سے میر ساماں کے سامنے اُسے پیش کیا۔ جس نے آہستہ آہستہ سوچ سوچ کر ایک ایک گھونٹ پیا بعدہٗ خالی ساغر واپس کر کے اور اپنے ہونٹ آستین سے پونچھ کر کہنے لگا۔

"واہ کیا ذائقہ ہے! شراب کیا ہے امرت ہے اور خصوصاً جب تم ایسا جوہر شناس و باسلیقہ شخص اسے پیش کرے تو مزا اور بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ سچ ہے کہ اجنبی لوگ اسی لئے ہمارے ایرانی ساقیوں کے اس قدر مدح سرا ہیں اور انہیں اس فن خاص میں بگانہ روزگار تسلیم کرتے ہیں۔"

شاہی آبدار۔ (اپنے دوست کی پیشانی کا بوسہ دیکر) "میں آپ کی اس قدر دانی و ہمت افزائی کا بہت مشکور ہوں اور اپنے اس معزز عہدے کو جو شہنشاہ کے خاص

اعتبار و بھروسے کی نشانی ہے نہایت درجہ باعثِ فخر سمجھتا ہوں۔ مگر بھائی سچ تو یہ ہے کہ اب بابل کی گرمی نے ناک میں دم کر دیا اور یہاں کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ آپ کو کچھ خبر ہے کہ اکبا تان یا پارساگرد کب جانا ہوگا؟"

میر ساماں "میں نے اسکے متعلق آج بھی شہنشاہ سے پوچھا تھا اُنکا تو یہ ارادہ تھا کہ ماساجت کی جنگ پر بابل ہی سے روانہ ہوں لیکن آج کے واقعات نے لڑائی کو کسی قدر مشتبہ کر دیا۔ اگر یہ ہوا تو شادی کے تین دن بعد شوس کی طرف کوچ ہو جائیگا۔"

آبدار "شوس! یہ تو بابل سے کچھ ہی زیادہ سرد ہے۔ علاوہ بریں نئے محل کی ابھی تک تعمیر بھی نہیں ختم ہوئی۔"

میر ساماں "نہیں۔ آج ہی تو شوس کی سترپ نے خبر بھیجی ہے کہ محل شاہی اب بالکل تیار ہو گیا اور ایسا خوش و عالی شان ہے کہ کوئی عمارت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ شہنشاہ یہ سُنتے ہی بڑی خوشی سے فرمانے لگے کہ شادی کے تین ہی دن بعد شوس روانہ ہونگا تاکہ دخترِ فرعون کو اپنا نیا محل دکھا کر یہ بتاؤں کہ ہم ایرانی بھی فن تعمیرات میں مصریوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اور چونکہ شاہزادی گرم ملک کی عادی ہیں اس لئے شوس کی آب و ہوا انہیں موافق آئیگی۔ غرضکہ دیر تک یہی ذکر کرتے رہے جس سے مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے شہنشاہ اس عورت پر ایسے مفتون و شیدا ہیں کہ بیان سے باہر ہے۔"

آبدار۔ ہاں مجھے بھی حیرت ہے۔ جب سے وہ آئی ہے کسی دوسری بیگم کی طرف رخ تک نہیں کرتے۔ اور اب ضرور اُسے اپنی ملکہ خاص بنائیں گے۔"

میر ساماں "مگر یہ نہایت بیجا بات ہے۔ کیونکہ فدیما بلحاظ اپنے حسب و نسب سب پر فوقیت رکھتی ہے۔"

آبدار۔ (خوفزدہ ہو کر) "بھائی آہستہ سے بولو مجھے بھی تم سے اتفاق ہے۔ مگر شہنشاہ کا حکم سب پر بالا و افضل ہے

میر ساماں۔ "ہاں اور کیا۔ مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔"

آبدار۔ بیشک وفاداری و نمک حلالی کا تو یہی تقاضا ہے کہ ہمیشہ اپنے آقا کے سامنے سر جھکا کر اسکے ہاتھوں کو بوسہ دیں اگرچہ وہ ہاتھ اپنی اولاد کے خون ہی سے کیوں نہ آلودہ ہوں۔"

میر ساماں "تمہیں کیا معلوم نہیں کہ شہنشاہ نے میرے بھائی کو قتل کرا دیا تھا لیکن میں اسکی طرف سے کوئی کینہ دل میں رکھوں تو ایسا ہی بیجا ہوگا جیسا خدا سے اپنے والدین کی موت کی شکایت کروں (یکایک چونک کر باواز بلند) غلامو! پردوں کو ایک طرف ہٹا دو۔ شہنشاہ کی سواری آرہی ہے۔ ارے احمقو! کھڑے کیا دیکھتے ہو۔ جلدی آگے بڑھو۔ (اپنے دوست سے) بھائی خدا حافظ۔ آج تمہارے لئے بڑے معرکہ کی رات ہے۔"

باب سترھواں

جام زہر آلود

حاجب مع اپنے مددگاروں کے مہمانوں کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھا اور انہیں خیر مقدم کرکے مخصوص مقامات پر بٹھایا۔ جب سب آچکے تو تھوڑی دیر بعد نفیری و قرنا کی آوازیں سنائی دیں۔ افسران خاصہ نظر آئے اور سرپردہ اٹھتے ہی شہنشاہ عالم پناہ داخل ہوا فوراً ہی سب حاضرین سروقد کھڑے ہوگئے اور "شہنشاہ کا بول بالا رہے" کے نعروں سے تمام ہال گونج گیا۔

سب سے آگے آگے ملکہ کاسندانہ تھی جس کا ہاتھ کریسس پکڑے تھا۔ اسکے پیچھے بادشاہ تھا۔ اور ایک نہایت خوبصورت ارغوانی قالین انکے قدموں کے لئے

دروازے سے منبر تک بچھا تھا۔ نادر شاہ کا تخت کمبوجیہ سے زیادہ اونچا اور پرتکلف تھا اور منبر کے سب سے زیادہ ممتاز سرے پر رکھا گیا تھا۔ بادشاہ کے بائیں جانب اسکی منکوحہ بیویاں تھیں مگر سب سے قریب اور بالکل اسکے بازو ہی میں نتیتیس کی کرسی تھی۔ پھر اتوساد فدیماتھیں جنکے قریب ہی بوگس بھی بیٹھا ہوا تھا اور بعد ازاں موبد اعظم۔ دیگر پیشوایان مذہب اور مختلف صوبوں کے ستر پ تھے اور پاس ہی بلشزر یہودی کی کرسی تھی اسکے بعد ایرانی و میدی امراء دیگر عہدہ داران و عمائدین سلطنت درجہ بدرجہ اپنی اپنی جگہوں پر نظر آتے تھے۔ شہنشاہ کے دست راست پر سب سے پہلے شہزادہ بردیہ تھا۔ اسکے بعد کری سس۔ گشتاسپ۔ گاوبروا۔ آریاسپ۔ اور دوسرے امرائے ہخامنش تھے جو اپنے اپنے مرتبے و عمر کے لحاظ سے بالترتیب بیٹھے تھے۔ ان سب سے دور اور منبر کے آخری سرے پر شاہی کنیزیں و محل کی داشتہ عورتیں تھیں۔ بعض بیٹھی تھیں بعض کھڑی ہوئی گانے بجانے کا سامان کر رہی تھیں اور انکی پشت پر بہت سے نگہبان خواجہ سرا استادہ تھے جن کا یہ فرض تھا کہ ان عورتوں کو مردوں کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنے سے باز رکھیں۔

نتیتیس جو بادشاہ کے بالکل قریب ہی بیٹھی تھی اپنی نئی ارغوانی پوشاک میں بڑی دلربا و دلفریب معلوم ہوتی تھی۔ اس کا چہرہ گو اس وقت زرد تھا مگر اس پر عجب رعب و شان برس رہی تھی۔ وہ بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ کبھی کبھی اسکے لب حرکت کرتے تھے اور مڑ مڑ کر بار بار اپنے عاشق کو دیکھتی تھی جو کچھ دیر تک اسے اسکی محبت پر محمول کرتا تھا۔ مگر پھر یکایک اُسے یہ محسوس ہوا کہ یقیناً کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جو میری پیاری کے اضطراب کا باعث ہی جس نے اسکے ہنس مکھ چہرے کو متین و غم آلود بنا دیا ہے اور اسکی شفاف و چمکتی ہوئی آنکھوں کو فکر و تردد سے بھر دیا ہے۔ وہ اس کا سبب معلوم کرنے سے قاصر تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ تنہائی میں موقع ملا تو ضرور پوچھونگا اس وقت سب کے سامنے

اپنی محبت کا اظہار قرین مصلحت نہیں ہے۔ یہ ارادہ کرتے ہی وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ ماں بہن بھائی اور قریبی اعزا کی پیشانیوں کا بوسہ لیا پھر اہرمزد کے فضل و کرم کا شکریہ ادا کیا اور اپنے و تمام ایرانیوں کے حق میں سال نو کی برکت و خوش بختی کی دعا مانگی۔ بعدہٗ حاجب کو حکم دیا کہ اب جو شخص میری بخشش خسروانہ کا امیدوار ہو اور اپنی کوئی خاص حاجت و التجا رکھتا ہو پیش کیا جائے۔ بہت سے لوگ سامنے حاضر کئے گئے اور سب خوشی خوشی اپنی مرادیں پاکر واپس گئے۔ ان میں سے اکثر نے دربار سے پہلے حاجب سے اپنی حاجتیں بیان کرکے اجازت حاصل کر لی تھی یہی طریقہ عورتوں نے بھی اختیار کیا تھا اور پہلے سے سردار خواجہ سرا کو اپنی درخواستوں سے مطلع کر دیا تھا۔ عورتوں میں سب سے پہلے سوائے ملکہ کاسندانہ کے جو اپنی جگہ پر بیٹھی رہی محل شاہی کی تمام خواتین و بیگمات جن کا رہنما بوگس تھا۔ صف باندھے بادشاہ کے سامنے سے گذریں۔ اسی جلوس میں فدیما تھی اُس کے ہمراہ ایک دوسری عورت بھی ہے جس کا لباس غیر معمولی زرق برق تھا اور مکار خواجہ سرا نے اُسے اس جگہ اس غرض سے رکھا تھا کہ اسکے مقابلہ میں فدیما کی سادگی اور غربت اور بھی زیادہ نمایاں ہو اور وہ حد درجہ قابل افسوس و رحم تصور کی جائے یہ تدبیر پوری کارگر ہوئی کیونکہ اپنی پوتی و بیٹی کو اس ہیئت کذائی میں دیکھتے ہی انتافرس اور اتاانس کی آنکھوں سے غیظ و غضب کے شعلے نکلنے لگے۔ پھر وہ کمبوجیہ کے سامنے پہنچی جو اس کی نمائش و اصراف پسند طبیعت کو بخوبی جانتا تھا اور اُسے اس حالت میں دیکھکر نہایت متعجب ہوا۔

بادشاہ۔ (خفا ہوکر) "فدیما! اسکے کیا معنی کہ تو ایک جوگن کا بھیس بنائے ہوئے یہاں آئی ہے۔ کیا تو دربار کے آداب و آئین سے ایسی نابلد ہے اور یہ تک نہیں جانتی کہ بادولت کے سامنے ایک ناموزوں لباس میں آنا جرم ہے۔ سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی اور وہ ہوتا اور تو میری ایک قریبی عزیز کی دختر نہ ہوتی تو یقیناً اس گستاخی کی سزا

پاکر تنہا قید میں کچھ دن گذارتی جہاں شاید تجھے اپنی اس حماقت پر افسوس آتا"۔
فدیمیہ تو اس موقع کے منتظر ہی تھی۔ یہ الفاظ سنتے ہی بادشاہ کے قدموں پر گر کر زار و قطار رونے لگی اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس بیکسی و منت سے کمبوجیہ کو دیکھنے لگی کہ اُسے بے اختیار رحم آگیا اور اُسے زمین سے اُٹھا کر نہایت مہربانی سے پوچھنے لگا۔ "تم کیا چاہتی ہو؟ کوئی خواہش رکھتی ہو تو بیان کرو"۔
فدیمیہ (سسکیاں لیکر رکتی ہوئی زبان سے) "میری کوئی خواہش نہیں۔ جب میرے آقا ہی نے اپنا منہ موڑ لیا۔ اور میرے آفتاب ہی نے اپنی روشنی سے مجھے محروم کر دیا تو اس بدنصیب کے دل میں بھلا کونسی آرزو ہو سکتی ہے"۔
کمبوجیہ۔ (لاپروانہ انداز سے اپنے شانوں کو جنبش دیکر) تو گیا واقعی تم کچھ نہ مانگو گی۔ پہلے تو یہ حال نہ تھا۔ میرے تحائف آنسوؤں کی جھڑی کو فوراً بند کر دیتے تھے۔ اب بھی جو مانگنا ہو مانگو۔ زر و جواہر کی کمی نہیں۔ کیا وہ تمہاری تسکین و خوشی کے لئے کافی نہیں؟"
فدیما "یہ لونڈی حضور سے کچھ نہ مانگے گی جب اس کا آقا بادشاہ اور اس کا خاوند ہی بدلگیا تو دنیا کے تمام زر و جواہر مٹی کے برابر ہیں"۔
بادشاہ۔ (رکھائی سے منہ پھیر کر) "تو میرے پاس اب تمہارا کوئی علاج نہیں اور نہ میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہوں"۔
یہ سنتے ہی فدیمیہ کا چہرہ مارے غصہ و شرم کے سرخ ہو گیا۔ بڑی خیریت ہوئی کہ بوگس نے سفید غازہ ملنے کی ہدایت کی تھی ورنہ یہ کیفیت افشا ہو جاتی۔ اُس نے بدقت اپنے جذبات ضبط کئے اور خواجہ سرا کے حکم کے بموجب مادر شاہ و نتیتس کو جھک کر سلام کرتی ہوئی آنسو بہاتی تمام امرائے ہخامنش کے سامنے سے گذر گئی۔
فدیمیہ کی یہ ذلت و رسوائی دیکھ کر اتانس و انتافرس غصہ کے گھونٹ پی کر رہ گئے دوسرے امیروں کے بھی تیوروں پر بل پڑ گئے اور اپنے خاندان کی بدنصیب شاہزادی

سے حد درجہ کی ہمدردی اور اجنبی عورت کی طرف سے عناد و خصومت انکے دلوں میں پیدا ہو گئی
اب بعض رسومات کے ختم ہوتے ہی قسم قسم کے لذیذ کھانے پیش کئے گئے اور سب سے
آخر میں بادشاہ کے سامنے ایک طلائی ٹوکری لائی گئی جس میں مختلف فواکہات تھے
اور بیچ میں ایک عجیب و غریب انار تھا جو اس قدر بڑا تھا کہ ایک لڑکے کے سر سے
کم نہ ہوگا۔ کمبوجیہ اسے دیکھ کر نہایت متحیر ہوا اور ہاتھ میں لیکر کہنے لگا "یہ کس کے
باغ کا انار ہے"
موبد اعظم۔ (ہاتھ باندھ کر) ایک عرصہ سے اس غلام کو باغبانی کا شوق ہے۔ اسکی
سالہا سال کی کوششوں کے بعد یہ ثمر بے بہا پیدا ہوا ہے

گر قبول افتد زہے عز و شرف

بادشاہ۔ (خوش ہو کر) مابدولت کو تمہارا یہ تحفہ بہت پسند آیا۔ ہم عنقریب جنگ پر جانے
والے ہیں۔ اسے دیکھ کر ہمیں اپنے جانشین و نائب کے انتخاب میں آسانی ہو گئی۔
متھرا کی قسم! جو شخص ایک چھوٹے سے پودے کی اس خوبی کے ساتھ نشو و نما
کر سکے۔ وہ سلطنت کی خبر گیری اور رعایا کی بہبودی سے کبھی کبھی غافل نہ ہوگا۔ ایسا
خوبصورت انار آجتک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ اروسپیتس ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں اور
محض زبانی اظہار خوشنودی پر اکتفا نہ کر کے سب کے سامنے اعلان کرتے ہیں کہ
زمانہ جنگ اور ہماری غیر موجودگی میں تم ہی نائب سلطنت مقرر کئے گئے۔ (امرا سے
مخاطب ہو کر) دوستو! اب امن و عیش کی زندگی زیادہ مناسب نہیں۔ ہم ایرانیوں
کی طبیعتیں بلا لطف جنگ کبھی سیر نہیں ہو سکتیں"۔
یہ سُننا تھا کہ تمام امرائے ہخامنش یکزباں ہو کر چلا اُٹھے "شہنشاہ کا بول بالا
رہے"۔ فدیما کی وجہ سے جو غصہ پیدا ہوا تھا ایک لحظہ کیلئے فرو ہو گیا ہر طرف سے جنگ کے نعرے بلند ہوئے
لڑائی کے سین آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ پرانے کارنامے یاد آ گئے۔ شہرت و دوام و فتح

ونصرت کی امیدیں دلوں کو بیچین کرنے لگیں اور بڑے جوش وخروش سے شراب کے دور چلنے لگے۔ شہنشاہ بھی جو اپنے مہمانوں کی خاطر مدارات میں آج غیر معمولی طور سے سرگرم تھا اُنکے شور وشغب وجنگی ولولوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ مگر اس سے بھی زیادہ اسکی مسرت ودلفریبی کا باعث وہ پری جمال لڑکی تھی جو اسکے پہلو میں جلوہ گر تھی اور گو دن بھر کی تکان و تاج کے بوجھ نے اسکے خوبصورت چہرے کو کسی قدر کمھلا دیا تھا۔ تاہم اس کا حسن وجمال اس وقت اوج کمال پر تھا اور کمبوجیہ کے دل پر ایک عجب جادو خیز اثر ڈال رہا تھا۔ اس پر ایک مدہوشی کا عالم طاری تھا۔ اس کا دل انتہائے خوشی سے بھر اُٹھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اس کی حکومت۔ طاقت وجبروت کے ساتھ صرف ایک بات کی کمی تھی یعنی محبت تو قدرت نے اب ایک ایسا معشوق بھی اُسے عطا کر دیا جو خود بھی اُس پر جان ودل سے فریفتہ تھا اور جس نے اسکی طبیعت کی سختی وبیرحمی کو ایک لحظہ میں ایسا مبدل بہ رحم وکرم کر دیا کہ سب حیران تھے اور وہ خود بھی اپنے اس عجب انقلاب کو محسوس کرتا تھا۔ غرضکہ اس وقت پیمانۂ مسرت لبریز تھا اور وہ مہ تاب کے جام پر جام چڑھا رہا تھا۔ کہ اتنے میں اسی جوش وترنگ میں اپنے بھائی بردیہ کی طرف پلٹ کر اس نے دیکھا اور بڑی محبت سے اسکا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا ” جان برادر! مجھے یاد ہے کہ آج تم مجھ سے کوئی التجا کرنیوالے تھے جسے قبول کرنے کا میں نے وعدہ کیا تھا۔ اچھا بتاؤ۔ رازِ دل کہہ ڈالو۔ میں اسکے سُننے کا بہت مشتاق ہوں۔ (شہزادہ اپنی گھبراہٹ کو جام شراب پی کر دور کرنا چاہتا ہے) ڈرو نہیں (ہنس کر) ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ ذرا شراب پینے سے ہمت بڑھ جائے گی مگر دیکھو۔ کوئی معمولی سی بات نہ مانگنا۔ آج میری بخشش وانعام کا دروازہ کھلا ہے (شہزادہ ہچکچاتا ہے) تم شاید سب کے سامنے کہنا نہیں چاہتے۔ اچھا تو قریب آ جاؤ میرے کان میں کہو۔ میں سنوں تو سہی کہ وہ کون ایسی بات ہے جس کا ذکر آتے ہی میرا خرد بھائی ایک دوشیزہ لڑکی کی طرح شرمائے جاتا ہے۔“ بردیہ کے رخساروں پر

ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ اسکے دل میں ایک عجب اضطراب تھا جب بھائی کو ایسا مہربان دیکھا تو اس نے مسکرا کر گردن نیچی کر لی اور دبی زبان سے اپنی عشق و محبت کی تمام داستان کہہ سُنائی۔ اس نے اپنی معشوقہ کے حسب و نسب کو خوب بڑھ چڑھ کر بیان کیا اور اسکی سیرت و صورت تعلیم و تربیت کی تعریفوں کے طومار باندھ دیئے اپنے بیان کی تصدیق کے لئے کری سس کو شاہد بنانا چاہتا تھا کہ بادشاہ نے اُسے روک دیا اور اسکی پیشانی کا بوسہ لیکر باواز بلند کہا "پیارے بھائی! اسکی کچھ ضرورت نہیں۔ میں سمجھ گیا۔ تم اپنی مراد پا کر دلشاد ہو۔ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ عشق و محبت کا کتنا زبردست اثر ہوتا ہے۔ میں تمہاری خاطر۔ والدہ مکرمہ کو خود رضامند کرنے کی کوشش کرونگا" یہ سُنتے ہی بردیہ مارے خوشی کے اُچھل پڑا اور بے اختیار بھائی کے قدموں پر گر پڑا۔ کمبوجیہ نے بڑی محبت سے اُسے اُٹھا کر گلے لگایا۔ اور نیتیتس و کاسندانہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا "میں تم کو ایک بڑی خوشخبری سُنانا چاہتا ہوں۔ ہمارے خاندان محترم کے شجر عالی میں نئے شگوفے کھلنے والے ہیں۔ یعنی بھائی بردیہ اپنی مجرد زندگی جو دیوتاؤں کو حد درجہ ناپسند ہے چھوڑ کر اب کتخدائی و خانہ آبادی کی طرف راغب ہوئے ہیں پیاری نیتیتس

[۱] - مذہب زردشت میں مجرد رہنا گناہ تھا۔ اس کے لئے سخت احکام تھے۔ دریاشت نہم میں بندگورہی (بند ۲۳) "می فرماید (اے ہوما) عطا فرما دختران را کہ از یک مدت بے شوہر ماندہ اند۔ یک جفت دانا و توانا کہ زود آنہا را خواستگاری بکند" نکاح بیوگان و کثرت ازدواج ہر دو جائز تھے لیکن تورانیوں یا دیو پرستوں میں شادی کرنا منع تھا۔ عموماً سن بلوغ پر پہنچتے ہی والدین بیاہ کر دیتے تھے۔ انتخاب انہیں کی رائے پر منحصر تھا لیکن کبھی لڑکی بھی پسند کر سکتی تھی۔ کثرت اولاد نہایت مبارک سمجھی جاتی تھی۔ کثیر الاولاد لوگوں کو بادشاہ کی طرف سے انعام و اکرام عطا کئے جاتے تھے۔ آج کل بھی ایرانیوں میں یہ خیال موجود ہے۔ مشہور ہے کہ فتح علی شاہ کی تین ہزار سے زیادہ اولاد تھی۔

(رالنس ایران نامہ)

میرا عزیز بھائی تمہارے وطن جانے کا ارادہ رکھتا ہے اور تمہارے ہی دریائے نیل کے ساحل سے پھر ایک ایسا جوہر بے بہا لانا چاہتا ہے جس کی ایک لاجواب مثال اس وقت میرے سامنے موجود ہے۔"

یہ الفاظ ابھی پورے طور سے ادا بھی نہ ہونے پائے تھے کہ یکایک اتوسا چلا کر پکاری "بہن خیر تو ہے"۔

دختر فرعون غش کھا کر اسکے آغوش میں گر پڑی تھی اور وہ جلدی جلدی اسکی پیشانی پر شراب کے چھینٹے دے رہی تھی۔ چند لحظہ بعد جب شہزادی ہوش میں آئی تو ملکہ کاسندانہ گھبرا کر پوچھنے لگی۔ "کہو بیٹی! کیا حال ہے۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے"

نتتیس نے آنکھیں کھول دیں اور بہت آہستہ رُک رُک کے یہ کہا "آہ! یہ خوشی کہیں مجھے شادی مرگ نہ ہو جائے۔ پیاری تاشو تیری مراد۔ تیری تمنائے دلی اب برآئی"۔

شہزادی کی حالت دیکھ کر سب اس قدر گھبرا گئے تھے کہ کسی نے یہ الفاظ نہ سُنے۔ بادشاہ بھی جلدی سے اسکے پاس گیا۔ اور اپنے ہاتھوں کا سہارا دیکر اُسے اُٹھانے لگا۔ پھر جب اسکی طبیعت کچھ سنبھلتی ہوئی معلوم ہوئی تو شراب کا ایک جام بھر کر بڑی محبت سے اسکے ہاتھ میں دیا۔ اور قسمیں دیکر کہنے لگا اسے ضرور پیو۔ طاقت آجائے گی۔ پھر اپنا سلسلہ گفتگو تمام کرنے کیلئے اس طرح گویا ہوا:۔

"پیاری نتتیس۔ بھائی بردیہ تمہارے وطن اس غرض سے جارہا ہے کہ شہر نوکراتیس میں معزز خاتون روڈوپس کی نواسی سافو سے شادی کرکے اُسے یہاں لے آئے"۔

ان الفاظ نے بس غضب ہی تو ڈھا دیا۔ شہزادی کا عجیب حال ہو گیا۔ سب لوگ ہکا بکا اسکی طرف دیکھنے لگے۔

اتوسا پُر خوف و ملامت آمیز لہجہ میں کہنے لگی "خدا کے لئے بہن ذرا اپنی

طبیعت سنبھالو"۔

کرمی سس چلاکر بولا" خبردار نتنتیس!" مگر افسوس یہ تمام باتیں بیکار گئیں نتنتیس کے چہرے پر موت کی سی زردی چھاگئی۔ اسکے ہاتھ کانپنے لگے اور بادشاہ کا عطیہ ساغر انگلیوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا اور ایک لحظہ میں چکنا چور ہوگیا۔ ہر طرف عجب ہل چل مچگئی۔ مادر شاہ چلاکر بولی" یہ کیا تھا" کرمی سس داتوسا ہاتھ ملکر رہگئے۔ اور تمام درباریوں کی نگاہیں اب بادشاہ کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ جسکے چہرہ کا رنگ کا یکایک بدل گیا۔ پیشانیوں پر بل پڑگئے۔ ہونٹ تھرتھرانے لگے۔ ہاتھ زور سے مٹھیاں باندھے کانپنے لگے اور غیظ وغضب سے تمام جسم میں لرزہ پڑگیا۔ وہ ہانپتا ہوا تخت پر سے اٹھا۔ نتنتیس اسکی صورت دیکھ کر ڈرگئی اور نہایت عاجزی سے اس کا منہ تکنے لگی مگر وہ بالکل متوجہ نہ ہوا اور بوگس سے بھرائی ہوئی آواز میں چلاکر بولا "خواجہ سرا! ابھی فی الفور ان تمام عورتوں کو میرے سامنے سے لیجا۔ میں انکی صورت دیکھنا نہیں چاہتا ہماری محفل اب صرف مردوں کیلئے ہے۔ مادر مہربان آپ بھی جاکر آرام سے سوئیے مگر ذرا مار آستین سے ہوشیار رہئے گا۔ (نتنتیس سے طنز آمیز لہجہ میں) شہزادی والاتبار! آپ بھی اپنے خلوت کدہ میں تشریف لیجائیے اور اب کی بار اپنے دیوتاؤں سے ذرا ایسا مکر و فریب سیکھ کر آئے گا جو اتنی جلد تشت از بام نہ ہوجائے۔

(درباریوں سے) دوستو! کل ہمارے سیر و شکار کے لئے کوچ ہے۔ آج خوب سیر ہوکر شراب پیو۔ میں بھی تمہارا ساتھ دونگا۔ آبدار! وہ بڑا جام خوب لبالب بھر کے لانا۔ مگر پہلے شراب کو اچھی طرح چکھ لینا۔ کیوں دختر فرعون یہ ٹھیک ہے نا؟ تمہیں تو معلوم ہوگا کہ مجھے کس بات کا خوف ہے (قہقہہ مار کر) ہاہا! ہر قسم کی سم قاتل۔ زہر آلود شرابیں۔ سحر و جادو مصر ہی سے تو ایجاد ہوئے ہیں"۔

شہزادی کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ وہ سر نیچے کئے اپنی جگہ سے اٹھی اور لڑکھڑاتی ہوئی دربار کے باہر نکل گئی اور پالکی میں بیٹھتے ہی روانہ ہوگئی۔ بوگس بھی ہمراہ تھا۔

وہ محل تک اسکے ساتھ گیا اور ایک دوسرے خواجہ سرا کو جو وہاں کا محافظ تھا سپرد کر کے واپس جانے سے پہلے شہزادی کے پاس جاکر بڑی بدتمیزی و تمسخر سے کہنے لگا:

"یہاں کی تنہائی آپ کے لئے موزوں ہوگی اور اپنے پیارے بردیہ اور اُسکی معشوقہ کے تصور کا خوب موقع ملے گا۔ سچ کہتا ہوں میں تو حیران رہ گیا کسی دوسرے کا عشق سُنکر میں نے تمہاری طرح آجتک کسی کو ایسا پریشان و مضطرب نہیں دیکھا (قریب آکر خیر خواہی سے) خیر اس میں مضائقہ ہی کیا ہے۔ تم اپنے دل کی بادشاہ ہو۔ اگر کوئی پیغام شہزادہ کو بھیجنا ہے تو یہ غلام حاضر ہے۔ بوگس غریب ولاچار ہے مگر اس معاملہ میں تمہارے لئے جان تک دینے کو تیار ہے تم اُس سے بہت نفرت کرتی تھیں مگر اب وہی تمہارا سچا خیر خواہ ہے۔ تم اُسے ذلیل و حقیر سمجھتی تھیں مگر اب وہی سکینز کے خوبصورت پھول کو گرتا دیکھکر حسرت و یاس سے ہاتھ ملتا ہے۔ اس کی رائے پر اب بھی کوئی نہ چلیگا تو مصر کی واپسی کجا بابل کی سیاہ مٹی ہی میں اُسے دفن ہونا نصیب ہوگا۔ بوگس پر اب بھی تمہیں اعتبار نہیں تو جاؤ خوش رہو آرام سے سوؤ۔ جو اُسے کہنا تھا کہہ چکا۔ (رونی شکل بناکر) میری پژمردہ و کچلی ہوئی گلاب کی پنکھڑی! میری خوبصورت ناگن میری مار آستین! ہے ہے! تو نے اپنے ہی کو زخمی کر لیا۔ میں کس دل سے تجھے رخصت کروں"!

شہزادی۔ (مارے غصہ کے آگ بگولا ہو کر) "بدذات و بدتمیز! دور ہو میرے سامنے سے"

خواجہ سرا۔ (ہنس کر) اے ہے اب بھی ایسا دماغ۔ ایسی چراغ پا کیوں ہوتی ہو۔ یہ غلام تین تسلیمیں کر کے آپ کی اس قدر دانی کا شکریہ ادا کرتا ہے"!

نیتیس "دیکھ تو میں تیری اس بیہودگی و بدتمیزی کی کیسی شکایت کرتی ہوں"!

بوگس "ہاہا۔ اب بھی شکوہ و شکایت کا حوصلہ ہے۔ مجھے آپ کی عنایت و کرم سے یہی امید تھی"!

شہزادی (پیر زمین پر مار کر) "دور ہو بد ذات"

بوگس "گھبرایئے نہیں میں جاتا ہوں۔ بھلا مجال ہے کہ حضور کے حکم سے سرتابی کرسکوں"

ننتیس کے دل میں اب کوئی شبہ نہ رہا۔ وہ بوگس کی طعن آمیز گفتگو سے سمجھ گئی کہ یہ آفت اُسی کی لائی ہوئی ہے۔ یہ خیال آتے ہی وہ کانپ اُٹھی اور اُس سے حد درجہ متنفر اور وہشت زدہ ہوکر تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی اپنے کمرہ کی طرف چلی۔ بوگس نے چلتے چلاتے ایک آوازہ اور کسا "مغرور حسین شاہزادی۔ اس غریب کو یاد رکھنا کہیں بھول نہ جانا عنقریب ایک اور پُرلطف تماشا ہونے والا ہے جس سے تجھے معلوم ہوجائیگا کہ یہ خاکسار بھی اپنی الفت وجاں نثاری کے کیسے عمدہ ثبوت دے سکتا ہے"

جیوں ہی شہزادی نظر سے اوجھل ہوئی بوگس نے خوب کڑک کے باغ کے پاسبانوں سے کہا "خبردار بہت ہوشیار رہنا۔ میرے سوائے کوئی یہاں نہ آنے پائے حتیٰ کہ بادشاہ کی ماں یا بہن کو بھی اجازت نہیں ہے۔ اور کری سس یا موبد اعظم شہزادی سے ملنا چاہیں تو ہرگز انہیں گھسنے نہ دینا۔ سمجھے کہ نہیں۔ میں پھر کہے دیتا ہوں کہ اگر کسی کی عاجزی والتجا یا روپیہ پیسے کے لالچ سے تم نے حکم عدولی کی تو تمہاری جان کی خیر نہیں ہے۔ میری بلا اجازت اب ان باغات میں کوئی پرندہ پر نہ مارنے پائے۔ اچھا میں اب جاتا ہوں اور ہاں (جیب سے چند اشرفیاں نکال کر) یہ تو تمہیں انعام دیتا ہوں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی جتائے دیتا ہوں کہ کسی نے دانستہ یا نادانستہ اپنے کام میں غفلت ولاپرواہی کی تو متھرا کی قسم اُسے کچا ہی کھا جاؤنگا"

پاسبانوں نے نہایت ادب سے سر تسلیم خم کیا اور سردار خواجہ سرا کو اپنی ہوشیاری ووفاداری کا یقین دلایا۔ وہ بوگس کی طبیعت سے واقف تھے کہ اُسے ہنسی دل لگی کرنے کی عادت نہیں ہے اور نہ اسکی جیب سے بھی اس آسانی سے روپے نکلتے ہیں اس لئے یقیناً کوئی خاص وجہ ہے اور اہم واقعات ظہور میں آنیوالے ہیں۔

جب پوگس مجلس شاہی میں واپس آیا تو بادشاہ کی تمام ہو یاں رخصت ہو چکی تھیں اور صرف چند رقاصہ یا مغنیہ عورتیں اپنی اپنی جگہ کھڑی ہوئی مصروف رقص و سرود تھیں مگر لوگوں کے شور و شغب میں انکی آوازیں بالکل سُنائی نہ دیتی تھیں۔ اکثر شراب کے نشہ میں بدمست تھے۔ گذشتہ واقعات بھول گئے تھے اور اس طرح زور سے چلا رہے تھے کہ بظاہر شہنشاہ کی موجودگی کا پاس و لحاس بھی انکے دلوں سے اُٹھ گیا تھا۔ کوئی مخمور متوالا۔ جھومتا ہوا اپنے دوستوں پر گر رہا تھا۔ کہیں دو فوجی افسر نشے میں چور ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے تھے۔ کہیں ایک بیہوش امیر کو دو غلام اُٹھائے باہر لئے جا رہے تھے کہیں ایک پختہ۔ خرانٹ بادہ کش شراب کے ایک بڑے سے قدحے کو ایک ہی سانس میں غٹ غٹ کر کے اپنی مردانگی کے جوہر دکھا رہا تھا اور اسکے دوست خوشی میں تالیاں بجا کر داد دے رہے تھے۔ مگر ان سب سے بیخبر اور دور میز کے سرے پر کمبوجیہ اپنی کہنیاں ٹیکے بڑی دیر سے خاموش بیٹھا ہوا ابھی تک جام شراب کو تک رہا تھا۔ اسکا چہرہ زرد تھا۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور بردیہ پر کبھی نظر پڑ جاتی تھی تو دانت پیس کر رہ جاتا تھا۔ جتنا وہ سوچتا تھا اُسے یقین ہوتا جاتا تھا کہ نلیتس بڑی فریبی و دغاباز ہے۔ بظاہر تو اُس سے محبت کا اظہار کرتی تھی مگر حقیقت میں بردیہ پر جان دیتی تھی۔ اس عورت نے اپنی چالبازی و تصنع سے بڑے شرمناک طریقہ سے اُسے دھوکے میں رکھا مگر جب اُسے معلوم ہوا کہ اس کا عاشق کسی دوسرے کا دلدادہ ہے تو سب اپنی چالیں بھول گئی۔ اور ایسی متاثر ہوئی کہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔

نلیتس دعوت کے کمرے سے جب باہر جا رہی تھی تو فدمیا کے باپ آتانس نے بآواز بلند اس پر یہ طعنہ مارا تھا "معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی عورتیں اپنے دیوروں کے عشق و محبت میں بڑی دلچسپی لیا کرتی ہیں۔ ہماری ایرانی خواتین میں بھلا یہ بات کہاں اُن بیچاریوں کے لئے تو بس اپنے شوہر کافی ہیں"

کمبوجیہ نے اسے اچھی طرح سنا مگر اس کی غیرت نے تقاضہ نہ کیا کہ کچھ جواب دیتا۔ دوسرے لوگ بھی سرگوشیاں کر رہے تھے انکی طرف سے بھی اس نے اپنے کان بند کر کے ایسی لاپروائی کا اظہار کیا کہ گویا کچھ سنا ہی نہیں لیکن دل کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ رشک و حسد کا ایک عجب طوفان برپا تھا۔ رفتہ رفتہ بدگمانی درجہ یقین تک پہنچ گئی تھی اور غیظ و غضب کی آگ آہستہ آہستہ بھڑک رہی تھی۔

بالآخر بہت سوچ سمجھ کر اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ بردیہ کا اس میں زیادہ قصور نہیں۔ **نتیتیس** ہی کی ساری شرارت ہے۔ وہی اسکے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی اور جب اپنی طرف سے لاپرواہ پایا۔ دوسرے کا گرفتار عشق دیکھا تو دل قابو سے باہر ہوگیا کسی کا پاس و لحاظ نہ رہا اور سب کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا۔

اگر اسے شمہ برابر بھی بھائی پر شبہ ہوتا تو فوراً اسی وقت اسکے قتل کا حکم دیتا۔ مگر وہ بے قصور ہے۔ اس جعل و فریب میں اس کا کوئی حصہ نہیں تاہم یہ تمام مصیبتیں اسی کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ اس خیال کے آتے ہی بردیہ کی طرف سے جو پرانا بغض و عناد دل میں بھرا تھا پھر عود کر آیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی پرانا جذبہ واپس آتا ہے تو اسکی شدت میں بھی افزونی ہو جاتی ہے اس نے بڑی دیر تک مختلف پہلوؤں سے اس مسئلہ پر غور کیا مگر سمجھ میں نہ آیا کہ ایسی بے وفا عورت کو کیونکر سزا دینا چاہیئے سزائے موت اسے گوارا نہ تھی اور نہ وہ اسے ایسے جرم کے لئے کافی سمجھتا تھا۔ تو کیا بصد ذلت و خواری اسے اپنے ہی وطن واپس کر دیا جائے؟ یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اسے اپنے وطن سے بڑی الفت ہے اور وہاں جائے گی تو والدین ہر طرح کی خاطر و پاسداری کریں گے۔ تو کیا پہلے اسے اپنے سامنے بلا کر اقبال جرم سن لے پھر ایک تنگ و تار قید خانہ میں بند کر دے۔ یا اپنے کسی حرم کو بطور ایک لونڈی یا کنیز حوالہ کر دے یا بوگس کے سپرد کر کے ہمیشہ کے لئے غار مذلت و خواری میں پھینکدے۔ یہی سب سے بہتر تدبیر ہے

ایک بدعہد و بدکار عورت اسی سزا کی مستحق ہے۔ لیکن .... لیکن .... پھر اسکے بعد
اُس کا کیا حال ہوگا؟ اسکی زندگی کا مزا تو اب جاتا رہا۔ عیش و خوشی ہمیشہ کے لئے خاک
میں مل گئے۔ سزا دینا تو آسان ہے مگر خود اپنی سوہان روح کا کیا علاج اپنا درد دل کیونکر جائی
یہ دنیا تو اسکے لئے دوزخ سے بدتر ہو جائے گی۔ نہیں۔ یہ سب کمزوری کی باتیں ہیں
وہ صبر و استقلال سے کام لیگا۔ اور ان تمام جذبات کو دل سے نکال دینے کی کوشش
کریگا۔ اور ہاں بردیہ کی تو اب کبھی صورت نہ دیکھے گا۔ آگ و پانی باہم مل جائیں لیکن
ایسے بھائی کی رفاقت اسے منظور نہیں۔ کیا عجب کہ اسکے مرنیکے بعد اسی کمبخت کی اولاد
ایک دن صاحب تاج و تخت ہو۔ لیکن ہنوز وہ دن دور ہے اور جبتک وہ زندہ ہے
بتا دیگا کہ دولت و حکومت کس کے ہاتھ میں ہے۔ اس خیال نے اپنی طاقت و قدرت کا
ایک ایسا زبردست احساس دل میں پیدا کر دیا جس نے دوسرے خیالات کو دھوئیں
کی طرح اڑا کر از سر نو اُسے بیدار کر دیا۔ اسکی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اسی جوش
و خروش میں اپنے ہاتھ میں جو طلائی جام لئے تھا اس زور سے زمین پر مارا کہ شراب کی
بوچھار سے قریب بیٹھے ہوئے لوگ تربتر ہو گئے۔ پھر گرجتی ہوئی آواز میں سب سے
خطاب کر کے بولا "خاموش! فضول بک بک اور شور و شغب بند کرو۔ میں تم سے
جنگ کے متعلق اب مشورہ لینا چاہتا ہوں اور یہ پوچھتا ہوں کہ قوم ماساجیت کو کیا جواب
دیا جائے۔ گستاشپ! تم یہاں سب سے زیادہ بزرگ و دانا ہو اسلئے اپنی رائے کا پہلے اظہار کرو۔
دار کے معزز پدر نے یہ سنکر اپنی گردن جھکالی اور بہت غور و فکر کے بعد جواب دیا۔
جہاں پناہ! ان خانہ بدوش سفرا نے ایسی شرائط پیش کی ہیں کہ سوائے جنگ کے
اور کوئی چارہ نہ تھا۔ مگر غیر آباد و بنجر میدانوں میں کس سے لڑنے جائیں؟ تاہم ہماری
فوجیں اب بالکل تیار و مستعد ہیں اور ہماری تلواریں اتنے عرصہ سے بیکار پڑی ہیں کہ
مجھے اندیشہ ہے کہیں زنگ آلود نہ ہو جائیں۔ اس لئے انکی آزمائش کے لئے ایک

مضبوط و طاقتور حریف کی تلاش ضروری ہے۔ اور یہ نہایت آسان بات ہے کیونکہ میری رائے ناقص میں اس دنیا میں اپنا دشمن پیدا کرلینا حکمت عملی کا ایک معمولی سا کرشمہ ہے۔"

یہ سُننا تھا کہ تمام ایرانی سردار جوش مسرت کے نعرے مارنے لگے لیکن کریسس نے نہایت متانت و سنجیدگی سے جواب دیا۔

"گستاسپ! میں تم سے عمر میں کچھ کم نہیں ہوں۔ مگر تم ایک سچے ایرانی کی طرح صرف جنگ و جدل ہی میں مسرت و خوشی دیکھتے ہو۔ یہ عصا جو کسی زمانہ میں سپہ سالاری کا نشان تھا اب تمہارے ہاتھ میں عصائے پیری کا کام دیتا ہے لیکن تمہارے جذبات و خیالات میں اب بھی نوجوانی کی گرمی و خو بو پائی جاتی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ دشمن کا ملنا بہت آسان ہے مگر یہ کونسی عقلمندی ہے کہ خواہ مخواہ زبردستی اُسے ڈھونڈھا جائے۔ یاد رکھو جو شخص بے سمجھے بوجھے درپے خصومت و آزار ہوتا ہے وہ اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے۔ اگر فی الواقعی کوئی دشمن موجود ہے اور ہمارے خلاف منصوبے و ارادے کر رہا ہے تو بیشک اپنی مدافعت کی غرض سے اس پر پہلے حملہ کر دیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں لڑائی طرفین کے لئے ایک آفت ہے اور عقلمند وُہی شخص ہے جو مصیبت پڑنے پر بہادری سے اُس کا مقابلہ کرے نہ کہ اُسے خواہ مخواہ اپنے سر پر لانے کی آرزو و خواہش رکھے۔

عزیز من۔ بلا کسی وجہ بنی نوع انسان کا خون بہانا میں ایک اخلاقی جرم سمجھتا ہوں اور دیوتاؤں کی ناراضگی کا باعث جانتا ہوں۔ ہمیں ایسی جنگ سے اجتناب کرنا چاہیئے اور اپنے موقع کا منتظر رہنا چاہیئے۔ یعنی اگر کوئی طاقت ہم پر زیادتی و تشدد کرنا چاہے یا ہماری آزادی کی خواہاں ہو تو ہمارا فرض ہوگا کہ جان توڑ کر لڑیں اور اس خیال کے ساتھ کہ ایک نیک و مبارک کام درپیش ہے میدان جنگ میں قدم رکھیں اور یا تو دشمن کو زیر و زبر کریں یا خود ہی اپنے ملک پر فدا ہو جائیں۔"

یہ تقریر سُن کر صرف چند ہی نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ عام طور پر سب یکزبان

ہو کر یہی چلا رہے تھے۔ "گشتاسپ سچ فرماتے ہیں۔ ہمیں ضرور کسی سے لڑنا چاہئے"۔
بعدہٗ پرکزاسپ سفیر الملک کے باری آئی اس نے مسکرا کر کہا "بہتر ہوگا کہ ہم ان دونوں
بزرگوں کی رائے پر کاربند ہوں۔ کریسس کی بموجب حریف کے منتظر رہیں لیکن گستاشپ
کا مقصد پورا کرنے کے لئے ایسے زود رنج و سریع الحس بن جائیں کہ جو کوئی بخوشی خاطر اپنے
آپ کو ہماری سلطنت کا جزو نہ سمجھے اسے اپنے ملک کا دشمن سمجھیں۔ مثلاً اہل ہند
سے دریافت کیا جائے کہ وہ ایران کے مطیع و فرماں بردار ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ
اپنی غرور و زعم میں انکار کر دیں تو صاف ظاہر ہو گیا کہ انہیں ہم سے الفت نہیں ہے
اور ایسی حالت میں خواہ مخواہ وہ ہمارے دشمن خیال کئے جائیں گے"۔

دُدہ یا۔ (باآواز بلند) یہ سب فضول ہے۔ ہمیں بہر نوع کسی سے جنگ کرنا چاہئے"

گادبروا۔ "مجھے کریسس کی رائے زیادہ پسند ہے"۔

ادتاباز۔ "اور میں بھی اسی کا ہمخیال ہوں"۔

اریاسپ، انتافرس و دیگر امرا چلا کے بولے "ہم بھی گشتاسپ کی رائے کو افضل
سمجھتے ہیں"۔

اب سپہ سالار بگاباز یعنی پدر دُدہ یا اپنی جگہ سے اٹھا اور میز پر اس زور سے گھونسا
مار کر کہ تمام برتن کھڑکھڑانے لگے اور بہت سے جام اوندھے ہو گئے بڑے جوش سے
بولا "میری رائے میں بھی ماساجت سے لڑنا فضول ہے اس لئے کہ وہ ابھی سے
دُم دبا کر بھاگنا چاہتے ہیں۔ مگر کسی نہ کسی سے جنگ ضرور ہونا چاہئے"۔

موبد اعظم۔ "میں بھی اسکی تاکید کرتا ہوں اُن حبشیوں سے جنگ لاحاصل ہے۔
ہرمزد نے اپنا غضب نازل کر کے پہلے ہی اُن سے کورش اعظم کا بدلہ لے لیا"۔

اب ہر طرف سے بدمست و مخمور سردار جنگ جنگ کے نعرے بلند کرنے لگے
کمبوجیہ جو نہایت خاموشی و اطمینان سے باتیں سن رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اب

اپنی جگہ سے اُٹھا اور ایک بڑی گرجتی ہوئی آواز سے جو تمام کمرے میں گونج گئی بولا "خاموش! اب کان کھول کر ما بدولت کا ارشاد سُنو" ان الفاظ میں اس غضب کا اثر تھا کہ لوگوں کے دل ہل گئے۔ شرابیوں کا نشہ ہرن ہو گیا اور سب چُپ چاپ فرمان شاہی سُننے کیلئے گوش برآواز ہو گئے۔

شہنشاہ "میں نے تم لوگوں سے صلح و جنگ کا سوال کب کیا تھا؟ مجھے خوب معلوم ہے کہ تم فطرتاً جنگی تکالیف کو امن و امان کی بیکارانہ زندگی پر ترجیح دیتے ہو میں تو تم سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ماساجیت کو کیا جواب دیا جائے۔ کیا میرے باپ کے خون کا کافی انتقام لیا جا چکا (اس پر اکثر نے ہاں مگر بعض نے نہیں کہا) کیا ہم انکی شرائط منظور کر لیں اور اس قوم وحشی کو جیسے پوری طور سے سزا مل چکی ہے امان دیدیں" سب نے یکزبان ہو کر تائید کی۔

بادشاہ "بس یہی تمہاری زبان سے سننا چاہتا تھا۔ کل کے دن بموجب اپنی قدیم رسم و عادت۔ جو مسئلہ ہم نے بوقت مے نوشی طے کیا ہے اس پر ہوش و حواس کی حالت میں سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کریں گے۔ میں اب رخصت ہوتا ہوں اور صبح تڑکے مرغ سحری کی مبارک بانگ[1] ختم ہوتے ہی تم سے باب بل کے قریب ملونگا اور سیر و شکار کے لئے روانہ ہونگا۔"

[1] زمانہ اوستا سے آجتک مرغ (خروس) خانگی کی تعریف میں شعرا رطب اللسان ہیں وہ صبح صادق کے آمد کی خبر دیتا ہے اور لوگوں کو کاروبار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ قدیم زمانہ میں اُسے پرادش ددربین اکا لقب دیتے تھے۔ اور سروشادرنیر العینی نقیب ایزد سروش بھی کہتے تھے۔ اوستا میں بانگ خروس کی اس طرح تاویل کی گئی ہے۔ "بیدار شوید۔ اے مردم۔ وایزد نیکوئی را ستائش بکنید۔ واہرمن را نفرین نماید وگرنہ اہرمن خواب را بر شما مسلط سازد وشمار انہ شاید کہ بہ مکر وا غواے او فریفتہ بشوید۔"

(ایران نامہ)

ہر طرف سے نعرہائے "فتح و نصرت"۔ "شہنشاہ کا بول بالا رہے" بلند ہوئے اور کمبوجیہ دربار سے اُٹھ کر چلا گیا۔

بوگس خواجہ سرا شہنشاہ کے رخصت ہونے سے کچھ دیر قبل چپکے سے کھسک گیا تھا اور باہر جا رہا تھا کہ صحن محل میں ایک لڑکے کو دیکھ کر جو باغات متعلقہ میں کام کیا کرتا تھا ٹھٹک گیا۔

بوگس "تیرا یہاں کیا کام ہے"

لڑکا "میں شہزادہ بردیہ کی تلاش میں ہوں"

بوگس۔ (کان کھڑے کرکے) "کیا تیرے اُستاد مالی نے شہزادہ کے لئے درختوں کی قلمیں یا بیج بھیجے ہیں"

لڑکا۔ (مسکراتے ہوئے گردن ہلا کر) "نہیں"

بوگس۔ (نہایت حیرت زدہ ہو کر) "تو کسی اور نے تجھے بھیجا ہے"

لڑکا "ہاں! اور ہی کوئی ہے"

بوگس۔ (مسکرا کر) "میں سمجھ گیا۔ شہزادی نے اپنے دیور کے لئے کوئی پیغام دے کر تجھے بھیجا ہے"

لڑکا۔ (بھونچکا ہو کر) "تمہیں کیسے معلوم ہو گیا"

بوگس۔ (چمکا کر) "واہ خود شہزادی نے مجھسے اس کا ذکر کیا تھا۔ لا جو پیغام لایا ہے۔ مجھے دیدے۔ میں شہزادہ کو ڈھونڈھ کر دیدونگا"

لڑکا "میں تو انکے سوائے اور کسی کے ہاتھ میں نہ دونگا"

بوگس۔ (آنکھیں نکال کر) "کیسا بیوقوف ہے۔ لا مجھے دیدے۔ میں اس کام کو تجھ سے اچھی طرح جانتا ہوں"

لڑکا "نہیں میں تو نہیں دیتا"

بوگس (زور سے اس کا ہاتھ پکڑ کر) چپ بدمعاش! ورنہ ابھی تو میں .....

دونوں ابھی جھگڑ رہے تھے کہ اتنے میں بادشاہ آ پہنچا۔ لڑکا اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگا بوگس نے چلا کر پہرے والوں کو آواز دی کہ اسے پکڑ نا جانے نہ دینا۔

کمبوجیہ "یہ کیا معاملہ ہے"

بوگس "حضور والا! یہ نالائق بدتمیز لڑکا محل میں بلا اجازت گھس آیا ہے اور میں پوچھتا ہوں تو کہتا ہے کہ خاتون مصر کی طرف سے شہزادہ بردیہ کے لئے ایک پیغام لایا ہے"

یہ سنتے ہی کمبوجیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور تمام جسم کانپنے لگا۔ لڑکا جب پکڑ کر سامنے لایا گیا تو گھبرا کر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا جس نے بڑی تیز نگاہ سے اسکی طرف گھور کر دیکھا پھر خواجہ سرا سے یوں مخاطب ہوا "تجھے کچھ معلوم ہے کہ دختر فرعون کا میرے بھائی سے کیا کام ہے"

بوگس "حضور یہ غلام خود حیران ہے۔ اسی لڑکی کا قول ہے کہ صرف شہزادی کے ہی ہاتھ میں اسے خط دینے کے لئے حکم دیا گیا ہے"

غریب قاصد نے جس کے ہوش و حواس بادشاہ کو دیکھتے ہی غائب ہو گئے تھے۔ اب کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک خط اپنی جیب سے نکال کر سامنے پیش کیا کمبوجیہ نے اسے جلدی سے چھین کر پڑھنا چاہا۔ مگر جب یونانی تحریر دیکھی جس سے وہ نابلد تھا تو غصہ سے زمین پر پیر مارنے لگا۔

بادشاہ "(لڑکے کو زور سے جھنجوڑ کر) سچ بتا بدمعاش۔ یہ تجھے کس نے دیا"

لڑکا "(تھر تھر کانپ کر) میری مالکہ کی خواص مندانہ دختر مجوس نے!!

کمبوجیہ "میرے بھائی بردیہ کے لئے"

لڑکا "جی حضور! انہوں نے حکم دیا تھا کہ شہزادہ کو دعوت سے پہلے دیدینا اور میری ہوی نٹیتیس کی طرف سے سلام کہہ کر کہنا ...... (لڑکا اس قدر سہما ہوا تھا کہ بمشکل اسکے

منہ سے آواز نکلتی تھی ا شہزادہ صاحب دعوت سے پہلے حضور کے ساتھ ساتھ تھے اسلئے مجھے موقعہ نہیں ملا۔ اب میں انکی تلاش میں جارہا تھا...... (بہت رُک رُک کر) ملکہ نے کہا تھا کہ اس کام کو اچھی طرح انجام دیگا تو ایک اشرفی انعام دونگی"۔

کمبوجیہ۔ (یہ خیال کرکے کہ اُسے دھوکہ دینے کے لئے یہ تدبیر کی گئی تھی۔ گرجتی ہوئی آواز سے) "تجھے اس میں ناکامیابی ہوئی! سپاہیو اس بدذات لڑکے کو گرفتار کرلو"۔

غریب لڑکے نے پھر قدموں پر گرکر نہایت منت و سماجت سے رونا شروع کیا۔ لیکن کوڑے بردار چشم زدن میں اُسے پکڑکر گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ اور بادشاہ جلدی جلدی قدم رکھتا ہوا اپنی خوابگاہ کی طرف بڑھا۔ بوگس بھی جس کی خوشی کی انتہا نہ تھی پیچھے پیچھے گیا۔

جب بادشاہ کمرہ میں داخل ہوا تو خدام اس کا لباس اُتارنے آگے بڑھے مگر اسنے جھڑک کر سب کو باہر نکال دیا اور بوگس کو قریب بُلا کر آہستہ سے کہا "اب میں تجھے اسوقت سے شہزادی پر محافظ مقرر کرتا ہوں۔ خبردار ہوشیار رہنا۔ اگر بلا میرے علم و اجازت کوئی پیغام یا غیر شخص اس تک پہنچ گیا تو تیری جان کی خیر نہیں ہے"!

بوگس "لیکن حضور والا۔ اگر ملکہ کاسندانہ یا شہزادی اتوسا......"

کمبوجیہ "میری طرف سے انہیں کہلا بھیج کہ اگر شاہزادی کو نامہ پیام بھیجنے کی کوشش کی گئی تو مابدولت کی سخت ناراضی کا باعث ہوگا"۔

بوگس۔ (ہاتھ جوڑکر) جہاں پناہ۔ اگر جان کی امان پاؤں تو ایک التجا کردں"۔

بادشاہ۔ (غصہ سے) "میں اس وقت کچھ نہیں سُننا چاہتا"۔

بوگس۔ (گڑگڑاکر) "میرے آقا۔ میرے مولا! مجھ پر رحم کیجئے میں بیمار ہوں۔ کل کسی اور کو باغات کا نگہبان مقرر فرمایئے"۔

بادشاہ۔ نہیں تو ہی اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے"۔

بوگس "حضور مجھے سخت بخار چڑھا ہے - آج مجھے تین بار غش کے دورے آئے - اگر یہی کیفیت کل بھی رہی اور کوئی شخص اندر ...."

کمبوجیہ - (جھنجلا کر) تو بتا تیرے بجائے اور دوسرا کون ہے "

بوگس - (جلدی سے) کنندلس خواجہ سرا بھروسے و اعتبار کے قابل ہے - صرف ایک دن کے لئے وہ میری جگہ کام کرے پھر میں خود اچھا ہو جاؤنگا "

کمبوجیہ "خیر کنندلس کو میں صرف کل کے لئے مقرر کرتا ہوں اُسے اچھی طرح سمجھا دینا کہ اگر کوئی غفلت یا لاپروائی کی تو فوراً سر قلم کر دیا جائیگا "

بوگس - (نہایت عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر) "جہاں پناہ! اس غلام کی اب ایک عرض اور ہے کل رات باغات معلقہ میں نیلی سوسن کا پھول شگفتہ ہوگا - گشتاسپ انستافرس - گاویرواد - گری سس اور ارو پستیس یہ عجب تماشہ دیکھنے کے ازحد مشتاق ہیں - اگر مناسب رائے عالی ہو تو چند لمحوں کے لئے ان امیروں کو باغ میں آنے کی اجازت دیدی جائے میں کنندلس کو سمجھا دونگا کہ کسی کو شہزادی کے پاس نہ جانے دے -

کمبوجیہ "کنندلس اپنی جان عزیز رکھتا ہے تو ذرا آنکھیں کھول کر نگہبانی کرے جا! اب تو میرے سامنے سے دور ہو "

بوگس نہایت ادب سے سر جھکا کر باہر نکل گیا - یہاں اس نے اپنے غلاموں و مشعل برداروں کو بلا تکلف اشرفیاں تقسیم کرنا شروع کیں - اس کا دل مارے خوشی کی بانسوں اچھل رہا تھا - اسکی تمام تدبیریں و چالیں نہایت خوبی کے ساتھ کامیاب ہونے والی تھیں اور نتیتیس کی قسمت کا فیصلہ ایک امر طے شدہ معلوم ہوتا تھا علاوہ بریں اس کا سب سے بڑا رقیب و دشمن یعنی کنندلس بھی عنقریب اس کے جال میں پھنس کر اپنی حرکتوں کا مزہ چکھنے والا تھا -

کمبوجیہ نے باقی ماندہ رات نہایت بے چینی و اضطراب میں ٹہلتے ہوئے گذاری۔ بالآخر اُس نے یہی ٹھان لیا کہ نتیتیس کو پہلے اپنے سامنے بلاکر اُسی کی زبان سے اقبال جرم سُنے گا پھر مجوزہ سزا کا عمل درآمد کریگا۔ اور بردیہ کو جسے مصر جانے کی اجازت وہ دے ہی چکا ہے۔ واپس آنیکے بعد کسی دور و دراز صوبہ کا حاکم بناکر ہمیشہ کے لئے اُسے دربار سے نکال دے گا۔ بھائی کو وہ اب بھی بے قصور سمجھتا تھا۔ تاہم وہ اپنی طبیعت سے بھی بخوبی واقف تھا کہ اگر وہ آنکھوں کے سامنے رہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی دن غصہ سے بے قابو ہوکر اسکی زبان سے کوئی ایسا حکم نکل جائے کہ بعدہٗ پچھتانا پڑے۔

طلوع آفتاب سے دو گھنٹہ بعد ایرانی سواروں کا ایک بہت بڑا گروہ۔ تیر و تبر نیزے و کمند وغیرہ سے مسلح بابل کے اس عظیم الشان شکارگاہ[۵۱] کی طرف جارہا تھا جہاں پہلے ہی جانوروں کو گھیرنے و پکڑنے کا پورا سامان تھا کئی ہزار تازی کتے اور بکثرت ہوشیار خادم موجود تھے۔ یہی وہ شاہی خدم و حشم تھا جس میں زیادہ تر امرائے ہخامنش شامل تھے۔ مگر شہنشاہ تن تنہا سب سے آگے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سرپٹ اڑا ہوا چلا جارہا تھا۔

[۵۱] شاہان ایران زمانہ قدیم سے سیر و شکار کے بڑے شائق تھے۔ اکثر اپنے امراء و مصاحبین کو لیکر بڑے خدم و حشم کے ساتھ صیدگاہوں کو روانہ ہوتے تھے۔ بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا۔ یا ساسانیوں کے زمانہ میں کبھی ہاتھی پر بیٹھتا تھا۔ شکاری کتے۔ چیتے۔ باز وغیرہ ساتھ ہوتے اور تفریح طبع کے لئے مغنیوں و مطربوں کے طائفے بھی ہمراہ ہوتے تھے۔ شیر کا شکار زمین پر کھڑے ہوکر تلوار یا بھالوں سے ہوتا تھا۔ خونخوار چیتوں پر دور سے تیر برسائے جاتے تھے۔ ارنا بھینسا۔ جنگلی سور۔ بارہ سنگھے اور ریچھ وغیرہ کو قریب سے مارا جاتا تھا۔ اور ہرن و گورخر کا تعاقب تیز رفتار گھوڑوں پر کیا جاتا تھا۔ علاوہ عام جنگلوں کے بادشاہوں کی خاص شکارگاہیں بھی تھیں جنھیں فردوس کہتے تھے۔ یہاں مختلف جانور شیر۔ چیتے و ہرن وغیرہ محفوظ رکھے جاتے تھے۔ علاوہ بریں پرندوں کا شکار۔ شاہین۔ باز و شکرے وغیرہ سے ہوتا تھا جسکے انتظام کے لئے ایک خاص افسر یعنی شاہ بین مقرر تھا۔ (رالنس۔ وغیرہ)

باب اٹھارواں

بردیہ کی گرفتاری

شکار ختم ہوگیا۔ واپسی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بہت سی گاڑیوں میں بکثرت جانور لدے ہوئے آئے جن میں زیادہ تر جنگلی سور تھے جنہیں کمبوجیہ نے خود اپنے ہاتھ سے مارا تھا۔ بابل میں واپس آنیکے بعد امراسب سے پہلے محل شاہی کے پھاٹک پر جمع ہوئے پھر ایک دوسرے کو الوداع کہہ کر اپنے اپنے گھر سدھارے۔ وہاں آتے ہی اپنے چرمی شکاری کپڑے اتار کر نہانے دھونے میں مصروف ہوئے پھر زرق برق پوشاکیں پہن کر دربار کیلئے تیار ہو گئے۔

دوران شکار میں کوئی نیا واقعہ ظہور میں نہیں آیا سوائے اسکے کہ بادشاہ نہایت افسردہ خاطر تھا۔ خصوصاً اپنے بھائی سے بہت کھچا کھچا رہا۔ ایک بار اتفاقیہ جب وہ سامنے آگیا تو بمشکل اپنے جذبات ضبط کرکے اس نے رکھائی سے حکم دیا کہ اب جلد مصر جانے کی تیاری کرے۔ باختر۔ راغہ اور رسائی نوپ کی آمدنی اسکے اخراجات کیلئے کافی ہوگی اور بعد از شادی ایک اور بڑا شہر اسکی بیوی کو بخشدیا جائیگا۔ بردیہ نے بھائی کی اس بخشش و فیاضی کا شکریہ ادا کرنا چاہا۔ مگر وہ جلدی سے منہ پھیر کر دوسری طرف چلا گیا اور اپنے امیروں سے گورخر کے شکار کے متعلق گفتگو میں مشغول ہوگیا۔

مراجعت کے دوسرے دن ہمارے نوجوان ہیرو نے ایک بہت بڑی الوداعی دعوت دی اور اس میں اپنے خاص خاص احباب مثلاً کریسس۔ دارا۔ ودہ نا گمچیلیس کو مدعو کیا۔ کریسس نے کہلا بھیجا کہ وہ کچھ دیر سے آئیگا کیونکہ آج رات

اس کا ارادہ ہے کہ باغ معلقہ میں نیلی سوسن کی شگفتگی کا تماشہ دیکھے۔

کرہی سس نے علی الصباح نیتیتس سے ملنے کی کوشش کی تھی مگر پہرے والوں نے اُسے روک دیا تھا اب اُسے امید تھی کہ شاید اس بہانے سے اُسے کامیابی ہو جائے اور اُس سے پوچھے کہ آخر دعوت میں اسکے عجیب برتاؤ کا کیا سبب تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں کوئی غلط فہمی نہ ہوئی ہو جو شاہزادی کے آفت و وبال کا باعث ہو۔

شام کا سہانا وقت تھا۔ شاہی باغ کے ایک خوشنما کنج میں جہاں فوارے اچھل رہے تھے محفل عیش و طرب منعقد تھی۔ بردیہ اور اُسکے دوست جمع تھے۔ باہم ہنسی مذاق ہو رہا تھا اور شہزادہ کو اُس کی آیندہ ہونے والی شادی کی مبارکبادیں دی جا رہی تھیں۔

آریاسیپ۔ (ایک معمر امیر جو کورش اعظم کے مصاحبین میں تھا۔ جام شراب چڑھا کر) بردیہ تم بڑے خوش نصیب ہو مصر جنت نشان اپنی حور تمثال معشوقہ کو لینے جا رہے ہو۔ مجھ غریب کو دیکھو کہ ابھی تک شادی و کتخدائی کی لذتوں سے ناواقف ہوں۔ مر جاؤں گا تو میری لاش پر کوئی رونے والا تک نہ ہوگا۔ اور نہ کوئی اولاد دعائے خیر سے مجھے یاد کریگی"

دوہ یا۔ (جام شراب مُنہ تک لیجا کر) "آپ ناحق یہ اندیشہ کرتے ہیں۔ سچ کہتا ہوں کہ شادی کے بعد حقیقت معلوم ہوتی ہے اور روزانہ کم از کم ایک بار تو اپنے کئے کو پچھتانا پڑتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ اپنی عقلمندی پر افسوس کرتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ عورت کا انتخاب ایسا ہی مشکل ہے جیسا ایک بادام کا چھلکا دیکھ کر کوئی اسکے اندر کا حال دریافت کر سکے۔ صرف اسے توڑنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ میٹھا ہے یا کڑوا یا بالکل مغز سے خالی ہے۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے جو کافی وسیع ہے کیونکہ ابھی میری عمر بائیس برس کی بھی نہیں لیکن پانچ بیویاں کر چکا ہوں اور بہت سی لونڈیوں باندیوں کو گنتا نہیں جن میں خوبصورت بدصورت ہر طرح کی شامل ہیں"

آریاسپ نے یہ سنکر اپنے دوست کو بغور دیکھا اور اسکے ہونٹوں پر ایک تلخ آمیز مسکراہٹ سی پائی گئی۔

گیجبیس "۔ آپ کو اب بھی شادی کرنے سے کون بات مانع ہوسکتی ہے؟ گو آپ ساٹھ کے قریب ہیں۔ تاہم بہت سے نوجوان آپ کے رنگ روپ۔ شجاعت و طاقت کے سامنے مات ہیں۔ آپ کے لئے زر و جواہر کی بھی کمی نہیں۔ ہمارے شہنشاہ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ اگر چاہتے تو اب تک بیس پچیس خوبصورت و نوجوان بیویاں کر سکتے تھے "۔

آریاسپ۔ (مسکراکر) "میاں لڑکے پہلے اپنی خبر لو۔ تیس برس کے ہوگئے اور ابھی تک بن بیاہے ہو "۔

گیجبیس۔ (آہ سرد بھر کر) "میں تو مجبور ہوں مجھے تو ایک آرکل (الہامی قول) ـــ شادی سے منع کر دیا ہے "۔

آریاسپ۔ (مُنہ بناکر) آرکل! کیا بے عقلی کی بات کہتے ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ایسا سمجھ دار شخص وہم پرست ہو اور ان فضولیات پر اعتقاد رکھے۔ آیندہ کی باتیں تو صرف عالم رویا ہی میں ظاہر ہوسکتی ہیں۔ میں تو سمجھتا تھا کہ اپنے باپ کا واقعہ یاد کر کے کہ یونانی پروہتوں نے انہیں کیسا دھوکہ دیا تھا۔ تمہیں ایک اچھا سبق مل گیا ہوگا "۔

گیجبیس "۔ افسوس ہے کہ آپ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے "۔

آریاسپ "۔ اور نہ انکے سمجھنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ تم ایسے وہمی و دقیانوسی لوگ آرکل کو اس لئے سچا جانتے ہیں کہ اسکے سمجھنے سے معذور ہیں۔ اور جو بات تمہاری عقل میں نہیں آتی اسے معجزہ یا کرامت سے تعبیر کر کے فوراً ایمان لے آتے ہو۔ اور اپنے یقینی مشاہدات کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ آرکل ہی تمہارے باپ کو پہلے دھوکہ دے چکا ہے۔ اور انکی تباہی کا باعث ہوا ہے مگر تم پر اب بھی اس قدر اس کا اثر باقی ہے کہ

اپنی زندگی کے تمام عیش و راحت کو قربان کئے بیٹھے ہو۔"

گیعیسپ "درمعاف کیجئے۔ میں آپ کے ان کلمات کو کفر والحاد سے کم نہیں سمجھتا۔ دیوتاؤں کی پیشین گوئی کبھی غلط نہیں ہوسکتی۔ یہ ہمارا قصور ہے ہم نہ سمجھ سکیں تو انہیں الزام نہیں دے سکتے۔"

آریاسپ "بیشک وہی قابل الزام ہیں۔ اگر ہمارے سچے ہمدرد و بہی خواہ ہوتے تو ایسی مبہم باتوں کے سمجھنے کی عقل بھی دیتے۔"

دارا "کہاں کی یہ فضول بحث نکالی ہے۔ آریاسپ آپ اپنا حال کچھ بتائیے کہ اب تک اپنے دین و مذہب کے خلاف کیوں عمل کرتے رہے ہیں۔ کیوں محفلوں و مجلسوں میں لوگ آپ پر طعنہ زن ہوتے ہیں۔ عورتیں ہنسی اڑاتی ہیں مگر آپ خاموش کچھ جواب نہیں دیتے۔ اور ہر دولہا و نوشہ کو بڑی گرمجوشی سے مبارک باد دینے کو تیار ہو جاتے ہیں مگر خود ہمیشہ شادی سے جان چراتے ہیں۔"

آریاسپ آنکھیں نیچی کر کے کسی سوچ میں پڑ گیا پھر سر ہلا کر ایک گھونٹ شراب پی اور کہنے لگا "دوستو! یہ ایک راز ہے جسے فی الحال میں کسی سے نہیں کہہ سکتا۔"

دارا "نہیں آپ کو قسم ہے ضرور بتائیے۔ ہم سب آپ سے سننے کے بہت مشتاق ہیں۔"

آریاسپ "عزیزو! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری آرزو پوری نہیں کرسکتا۔ مجھ سے اب زیادہ اصرار نہ کرو (بردیہ کی طرف دیکھ کر) خوش نصیب بردیہ! میں یہ جام تمہاری

لہ آرین یونانی مورخ لکھتا ہے کہ ایران میں شادی کی رسوم بڑی دھوم سے ہوتی تھیں شادی کے دن دولہا بھوکا رہتا تھا۔ وقت شب اسے اونٹ و بیل کی ہڈی کا گودا کھانے کو دیا جاتا اور جب سب مہمان دعوت کے بعد رخصت ہو جاتے تو وہ اپنے حجرہ میں جاتا جہاں کچھ دیر بعد دلہن داخل ہوتی۔ جسے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر خوش آمدید کہتا اور اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھاتا جسے دلہن بوسہ دے کر بیٹھ جاتی ساسانیوں کے زمانہ میں شادی کی متعدد قسمیں ہو گئی تھیں نئی نئی رسومات رائج تھیں۔ جن کا بیان اس ناول سے تعلق نہیں رکھتا۔ (دالنس وغیرہ)

خوبصورت ویریہی جمال سافو کی صحت کا پیتا ہوں۔ (کچھ دیر بعد دارا کی طرف اشارہ کرکے)
اور یہ دوسرا۔ اپنے عزیز از جان دارا کی کتخدائی و خانہ آبادی کے لئے اُٹھاتا ہوں۔"
بردیہ۔ (اپنا جام بھر کر جوشِ مسرت سے) "میں آپ کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔"
دارا۔ (زمین کی طرف دیکھ کر۔ بیدلی سے) "آپ کے خلوص و محبت کا میں بھی مشکور ہوں۔"
آریاسپ۔ (حیرت سے) "ہیں! پسر گستاشپ! اسکے کیا معنی کہ تم اپنی شادی کا
نام سُنتے ہی ایسے افسردہ ہو گئے۔ کیا دختر گاوبروا تمام ایرانی لڑکیوں میں سوائے
شہزادی اتوسا کے سب سے زیادہ حسین و ممتاز نہیں۔"
دارا۔ (ناک بھوں چڑھا کر) کیوں نہیں؟ مجھے کب انکار ہے۔"
آریاسپ۔ (مسکرا کر) "پھر تمہیں کس بات کا رنج؟ اور اس کشیدگی کا سبب؟"
دارا نے ایک آہ سرد بھری اور کچھ جواب نہ دیا۔
آریاسپ۔ (گردن ہلا کر) "آپ کا تو عجب حال ہے۔ اہا! اب میں سمجھا۔ میاں
صاحبزادے تم ضرور کسی دوسرے کے عشق میں مبتلا ہو۔ اگر یہ میرا قیاس غلط نکلے
تو اپنا نام بدل ڈالوں۔"
دُدہ یا۔ "عجب تماشا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سب کی عقل چرنے گئی ہے۔ ایک صاحب
خود تو بلاوجہ تجرد کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر اوروں کی شادی نہ کرنے پر آوازے کستے
ہیں۔ دوسرے کو آرکل نے ایسا ڈرا دیا ہے کہ شادی کے نام سے گھبراتا ہے۔ اور ہمارے
جناب بردیہ ایک ہی پر مفتون و قانع ہیں۔ اب رہے دارا انہوں نے تو بیاہ کے نام
سنتے ہی ایسی صورت بنائی گویا ابھی کسی کے جنازہ کے ساتھ ہو کر آئے ہیں مجھے سخت
حیرت ہے کیونکہ ہمارے معزز گستاسپ نے جس لڑکی سے انکی نسبت ٹھیرائی ہے
وہ اپنے حسن و جمال میں یکتائے روزگار ہے۔"
آریاسپ (چلا کر) واقعی سچ کہتے ہو۔ یہی تو مجھے بھی حیرت ہے۔ دارا! تم واقعی بڑے

ناشکرے ہو"۔

داراکو اپنے دوستوں کی یہ چھیڑ چھاڑ و مذاق زیادہ پسند نہ آیا۔ بردیہ نے فوراً اُسے محسوس کیا اور بڑی محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔" دارا اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے مجھے خود افسوس ہے کہ تمہاری شادی کی شرکت سے محروم رہونگا۔ امید ہے کہ میرے واپس آنے تک تمہاری یہ اُداسی و مردہ دلی دور ہو جائے گی"۔

دارا۔ (منہ بنا کر)" مجھے اس میں شک ہے۔ کیا عجب کہ آپ کی واپسی تک کئی ایک بیویاں میرے حرم میں موجود ہوں"۔

وِدِّہ یا۔" ہر فرد ایسا کرے۔ میں تو بہت خوش ہونگا۔ اگر ہم سب گیجبیس آریاسپ کی پیروی کریں تو یقیناً خاندان ہنجامنش کا جلد خاتمہ ہو جائے۔ (بردیہ سے) تمہاری بھی غلطی ہے کہ صرف ایک بیوی پر قناعت کرتے ہو۔ اگر اپنے لئے نہیں تو قوم و نسل کا تو خیال کرتے اور کم از کم تین بیویاں ایک ساتھ گھر لاتے"۔

بردیہ"۔ مجھے یہ رسم پسند نہیں۔ اس سے ہم اخلاقاً عورتوں کی نظر میں گر جاتے ہیں۔ یہ کون طریقہ انصاف ہے کہ جن سے ہم عفت و وفا کی خواہش رکھیں انہیں کے سامنے اپنی ایک ایسی مثال قایم کریں جو بالکل برعکس ہو۔ اور آج ایک کل دوسری عورت لاکر ہمیشہ کے لئے انکے سچے جذبات کا خون کریں"۔

وِڈّہ یا۔" آپ کا یہ خیال بالکل فضول و بے معنی ہے۔ یقین جانئے میں اپنی زبان کاٹ ڈالوں مگر جھوٹ نہ بولوں گا تاہم یہ کہتا ہوں کہ عورت ذات فطرتاً بڑی چالاک و دھوکہ باز ہے اس کے ساتھ اسی قسم کا سلوک جائز و روا ہے"۔

بردیہ۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ یونانی عورتوں کو دیکھئے کیسی باشعور و وفا کیش ہیں۔ وجہ یہ کہ انکے ساتھ مختلف برتاؤ کیا جاتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جیسا کسی کے ساتھ طریقہ اختیار کیا جائے گا ویسا ہی وہ نکلے گا مجھے بخوبی یاد ہے کہ سافو نے ایک یونانی عورت کا

ذکر کیا تھا جس کا نام پنلپی[1] تھا - اور جو باوجودیکہ ہزاروں لوگ اسکے ساتھ عقد کی خواہش و آرزو میں رہے لیکن وہ بیس برس تک اپنے شوہر کے انتظار میں صبر و شکر کئے بیٹھی رہی"

دوہ یا - (زور سے ہنس کر) "میری بیویوں میں سے وہ ہوتی تو ایک دن بھی انتظار نہ کرتی اور میں بھی اتنے عرصہ کے بعد واپس آکر گھر خالی پاتا تو سچ تو یہ ہے کہ دل میں بہت خوش ہوتا کہ اچھا ہوا ایسی عورت سے جو اب تک بڑھیا ہو گئی ہوگی نجات ملی - بعدہٗ نئی نویلی پری رخوں سے اپنا محل بساتا - مگر ہمارے یہاں یہ ناممکن ہے کیونکہ ہماری غریب عورتوں کو مردوں سے ملنے کی اجازت نہیں اس لئے کیا کریں بے یار و مددگار سے ایک پردیسی خاوند ہی بھلا"

آریاسپ - "تمہاری بیویاں یہ باتیں سُن پائیں تو کیا کریں"

دوہ یا - (خوفزدہ ہوکر) "کیا کریں ؟ فوراً میرے خلاف اعلان جنگ کر دیں - یا اس سے بھی بدتر کہ آپس میں صلح کرلیں"

آریاسپ - "یہ کس طرح"

دوہ یا - "کس طرح اس سے معلوم ہوا کہ آپ حد درجہ بھولے و ناتجربہ کار ہیں"

---

[1] یونانی مذہبی افسانوں میں ذکر ہے کہ پی نلوپی - آڈی سیوس کی بیوی تھی - اسکے باپ کا نام آئی کے ریوس تھا اور ماں ایک سمندر کی پری تھی جس کا نام پری بوا تھا - جنگ ٹرائی کے زمانہ میں جب اس کا شوہر جنگ پر گیا ہوا تھا تو انتھا کا (مقام) اور قرب و جوار کے جزائر کے امیر امرا اسے تصرف میں لانا چاہتے تھے - مگر یہ اپنی ہوشیاریوں سے ٹالتی رہی حتی کہ جنگ ختم ہوگئی اور اس کا شوہر آگیا اور اسکے بہکانے والوں کو قتل کر دیا - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسکی شوہر کی غیر حاضری کے زمانہ میں ایک شخص ہرمیز سے اس کے ایک لڑکا پین پیدا ہوا تھا - جب اڈی سیوس واپس ہوا تو اس نے اپنی بیوی کی غداری کا حال معلوم کرکے اسے طلاق دیدی - جسکے بعد وہ اسپارٹا چلی گئی وہاں سے منٹینیا چلی گئی اور وہیں مرگئی - یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آڈی سیوس اور سرسی کے لڑکے ٹلی گونوس نے جب اپنے باپ کو قتل کر دیا تو پھر پی نلوپی نے اس سے شادی کرلی اور اسکے ساتھ جزیرہ آیلایا جزائر بلسٹ میں قیام اختیار کیا - ۱۲ (انسائیکلوپیڈیا)

آریاسپ "بجا و درست۔ تو پھر آپ ہی مجھے اپنے غیر معمولی تجربہ سے آگاہ فرمائیے۔"
دُوہ یا۔ بخوشی میں تیار ہوں۔ سُنئے۔ پانچ چڑیاں اپنے گھونسلے میں آرام سے رہ سکتی ہیں لیکن پانچ بیویاں ایک ساتھ بسر نہیں کر سکتیں۔ میرے یہاں یہ کیفیت کسی قدر مبالغہ کے ساتھ پائی جاتی ہے اور رات دن ایسی چخ چخ بک بک رہتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ میں چونکہ اب عادی ہو گیا ہوں اس لئے کچھ پرواہ نہیں کرتا بلکہ انہیں لڑتا دیکھ کر مجھے لطف آتا ہے۔ اب سُنئے۔ سال بھر کا عرصہ ہوا کہ ایک دن سب نے آپس میں صلح کر لی بس غضب ہو گیا۔ میری زندگی میں اس دن سے بدتر شاید ہی کوئی دوسرا دن ہو گا۔"
آریاسپ۔ "تم مذاق کرتے ہو۔"
دُوہ یا۔ "نہیں میں سچ عرض کرتا ہوں۔ ذرا سُنئے تو سہی۔ سبب یہ ہوا کہ ایک میرے کمبخت خواجہ سرا نے ایک بوڑھے جوہری کو محل کے اندر آنے کی اجازت دیدی بس کیا تھا سب بیویاں اس پر ٹوٹ پڑیں اور ہر اک نے اپنے لئے ایک ایک زیور پسند کیا میں نے جب مکان میں قدم رکھا تو پہلے تو ایک مٹکتی ہوئی آئی اور بڑی لجاجت سے زیور کے لئے روپیہ مانگنے لگی۔ میں نے صاف انکار کر دیا کیونکہ وہ بہت گراں تھا۔ بعدہٗ یکے بعد دیگرے باقی ماندہ بھی آئیں اور وہی سوال کیا۔ میں نے بھی ویسا ہی ٹکا سا جواب دیا۔ پھر غصہ میں جھنجلایا ہوا باہر چلا گیا جب واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سب بیویاں اپنے بال کھولے ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالے رو رہی ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی ایک ساتھ کھڑی ہو گئیں اور ایسی بے نقط سنائی کہ میں دُم دبا کر بھاگا۔ اب رات کا وقت آیا۔ میں نے خوابگاہ کا ارادہ کیا تو پانچوں دروازے بند تھے۔ دوسرے دن پھر وہی آہ و زاری پھر وہی صلواتیں طعن و تشنے شروع ہوئے تو میرے لئے سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہ رہا کہ گھر چھوڑ کر بادشاہ کے ساتھ شکار کھیلنے نکل جاؤں۔ لیکن آخر کب تک باہر رہتا۔ جب شکار سے واپس آیا تو بہت تھکا ماندہ بھوکا پیاسا اور سردی کے مارے ٹھٹھر رہا تھا

کیونکہ وہ زمانہ موسم بہار کا تھا اور ہم اکباتان میں تھے جہاں کوہ الوند کی چوٹیاں برف سے
ڈھکی رہتی ہیں۔ غرضکہ جب گھر میں داخل ہوا تو وہاں نہ کوئی چراغ تھا نہ آتشدان۔ نہ کھانے
پینے کو کچھ میسر۔ ان کمبختوں نے میرے خلاف سازش کر کے سب آتشدان بجھا دیئے تھے
اور بکاول کو بھی منع کر دیا تھا کہ کھانا وغیرہ نہ پکائے۔ کیا عرض کروں مجھے کس قدر تکلیف
ہوئی۔ دانت کچکچا کر رہ گیا اور اس پر طرہ یہ کہ انہوں نے زیور بھی ہضم کر لیئے اور جوہری کو میرے
پیچھے لگا دیا۔ یہ بدمعاش ابھی میں نے نوکروں کو مار پیٹ کر مشکل سے کھانا تیار کرایا تھا کہ
میرے سر پر آموجود ہوا اور اپنے روپیہ کا تقاضہ کرنے لگا۔ میں نے اسے ایک چپت رسید
کی اور گھر سے نکال دیا۔ مگر اب سوؤں تو کہاں سوؤں۔ سب طرف کے دروازے بند
القصہ بڑی بے چینی سے وہ رات کٹی اور صبح اُٹھتے ہی میں نے اپنی حرکت پر توبہ کی۔
جوہری کو اسکے دام دے اور بیویوں کو ہاتھ جوڑ کر منایا۔ اس دن سے مجھے ایسا سبق
حاصل ہوا ہے کہ کبھی نہ بھولونگا۔ اور انکے اتحاد و یکجہتی سے ایسا خائف رہتا ہوں کہ شاید
بھوت پریت سے بھی نہ ڈرتا ہوں۔ میرے لئے انکی نااتفاقی ہی میں خیریت ہے اسی
کو اپنی نجات کا باعث سمجھتا ہوں اور جب آپس میں انہیں لڑتے جھگڑتے دیکھتا ہوں تو
مارے خوشی کے پھولوں نہیں سماتا۔"

بردیہ۔ (ہنس کر) "واقعی تمہاری حالت قابل رحم ہے۔"

دُوہ یا۔ "قابل رحم! واہ یہ خوب کہی۔ میں آپ سب سے زیادہ مزے میں ہوں۔ میری
بیویاں اپنے حُسن و جمال و ناز و انداز میں کسی سے کم نہیں اور مجھے خوش رکھتی ہیں۔
اب رہا آیندہ کا خیال تو جب انکا حُسن ڈھلنے لگے گا۔ دوسروں کی تلاش کرونگا جو پرانی
عمر رسیدہ بیویوں کے سامنے اور بھی زیادہ دلفریب معلوم ہونگی .... ارے غلام!
شمع حاضر کر۔ سورج اب غروب ہو گیا۔ اندھیرے میں مے نوشی کا کچھ لطف نہیں آتا۔"
اتنے میں دارا اٹھ کر باہر چلا گیا اور کہنے لگا "ذرا سُننا! بلبل کس مزے سے گا رہی ہے۔"

آریاسپ - (چلاکر) متھرا کی قسم! اسپر گشتاسپ! تم ضرور کسی کے عشق میں مبتلا ہو۔ جو شخص مئے ارغوانی کے مزے چھوڑ کر بلبل کا نغمہ سُننے باہر جائے اسکے دل پر ضرور حضرت عشق کا تیر لگا ہے (گردن ہلاکر) اگر اس میں سر مو فرق ہو تو میرا نام نہ رکھنا۔"

بردیہ۔" آپ صحیح فرماتے ہیں۔ یونانیوں کی زبان میں ہماری بلبل کا نام فلومل ہے اور بقول انکے وہ کسی کی شیدا و متوالی ہے اور نغمہ سرائی کرکے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ ہر ملک والے بلبل کو عشق و محبت کا پرند کہتے ہیں (دارا سے مخاطب ہوکر) اگر آپ اُسے سُننے نہیں گئے تھے تو بھلا بتلایئے کیوں ایسی جلدی بھاگ کر باہر چلے گئے"۔

دارا۔" تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے نجم شناسی کا بھی شوق ہے۔ آج ستارہ تستار اس آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا ہے کہ میں آپ لوگوں کی صحبت چھوڑ کر اُسے دیکھنے باہر چلا گیا اب رہی بلبل وہ بھی اتفاق سے اس وقت گا رہی تھی۔ تو کیا میں اپنے کان بند کرلیتا"

آریاسپ - (ہنس کر) "نہیں بھلا یہ کیونکر ہوسکتا ہے یہ تو آپ کی اس محویت اور اس جوش و وجد کے ساتھ تعریف کرنے ہی سے معلوم ہوگیا تھا۔"

دارا - (جھلاکر) "مجھے یہ مذاق پسند نہیں"۔

آریاسپ۔" عجب نادان لڑکے ہو! اب تو واقعی تمہارا راز اور بھی افشا ہوگیا۔ اگر عاشق نہ ہوتے تو میرے اس کہنے کا بُرا نہ مانتے۔ اور بجائے خفا ہونیکے قہقہہ مارتے۔ لیکن خیر میں اب تنگ نہ کرونگا۔ بھلا بتاؤ تو ستاروں کو دیکھکر کیا معلوم ہوا؟"

یہ سُنتے ہی دارا نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ اور ایک نچھتر یا تارہ منڈل کو جو افق پر نمودار ہوا تھا بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ دفعتاً اسکے چہرہ کو کسی قدر سنجیدہ دیکھ کر بولا "اس وقت کوئی اہم معاملہ درپیش ہے۔ دارا! ذرا بتاؤ تو کہ آسمان پر کیا ہو رہا ہے؟"

دارا - (رکتی ہوئی زبان سے) "کچھ اچھے آثار نہیں۔ (بردیہ سے) بردیہ! میں تم سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں"۔

بردیہ "کیوں آخر اسکی کیا ضرورت۔ یہاں سب اپنے ہی دوست ہیں جن سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ کہو کیا کہتے ہو۔"

دارا "تاہم"

بردیہ "فرمایئے۔ میں سُننے کے لئے تیار ہوں"

دارا "نہیں یہاں نہیں۔ معاف کرنا۔ میں تمہیں تنہا اپنے ساتھ باغ میں لیجانا چاہتا ہوں"

بردیہ اپنے مہمانوں کی طرف ایک معنی خیز نگاہ سے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور دارا کے گلے میں ہاتھ ڈال کر چمن کی طرف نکل گیا جب دونوں کچھ دور پہنچ گئے تو سپر گستاشپ نے اپنے پیارے عزیز دوست کا ہاتھ پکڑ کر بڑی گرمجوشی سے کہا

"بردیہ! میں نے آج متواتر تین بار افلاک میں ایسی نشانیاں دیکھی ہیں۔ جو تمہارے حق میں نہایت مضر ہیں۔ ایک منحوس ستارہ تمہارے مبارک سیارہ کے اس قدر قریب آرہا ہے کہ معمولی نجوم جاننے والا بھی اُسے دیکھ کر فوراً کہدیگا عنقریب تم پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ اس لئے برادر من میں تم سے بڑی منت سے کہتا ہوں کہ فوراً مصر روانہ ہو جاؤ کیونکہ ستاروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفت دور دراز ملک میں نہیں بلکہ یہیں آنے والی ہے"

بردیہ۔ (حیران ہوکر) "کیا واقعی تم نجوم کو سچا جانتے ہو اور ستاروں کی پیشین گوئی پر اس قدر اعتماد رکھتے ہو"

دارا "ہاں مجھے پورا یقین ہے کہ ستارے کبھی دہوکا نہیں دیتے"

بردیہ "اگر ایسا ہے تو انکی پیشین گوئی ایک امر ناگزیر ہے۔ اس سے بھاگنا فضول ہے"

دارا۔ یہ صحیح ہے کہ کوئی اپنی قسمت سے بھاگ کر بچ نہیں سکتا۔ مگر تقدیر کی مثال ایک بڑے باز اُستاد کی طرح ہے جو ان چیلوں و شاگردوں کو زیادہ پسند کرتا ہے جو اسکے سامنے دم نہ ماریں اور بہادری سے مقابلہ کریں۔ بردیہ یہ آسمانی راز ہیں۔ تم انہیں نہیں

سمجھ سکتے۔ میرا کہنا مانو اور فوراً اس ملک کو چھوڑ دو۔"

بردیہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ابھی تو مجھے والدہ و ہمشیرہ سے رخصت ہونا باقی ہے۔"

دارا۔" کسی دوسرے کے ذریعہ انہیں پیغام پہنچا دو۔ یا کریسس جا کر سمجھا دیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہرگز برا نہ مانیں گی۔"

بردیہ۔" وہ مجھے اپنے دل میں بزدل و کمزور تصور کریں گی۔"

دارا۔" یہ تمہاری سخت غلط فہمی ہے۔ انسان کے سامنے سے بھاگنا تو بیشک شرمناک ہے۔ مگر طالع بد سے بچنے کی کوشش کرنا عاقلوں کا کام ہے۔"

بردیہ" تم خود اپنے قول کی تردید کر رہے ہو۔ بھلا بتاؤ کہ ٹپے باز استاد اپنے اس شاگرد پر خوش ہوگا جو اسکے سامنے سے بھاگ جائے۔"

دارا۔" کیوں نہیں۔ وہ ضرور کہے گا کہ دیکھو کیسا ہوشیار و چالاک تھا کہ اپنے سے زیادہ طاقتور کو دیکھکر کنائی کاٹ گیا۔"

بردیہ۔" مگر وہ زبردست طاقت اسے چھوڑے گی کب؟ بالآخر پکڑ پائے گی اور دبوچ کر مسل ڈالے گی۔ تم خود ہی کہتے ہو کہ تقدیر کا لکھا مٹ نہیں سکتا تو پھر میرے بھاگنے سے کیا فائدہ۔ اگر میری کوئی ڈاڑھ درد دے تو فوراً اکھاڑ کر پھینک دوں۔ یہ عورتوں و بزدلوں کا کام ہے کہ ڈر کے مارے ہفتوں منہ پکڑے بیٹھے رہیں اور بڑی تکلیفیں سہہ کر آخر جھک مار کر وہی دانت اکھڑوائیں۔ میں بہادری کے ساتھ خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں بلکہ چاہتا ہوں کہ جلد سامنے آجائے تاکہ جلد نجات ملے۔ اور جو کچھ ہونا ہے ابھی ہو جائے۔"

دارا" (مایوس ہوکر)" تم بڑی نادانی کرتے ہو۔ میرا کہنا نہیں مانتے اور اسکی اہمیت کو نہیں سمجھتے"

بردیہ" تو کیا تمہیں میری جان کا خوف ہے۔"

دارا۔ نہیں۔"

بردیہ۔ تو پھر صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ آخر کیا بات ہے۔"

دارا "سئینز کا مصری پروہت تمہیں یاد ہوگا وہ اپنے علم میں ایسا استاد ہے کہ آجتک میں نے اس کا کوئی ہمسر نہیں دیکھا۔ میں نے نجوم کو اسی سے سیکھا تھا۔ اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا ہے وہ اُسی کا طفیل ہے۔ ایک دن اُس نے تمہارا زائچہ نکالا اور مجھ سے بلاکر کہا کہ بردیہ کو سمجھا دینا ہوشیار رہے اُسے بڑے بڑے خطروں کا سامنا ہونے والا ہے"

بردیہ "تم نے پہلے ہی اس کا ذکر مجھ سے کیوں نہیں کر دیا"

دارا۔ تمہیں قبل ازوقت خوفزدہ کرنا میں نے مناسب نہ سمجھا لیکن اب آگاہ و خبردار کرتا ہوں کیونکہ تمہارا طالع بد بہت قریب آپہنچا"۔

بردیہ۔ میں تمہارا بہت ممنون و مشکور ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ ہوشیاری و احتیاط سے کام لونگا۔ سچ تو یہ کہ مجھے ان باتوں کی مطلق پرواہ نہ ہوتی مگر اب ایک دوسرے کا خیال دامنگیر ہے جس کی خاطر میں اپنے آپ کو فضول خطروں میں ڈالنا پسند نہیں کرتا"۔

دارا "ہاں بیشک۔ اب حالت دگرگوں ہے۔ میں بھی کچھ آپ کے ان جذبات کو بخوبی سمجھ سکتا ہوں"

بردیہ۔ (حیرت زدہ) تم! اور میرے جذبات۔ کیا درحقیقت آریاسپ کا خیال صحیح ہے دیکھو اب مجھ سے راز دل نہ چھپانا"

دارا۔ (رکتی ہوئی زبان سے) "وہ محض ایک خواب و خیال ہے۔ ایک امید موہوم ہے"

بردیہ "کیوں؟ کس لئے؟ بھلا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ تم کسی پر عاشق ہو اور وہ تمہارے جذبات کی پرواہ نہ کرے"

دارا "پرواہ نہ کرے! یہ کون کہتا ہے؟"

بردیہ "میں ابھی سمجھا نہیں تو کیا اسکے سامنے جاتے ہوئے ڈرتے ہو یا اُسے دیکھتے ہی قوت گویائی سلب ہو جاتی ہے۔ (مسکراکر) واہ! واہ! ایسا جری شکاری۔ ایسا بہادر و سورما جس کا ایران میں کوئی ثانی نہ ہو اور یہ حالت میں کس طرح یقین کروں"۔

دارا۔" بردیہ مجھے تم پر اپنے باپ سے بھی زیادہ اعتبار و بھروسہ ہے۔ اگر اجازت دو تو راز دل کہہ سناؤں۔"

بردیہ "کہو۔ میں بڑی بے چینی سے سننے کا مشتاق ہوں۔"

دارا۔" آنکھیں نیچی کر کے "میں تمہاری بہن کورش اعظم کی پری جمال دختر اتوسا پر عاشق ہوں۔"

بردیہ کچھ دیر تک سکتہ کے عالم میں خاموش کھڑا رہا پھر اپنے عزیز دوست کا ہاتھ پکڑ کر بڑی محبت و گرمجوشی سے بولا:-

"میرے کان دھوکا تو نہیں دیتے؟ کیا واقعی تمہیں اتوسا سے الفت ہے؟ (آسمان کی طرف دیکھ کر) اے زمین و آسمان کے مالک! میں کہاں تک تیرا شکریہ ادا کروں۔ اے پاک امشا سپند[۱] ! گواہ رہنا۔ اور اس مبارک خبر کو صحیح کرنا۔ دارا! اب آج سے

[۱] ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مذہب زردشت کے اعتقاد کے موافق توام قوتیں اس دنیا پر ہمیشہ اپنا عمل کر رہی ہیں۔ نیکی و بدی میں برابر جنگ جاری ہے۔ ہرمزد و اہرمن کی جد و جہد کا سلسلہ نامتناہی ہے۔ اول الذکر کی امداد کے لئے دیگر ایزدان ذی وقار ہیں جو اسکے زیر حکم ہر وقت حاضر ہیں۔ ان میں متھرا کا مرتبہ سب سے بڑا ہے۔ پھر سروش ہے جو ہرمزد کا خاص پیغامبر فرشتہ ہے اور اسکی افواج ملکوتی کا افسر اعلیٰ ہے وہی انسانوں کے پاس اپنے آقا کی گوناگوں نعمتیں لایا کرتا ہے۔ اسی نے موسیقی ایجاد کی اور برسم دریافت کیا اور بعد مردن وہی ارواح نیک کو تخت ہرمزد کے سامنے لیجاتا ہے۔ اسکے نیچے کام کرنے والے فرشتگان دیاد (ہوا)۔ ایریامن شادی بیاہ رچانے والا اور تستریا (شعرا) ہیں جو خشک سالی کے اوپر غالب ہو کر مینہ برساتا ہے۔ علاوہ ہرمزد کے چھ مشیر خاص ہیں جو ہمیشہ اسکے تخت کے گرد موجود رہتے ہیں۔ (در حقیقت صفات ذات باری سے مراد ہو گی) انکا نام امشا سپند ہے۔ پہلا بہمن جو ہرمزد کا وزیر اعظم ہے اور زراعت و مویشی کی خبر گیری کرتا ہے۔ دوسرا اردی بہشت یہ انوار و تجلیات آسمانی کا محافظ ہے اور نار و آتش کو قایم رکھتا ہے۔ تیسرا شہر دریہ زر و جواہر مال و دولت کو تقسیم کرتا ہے چوتھا اسفندار یہ نیکی کی دیوی ہے اور بنجر زمینوں کو سرسبز و شاداب کرتی ہے

مجھے تمہارے ستاروں سے بالکل خوف نہ رہا۔ بجائے مصیبت وآفت لانے کے انہوں نے میرا دل ایسی خوشی ومسرت سے بھر دیا کہ بیان سے باہر ہے۔ آؤ! میں تمہیں اپنے سینہ سے لگالوں اور تمہارے عشق ومحبت کی پوری داستان سنوں تاکہ میری مدد سے جو بات تم امید موہوم سمجھتے ہو۔ شاید جامہ اصلیت پہن کر پردہ ظہور میں آجائے۔"

دارا نے اہرمزد ایسا کرے۔ اب سنئے میرا واقعہ یہ ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ مصر روانہ ہونے سے پہلے ہم سب دربار شاہی کے ساتھ اکباتان سے شوسا گئے تھے۔ میں قشون جاودانی کے اس دستہ کا جسکے سپرد شاہی حرم کی حفاظت تھی سردار تھا۔ اثنائے راہ میں ہم کوہ الوند کے ایک درّہ سے ہوکر گذر رہے تھے کہ اتفاقاً جس گاڑی میں تمہاری والدہ وبہن سوار تھیں اسکے گھوڑے ٹھوکر کھاکر نیچے گر پڑے اور اسکا جوا دُہرے سے علیحدہ ہوکر گاڑی کا باقی ماندہ حصہ ایک عمیق غار کی طرف جھک گیا اور جبتک ہمیں خبر ہو اور گھوڑے تیز کرکے نزدیک پہنچیں۔ نظروں سے غائب ہوگیا۔ میں یہ دیکھکر سخت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ اب شاید گاڑی پرزے پرزے ہوگئی ہوگی اور جو لوگ اس میں بیٹھے تھے ان کی ہڈیاں بھی نظر نہ آئیں گی۔ لیکن غار کے کنارے کھڑے ہوکر جو دیکھتا ہوں تو حکمت ایزدی کا ایک عجیب کرشمہ نظر آیا۔ گاڑی جسکے پہیئے وغیرہ سب ٹوٹ گئے تھے صنوبر کے دو تناور درختوں میں الجھ کر رہ گئی تھی اور انکی مضبوط شاخوں نے اسے سنبھال کر الٹنے نہ دیا تھا۔ میں نے یہ حال دیکھا تو فی الفور گھوڑے سے کود کر بلا سوچے سمجھے ایک درخت کے سہارے غار میں اترنا شروع کیا۔ تمہاری ماں وبہن نے مجھے دیکھتے ہی مدد کے لئے اپنے ہاتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پانچواں خورداد۔ یہ نباتات کی روئیدگی کے لئے دریاؤں کا پانی بہاتا ہے۔ چھٹا امرداد جو باغوں وچراگاہوں کا محافظ ہے اور درختوں کو سرسبز وبار دار کرتا ہے۔

اہرمن کی مجلس یا کونسل میں بھی چھ مشیر ہیں جو اسکے حریف کے چھ مشیروں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ انہیں سے ایک کا نام اندر ہے جو آریائی سندھ کے دیوتا اندر سے بالکل مختلف معلوم ہوتا ہے۔ (ررالنس وغیرہ)

پھیلا دیئے اور چلّا چلّا کر رونے لگیں۔ انکی حالت واقعی نہایت خطرناک تھی کیونکہ گاڑی کے
تمام کیل پرزے ڈھیلے ہوگئے تھے اور ہر لحظہ اندیشہ تھا کہ باقی ماندہ ڈھانچہ بھی ٹوٹ گیا تو پھر
کچھ سہارا نہ رہے گا اور یقیناً سب نیچے گر پڑیں گے جہاں پہاڑ کی کھوہیں بڑے بڑے
مہیب و ڈراونے دیو اپنے منہ کھولے ہوئے ایک لحظہ بھر میں انہیں لقمہ کر جائیں گے۔
غرضکہ میں شاخوں کو پکڑے پکڑے جب بمشکل تمام گاڑی کے پاس پہنچا تو تمہاری بہن کی
نگاہ اُٹھا کر ایک عجب امید و بیم منت و عاجزی سے میری طرف دیکھا۔ بس وہی نگاہ تھی
جو میرے دل کے پار ہوگئی اور ہمیشہ کے لئے مجھے گھائل کر گئی۔ لیکن اس وقت میں اسے
نہ سمجھ سکا کیونکہ سوائے انہیں بچانیکے اور کوئی خیال میرے دل میں نہ تھا۔ اب میں نے
دیکھا کہ گاڑی کا تختہ ڈگمگا رہا ہے اور عورتیں گرنے ہی والی ہیں۔ بس تنہ درخت سے ٹیک
لگا کر چشم زدن میں بہنے دونوں کو پکڑ لیا۔ مجھے اپنی قوت بازو پر ناز رہے مگر اس وقت انہیں
اور اپنے تئیں سنبھالنا معمولی کام نہ تھا۔ میرا بدن پسینہ پسینہ ہوگیا۔ ہاتھ کانپنے لگے۔
میں ڈرا کہ اب گرا اور دونوں کو لیکر خود بھی کھڈ کے اندر غائب ہوگیا کہ اتنے میں کسی نے اوپر
سے ایک رسّی پھینکی۔ اتوسا میری گردن میں لپٹی ہوئی تھی۔ اور میں بائیں ہاتھ سے ملکہ کو
تھامے تھا۔ اب صرف داہنا ہاتھ خالی تھا جس سے میں نے بدقت اپنی کمر میں رسّی باندھی
اور اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ جسے سُنتے ہی انہوں نے جلدی سے ہمیں اوپر کھینچ لیا
اس طرح ہماری جانیں بچ گئیں۔ اور میں ہرمزد کا بے انتہا شکر بجا لایا۔ پھر ایک پروہت
نے میرے زخموں پر پٹی باندھی۔ بعدہٗ بادشاہ نے اپنے سامنے طلب کیا اور بہت خوش
ہوکر اپنے گلے کی طلائی زنجیر اور ایک صوبہ کا خراج انعام میں بخشا۔ کچھ دیر بعد ملکہ کاسندانہ
نے بھی مجھے اپنے روبرو بُلایا اور بڑی محبت سے میری پیشانی کا بوسہ لیکر تمام بیش بہا جواہرات
جو وہ اسوقت پہنے تھیں مجھے عطا فرمائے اور کہا کہ تمہاری آیندہ بیوی کے لئے دیتی ہوں
شہزادی اتوسا بھی اس وقت اپنی والدہ کے پاس بیٹھی تھیں مجھے دیکھتے ہی کھڑی ہوگئیں

اور اپنی حسب عادت بڑی گرمجوشی سے میری پیشانی کا بوسہ لیکر اپنی ایک انگوٹھی اتار کر خود اپنے ہاتھ سے میری انگلی میں پہنادی - اس وقت میرے دل کی عجیب حالت ہوگئی مارے خوشی کے بلّیوں اچھل رہا تھا اور میں خیال کرتا تھا کہ زندگی میں اس سے زیادہ مبارک و مسرت خیز کوئی دن نہ آئیگا - اس واقع کے بعد پھر کبھی مجھے شہزادی سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا - البتہ گذشتہ سالگرہ کے موقعہ پر اتفاق سے ہم دونوں آمنے سامنے بٹھائے گئے اور جیوں ہی میری آنکھیں اُنسے دوچار ہوئیں میں تمام دنیا و مافیہا بھول گیا - اور یہ معلوم کرکے از حد خوش ہوا کہ انکے دل سے بھی پُرانی یاد بالکل محو نہیں ہوئی ہے -

ملکہ کا سندانہ ...."

بردیہ " دارا ! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ والدہ مکرمہ بخوشی تمہیں اپنی فرزندی میں قبول فرمالیں گی - تمہارے والد بھی شہنشاہ سے عرض کر سکتے ہیں - وہ ہمارے چچا ہیں - اور کورش اعظم کی دختر کو اپنے پسر کے لئے پورے دعوے کے ساتھ مانگ سکتے ہیں "

دارا " تم شاید اپنے والد مکرم کا خواب بھول گئے - مجھے خیال ہے کہ کمبوجیہ کے دل سے وہ ابھی تک محو نہیں ہوا ہے - اور اسی وجہ سے وہ کبھی کبھی مجھے شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور اب معلوم نہیں کہ راضی ہو کہ نہ ہو "

بردیہ " وہ محض ایک خواب تھا - اور عرصہ کی بات ہوگئی - سب لوگ بھول گئے ہونگے - مجھے تمہارے کہنے سے اب یاد آیا کہ والد نے بیشک اپنی وفات سے کچھ دن پہلے ایک رات یہ خواب دیکھا تھا کہ تمہارے مونڈھوں پر دو پر نمودار ہوئے ہیں - اسکی تعبیر بعض جاہلوں نے یہ بتائی کہ تم ایک دن اسکی سلطنت پر قابض ہونے کی کوشش کروگے - بھائی کے دل میں یہ بات ضرور ایک عرصہ تک کھٹکتی رہی لیکن جب تم نے ہماری ماں و بہن کو موت کے پنجے سے چھڑایا تو کرسیس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ وہ پیشین گوئی اب پوری ہوگئی کیونکہ سوائے ایک پردار عقاب یعنی دارا کے کون ایسے

خطرناک مقام پر جانے کی جرات کر سکتا ہے“۔
دارا۔ کریسس نے بیشک اس طرح سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن مجھے خیال ہے کہ بادشاہ کو انکی یہ تقریر زیادہ پسند نہ آئی۔ وہ سوائے اپنے اور کسی کو عقاب سے تشبیہ دینا پسند نہیں کرتے کریسس واقعی دلیر ہیں کہ کمبوجیہ کی بیجا تعریف نہیں کرتے“۔
بردیہ ”کریسس معلوم نہیں اس وقت کہاں ہیں۔ اُنہوں نے تو میری دعوت میں شامل ہونے کا وعدہ کیا تھا لیکن ابھی تک نہیں آئے“۔
دارا ”شاید باغات معلقہ میں ہونگے۔ یا دربار سے ابھی تک فرصت نہ ملی ہوگی“۔
ددہ یا ”(باواز بلند) یہ کونسی انسانیت ہے کہ ہمیں تو دعوت میں بُلایا اور خود تم دونوں علیحدہ بیٹھ کر خفیہ باتیں و مشورے کر رہے ہو“۔
بردیہ ”معاف کرنا۔ ہم سے بیشک خطا ہوئی۔ اب فوراً واپس آتے ہیں (دارا کا ہاتھ محبت سے دبا کر اسکے کان میں) تمہارا حال سُنکر مجھے اس قدر خوشی ہے کہ خواہ کوئی مصیبت پیش آئے۔ لیکن پرسوں سے پہلے تو سفر کو روانہ ہوتا نہیں۔ کل جا کر والدہ کا عندیہ دریافت کرونگا اور جبتک تمہاری کامیابی کی صورت نظر نہ آئے گی یہاں سے نہ جاؤں گا“۔
یہ کہہ کر بردیہ تو اندر چلا آیا۔ مگر دارا باہر ہی کھڑا ہوا افلاک کا بغور مشاہدہ کرتا رہا۔ اب اسکے چہرہ پر رنج و محن کے آثار پیدا تھے خصوصاً جب ستارہ تستر غروب ہوگیا تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر بڑے افسوس سے کہا ”آہ! میرے غریب بردیہ! تیری مصیبت کے دن آ گئے“۔
اب دوستوں نے آواز دی کہ اندر آؤ۔ وہ لوٹنے والا ہی تھا کہ اتنے میں ایک نیا ستارہ اُفق پر نمودار ہوا جس پر نگاہ پڑتے ہی دارا کی افسردہ دلی یکایک خوشی و انبساط سے بدل گئی اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہنے لگا ”دارا! کیا درحقیقت

تمہارے شانوں پر پَر نکلنے والے ہیں - یہ عجیب و غریب ستارہ تو بڑی امیدیں دلاتا ہے"۔
پھر کچھ سوچتا و مسکراتا ہوا احباب کی مجلس میں چلا گیا۔
کچھ دیر بعد گرہی سس بھی سامنے سے آتا ہوا نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی سب مہمان استقبال کے لئے آگے بڑھے - اس وقت چاندنی رات تھی - نووارد کی نگاہ جیونہی بردیہ پر پڑی اسکے حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی اور ایک سکتہ کے عالم میں جہاں کھڑا تھا وہیں رہ گیا۔

گیجیس - (اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ کر۔ پریشان لہجہ میں) "ابا جان! خیریت تو ہے"۔

گرہی سس - (رکتی ہوئی دبی آواز سے) ہاں - ذرا ٹھیرو - ہٹ تو جاؤ (بردیہ کے پاس آکر اُسکے کان میں) بدنصیب لڑکے! تو ابھی تک یہاں موجود ہے!! اب تاخیر کا موقعہ نہیں جلدی بھاگ - کوڑے بردار تیری گرفتاری کے لئے آنے ہی والے ہیں - ذرا بھی دیر کی تو جان کی خیر نہیں"۔

بردیہ (کچھ نہ سمجھ کر) "ہیں آپ کیا فرماتے ......"

گرہی سس (خشم آلود و غمگین لہجہ سے) آہ بردیہ! تو نے آج نہ صرف اپنے بھائی کی عزت کو خاک میں ملا دیا بلکہ ایسے جرم کا مرتکب ہوا جس کی مجھے امید نہ تھی"۔

بردیہ - "(انتہائے حیرت سے) "جناب یہ آپ کیا کہتے ہیں؟ اور کسے مجرم ٹھیراتے ہیں"۔

گرہی سس - "(منہ بنا کر) کیا کہتا ہوں؟ زیادہ گفت گو کا وقت نہیں - اب جلد بھاگ اور کہیں روپوش ہو جا - شاید یہ ممکن ہو کہ دختر فرعون سے ملنے کسی بُرے ارادے سے نہ گئے ہو - تاہم اپنے بھائی کی طبیعت سے واقف تھے - پھر جان بوجھ کر آگ میں کیوں کود ے"۔

بردیہ - میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"۔

گرہی سس - "میں کہہ چکا کہ اب بات چیت کا موقع نہیں - خدا کے لئے جلد بھاگو۔

کمبو جبیہ کے دل میں ہمیشہ تمہاری طرف سے بغض و حسد تھا اور تم جانتے تھے کہ اُسے اپنی منگیتر سے کتنی محبت ہے۔ پھر اس سے خفیہ طور سے ملنے باغ میں جانا......"

بردیہ "آپ مجھے ناحق الزام دیتے ہیں۔ جب سے تنتتیس یہاں آئی ہیں۔ میں نے ایک دن بھی باغات معلقہ میں قدم رکھا ہو تو......"

کرہی سس۔ (جھنجلا کر) "اب جھوٹ بولکر ایک دوسرے گناہ کے مرتکب ہوتے ہو۔ میں نے......"

بردیہ۔ "میں قسم کھاتا ہوں کہ......"

کرہی سس "ایسی قسم کھاؤ کہ کوئی اس کا یقین بھی کر سکے۔ دیکھو میں پھر کہتا ہوں سپاہی اب آنے ہی والے ہیں۔ بھاگو جان بچانا ہو تو دیر نہ کرو"

بردیہ۔ میں بیگناہ ہوں۔ کیوں بھاگوں۔ اپنی بات پر قایم رہونگا"

کرہی سس "نادان لڑکے! تجھے شاید خبر نہیں کہ خود میں نے اور گشتاسپ اور دیگر امرائے سلطنت نے ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گذرا کہ تجھے باغات معلقہ میں دیکھا تھا"

ابتک بردیہ کرئیس کا مطلب بالکل نہیں سمجھ سکا تھا لیکن یہ آخری جملہ سُنتے ہی اس نے اپنے دوستوں کی طرف اشارہ کر کے کہا

"بھائیو! کرہی سس فرماتے ہیں کہ ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا کہ انہوں نے اور دیگر معزز امرا نے مجھے باغات معلقہ میں دیکھا تھا مگر آپ سب شاہد ہیں کہ سر شام سے میں یہیں ہوں اور ایک لحظہ کے لئے بھی کہیں باہر نکل کر نہیں گیا۔ معزز کرئیس کو میں کیسے جھوٹا کہہ سکوں لیکن یہ ضرور عرض کرونگا کہ انہیں کوئی سخت غلط فہمی ہوئی ہے اور شاید کسی دیو خبیث نے انہیں دھوکہ میں ڈال دیا ہے"

گیجیس۔ پیارے باپ۔ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ بردیہ بڑی دیر سے ہم سب کے ساتھ اسی باغ میں موجود ہیں اور کہیں باہر نہیں گئے"

آریاسپ۔ دارا۔ دُدہ یا۔ (یکزبان ہوکر) "ہم بھی سب قسم کھاکر اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔"

کریسس (نوجوانوں کو یکے بعد دیگرے ملامت آمیز نگاہ سے دیکھ کر خشمگین آواز سے) معلوم ہوتا ہے کہ تم سب نے میرے خلاف سازش کرلی ہے اور مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہو۔ کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں اندھا یا پاگل ہوں؟ تم لوگوں کی شہادت کیا معزز گستاشپ گاوبروا۔ انتافرنس اور موبد اعظم کے سامنے کچھ وقعت رکھ سکتی ہے؟ میں جانتا ہوں کہ تم اپنے دوست کی اس حرکت ناشائستہ کو اپنی محبت و الفت کی وجہ سے چھپانا چاہتے ہو۔ مگر افسوس کہ یہ سب بے سود ہے اور اسے اس سنگین جرم سے بری نہیں کرسکتی۔"

معمر آریاسپ۔ (بآواز بلند پُرجوش لہجہ سے) میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ بردیہ بڑی دیر سے ہمارے ساتھ ہیں اور کہیں باہر نہیں گئے۔ اگر جھوٹ بولتا ہوں تو اہرمن کی لعنت مجھ پر۔ اور میں تباہ و غارت ہو جاؤں۔"

گیجبیس۔ "اگر میں بھی دروغ گو ہوں۔ تو آپ کی فرزندی سے خارج ہو جاؤں۔"

دارا۔ اے پاک و سچے ستارو!....."

بردیہ۔ (دارا کا قطع کلام کرکے اور دوسرے دوستوں کو بھی جو زور سے چلّا رہے تھے اشارہ سے خاموش کرکے) میں دیکھتا ہوں کہ شاہی سپاہیوں کا ایک دستہ میری گرفتاری کے لئے سامنے آرہا ہے میں بیگناہ ہوں اور ہرگز بھاگنا نہیں چاہتا ورنہ اور بھی موردالزام ٹھیرایا جاؤنگا۔ البتہ آپ سے کریسس آخری بار اس قدر اور عرض کرتا ہوں کہ مجھے اپنے پدر بزرگوار کی روح پاک۔ اپنی پیاری ماں کی اندھی آنکھوں اور آفتاب کے نور تاباں کی قسم۔ اگر ایک حرف بھی میں آپ سے جھوٹ بولا ہوں یا آپ کو کسی طرح دہوکہ دینے کی کوشش کی ہو۔"

کرمی سس (کسی قدر نادم ہوکر) "حیرت ہے! میری آنکھوں نے آجتک مجھے ایسا دھوکہ نہیں دیا اور تم یہ کہتے ہو! بہر حال جو کچھ بھی تم نے کیا میں اُسے معلوم کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن صرف تمہاری محبت اس وقت مجھے مجبور کر رہی ہے اور پھر کہتا ہوں کہ خدا کے لئے جلد بھاگو۔ کمبوجیہ کے مزاج سے واقف ہو۔ اب بھی وقت ہے۔ میری گاڑی باہر موجود ہے سوار ہو کر گھوڑوں کی راسیں چھوڑ دو کسی طرح یہاں سے تو نکل جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ سپاہی اب آ گئے ہیں مگر وہ خوب جانتے ہیں کہ کس کی جان معرض خطر میں ہے اور حتی المقدور اتنی تاخیر کریں گے کہ تمہیں بھاگنے کا موقعہ مل جائیگا (قریب آکر بڑی منت سے) دیکھو بردیہ! میرا کہنا مان لو۔ جلدی جاؤ۔ اب دیر نہ کرو۔"

دارا۔ (نہایت التجا و اصرار سے) "ہاں بردیہ! جان بچانے کی اب یہ ہی صورت ہے۔ جاؤ۔ جاؤ۔ میں تو پہلے ہی آسمانی پیشین گوئی سے آگاہ کر چکا تھا مگر تم نے نہ مانا۔"

سب دوست اب بیتاب ہوکر بردیہ کو مجبور کرنے لگے مگر اُس نے نہ مانا اور اپنا سر ہلا کر بڑے استقلال سے کہنے لگا "میں آج تک کبھی نہیں بھاگا ہوں۔ اور نہ اب ایسا کرونگا۔ موت بزدلی سے بدرجہا بہتر ہے۔ ظلم و ستم برداشت کرونگا مگر ذلت و خواری مجھے منظور نہیں۔"

اتنے عرصہ میں سپاہی بھی آ گئے بردیہ نے انکے افسر کی طرف دیکھ کر کہا "خوش آمدید بِشن تم مجھے گرفتار کرنے آئے ہونا؟ ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں اپنے دوستوں سے رخصت ہو لوں۔" بِشن کورش اعظم کے زمانہ کا ایک معزز فوجی افسر تھا۔ اسی نے بردیہ کو سب سے پہلے فنِ سپہ گری کا سبق دیا تھا اور اپنے بچوں سے بھی زیادہ اُس سے محبت کرتا تھا اسوقت اسکی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔ زبان میں لکنت تھی اور بمشکل یہ الفاظ ادا ہو سکے۔ "پیارے شہزادے! میں کیا کہوں کہ اس وقت میرے دل پر کیا گذر رہی ہے۔ تمہیں اپنے دوستوں سے بھی رخصت ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ بادشاہ کا

حکم ہے کہ انہیں بھی گرفتار کرلیا جائے۔ (قریب آکر آہستہ سے) شہنشاہ اس وقت مارے غصہ کے آپے سے باہر ہیں اور تمہاری جان کی خیر نہیں معلوم ہوتی (بردیہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر) بیٹا! میں تمہارے باپ کا پرانا نمک خوار ہوں اور تم پر ہاتھ ڈالنا گناہ سمجھتا ہوں۔ اب جلد اپنی جان بچانے کی تدبیر کرو۔ مجھے اپنے سپاہیوں پر پورا بھروسہ ہے میں اُن سے کہدونگا تو ہرگز وہ تمہارا تعاقب نہ کریں گے۔ میرا کچھ خیال نہ کرو۔ میں اب بوڑھا و عمر رسیدہ ہوں۔ اگر تمہارے بجائے قتل ہو جاؤنگا تو ایران کو کچھ زیادہ صدمہ نہ پہنچیگا

بردیہ۔ (معمر سردار کا ہاتھ بڑی محبت سے دبا کر) "بس بس! تم میرے سچے ہمدرد و بہی خواہ ہو۔ میں تمہارا کہانتک شکریہ ادا کردں۔ لیکن مجھے یہ منظور نہیں کہ تمہیں اپنی وجہ سے کسی مصیبت میں ڈالوں میں بیگناہ ہوں اور جانتا ہوں کہ بھائی کمبوجیہ گو مغضوب الغضب ہیں مگر ناانصاف نہیں ہیں۔ (دوستوں سے خطاب کرکے) آؤ! بھائیو۔ اب شہنشاہ کے پاس چلیں دیکھیں ہماری قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔"

باب انیسواں

سزائے موت

دو گھنٹہ بعد بردیہ اور اُسکے رفقا دربار شاہی میں حاضر کئے گئے۔ کمبوجیہ ایک طلائی تخت پر فرد کش تھا۔ اس کا چہرہ زرد۔ آنکھیں دھنسی ہوئی اور حالت بالکل متغیر تھی۔ اسکی پشت پر کئی حکیم و طبیب اپنے ہاتھوں میں مختلف ظروف و آلات لئے کھڑے تھے۔ کیونکہ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ مرگی یا صرع کا ایک سخت دورہ اُسے

اُٹھاتا تھا۔ اس دل و دماغ پراگندہ کرنے والی بیماری سے جب سے **نلتیتس** ایران آئی وہ محفوظ رہا تھا لیکن آج کچھ ایسے غیر معمولی اسباب بہم ہو گئے کہ یہ پرانا مرض پھر عود کر آیا۔ جس سے کچھ دیر تک وہ بیہوش رہا اور ابھی پوری طور سے افاقہ پذیر نہ ہوا تھا کہ بردیہ لایا گیا۔ اگر وہ چند گھنٹے قبل آتا تو یقیناً اپنے ہاتھ سے فوراً اُسے قتل کر دیتا۔ مگر اب بیماری کی کمزوری نے غصہ اس قدر کم کر دیا کہ وہ مجرموں کی سماعت کے قابل ہو سکتا تھا۔

تخت کے داہنی جانب۔ گاوبروا۔ گستاشپ۔ انتافرنس۔ اروسپتس وکریسس مؤدبانہ استادہ تھے اور انکے پیچھے سردار خواجہ سرا بوگس بھی کھڑا ہوا دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ بائیں جانب ملزم تھے جن میں صرف بردیہ کے ہاتھوں میں بھاری بھاری ہتھکڑیاں تھیں۔ باقی ماندہ صرف پہرہ والوں کی حراست میں تھے۔ انکے علاوہ تمام دربار ہال کئی سو امرا و عمائدین سلطنت سے بھرا ہوا تھا۔ جو اپنے ہاتھ باندھے خائف و خاموش نظر آتے تھے۔

کچھ دیر سکوت کے بعد کمبوجیہ نے آنکھیں اُٹھا کر مقید شہزادے کی طرف بڑے غیظ و غضب سے دیکھا اور اُروسپتس سے مخاطب ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا:۔

مؤبد اعظم! تیرا کیا فتویٰ ہے؟ جو شخص اپنے بھائی کو دغا دے۔ اپنے بادشاہ کی عزت و آبرو لے۔ اور اپنی زبان و قلب دروغگوئی سے سیاہ کرے۔ اُسے کیا سزا ملنا چاہئے؟"

اُروسپتس۔ (نہایت ادب سے سامنے آکر) "اگر یہ تمام جرم ثابت ہو جائیں تو نہ صرف اس دنیا میں بلکہ مرنیکے بعد بھی چلینود[۵] کے پُل پر اُسے سخت سزا ملے گی۔ اسنے

[۵] زردشتیوں کا عقیدہ ہے کہ بعد مردن تین روز تک روح مردہ کے سر کے پاس کھڑی ہوئی اپنے اعمال کے مطابق خوش یا غمگین رہتی ہے۔ چوتھے دن جنوب سے ایک خوشبودار ہوا چلتی ہے اور نیک روح کو اُڑا کر لیجاتی ہے۔ مگر جنت میں داخل ہونے سے پہلے اُسے ایک پُل پر سے جسے چینود کہتے ہیں گذرنا پڑتا ہے یہاں سروش اسکی رہنمائی کرتا ہے یا ایک حور شمائل دوشیزہ لڑکی نظر آتی ہے۔ روح اُس سے

یتین گناہوں کا ایک ساتھ ارتکاب کر کے احکام آسمانی کی سخت خلاف ورزی کی اسلئے ہمارے شرع شریف کی رو سے وہ کسی رحم و کرم کا ہرگز مستحق نہیں ہوسکتا۔"

بادشاہ - (ہاتھ اُٹھاکر) بس معلوم ہوگیا۔ بردیہ کو سزائے موت دی جائے۔ سپاہیو! اسے لیجاؤ اور گلا گھونٹ کے مار ڈالو۔ (دردآمیز و خشمگین صورت بناکر) فوراً لیجاؤ۔ میری سامنے سے دور کرو۔ (بردیہ کچھ کہنا چاہتا ہے) چپ کمبخت! میں تیری ریا و فریب کی باتیں سُننا نہیں چاہتا۔ دور ہو۔ سپاہیو! اسے جلد سامنے سے لیجاؤ۔"

لبشن یہ حکم بجالانیکے لئے آگے بڑھا تھا کہ اتنے میں **کریسس** صفِ امراء سے یکایک باہر نکل کر بادشاہ کے سامنے زمین پر گر پڑا اور اُسکے قدموں پر سر رکھ کر نہایت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پوچھتی ہے کہ تو کون ہے تو وہ جواب دیتی ہے کہ میں تیری ضمیر ہوں۔ بعد ازاں اُسے بہمن کے پاس لیجاتی ہے جو اپنے تخت سے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کرتا ہے اور یہ کہتا ہے "خوش ہو اے روح کہ تو دنیائے فانی سے عالم غیر فانی میں آگئی ہے۔" یہاں سے سروش اُب اُسے ہرمزد کے دربار میں لیجاتا ہے جہاں فرحان و شاداں وہ اُسکے وزرا و دیگر امشاسپند کو سلام کرتی ہوئی داخل فردوس بریں ہوتی ہے۔ اور جنت کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ سمت مشرق کوہ البرز کی چوٹی یعنی دمیوند پر واقع ہے۔ یہاں ہمیشہ روشنی رہتی ہے نہ رات ہے نہ دن۔ نہ سردی و گرمی۔ نہ بیماری دُکھی نہ رنج و غم۔ نیکوں کی روحیں موسم بہار کا تازہ گمی کھاتی ہیں اور ابدالآباد تک آرام و راحت سے رہتی ہیں۔

بخلاف اِنکے ارواح بد کو چینود کے پُل پر ایک خونخوار بدہیبت عورت کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ پُل پار نہیں کر سکتیں اور لڑکھڑا کر ایک عمیق غار کے اندر گر پڑتی ہیں جو انہیں دوزخ میں پہنچا دیتا ہے۔ یہاں اہرمن کی سلطنت ہے۔ ہر طرف تاریکی ہے۔ سانپ بچھو خونخوار جانور ہیں۔ دوزخی اہرمن کی غلامی کرتے ہیں۔ طرح طرح کی مصیبتیں اور سزائیں پاتے ہیں اور جب بھوک لگتی ہے تو زہر آلود کھانوں سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

(رالنسن وغیرہ)

عاجزی سے بولا" اے شہنشاہ والا تبار! اے آقائے نامدار! یزدان پاک حضور کے اقبال کو دن دونا رات چوگنا بڑھائے۔ ہرمزد کا فضل ہمیشہ شامل حال رہے۔ اور امشا اسپند مدام تخت شاہی کی نگہبانی کریں۔ جہاں پناہ کے پدر بزرگوار کورش اعظم نے اس نمک پروردہ کو خاص طور پر مشیر سلطنت ہونے کی عزت بخشی تھی اس لئے اسکی پیرانہ سالی و دیرینہ خدمات پر خیال فرما کر ایک عرض سن لیجئے اور وہ یہ ہے کہ جو حکم زبان اقدس سے ابھی صادر ہوا ہے کہیں خدانخواستہ آئندہ کے لئے باعث ندامت و افسوس نہ ہو کیونکہ حالتِ غیظ و غضب میں جب طبیعت قابو سے باہر ہوتی ہے تو قوتِ فیصلہ پر بھروسہ نہیں رہ سکتا اور اسی لئے بڑے بڑے سلاطین و عقلا ایسے موقع پر احتیاطاً کوئی حکم نافذ نہیں فرماتے اور بخوبی جانتے ہیں کہ اگر ملزم بیگناہ ہے تو اس کا خون آسمان پر چڑھ کر ایسا بادل بنے گا جس کی بوچھار تیروں و سنانوں سے زیادہ دل پر اثر کریگی۔ جہاں پناہ تو مجسم عدل و انصاف ہیں۔ اس لئے ممکن نہیں اور مجھے یقین نہیں آسکتا کہ اس اہم معاملہ میں بلا پوری تحقیق و تفتیش اور جانبین کے بیانات سننے کوئی حکم نافذ فرمائیں گے البتہ شرائط انصاف کی تکمیل کے بعد اگر اس شخص کا جرم ثابت ہو جائے اور وہ اقبال بھی کر دے تو اس کا قتل بیشک واجب ہوگا اور اس طرح نہ صرف تمام عالم میں حضور اقدس کے عدل و انصاف کا ڈنکا بج جائیگا بلکہ پاک آسمانی دیوتا بھی آپ کی اس دادگستری سے بہت شاداں و خوش ہونگے۔"

کمبوجیہ کے دل پر ان کلمات نے پورا اثر کیا۔ وہ خاموشی کے ساتھ سنتا رہا بعدہٗ ہاتھ کے اشارہ سے ببشن کو روک کر اس نے بوگس سے کہا کہ بردیہ کا جرم بالتشریح سب کے سامنے بیان کرے۔

خواجہ سرا۔ (سرنگوں ہو کر نہایت ادب سے) "جہاں پناہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس غلام نے بوجہ اپنی علالت۔ باغات معلقہ کی نگہبانی کندلس کر سپرد کر دی تھی

جو کچھ ہوا اُسی کی غفلت سے ہوا اور وہ سزائے موت پاکر اپنی کیفر کردار کو پہنچا۔ اُس دن بوقت شام جب اس غلام کی طبیعت کچھ سنبھلی تو اپنے اطمینان کی غرض سے کہ سب انتظامات ٹھیک ہیں یا نہیں۔ باغات کے اندر داخل ہوا۔ حضور والا کا ارشاد تھا کہ شہزادی نے جناب بردیہ کی خدمت میں ایک خفیہ خط روانہ کیا تھا اس لئے انکے محل کی خاص طور سے نگرانی کرنا چاہیئے۔"

بادشاہ۔ (جھلاکر) چُپ نامعقول! فضول باتوں کا کیوں ذکر کرتا ہے۔"

خواجہ سرا۔ (گردن جھکاکر) غلام سے غلطی ہوئی۔ جب یہ ناچیز خادم باغ میں پہنچا تو ستارۂ تستر طلوع ہو چکا تھا اور بہت سے امراجن میں جناب کریسس و موبد اعظم بھی تھے کھڑے ہوئے نیلی سوسن کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ میں نے کندلس کو آواز دیکر بلا لیا اور ان حضرات کے سامنے بُلاکر پوچھا کہ سب ٹھیک ہے۔ اس نے کہا ہاں کل انتظامات درست ہیں اور ابھی ابھی شاہزادی کے پاس سے آیا ہوں جس نے تمام دن روتے روتے گذارا ہے اور آج نہ کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے۔ یہ سُنکر مجھے سخت تشویش ہوئی اور اس خیال سے کہ شاید شہزادی صاحبہ کی طبیعت کچھ ناساز ہو میں نے کندلس سے کہا کہ جلد ایک طبیب کو بلا لا اور خود بھی انکی مزاج پرسی کے لئے روانہ ہونیوالا ہی تھا کہ یکایک چاندنی کی روشنی میں ایک شخص دور کھڑا ہوا نظر آیا۔ میں اپنی بیماری کی وجہ سے اس قدر کمزور تھا کہ بمشکل زیادہ چل سکتا تھا اور اتفاق سے سوائے ایک باغبان کے اور کوئی میری مدد کے لئے بھی اس وقت نزدیک نہ تھا۔ سب نوکر چاکر باغ کے پھاٹک پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ اس لئے خود باغ کو طے کر کے محل کے قریب آیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی شخص شہزادی کے دریچے کے نیچے کھڑا ہوا آہستہ سے سیٹی بجا رہا ہے۔ اتنے میں کھڑکی کھلی اور ایک دوسرا شخص اندر کمرے سے کود کر زمین پر اُترا اور اپنے ساتھی سے ملنے کے لئے آگے بڑھا چاندنی رات میں مجھے اس

کو دنے والے شخص کی صورت بخوبی نظر آ رہی تھی لیکن جب میں نے یہ دیکھا کہ یہ تو شہزادہ بردیہ ہیں تو میرے ہوش اُڑ گئے۔ سامنے ایک انجیر کا درخت حائل تھا لیکن نہ صرف میں نے بلکہ دوسروں نے اور معزز امرا نے بھی ان دونوں آدمیوں کو بخوبی دیکھ لیا۔ خاصکر جب درختوں کی آڑ میں وہ قریب سے گذرے تو ہم سے صرف چار ہی قدم کا فاصلہ تھا اور ایسے صاف نظر آتے تھے کہ کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔ میں اپنے دل میں سوچ ہی رہا تھا کہ فرزند کورش کو گرفتار کرنے کا مجھے حق ہے یا نہیں۔ کہ اتنے میں کریسس نے بردیہ کا نام لیکر آواز دی جسے سنتے ہی دونوں آدمی ایک شمشاد کے درخت کے پیچھے جا کر یکایک غائب ہو گئے۔ ہم نے اُن کا پیچھا کیا اور بہت ڈھونڈا مگر کہیں پتہ نہ لگا۔ پھر میں محل کے اندر گیا وہاں بھی کوئی نہ تھا ہاں البتہ شہزادی صاحبہ کی خوابگاہ کا در کھلا تھا اور وہ اپنی مسند پر بیہوش پڑی تھیں۔"

یہ سُنکر تمام درباری حیرت سے ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے اور بادشاہ نے اُن امرا سے جو باغ کی سیر کو گئے تھے غضبناک لہجہ میں پوچھا "کیا تم سب اس خواجہ سرا کی تصدیق کرتے ہو؟"

سب "جی ہاں"

بادشاہ "تم لوگوں نے مجرم کو دیکھ کر گرفتار کیوں نہ کیا؟"

امرا۔ "جہاں پناہ! ہمارا کام سپہ گری ہے نہ کہ پاسبانی"

بادشاہ۔ (دانت کچکچا کر) "یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمہیں اپنے بادشاہ سے زیادہ اُسکے بھائی سے الفت اور اسکی خاطر و پاسداری منظور ہے"

امرا۔ "قصور معاف۔ جہاں پناہ سے زیادہ بھلا کسی کی عزت ہماری نگاہوں میں ہو سکتی ہے۔ شہزادہ سے بھی ہمیں اسی لئے الفت تھی کہ وہ حضور کے بھائی و فرزند کورش ہیں مگر اس واقعہ کے بعد اب اُنسے اتنی ہی زیادہ نفرت ہمارے دلوں میں پیدا ہو گئی۔"

بادشاہ۔ "کیا تم نے بردیہ کو اچھی طرح پہچان لیا تھا"

امرا۔ "جی ہاں"

بادشاہ۔ "کریسیس! تمہیں بھی شاید اس سے انکار نہیں ہو سکتا"

کریسس۔ "میں بھی منکر نہیں۔ میں نے بھی چاندنی رات میں فرزند کورش کو ایسے ہی صاف طور سے دیکھا جیسا اس وقت حضور کو دیکھ رہا ہوں لیکن ممکن ہے کہ کسی غیر معمولی شباہت نے ہم سب کو دہوکہ میں ڈال دیا ہو"

ان الفاظ کے سنتے ہی بوگس کا چہرہ زرد ہوگیا مگر کمبوجیہ نے ناراضی کے ساتھ گردن ہلاکر کہا "میرے ایسے بڑے اولوالعزم سرداروں کو اپنی آنکھوں پر بھروسہ نہیں ہے تو بھلا کس کی بات سچی و معتبر سمجھی جائے۔ اگر تم لوگوں کی شہادت قابل وقعت نہیں ہے تو بھلا کون انصاف و فیصلہ کر سکتا ہے"

کریسس "۔ ہماری طرح قابل اعتبار دوسرے لوگ بھی یہاں موجود ہیں جنہیں سنکر حضور معلوم کریں گے کہ شاید ہم ہی نے دھوکہ کھایا ہو"

کمبوجیہ مارے غصہ کے اٹھ کھڑا ہوا اور بڑے زور سے اپنا پیر زمین پر مار کر گرجتی ہوئی آواز سے بولا "کون ہے؟ جو اس مجرم کے موافق شہادت دینے کی جرأت کرتا ہے"

آریاسپ۔ دارا۔ گیجیس و دودہ یا۔ (ہم زبان ہوکر) "حضور والا! ہم ہیں۔ ہم ہم"

بادشاہ۔ (چلاکر) "دغاباز! نمک حرامو! (کریسس کی نگاہ سے متاثر ہوکر۔ انصاف کا خیال کرکے) "تمہارا کیا بیان ہے؟ خبردار۔ ذرا سوچ سمجھ کر کچھ زبان سے نکالنا اور سمجھتے رہنا کہ جھوٹی گواہی کی بھی سزا موت سے کم نہیں ہے"

آریاسپ "۔ حضور والا! ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے مگر ہم قسم کھاکر کہتے ہیں کہ شکار سے واپس آنیکے بعد ہم ایک لحظ کے لئے بھی بردیہ سے جو اپنے باغ میں موجود تھا جدا نہیں ہوئے"

دارا "میں بھی حضور کے بھائی کی بےگناہی کی پوری طور سے شہادت دے سکتا ہوں کیونکہ مینے انہیں کے ساتھ ستارۂ تستر کو طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ تعجب ہے کہ بوگس نے اسی وقت انہیں دوسری جگہ کیسے دیکھا"۔

گستاشپ اپنے فرزند کی زبان سے یہ الفاظ سنکر حیرت سے چونک پڑا۔ کمبوجیہ بھی کسی قدر شک و شبہ میں پڑکر ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔ کبھی ایک گروہ کو کبھی دوسرے کو دیکھتا تھا۔ اور حیران تھا کہ وہی جو کبھی مخالفت نہ کرتے تھے اب کیوں ایک دوسرے کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ بردیہ خاموش تھا اور آنکھیں نیچی کئے بصد افسردہ دلی حسرت و یاس اپنی زنجیروں کو دیکھ رہا تھا۔ جب سب چپ ہوگئے تو اسے موقع ملا۔ اور نہایت ادب سے سر جھکا کر بولا "برادر مکرم! کیا مجھے بھی چند الفاظ عرض کرنیکی اجازت مل سکتی ہے"؟

کمبوجیہ "بول! تو کیا کہتا ہے"۔

بردیہ "میں صرف والد مرحوم کی یاد آپ کے دل میں تازہ کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے اقوال و افعال سے مجھے و آپ دونوں کو نکوئی و پاکبازی کا سبق سکھایا اور دروغ کو بدترین گناہ بتایا تھا۔ شاید آپ بھی اس سے انکار نہ کریں گے کہ آج تک میری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا ہے جو راستی و صداقت سے دور ہو۔ میرے خیال میں جھوٹ بولنا ہزاروں ذلیل سی ذلیل موتوں سے بدرجہا بدتر ہے۔ خصوصاً ایک فرزند کورش کے لئے تو ایسا باعث ننگ و نام ہے کہ کبھی اسکی تلافی نہیں ہو سکتی۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت بحیثیت ایک عادل و منصف کے آپ کو سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ کیونکہ آپ کے ملک کے بڑے بڑے معززین ایک دوسرے کی مخالفت کر رہے ہیں۔ دوست دوست کے اور باپ بیٹے کے خلاف گواہی دے رہا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر تمام ایران ایک ہو جائے اور قسمیں کھا کر کہے کہ شہنشاہ سے

فلاں فعل سرزد ہوا ہے مگر آپ اسکی تردید کریں تو کیا میں کسی دوسرے کو باور کر سکتا ہوں
نہیں - بلکہ بآواز بلند کہونگا کہ تم سب جھوٹے ہو اور فرزند کورش کی زبان سے دروغ
نکلنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا سمندر کے پانی سے آگ کے شعلوں کا ظاہر ہونا خلاف
فطرت سمجھا جاتا ہے - ہم دونوں کا مرتبہ اس قدر بلند و عالی ہے کہ صرف آپ ہی میرے
خلاف کچھ کہہ سکتے ہیں اور آپ کے خلاف صرف آپ ہی کا نفس گواہی دیسکتا ہے -
(ان الفاظ نے کمبوجیہ کا غصہ بہت دھیما کر دیا) اب میں ہر فرد متھرا و تمام ارواح مقدس
کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو الزام مجھ پر لگایا گیا ہے سراسر جھوٹ ہے میں بالکل بیگناہ ہوں
اور اگر اپنی واپسی کے بعد ایک لمحہ کے - لئے بھی باغات معلقہ کے اندر گیا ہوں تو مجھ پر
ہزاروں لعنتیں برسیں اور یزدان پاک کی رحمت و بخشش سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاؤں
بردیہ کی یہ گفتگو ایسی صداقت آمیز تھی اور اسکی آواز میں سچائی کا ایسا جوش تھا
کہ بادشاہ پر بہت اثر ہوا - اس نے فوراً اس کی ہتھکڑی کھول دینے کا حکم دیا پھر کچھ دیر
سوچکر بولا " مجھے تمہاری قسم پر اعتبار ہے لیکن سخت حیرت ہے کہ یہ کیا ماجرا ہے - خیر
میں اپنے نجومیوں و کاہنوں کو بلا کر پوچھونگا (موبد اعظم کی طرف مخاطب ہو کر) اُرسپنس
تمہارے ذہن میں کوئی بات آتی ہے "
اُرسپنس - (غور و خوض کے بعد) جہاں پناہ ! اس غلام کا تو یہ خیال ہے کہ شاید
کوئی بدذات دیو[۱] ہمارے معزز شاہزادے کے درپے آزار ہے اور حضور کے دامن

[۱] مُغ (یعنی ماگی) تورانی النسل تھے اس لئے آخرالذکر کے اکثر باطل پرستی مذہب زردشت میں
شامل ہوگئی - عوام کا عقیدہ تھا کہ ہزاروں دیو خبیث ارواح اور بلائیں انسان کے درپے آزار ہیں -
جن کے دفعیہ و تدارک کے لئے مجوس سے منتر پڑھوائے جاتے تھے - بچوں کے لئے گنڈے
تعویذ جن کا رواج زمانہ قدیم میں بھی تھا حاصل کئے جاتے تھے اور جادو ٹوٹکے سے بچنے کیلئے
طرح طرح کی تدابیر عمل میں لائی جاتی تھیں - (رالنسن وغیرہ)

پاک کو بھی اپنے بھائی کے خون سے آلودہ کرنا چاہتا ہے۔" بادشاہ اور سب حاضرین کو یہ بات بہت پسند آئی اور اب کمبوجیہ عنقریب اُٹھ کر اپنے بھائی کو گلے سے لگانے والا تھا کہ اتنے میں ایک خادم حاضر ہوا اور ایک خنجر شہنشاہ کے سامنے پیش کر کے دست بستہ کہنے لگا کہ ابھی ابھی شہزادی نیتیتیس کی کھڑکی کے نیچے زمین پر پڑا ہوا ملا ہے۔

جیوں ہی کمبوجیہ کی نظر اس خنجر پر پڑی جس میں بیش بہا یاقوت و ہیرے جڑے تھے یکایک اس کا چہرہ پھر متغیر ہو گیا اور بردیہ کی طرف گھور کر اس زور سے اُسے پھینکا کہ سب جواہرات ٹوٹ گئے۔

بادشاہ۔ (چلا کر) "ہا کمبخت! یہ تیرا ہی تو خنجر ہے۔ آج ہی صبح تو اسی سے تو نے میرے سامنے ایک جنگلی سور مارا تھا۔ کریسس تم بھی تو اس خنجر کو پہچانتے ہو گے کیونکہ میرے والد نے تمہارے ہی خزانے سے سارڈیس میں حاصل کیا تھا (بردیہ سے بکمال غیظ و غضب) جھوٹے و دغا باز! اب تو تیرا جرم ثابت ہو گیا۔ بھلا دیوؤں کے پاس بھی خنجر ہوا کرتے ہیں۔ خاص کر یہ جو ہر جگہ مل بھی نہیں سکتا۔ (زہر آلود ہنسی سے) تیرا منہ فق ہے اور اپنی کمر ٹٹول رہا ہے! کہ خنجر ہے کہ نہیں؟"

بردیہ۔ (حد درجہ سراسیمہ و متحیر ہو کر) "غائب ہو گیا! کہیں مجھ سے گر پڑا ہو گا یا شاید کسی دشمن ......"

کمبوجیہ۔ (گرجتی ہوئی آواز سے) "بس! اس مکار و مردود کو فوراً زنجیروں سے باندھ اور اوسس کے جھوٹے گواہوں کو بھی قید خانہ میں ڈال دے۔ کل میں ان سب کو بڑی اذیت سے جہنم واصل کرونگا۔ یاد رکھنا ان میں سے کوئی بھی چھوٹ گیا تو تمام پہرے والوں کے سر قلم کر دیئے جائیں گے۔ میں اب ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا۔ ان بد ذاتوں کو میرے سامنے سے جلد دور کر۔ اور بوگس تو فوراً محل میں جا کر مصری شہزادی کو گھسیٹتا ہوا میرے روبرو لا۔ لیکن نہیں ٹھہر میں نے قسم کھائی ہے کہ اس ناگن

کی صورت کبھی نہ دیکھونگا۔ کل صبح دوپہر ہوتے ہی وہ بے حیا و بیسوا تمام شہر میں بذلت وخواری کوڑے مار کر پھرائی جائے۔ پھر میں ......" بادشاہ صرف اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ یکایک اُسے مرگی کا دورہ ہوا اور بیہوش ہوکر فرش زمین پر گر پڑا اس خوفناک منظر کو دیکھتے ہی لوگوں میں ایک تہلکہ مچگیا۔ اور ہر طرف سے چلانے کی آوازیں آنے لگیں اتنے میں ملکہ کاسندانہ بوڑھے سپہ سالار بگا باز کا ہاتھ پکڑے اندر داخل ہوئی۔ اسے ان واقعات کی خبر ابھی پہنچی تھی جسے سُنتے ہی باوجود اتنی رات گذر جانیکے وہ جلدی سے اپنے خلوت کدہ سے نکل کھڑی ہوئی تاکہ کمبوجیہ کو جلد بازی ظلم تعدی سے باز رکھے۔ اسے بردیہ و نتیتس دونوں کی بیگناہی کا پورالیقین تھا اور مزید حالات معلوم کرنیکے لئے کئی بار اس نے دختر فرعون سے ملنے کی کوشش بھی کی تھی جو بالکل بیسود ہوئی۔ پہرے والوں نے اسکے مرتبے اور اعزاز کا بھی کچھ خیال نہ کیا اور محل کے اندر جانے نہ دیا۔ بعدازاں کریسس نے آکر تمام واقعہ کہہ سُنایا اور بردیہ کی بیگناہی جتاکر بادشاہ کے پاس جلد جانے کے لئے کہا۔

کمبوجیہ کا دورہ اس مرتبہ زیادہ دیر تک نہ رہا۔ خادموں نے فوراً اُسے اٹھاکر تخت زریں پر لٹادیا اور اوپر سے ایک ریشمی چادر ڈھانپ دی۔ کاسندانہ قریب آکر بیٹھ گئی۔ کریسس بھی نیچے کھڑا ہوگیا اور پس پشت حکیم و طبیب مریض کی حالت پر سرگوشیاں کرنے لگے اور اُسے دوائیاں سنگھانے لگے۔ جیوں ہی بادشاہ کو ہوش آیا وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ملکہ نے نہایت محبت سے اسکے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہا کہ اپنی طبیعت قابو میں رکھو اور ایسا پیچ و تاب و غم و غصہ نہ کرو کہ تمہاری صحت پر خراب اثر پڑے۔

بادشاہ "مادر مہربان آپ سچ فرماتی ہیں۔ میری طبیعت جب ہی درست ہوسکتی ہے کہ تمام غصہ پیدا کرنے والے اسباب سامنے سے دور ہوجائیں اور وہ بیحیا بے غیرت اپنے دغاباز عاشق کے ساتھ جہنم واصل ہوجائے۔

کاسندانہ نے بردیہ کی بیگناہی کا اظہار کرکے بہت سمجھایا بجھایا۔ آنسو بہائے۔ عاجزی سے کام لیا۔ جھڑکیاں بھی دیں مگر کمبوجیہ پر کچھ اثر نہ ہوا اور جھنجلا کر ماں سے کہنے لگا۔

"آپ کا سمجھانا فضول ہے۔ دونوں کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ اور ان لوگوں نے جن پر مجھے پورا بھروسہ ہے بردیہ کو باغ سے نکلتے دیکھا ہے۔ یہ آپ ہی کے لاڈ و پیار کا نتیجہ ہے کہ اُسے اپنے بڑے بھائی کی منگیتر پر نظر بد ڈالنے کی جرات اور اس سے خفیہ خط و کتابت کرنے کی ہمت ہوئی۔"

کریسس "حضور نے یہ بھی معلوم فرمایا کہ اُس خط میں کیا لکھا ہے۔"

کمبوجیہ (غصہ سے) "نہیں وہ یونانی زبان میں تھا۔ اُس چالاک و بدذات عورت نے ایسی زبان میں خط لکھا کہ یہاں کسی کی سمجھ میں بھی نہ آسکے۔"

کریسس "اگر حضور مجھے وہ خط دکھائیں تو شاید میں اس کا ترجمہ کرسکوں۔"

کمبوجیہ۔ (ہاتھی دانت کے ایک ڈبے کی طرف اشارہ کرکے) "اس میں وہ خط رکھا ہے۔ نکال کر پڑھو مگر خبردار کوئی بات مجھ سے چھپانا نہیں کل ہی ایک یونانی سوداگر سے جو بابل میں آیا ہے۔ اسے پڑھوا کر تمہارے بیان کی تصدیق کرونگا۔"

کریسس نے ڈبیا کھولکر خط نکالا اور اُسے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ مگر مشکل سے ختم کرنے پایا تھا کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ایک آہ سرد بھر کر نہایت مغموم آواز سے ملکہ سے کہنے لگا "کیا واقعی پنڈورا کا قصہ صحیح ہے؟ میں تو اُسے جھوٹ کہونگا اور آیندہ کبھی اُن شاعروں کو الزام نہ دونگا جو عورتوں کی مذمت کرتے ہیں۔ وہ سب دغاباز و بے وفا ہیں۔ آہ اے ملکہ عالم! کیا کہوں۔ دیوتاؤں کا معاملہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے شاید دھوپ میں بال سفید کئے ہیں یا میری عقل پر پتھر پڑ گئے جسے کندن سمجھا تھا وہی کھوٹا و ناقص نکلا۔ جسے امرت خیال کرتا تھا وہی افسوس کہ سم قاتل نکلا۔"

ان الفاظ کا سُننا تھا کہ ملکہ زار و قطار رونے لگی۔ اور کمبوجیہ نے بھی مضمون خط

سُنا تو غصہ کے مارے مٹھیاں باندھ کر دانت پیسنے لگا۔ نیتیتس نے لکھا تھا۔

"از طرف دختر فرعون۔ شہزادہ بردیہ پسر کورش کو معلوم ہو۔ میں تم سے تنہائی میں ایک راز کی بات کہنا چاہتی ہوں کل تمہاری والدہ کے یہاں ملونگی تو شاید موقع مل سکے۔ اس وقت صرف اسی قدر لکھنا کافی سمجھتی ہوں۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہو کہ ایک غریب محبت کی ماری کسی کی آرزوئے وصل میں تڑپ تڑپ کر جان دے رہی ہے۔ کسی کے انتظار میں اسکی آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔ کون ہے جو دم واپسیں ایک لحظہ میں اُسے نئی زندگی بخش سکتا ہے۔ وہ تم ہو۔ ہاں بردیہ وہ تم ہی ہو۔ دیکھو کل ضرور ملنا۔ مجھے ایک بہت بڑا وعدہ تم سے لینا ہے۔"

کمبوجیہ کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ آئی جس میں ناامیدی۔ یاس و تلخی بھری ہوئی تھی۔ اسکی ماں کو بھی سخت صدمہ ہوا اور اپنے لڑکے کی تسکین دہی کے لئے جھکی مگر اس نے روک کر غصہ سے کہا "ماں۔ یہ تمہارے نیک و چہیتے بیٹے کے ڈھنگ میں مجھ سے دور ہی رہو۔ وہ اُس بے حیا کے دام میں کیسا آگیا! پھر سر دربار میرے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتا ہے! دوسرے نوجوان لڑکے بھی اسی کے بہکانے میں آگئے اور جھوٹ بول کر ہمیشہ کے لئے ننگ خاندان ہو گئے۔ سچ تو یہ کہ میں انکو زیادہ الزام نہیں دے سکتا۔ سب قصور اُس بیحیا و بدذات عورت کا ہے جس کی شکل وصورت تو پریوں کی مگر سیرت چڑیلوں سے بھی بدتر۔ ایسی چالاک و فتنہ پرداز کہ میں بھی اُسکے جل میں آگیا۔ مگر اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ میں اسکے کرتوتوں کا کیسا مزا چکھاتا ہوں۔ اب آپ جایئے رخصت ہو جیے۔ میں یہاں تنہا رہنا چاہتا ہوں۔"

یہ سُنتے ہی سب لوگ رخصت ہو گئے اور کمبوجیہ بھی تن تنہا اپنی خوابگاہ میں چلا گیا وہ کبھی بیٹھتا تھا۔ کبھی ٹہلتا تھا۔ غرضکہ اسی بے چینی میں تمام رات گذر گئی اور مقدس مرغ سحری کی بانگ سُنائی دی۔ اب آفتاب عالمتاب کی کرنیں چھن چھن کر کمرے میں آنے لگیں۔

وہ تھکا ماندہ اپنے پلنگ پر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر کے لئے اسکی آنکھ جھپک گئی۔

نوجوان بردیہ اور اسکے رُفقا ایک تیرہ و تار زنداں میں پڑے ہوئے تھے۔ انہیں بھی نیند نہ آئی۔ بردیہ نے سب سے پہلے گیجیس سے اپنی معشوقہ کے نام خط لکھوایا۔ پھر دُدہ یا نے یہ صلاح دی کہ شراب پی کر رنج و غم مٹانا چاہیے۔ غرضکہ مئے ارغوانی کے جام چلنے لگے اور آپس میں اس طرح باتیں شروع ہوئیں۔

دُدہ یا۔ "اب زندگی کے چند گھنٹے اور باقی ہیں۔ جنہیں خوشی و مسرت کے ساتھ کاٹنا چاہیئے صبح ہوتے ہی آخر موت کا جام پینا ہے۔ افسوس کہ ہم غریبوں کی صرف ایک ہی گردن ہے۔ اگر دو ہوتیں تو شاید زندگی کی کچھ توقع ہو سکتی"۔

آریاسپ "۔ سچ کہتے ہو۔ یہ وقت غنیمت ہے خوشی کے ساتھ گذارنا چاہیئے اور اپنی دونوں آنکھوں کو جو ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گی اچھی طرح کھلا ہوا رکھنا چاہیئے"۔

گیجیس "۔ ہم بیگناہوں کو بھلا موت کا کیا خوف و رنج ہو سکتا ہے"۔

دُدہ یا۔ (دارا اور بردیہ سے جو آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے) "بھئی تم دونوں بھی عجب چیز ہو۔ یہ بھی کوئی وقت راز و نیاز کی باتیں کرنے کا ہے۔ آؤ ایک ایک جام اور چڑھا ہیئں متھرا کی قسم میں موت سے بہت ڈرتا تھا۔ مگر آج مجھے سیہ رو اہرمن کا مطلق خوف نہیں بلکہ انتظار ہے کیونکہ ہم سب کو ایک ساتھ پکڑ کر لیجائیگا۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھ جان دینا تنہا زندہ رہنے سے بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں"۔

دارا "۔ سب سے پہلے ہمیں ذرا یہ سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیئے کہ آخر اس واقعہ کی اصلیت کیا ہے اور کیونکر ظہور میں آیا"۔

دُدہ یا "۔ مجھے اسکی مطلق پرواہ نہیں۔ جب مرنا ہی ہے تو سمجھنے بوجھنے کی کیا ضرورت بس یہی کافی ہے کہ میں بیگناہ ہوں۔ اور دروغ کا کبھی مرتکب نہیں ہوا۔ لشن! ذرا طلائی جام میں شراب لانا۔ مجھے ان پیتل و مٹی کے پیالوں میں مئہ ناب اچھی نہیں لگتی۔ کمبوجیہ نے

ہمیں اپنے عزیزوں سے ملنے سے منع کر دیا ہو۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس آخری وقت خورونوش کے لطف سے بھی محروم کر دیئے جائیں۔"

بردیہ۔ دوست یہ جام سفال نہیں۔ بلکہ تلخی موت ہے جس نے مئے ارغوانی کا مزہ اس طرح بدل دیا ہے۔"

دوٗہ یا "نہیں۔ میں سچ کہتا ہوں۔ یہ نہیں۔ بلکہ مجھے تو یاد ہی نہیں۔ کہ گلا گھوٹنے سے بھی کوئی مر سکتا ہے (گیجبیس کا ہاتھ پکڑ کر) ایسے خاموش کیوں ہو۔ ذرا بردیہ کو تو دیکھو۔ ابھی سے گھبرائے جاتے ہیں اور خوشی سے جان دینا نہیں چاہتے۔ کیوں دارا! تمہارا کیا حال ہے؟"

دارا "میں سوچ رہا تھا کہ شاید ارد پسپتس کا کہنا صحیح ہوگا اور کوئی دیو روسیاہ بردیہ کی شکل بن کر شہزادی کے باغ میں گیا ہوگا۔"

دوٗہ یا "یہ تمہارا وہم و خیال ہے۔ مجھے ان باتوں پر یقین نہیں۔"

دارا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ شاہ کاؤس کو بھی ایک دیو نے ایک خوبصورت مغنی کی شکل بن کر دھوکا دیا تھا۔"

آریاسپ "ہاں واقعی سچ کہتے ہو۔ شہنشاہ کورش کی محفلوں میں یہ داستان اکثر گائی جاتی تھی اور میں نے اتنی بار سنی ہے کہ اب زبانی یاد ہو گئی ہے۔ اگر کہو تو سناؤں۔"

سب نوجوان۔ دیگر زبان ہو کر "ہاں ضرور سناؤ۔ ہم بہت مشتاق ہیں۔"

آریاسپ نے کچھ دیر تک غور کیا پھر ایک نہایت دلکش آواز سے یہ اشعار گانا شروع کئے۔

چو کاؤس[1] بگرفت گاہِ پدر		مر اورا جہاں بندہ شد سربسر		

[1] ماخوذ از شاہنامہ مصنفہ فردوسی۔

(الف) ابوالقاسم منصور فردوسی ۔ سنہ و مقام پیدائش سنہ ۹۴۱ء۔ مقام شدب نواح طوس صوبہ خراسان موجودہ پر یا فنر جو بیس میل شمال مشہد یا تین میل جنوب وزان واقع ہے۔ فردوسی ایک معمولی دہقان تھا۔

ز ہر گوشہ گنج آگندہ دید		جہاں سر بسر پیش خوبندہ دید	
ہم از طوق و ہم تخت و ہم گوشوار		ہماں تاج زریں زبرجد نگار	

(بقیہ صفحہ گذشتہ) سنہ و مقام وفات ۴۱۱ھ یا ۱۰۲۰ء - مقام طوس -

(ب) شاہنامہ بحیثیت علم ادب - آگسٹس کا قول تھا کہ میں نے روم کو مٹی کی اینٹوں کا پایا تھا اور سنگ مرمر کا بناکر چھوڑا - اور اسی طرح فردوسی سے قبل ایرانی علم ادب کالعدم تھا - مگر اس نے ایک ایسی تصنیف دنیا کو ودیعت کی جس کی آیندہ شاعر صرف نقل ہی کر سکتے ہیں اور بہتر لکھنا تو کجا اسکی ہمسری تک کا دعویٰ کریں تو باطل ہے جس طرح یورپ میں ہومر کی شاعری ہے اسی طرح ایشیا میں فردوسی کی نظم اپنا ثانی نہیں رکھتی - اسکے اشعار میں غضب کی شیرینی ہے - کوئی لفظ - کوئی جملہ ایسا نہیں جو کرخت وناگوار معلوم ہو - شروع سے لیکر آخر تک وہ ایک نہ ٹوٹنے والا نغمہ یا راگ ہے جو ایک تیز رو دریا کی طرح بہتا ہوا چلا جاتا ہے اور اسکی نازک لہریں کانوں میں پڑتے ہی خراج احسنت و آفریں وصول کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور ہماری یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا لب جو استادہ ہیں اور الفاظ کی بحر محیط میں ایک ایسی دنیا کے افعال - جذبات و خیالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں جو اب صفحہ ہستی سے نابود ہو گئے ہیں - مگر اسکی عالی شان عمارات کے مرقعے - اسکے نامور سورماؤں اور جاندار وں کی تصویریں اس طلسمی آب رواں میں اپنا عکس ڈالتی ہوئی نکل جاتی ہیں - اور ہم حیران و ششدر رہ جاتے ہیں

(پروفیسر کوول)

(ت) شاہنامہ بحیثیت تاریخ - شاہنامہ کا ماخذ غالباً کتاب کارنامک یا دیگر صحائف مذہبی ہیں - جن میں قومی حکایات و افسانے واقعات اصلی کے ساتھ عجیب و دلچسپ طریقہ سے مخلوط ہو گئے ہیں - اس میں زیادہ تر پیشدادی - کیانی و ساسانی عہد کے واقعات ہیں - زمانہ ہخامنش کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے - جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مجوس جن کا فرض تاریخی حالات قلم بند کرنا تھا - اس عہد میں زیادہ با اثر نہ تھے اور نہ انکی کچھ عزت تھی - اس لئے انہوں نے ایک طرح کا انتقام لیا ہے - اور اس پُر شوکت خاندان کے شہنشاہوں کا یا تو کہیں ذکر نہیں کیا یا انہیں دوسرے عہد کے حکمرانوں سے ملا کر بالکل ناقابل امتیاز بنا دیا ہے - قدیم ایرانی شاہی کتب خانے اور دیگر صحائف سکندر اعظم جلا کر تباہ کر دیئے تھے اس لئے صرف مجوس کے حافظے

ہماں تازہ اسپاں آگندہ یال	بہ گیتی نہ دانست کس را ہمال
چناں بُد کہ در گلشن زرنگار	ہمی خورد در روزے مے خوشگوار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یا انکے پس ماندہ کتبات پر دارومدار رہگیا تھا جس سے ظاہر ہے کہ نتیجہ کیا ہو سکتا تھا۔
پیشدادی اور کیانی عہد کے واقعات تاریخی حیثیت سے بالکل غیر معتبر ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ شاید قدیم
ایرانیوں نے جو ایک دہقانی قوم تھی قدرت کے مختلف کرشموں کو جامہ انسانیت پہنا کر افسانے گڑھ لئے مثلاً فریدوں
(اوستا یہ تھرائی تاونا) وہ قوت ہے جو خشک سالی یا ضحاک (اوستا= ازی دہاکا) سے معروف جنگ ہے
اور جمشید و ضحاک و فریدوں سے ممکن ہے موسم خزاں۔ سردی و بہار مراد ہو۔ بعض کا دعویٰ ہے کہ چونکہ قدیم آریائے
ایران و آریائے ہند ایک ہی قوم تھے۔ اس لئے دونوں کی روایات کا ماخذ ایک ہی ہے اور وہ ایک دوسرے کے
ساتھ بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ اندر و رستم دونوں پہلوے مادر سے پیدا ہوئے تھے۔ دونوں سرخ رو تھے
پرخوراک اور شائق مے نوشی تھے۔ دونوں کے پاس گرز۔ کمان و کمند تھی اور انکے کارنامے بھی یکساں تھے۔ اندر
کے مختلف نام اور متعدد شکلیں ہیں اسی طرح شاید فریدوں۔ تشتریا۔ گرشاسپ و رستم ایک ہی ہوں یا زال۔
فرامرز و رستم ایک ہی شخص کے لقب ہوں جنہیں افسانہ گو نے جدا کر کے ایک کو پدر دوسرے کو پسر بنا دیا ہی
داس رت کو فریدوں۔ راما کو سیاوش اور افراسیاب کو راون سے تشبیہ دیجاتی ہے۔ افراسیاب کو دریودہن
سے بھی ملایا جاتا ہے کیونکہ بعد شکست جان بچانیکے لئے ان دونوں نے پانی میں چھپنے کی کوشش کی تھی۔
اس میں شک نہیں کہ آریائے ہند و ایران کی بہت سی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں مثلاً زبان اور
بعض رسومات جیسے قربانی اسپ سفید و انتخاب شوہر وغیرہ۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مورخین ایران ہخامنش
کی تاریخ سے بالکل بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے سلاطین قصص وان بادشاہوں کو
مخلوط کر دیا ہو۔ اور متعدد تاجداروں کے نام کو ایک شخص تصور کر لیا ہو۔ اس حساب سے کیقباد جس کی مدت
حکومت سو برس ہے۔ مراد از چیش پایش اول و دوم ہو۔ کیکاؤس مدت سلطنت ۱۵۰ سال۔ کمبوجیہ
اول۔ دوم۔ سوم و چہارم ہو۔ کیخسرو نبیرہ کیکاؤس (۶۰ سال) کورش اول۔ دوم و سوم ہو۔ وقس علیٰ ہذا۔
لیکن غالباً یہ صحیح نہیں۔ پیشدادی و کیانی خاندان بالکل جدا تھے۔ اور مشرقی ایران میں جیسے سرزمین

یکے تخت زریں بلورینش پائے | نشستہ برو بر جہاں کدخدائے
ابا پہلوانانِ ایراں بہم ز | ہمیں رائے زد شاہ بر بیش و کم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) باختر کہنا چاہئے حکمراں تھے۔ کیونکہ اوستا میں یما (جمشید) ھتراِئی تنا (فریدوں) کاوہ یا اُسا (کیکاؤس) فرانگرسین (افراسیاب) اور ہوسروا (کنخیسرو) وغیرہ کے نام مذکور ہیں آخرالذکر غالباً ۸۰۰ سال قبل مسیحؑ حکمراں تھا۔ اسی طرح گستاشپ جسکے زمانہ میں زردشت کا ظہور ہوا۔ اسی خاندان سے تھا اور دارائے اعظم کے پدر گستاشپ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا لیکن فردوسی جس نے تاریخ و افسانہ کو باہم ملا دیا ہے اسکی رو سے گستاشپ کا بیٹا اسفندیار تھا جسے رستم نے اسکے باپ کے اشارہ سے جنگ میں مارا بعدہٗ اس کا پوتا بہمن جسے وہ اردشیر دراز دست کہتا تھا تخت پر بیٹھا۔ (یہ تاریخ کی رو سے ہخامنشی تاجدار زریکا بیٹا تھا اور ۴۶۶ تا ۴۲۵ ق م حکمراں تھا) اس نے اپنی بہن ہما سے شادی کی جس سے دارا پیدا ہوا بہمن کا بھائی جس کا نام ساسان تھا۔ اس واقعہ کے بعد جلاوطن ہوکر غریبانہ زندگی بسر کرنے لگا۔ اسی کا لڑکا اردشیر بالکان ہوا جو بانی خاندان ساسان تھا۔ یعنی اس حساب سے سکندر اور ساسانیوں کے عروج میں صرف ۲۶۶ برس گذرے لیکن صحیح تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ۹۴ ۵ سال کا زمانہ گذرا تھا۔ اب افسانہ کے چنداں واقعات کو دیکھنا چاہئے جن کی مثال یا مشابہت تاریخ میں پائی جاتی ہے۔

شاہنامہ	تاریخ
(۱) کیکاؤس نے مصر و ہاماوران و بربر سے جنگ کی اور سوداوہ دختر فرعون سے شادی کی لیکن اس نے مہمان بلاکر اُسے دہوکہ سے پکڑ لیا۔ پھر رستم کی مدد سے اُسے نجات حاصل ہوئی۔	کمبوجیہ دختر فرعون سے شادی کا خواستگار ہوا۔ اس نے دوسرے کی لڑکی نتتیس نامی اسکے عقد میں دی۔ کمبوجیہ نے مصر کو فتح کیا پھر نوبیا اور سوڈان پر حملہ کیا۔ جہاں اسے ہزیمت دی۔
۲۔ سرخہ پسر افراسیاب کو رستم نے قتل کیا سیاوش کے انتقام میں تہ تیغ کیا۔	۲۔ سرخہ یا فرسار کا قوم اسکیت کے بادشاہ کا لڑکا تھا جسے دارا نے قید کر لیا۔
۳۔ قبیلہ زال و رستم نے شاہان کیانی خصوصاً کیخسرو	۳۔ قبیلہ آریاسپ سیستان میں ہخامنشی عہد میں نہایت

	گذشتہ زمیں در خور گاہ کیست		چنیں گفت اندر جہاں شاہ کیست	
	نیارد ز من جست کس داوری		مرا از سپہ اندر جہاں برتری	

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شاہنامہ

کے زمانہ میں بڑی بڑی ملکی خدمات انجام دیں۔

۴. گشتاسپ باپ سے رنجیدہ ہوکر روم گیا اور کتایون دختر قیصر سے شادی کی۔

۵. کیخسرو نے آخری عمر میں دنیا ترک کی۔

۶. کیکاؤس نے دیو سفید سے شکست کھائی اور مقید ہوا۔

تاریخ

محترم تھا کورش اعظم نے اسے محسنین کا لقب دیا تھا۔

۴. شمالی آذربائجان (ذاکو) کے بادشاہ کی دختر اوانس پر زریر عاشق ہوا اور اس سے شادی کی۔

۵. بعض روایات کی رو سے کورش اعظم نے بھی ایسا ہی کیا تھا مگر اسکے صحیح ہونے میں کلام ہے۔

۶. ہواکشتر ایاسیاکزار شاہ میدیا نے لیدیا سے جو سفید رو قوم تھی شکست کھائی۔

(ث) پیشدادی اور کیانی عہد کے بخلاف ہخامنش کوئی آثار قدیمہ ابھی تک نہیں ملے جن سے انکی قدیم تاریخ کا کچھ پتہ لگ سکتا۔ البتہ مسلمان مورخین نے اپنی تصانیف میں بعض مقامات کو اس قدیم عہد کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ جن کا مختصر حال خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

(۱) گستاسپ اور تورانیوں کی بہت بڑی جنگ موجودہ مقام سبزور کی سمت مغرب واقع ہوئی تھی۔

(۲) تبریز کے قریب کوہ سہند ہے۔ یہاں سے ۳-۴ دن کی مسافت پر مقام سوالان یا سولن ہے جہاں اوستا میں مذکور ہے کہ زردشت نے اہرمزد سے باتیں کیں۔

(۳) آذربائجان میں ۹۰ میل جھیل ارمیہ سے مقام احمد آباد ہے جہاں کیخسرو نے ایک بڑا محل تیار کیا تھا جھیل ارمیہ کے نواح میں ایرانی و تورانی ایک عرصہ تک لڑے۔ اسی جھیل میں افراسیاب نے کود کر جان بچانا چاہی تھی مگر کیخسرو کو خبر لگ گئی اور اس نے پکڑ کر مار ڈالا۔ اور اپنے غنیم پر فتح کی یادگار میں ایک بہت بڑا آتشکدہ یہاں بنایا۔

(۴) بیستون اور ہمدان کے راستہ میں ایک گاؤں سہنا ہے۔ یہاں مشہور ہے کہ کیخسرو کی قبر تھی۔

همی خورد باده همی گفت شاه — درو خیره مانده سران و سپاه
چو رامشگری دیو زی پرده دار — بیامد که خواهد بر شاه بار
چنین گفت کز شهر مازندران — یکے خوش نوازم ز رامشگراں
اگر در خورم بندگی شاه را — کشاید بر تخت او راه را
برفت از در پرده سالار بار — بر آمد خراماں بر شهریار
بگفتش که رامشگری بر دراست — ابا بربط و نغز رامشگر است
همیں راه جوید بدیں پیشگاه — چه فرماں دهد نامور بادشاه
بفرمود تا پیش او تاختند — برود و ساز انش بنشاختند
به بربط چو بایست بر ساخت رود — بر آورد مازندرانی سرود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۵ - اصفہان سے ۳-۴ میل ایک اونچی پہاڑی ہے جس پر طہمورث نے ایک قلعہ و آتشکدہ بنایا تھا۔ کیکاؤس نے بھی یہاں ایک آتشکدہ بنایا۔ رستم و کاؤس نے افراسیاب کو اصفہان ہی کے قریب سخت شکست دی تھی۔ کاوا لوہار جس نے ضحاک سے بدلہ لینے کے لئے فریدوں کو آمادہ کیا تھا اصفہان ہی کا باشندہ تھا۔

(۶) اسطخر کو تہمورث کی لڑکی اسطخر نے بنایا۔ اسکی تکمیل ہوشنگ کے زمانہ میں ہوئی۔ یہاں کیکاؤس کا ایک عالیشان محل تھا۔

(۷) شہر ابرکوہ (شیراز و نیرد کے راستہ میں) یہاں بقول یعقوب و راکھ کا ٹیلا تھا۔ جہاں آگ جلائی گئی تھی۔ اور سیاوش اپنی بیگناہی دکھانے کی غرض سے اس میں کود کر صحیح سالم نکل آیا تھا۔ سیاوش پر اسکی ماں سودابہ زوجہ کیکاؤس نے عفت ریزی کا الزام لگایا تھا۔

(۸) رے (نزد طہران) اس کا بانی ہوشنگ پہلا بادشاہ ایران تھا۔ (۴۰۰ ق-م) اسکے قریب دمیوند کوہ البرز کی چوٹی ۲۰ ہزار فیٹ اونچی ہے یہاں ضحاک ابھی تک مقید ہے اور ۱۱ ہزار برس بعد چھوٹ کر پھر دنیا کو مبتلائے عذاب کرنا چاہے گا مگر گرشاشپ یا سام کرسپا کے ہاتھ مارا جائیگا۔

(ایران نامہ - رالنس - جیکس - سائکس)

آریاسپ - "اب نغمۂ مازندران[ل] بھی سُناؤں کہ نہیں؟"

سب "ہاں - ہاں - گا سُنائے جاؤ"

آریاسپ :-

که مازندراں شہر ما یاد باد — ہمیشہ بر و بومش آباد باد

کہ در بوستانش ہمیشہ گل است — بکوہ اندروں لالہ و سنبل است

ہوا خوش گوار و زمیں پرنگار — نہ سرد و نہ گرم و ہمیشہ بہار

نوازندہ بلبل بہ باغ اندروں — گرازندہ آہو بہ راغ اندروں

ہمیشہ نیاساید از جستجوئے — ہمہ سالہ ہر جائی رنگست و بوئے

گلاب است گوئی بجوئیش رواں — ہمی شاد گردد ز بویش رواں

دی و بہمن و آذر و فرودیں — ہمیشہ پر از لالہ بینی زمیں

ہمہ سال خنداں لب جوئبار — بہر جائے باز شکاری بکار

سراسر ہمہ کشور آراستہ — ز دینار و دیبا و از خواستہ

بتانِ پرستندہ با تاج و زر — ہمہ نامدارانِ زریں کمر

کسے کاندراں بوم آباد نیست — بکام از دل و جان خود شاد نیست

کیکاؤس نے مازندران کی یہ تعریفیں سُنیں تو دیو کے چکمہ میں آگیا - زال و دیگر سرداران ایران نے بہت سمجھایا مگر باز نہ آیا - اور مازندران کو فتح کرنے لگا - مگر وہاں کے حکمراں نے دیو سفید کی مدد سے اُسے شکست دیکر قید کرلیا اور اندھا کر کے ایک زندانِ تیرہ و تار میں ڈالدیا دارا" - اور ہاں - بعد ازاں جب ہمارے نامور سورما رستم کو خبر ہوئی تو کس جوش و خروش کے ساتھ سیستان سے نکلا - اور یلغار کرتا ہوا مازندان کی طرف بڑھا - ہفت خان کو سر کیا ارژنگ کو مارا - دیو سفید سے مقابلہ کر کے اسے بھی تہِ تیغ کیا - اور اسکے قلب کا خون

[ل] موجودہ تبارستان -

بادشاہ کی آنکھوں میں ٹپکا کر اُسے بینا کیا۔ پھر اُسے قید سے چھڑا کر ایران واپس لایا۔ یہی حال دیکھ لینا ہمارا بھی ہوگا۔ ہم بھی سب رہائی پاکر خوشی کے شادیانے بجائیں گے اور شہنشاہ ہماری ہیکینا ہی کے قائل ہوجائیں گے۔ دیکھ لشن! اگر اسکے خلاف ظہور میں آئے تو مصری حکیم نلنچاری اور دیگر موبدوں وکلدانیوں کے پاس جانا اور میری طرف سے کہنا کہ اب نجوم پڑھنا چھوڑ دو۔ تمہاری سب پیشینگوئیاں غلط نکلیں۔ دارا مرتے وقت کہہ گیا ہی کہ تم سب جھوٹے و دغاباز ہو۔"

آریاسیپ "میں بھی نجومیوں کا کبھی قائل نہ تھا اور ہمیشہ کہتا تھا کہ سوائے خواب یا عالم رویا کی پیشین گوئی کے اور کوئی قابل اعتبار نہیں۔ اسکی ایک نہایت عمدہ مثال مجھے یاد ہے کہ جنگ سارڈیس سے پہلے ابردت کی بیوی پنتھیا نے خواب میں اپنے شوہر کو تیروں سے زخمی دیکھا تھا۔"

ددویا "ناحق تم نے جنگ کا ذکر کرکے میرا دل بے چین کر دیا! کہاں وہ بہادری وشجاعت کی موت۔ کہاں یہ ملزموں کی طرح گلے میں پھانسی لگا کر جان دینا۔ وائے قسمت!"

آریاسیپ "ہاں میاں۔ سچ کہتے ہو۔ میں نے بھی ایسی موتیں دیکھی ہیں جو اس زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ کیا بیان کروں۔ کیا لوگ تھے اور اس دنیا میں اپنا کیا نام چھوڑ گئے۔"

ددویا "نہیں ضرور فرمائیے ہم سب سُننے کے بہت مشتاق ہیں۔"

دارا "اور خاصکر یہ راز کہ آپ نے آجتک شادی کیوں نہ کی۔ ہم سب عنقریب مرنیوالے ہیں۔ اس لئے اسکے افشا کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔"

آریاسیپ "یہ کوئی بڑا راز نہیں تم لوگ اپنے بزرگوں سے پوچھتے تو شاید وہ بتا دیتے۔ گستاشپ وغیرہ کو سب معلوم ہے۔ اچھا تو سُنو۔ میں ہی کہتا ہوں۔ جب میں جوان تھا تو عورتوں کو نہایت ذلیل وحقیر سمجھتا تھا اور ان سے عشق ومحبت حماقت ودیوانگی تصور کرتا تھا۔ اُس زمانہ میں ملکہ پنتھیا کے حُسن وجمال کا شہرہ تمام عالم میں تھا۔ اب اتفاق وقت دیکھو

کہ جنگ سارڈیس کے بعد جب وہ قید ہو کر کورش اعظم کے سامنے لائی گئی تو چونکہ میں اکثر شیخی مارا کرتا تھا کہ کسی عورت کا جادو مجھ پر نہیں چل سکتا اس لئے اسکی نگہبانی کی خدمت میرے ہی سپرد کی گئی۔ میں نے اس کام کو نہایت ہوشیاری سے انجام دینے کا وعدہ کیا۔ اور بعدہٗ روزانہ اُس سے ملنے کا اتفاق ہوا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بالآخر مجھے ماننا پڑا کہ واقعی عشق ایک عجیب جذبہ ہے اور انسان کی قوت و ارادے سے کہیں زیادہ بالاتر ہے۔ میں نے بہت ضبط کیا مگر آخر نہ رہا گیا۔ ایک دن اپنا اظہار محبت کر دیا۔ جسے سُنکر پنتھیا بہت بگڑی اور خفا ہو کر کورش سے میری شکایت کر دی اور اُسے سمجھا بجھا کر اپنے شوہر سے صلح کرالی۔ بعد ازاں کورش و ابردت دونوں ملکر ایک غنیم کے مقابلہ کو نکلے۔ اُس وقت پنتھیا نے اپنے شوہر کو بلا کر اُسے پہلے اپنے تمام زیورات سے آراستہ کیا پھر کہا کہ دیکھو کورش کی میں لونڈی تھی جیسا چاہتا وہ میرے ساتھ برتاؤ کرتا مگر اس نے اپنی بہن سے زیادہ مجھے عزت و حرمت سے رکھا اس لئے تم پر واجب ہے کہ اب داد مردانگی دکھا کر اسکے احسانات کا بدلہ سرفروشی سے دو۔ ابردت کے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا۔ اور ایسی جان توڑ کر لڑا کہ سب لوگ عش عش کرنے لگے۔ پھر اسی جنگ میں مارا گیا۔ پنتھیا کو خبر ہوئی تو فوراً اپنے شوہر کی لاش پر گئی۔ اور پہلے اُس سے بغل گیر ہو کر بہت روئی پھر خود بھی خنجر مار کر جاں بحق تسلیم ہو گئی۔ اسکے وفادار غلاموں کو یہ حال معلوم ہوا تو اُن سب نے بھی خودکشی کر لی کورش نے یہ واقعہ سُنا تو اُسے بہت رنج ہوا اور دونوں جاں بازوں کی لاشوں کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دفن کرا کے ایک عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا جو ابھی تک سارڈیس میں موجود ہے اور اس پر صرف یہ کتبہ کندہ ہے "یہ پنتھیا ابردت اور انکے وفادار غلاموں کی بے مثل شجاعت و شرافت کی یادگار ہے"۔ اب تم خود سمجھ سکتی ہو کہ جو ایسی عورت کا فریفتہ و دلدادہ ہو چکا ہو۔ وہ بھلا کسی دوسرے کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھ سکتا ہے"۔

ہمارے نوجوانوں پر آریا سیپ کی اس گفتگو کا بہت بڑا اثر ہوا۔ وہ کچھ دیر تک بالکل خاموش و ساکت رہے۔ پھر بردیہ نے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "اے بڑی شان و قدرت والے اہرمزد! ہماری قسمت میں کیا معمولی ڈاکوؤں کی طرح شرمناک طریقہ سے مرنا لکھا ہے! ہم پر کرم کر اور ابردت کی طرح ہمیں بھی موت دے!"

ابھی یہ دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ سامنے کریسس آتا ہوا نظر آیا۔ اسکے ہاتھ بند ہے تھے اور کوڑے برداروں کی حراست میں تھا۔ نوجوانوں نے یہ حال دیکھا تو بڑی حیرت و بیتابی کے ساتھ اس سے ملنے کے لئے آگے بڑھے اور ایک ساتھ بہت سی باتیں پوچھنے لگے۔ گیجیس نے اپنے باپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور بردیہ نے بھی بغلگیر ہونا چاہا مگر کریسس کا ہنس مکھ چہرہ اس وقت بہت اُداس تھا۔ اسکی محبت بھری آنکھوں سے تفکر و ناخوشی برستی تھی۔ اس نے بردیہ کا ہاتھ کسی قدر رکھائی سے جھٹک کر تھرتھراتی زبان سے نہایت غمگین لہجہ میں کہا "دھوکے باز لڑکے! مجھ سے دور رہ۔ آج تک جس محبت کے ساتھ میں تجھ سے پیش آیا ہوں تو اسکے لائق نہیں ہے۔ چار مرتبہ تو نے اپنے بھائی سے مکر و فریب کیا۔ دوستوں کو دھوکہ دیا۔ اور اس غریب لڑکی سے بھی جو نوکر اتیس میں تیری محبت کا دم بھر رہی ہے بیوفائی و عہد شکنی کا برتاؤ کیا۔ علاوہ بریں بدنصیب دختر فرعون کا دل زہر آلود کر کے اس کی تباہی و بربادی کا بھی تو ہی باعث ہوا۔"

اولاً بردیہ خاموش رہا مگر جب کریسس کی زبان سے "دھوکہ دہی و عہد شکنی" کے لفظ سنے تو مارے غصہ کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور زور سے زمین پر پیر مار کے چلا کر بولا "بڑے میاں! تمہاری عمر و اگلے احسانات کا دل میں خیال آتا ہے۔ ورنہ اس وقت ان الفاظ کا مزہ چکھا دیتا۔" کریسس شہزادے کو خشمناک دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا "کیوں نہ ہو۔ آخر تم کمبوجیہ ہی کے تو بھائی ہو اس قدر برافروختہ ہو کر اپنی

نادانی وجہالت کا اظہار کر رہے ہو۔ مجھے تو یہ امید تھی کہ اپنا پرانا بہی خواہ و اُستاد سمجھ کر کوئی بات مجھ سے نہ چھپاؤ گے اور اپنی حرکتوں پر نادم ہو کر معافی کے خواستگار ہو گے۔ مگر اس ناشکری کی حد ہو گئی کہ پشیمان ہونا تو ایک طرف خود مجھی کو اُلٹا ڈانٹتے ہو" معمر کریسیس نے ایسے رنج آلود شکایت آمیز طریقہ سے یہ کہا کہ بردیہ کچھ جواب نہ دے سکا اس نے اپنے دل میں بہت ضبط کیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اور انتہائے یاس و ناامیدی سے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کریسس یہ دیکھ کر سمجھا کہ شاید اپنی غلطی کو اب محسوس کر رہا ہے اُسے اس نوجوان لڑکے سے اس قدر الفت تھی کہ خواہ کیسا ہی قصور اس سے سرزد ہوتا مگر یہ ناممکن تھا کہ وہ اس کا ساتھ چھوڑ سکتا اس لئے جب اُسے ایسا مغموم دیکھا تو اسکا دل بھی بھر آیا اور قریب آکر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر بڑی محبت سے سمجھانے لگا اور جسطرح ایک باپ اپنے لڑکے کو میدان جنگ میں زخمی دیکھ کر کہتا ہے یوں کہنے لگا:۔

"میرے لخت جگر۔ میرے فرزند دلبند۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس میں تیرا کچھ قصور نہیں شاید تو کسی دوسرے کے بہکانے میں آگیا۔ آخر خود اپنی زبان سے تو کچھ کہہ۔ میں بھی تو سنوں کہ وہ کون کمبخت روسیاہ تھا جس نے تیرا پاک دل برائی کی طرف اتنی جلد پھیر دیا اور ہم سب کو ایک مصیبت و آفت میں ڈال دیا" ان کلمات نے بردیہ کے مجروح دل پر نشتر کا کام کیا۔ اسکے رنج وغم کی انتہا نہ رہی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ ہر مرد بھی جسے وہ منصف و عادل سمجھتا تھا اب اسکے خلاف ہو گیا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ یہ کیسی منحوس و برگشتہ تقدیر ہے جس کے چکر سے نکلنا محال ہے۔ اسکی حالت ایک ایسے جانور کی سی تھی جسکے پیچھے شکاری پہنچ گئے ہونگے اور وہ خستہ و درماندہ زمین پر گر پڑا ہو۔ اسکی فطرتی شجاعت و دلیری۔ انسان یا خونخوار درندوں کے مقابلہ کے لئے زیادہ موزوں تھی۔ مگر نکبت و ادبار کے مصائب سہنے کا بہت کم مادہ تھا۔ کیونکہ شروع سے اسکی تربیت اسکے خلاف ہوئی تھی۔ وہ دکمبوجیہ دونوں عیش وعشرت کی گود میں پلکر

بڑے ہوئے تھے اور ابھی تک ناکامی کی تلخیوں اور زمانہ کی سختیوں سے ناواقف تھے۔
اور روحانی صعوبتوں کی برداشت کا مادہ نہ رکھتے تھے۔ بردیہ کے لئے اس سے زیادہ
کونسی بات سوہان روح ہوسکتی تھی کہ اس کا سب سے زیادہ عزیز و سچا دوست اسکی
شرافت و راست بازی پر شک و شبہ کرنے لگا۔ اس نے بہت ضبط کیا مگر اب دل قابو
سے باہر ہوگیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دوہ یا نے اپنے دوست
کی یہ حالت دیکھی تو کریسیس کو بُرا بھلا کہنے لگا اور گیجیس نے بھی اپنے باپ سے
نہایت عاجزی سے کہا کہ ایک بیگناہ شخص کو اس طرح نشانہ ملامت نہ بنائیں۔ آریاسپ
اپنی جگہ سے اٹھ کر دونوں کو سمجھانے بجھانے لگا۔ داراجو ابتک ساکت و خاموش تھا
جب سب اپنی گفتگو ختم کر چکے تو کریسس کا ہاتھ پکڑ کر بولا "آپ اور بردیہ ناحق ایک
دوسرے کا دل دکھا رہے ہیں۔ ذرا فرمائیے تو کہ معاملہ کیا ہے۔ یہ عجب انصاف ہے کہ
ملزم سے اس کا قصور نہ بیان کیا جائے اور نہ اسکے عذر کی سماعت کی جائے۔ ابھی تھوڑی
دیر ہوئی کہ آپ بردیہ کو بیگناہ سمجھتے تھے۔ آخر اب کیا ہوا کہ آپ کی رائے بدل گئی اور
اس بیدردی سے اُسے ملامت و سرزنش کرنے لگے۔" اس پر کریسس نے تمام
واقعہ کہہ سُنایا کہ کس طرح دختر فرعون نے ایک خط لکھ کر جو راستہ میں پکڑا گیا بردیہ سے
ملنا چاہا تھا۔ بادشاہ نے یہ خط اُسے دکھایا جسے پڑھتے ہی اسکے ہوش اُڑ گئے اور اُسے
یقین ہوگیا کہ اس دنیا میں کوئی عورت یا مرد قابل اعتبار نہیں ہے۔

کریسیس "بادشاہ کو پورا یقین ہے کہ نیتیتس بردیہ پر عاشق ہے۔ مجھے بھی
سخت حیرت ہے کیونکہ ابتک میں اس لڑکی کو عفت و عصمت کی ایک دیوی سمجھتا تھا۔
یہی وجہ ہے کہ میں اس کو (بردیہ کی طرف اشارہ کرکے) بُرا بھلا کہتا ہوں کیونکہ یقیناً اسی کا
قصور ہے کہ ایک بھولی بھالی لڑکی کو بہکا کر اُسے بدنام کیا۔ اور اپنے ماتھے پر بھی ہمیشہ
کے لئے ایک کلنک کا ٹیکہ لگا لیا۔"

بردیہ "(گھبرائی ہوئی آواز سے چلاکر اور کف افسوس ملکر)" میں کیونکر آپ کو یقین دلاؤں کہ میں بالکل بیگناہ ہوں۔ آپ ذرا بھی مجھ سے محبت کرتے تو ہرگز مجھے جھوٹا نہ سمجھتے آپ کو کچھ بھی میرا خیال ہوتا تو......"

کریسس (آبدیدہ ہوکر) "بیٹا یہ نہ کہہ۔ کبھی بھی تیری خاطر میں نے اپنی جان تک کی پرواہ کی ہے۔ میری موجودہ حالت پر نظر کر۔ یہ میرے قول کا ایک بدیہی ثبوت ہے۔ ابھی کچھ دیر ہوئی کہ کمبوجیہ نے باضابطہ تیرے قتل کا حکم نافذ کیا تھا۔ میں نے سنا تو دوڑتا ہوا اسکے پاس گیا اور اسکے قدموں پر سر رکھ کر تیرے لئے بڑی منت و عاجزی کی۔ مگر اس نے نہ مانا تو میں نے بھی غصہ میں اسے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ اسے بھلا ایسی باتوں کی کب تاب ہوتی۔ آپے سے باہر ہوگیا۔ اور جلاد کو حکم دیا کہ فوراً مجھے تہ تیغ کردے۔ سپاہی مجھے اسکے سامنے سے پکڑ کر لیگئے۔ اور انکے افسر نے جو میرا قدیم ممنون احسان ہے کل تک میرے قتل کو ملتوی کرکے ذرا سی فرصت دی ہے کہ تم لوگوں سے آکر مل لوں۔ غرضکہ میرا بھی چل چلاؤ ہے جس سے میں رنجیدہ نہیں بلکہ خوش ہوں کہ اپنے بچوں کے بعد اس دنیا میں رہکر انکی مفارقت و جدائی کے صدمے نہ سہونگا۔"

یہ سنتے ہی تمام دوست از حد رنج و افسوس کرنے لگے۔ صرف دارا خاموش و مستقل مزاج تھا اس نے کریسس سے شام کا واقعہ دوبارہ بیان کیا اور بردیہ کی بیگناہی کا پوری طور سے یقین دلایا۔ پھر شہزادہ نے بھی مختصر الفاظ میں نتیتیس کے متعلق جو اتہام اس پر لگایا تھا اس کی تردید کی اور ایسی صداقت اور سچے جوش سے قسم کھائی کہ پہلے تو کریسس کو حیرت ہوئی پھر اسکے بھی خیالات بدلنے لگے اور بالآخر بڑی محبت سے بردیہ کو گلے لگاکر کہنے لگا۔ "اب میرے دل سے ایک بڑا غبار دور ہوگیا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تم بے گناہ ہو اور کبھی مجھ سے جھوٹ نہ بولوگے۔"

بعد ازاں سب آپس میں اس عجیب واقعہ پر اپنی اپنی رائے زنی کرنے لگے

مگر کسی کی سمجھ میں راز نہ آیا۔ البتہ یہ ذرا بھی شبہ نہ رہا کہ **نتیتیس** بردیہ پر ضرور عاشق ہو گی ورنہ اس قسم کا خط لکھنے کی جرأت نہ کرتی۔"

دارا۔" یہ تو ہم سب کو اُسی وقت معلوم ہو گیا تھا جب کمبوجیہ نے اپنے بھائی کی شادی کا اعلان کیا تھا اور **دختر فرعون** کے چہرہ پہ مردنی چھا گئی تھی جام شراب اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ مجھے یاد ہے کہ اسوقت فدیمیا کے باپ نے یہ کہا تھا" کیا خوب ازنان مصر اپنے دیوروں کی شادی کی خبر سُنکر ایسی مضطرب و بیتاب ہو جاتی ہیں!!" اسی قسم کی باتوں میں باقی ماندہ رات بھی گذر گئی۔ اب سپیدۂ صبح نمودار ہوا اور آفتاب کی کرنیں قیدیوں کے حجرۂ زنداں میں چمکنے لگیں۔ انہیں دیکھ کر بردیہ کی زبان سے نکلا "آہ متھرا ہماری جدائی اور بھی مشکل و پُر الم کرنا چاہتا ہے"

کریسس۔" نہیں بلکہ وہ تو اپنی تجلی نور سے ہمارے سفر آخرت کو آسان بنا رہا ہے"

باب بیسواں

بوگس کی فتح

نتیتیس ان افسوسناک واقعات سے بیخبر تھی۔ مگر اس کا دل رنج و الم سے بھرا تھا جشن سالگرہ کے موقع پر کمبوجیہ کا اس ذلت کے ساتھ اسے اٹھا دینا۔ گو قصور اُسی کا تھا تاہم اُسے بہت شاق گذرا تھا۔ پھر اُسکی پریشانی اور بڑھ گئی کیونکہ نہ تو اس کے ناراض عاشق نے کچھ خبر لی اور نہ کاسندانہ یا اتوسا حسب معمول ملنے آئیں۔ انکی اس برتاؤ سے اسے سخت حیرت تھی اور کئی بار اُس نے کوشش بھی کی کہ خود اسکے

پاس جائے اور اپنا رنج و دُکھ بیان کرے لیکن کندلس خواجہ سرا نے اُسے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی۔ اُسے پورا یقین تھا کہ جب وہ اسکی ماں کا خط دیکھیں گے تو تمام غلط فہمیاں رفع ہو جائیں گی۔ اور کمبوجیہ بھی اپنے کئے پر پچھتائیگا۔ وہ اُسکے غیظ و غضب کو عاشقانہ رشک و حسد پر مبنی دل کرتی تھی۔ اور ابی گوس کا یہ قول یاد کرکے دل ہی دل میں خوش تھی " جس طرح بخار کا حملہ بہ نسبت ایک کمزور کے مضبوط شخص پر زیادہ شدت کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح رشک و حسد کی آگ بھی ایک جذبۂ عشق سے بھرے ہوئے دل میں بہ نسبت اسکے جس کی محبت بالکل سطحی و عارضی ہے بڑی تیزی سے مشتعل ہوتی ہے " عشق کے فلسفی کا کہ اگر یہ قول صحیح ہے تو کمبوجیہ جس نے اپنے جوش رقابت کا اس درجہ اظہار کیا اُس سے کس قدر الفت رکھتا ہوگا۔

یہ خیال اگرچہ تسکین دہ تھا لیکن ساتھ ہی وطن کی غمناک خبریں اور دشمنوں کی طرف سے طرح طرح کے اندیشے دل میں آرہے تھے کوئی ایسا حامی و ہمراز نہ تھا جس سے وہ انہیں کہہ سکتی اور خود ہی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ جب نصف دن گذر کر دوپہر ہوگئی پھر بھی کسی نے خبر نہ لی تو بیتابی و بیقراری از حد بڑھ گئی اور شام ہونے تک اور بھی اسکی حالت زبوں ہوگئی۔ اب رات آئی انتظار کرتے کرتے وہ تھک گئی اور پلنگ پر جا لیٹنے کے ارادہ سے اٹھی تھی کہ اتنے میں بلا اطلاع کئے بوگس خواجہ سرا اندر داخل ہوا اور ہنس کر بڑے طنز سے اس سے کہنے لگا کہ جو خط آپ نے شہزادہ بردیہ یعنی اپنے عاشق دلدادہ کو بھیجا تھا وہ شہنشاہ کے ہاتھ لگ گیا۔ آپ کا راز طشت از بام ہوگیا اور غریب قاصد بھی مارا گیا۔ شہزادی پہلے ہی سے خستہ جان تھی اس منحوس خبر کو سنتے ہی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ بوگس نے اسے اٹھا کر پلنگ پر لٹا دیا اور کمرے کا دروازہ بڑی احتیاط سے بند کرکے باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد دو اجنبی ایک نوجوان دوسرا عمر رسیدہ اُس چور دروازے سے جسے بوگس نے پہلے سے تلاش کر رکھا تھا باغ کے اندر داخل ہوئے

آخر اللہ کر محل کی دیوار کے قریب پہنچکر کھڑا ہو گیا۔ اور نوجوان کھڑکی سے کسی کا اشارہ پاتے ہی اوپر
چڑھکر اندر پہنچ گیا۔ یہاں اُس سے اور اُسکی بلانے والی مہ لقا نازنین سے عشق و محبت کی
سرگوشیاں و قسما قسمی و شکوہ شکایت ہونے لگی۔ کئی بار پیاری پیاری مندانا و پیارے گوماتا
کی آواز آئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بوڑھے آدمی نے نیچے سے تالی بجائی جسے سُنتے ہی نوجوان
نے جلدی سے نتیتیس کی خادمہ کو گلے لگا کر الوداع کہا اور کھڑکی سے کود کر نیچے آیا اور
ان لوگوں کے قریب سے جو نیلی سوسن کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ گذرتا ہوا مع اپنے ساتھی کے
چور دروازے سے باہر نکل گیا۔ بعدہٗ مندانہ جلدی سے اپنی مالکہ کے حجرہ میں آئی۔ وہ
اسکی عادات سے واقف تھی کہ ہر روز بوقت شام اپنے کمرے کی ایک کھڑکی سے جس کا
رُخ دریائے فرات کی طرف تھا طلوع النجم کا تماشہ دیکھتی ہے۔ یا سامنے والے
میدان کے خوشنما نظارہ میں ایسی محو ہو جاتی ہے کہ کسی کو اپنے پاس نہیں بُلاتی۔ اس لئے
مندانہ کو اطمینان تھا اور اپنے عاشق سے ملنے کا اُسے ایک اچھا موقعہ مل گیا تھا۔
وہ ابھی شہزادی کو ڈھونڈ رہی تھی کہ کیا دیکھتی ہے کہ باغ آدمیوں سے یکایک بھر گیا۔
بہت سے سپاہیوں و خواجہ سراؤں کی آوازیں سُنائی دیں۔ اور ہر طرف سے پہرہ والوں کی
بگل بجنے لگے۔ یہ کیفیت دیکھتے ہی پہلے تو اُسکے ہوش اُڑ گئے اور سمجھی کہ راز طشت
از بام ہو گیا مگر تھوڑی ہی دیر بعد بوگس نے آکر چپکے سے اسکے کان میں کہا "گھبراؤ نہیں
وہ بچکر نکل گئے" اب اُسے اطمینان ہوا اور جان میں جان آئی اور دوڑتی ہوئی اپنی مالکہ
کے پاس پہنچی اور اُسے بیہوش پاتے ہی لونڈیوں و کنیزوں کو جنہیں اپنی غرض سے مصلحتاً
اُس نے دوسری طرف بھیج دیا تھا۔ بُلا کر کہنے لگی کہ شہزادی کو خوابگاہ میں لیچلو۔ یہاں لاکر
اُسے ایک پلنگ پر لٹا دیا اور ہوش میں لانے کی کوششیں کرنے لگی۔ نیتیتس نے ابھی
مشکل سے آنکھیں کھولی تھیں کہ اس کا جانی دشمن بوگس پھر نظر آیا۔ اس مرتبہ اسکے
ساتھ تین چار اور خواجہ سرا تھے جنہیں اس نے حکم دیا کہ شہزادی کے ہاتھوں میں زنجیریں

ڈالدیں۔ غریب لڑکی حیرت و استعجاب و رنج کے مارے زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکی اور خاموشی و صبر کے ساتھ اس ذلت و رسوائی کو برداشت کرگئی۔ بوگس نے بہت کچھ طنز آمیز جملے کسے مگر وہ کچھ نہ بولی تو چلتے چلاتے یہ کہنے لگا "میری قمری کو یہ قفس مبارک ہو شہنشاہ سے اب جاکر عرض کرونگا کہ حضور کی کبوتری کے کابک میں آج ایک نیا کبوتر نظر آیا اور آپ کی منظور نظر غیر مرد کے ساتھ گل چھرے اڑاتی پکڑی گئیں۔۔۔۔ تمہیں میری کچھ پرواہ نہ تھی اور اب بھی شاید یہی حال ہے۔ اچھا تو بندہ اب رخصتی آداب بجالاتا ہے۔ سچ ہے کہ دوست صادق مصیبت یا موت کے وقت یاد آتے ہیں اور غریب بوگس بھی شاید اسی وقت یاد آئے جب قبر کی ٹھنڈی ٹھنڈی مٹی آپ کے نازک جسم پر پڑے گی۔ مگر گھبرانا نہیں اسے اپنے بلبل کی آسائش کا اس قدر خیال ہے کہ موٹے کپڑوں میں ہرگز اسے دفن نہ ہونے دیگا بلکہ ایک نہایت ملائم ریشمی کفن خاص اسکے لئے تیار کرائیگا۔ کہو تو اب خوش ہوئیں میرا احسان مانوگی اچھا تو لو یہ آخری سلام ہے (بسور کر) ہائے افسوس میری آنکھیں اس پیاری صورت کے دیکھنے کو ترسیں گی۔"

یہ کہہ کر وہ تو چل دیا مگر شہزادی کانپ اٹھی اور مسندانہ سے پوچھنے لگی کہ بتا آخر یہ کیا معاملہ ہے۔ خادمہ خواجہ سرا کے سکھانے پڑھانے میں تھی ہی اس نے جواب دیا کہ شہزادہ پرویز باغ کے اندر چھپ کر آئے تھے اور بہت سے امیروں نے جو اس وقت یہاں موجود تھے انہیں محل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ شہنشاہ کو بھی خبر ہوگئی اور وہ اس قدر غضبناک ہیں کہ بیان سے باہر۔ اب ہم سب کی خیریت نظر نہیں آتی۔ یہ کہکر مسندانہ زار و قطار رونے لگی۔ شہزادی بھی اس کے دہوکہ میں آگئی اور اپنا سچا ہمدرد سمجھی۔ اسکے دل میں عجیب پیچ و تاب تھا۔ کبھی اپنے ہاتھوں میں زنجیریں دیکھکر جھنجلاتی اور بیتاب ہوتی۔ کبھی گردن جھکا کر اپنی حالت زار پر غور کرتی۔ اور بے یار و مددگار ایک آفت ناگہانی میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پاکر خون کے آنسو بہاتی۔ کچھ دیر تک تو اسکی

یہی حالت رہی پھر کایک کچھ سوچکر کھڑی ہوگئی۔ وطن کا خط نکالا اور اس پر یہ الفاظ لکھ کر کہ میں بےقصور و
بیگناہ ہوں **ممنڈانہ** سے جو ابھی تک ٹسوئے بہا رہی تھی کہا کہ میرے مرنیکے بعد یہ خط مادر شاہ
کو لیجا کر دیدینا۔ اس کی صندوقچی میں رخساروں پر ملنے کا ایک زہرآلود روغن تھا۔ اس نے
چپکے سے اسکی ڈبیا نکال کر اپنے پاس رکھ لی۔ اور یہ ٹھان لی کہ اب اگر اور کسی ذلت کا
سامنا ہوا تو اسے فوراً کھا کر جان دیدونگی۔ اس خیال سے اسے کسی قدر تسکین ہوگئی اور
دل میں کہنے لگی کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو کیا مضائقہ آخر یہ بھی تو اسکی محبت کا ثبوت ہی
ہے۔ اب ایک آخری خط اسے لکھوں گی اور اپنے عشق کا پورے طور سے اظہار کرونگی۔
لیکن یہ مرنیکے بعد اسے معلوم ہونا چاہیئے تاکہ وہ یہ نہ خیال کرے کہ میں نے اپنی جان بچانیکی
غرض سے باتیں بنائی ہیں۔ جب یہ خط اسے ملے گا اور اسے پڑھ کر اپنی غلطی پر آگاہ ہوگا تو
شاید اسکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑیں اور اپنی حرکت پر نادم ہو کر کفِ افسوس ملے۔

نلتیتس کی یہی بڑی آرزو و تمنا تھی جس نے اسکے دکھے ہوئے دل کو ایک
عجب اطمینان و مسرت سے بھر دیا۔ اور باوجود اس مجبوری کے کہ دونوں ہاتھ زنجیروں میں
جکڑے ہوئے تھے۔ کسی نہ کسی طرح یہ چند سطریں لکھنے لگی۔ "کمبوجیہ پیارے! ہرمزد
ہمیشہ تمہیں خوش وخرم و تندرست رکھے۔ یہ خط تمہیں میری موت کے بعد ملیگا۔ میں نے
ابھی تک تم سے اپنے عشق کا اظہار نہیں کیا تھا مگر اب سن لو کہ تمہارے سامنے نہ میں اپنے
دیوتاؤں کو کچھ سمجھتی ہوں۔ نہ اپنی ناچیز جان بلکہ تمام دنیا کی کچھ پرواہ کرتی ہوں۔ اپنی والدہ و
ہمشیرہ سے کہدینا کہ مجھے ذکر خیر سے یاد کریں۔ میں ایسی بری نہیں ہوں جیسا شاید وہ سمجھتی
ہونگی۔ میری ماں کے خط سے انہیں معلوم ہوجائیگا کہ میں بالکل بیگناہ ہوں اور بہ دریہ
سے صرف اپنی غریب بہن کی خاطر ملنا چاہتی تھی۔ بوگس کہتا ہے کہ میرے قتل کا حکم
تم نے دیا ہے۔ وہ بیوقوف ہے۔ سمجھا ہے کہ میں موت سے ڈرتی ہوں۔ یہ بالکل غلط ہے
جلاد کے آنے سے پہلے ہی میں زہر کھا لونگی اور اپنے ہی سر یہ گناہ لونگی۔ کیونکہ میں نہیں

چاہتی کہ پیارے تم کسی مظلوم و بیکس کے خون ناحق کے سبب عذاب آخرت میں مبتلا ہو۔"

اس قدر کہہ کر اُس نے یہ نامہ پُردرد اور اپنی ماں کا خط دونوں مندانہ کے سپرد کئے اور کہا کہ بادشاہ کو میرے مرنے کے بعد دیدینا۔ بعد وہ دوزانو ہو کر بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ دعا میں مصروف ہوگئی۔ خادمہ نے ہاتھ جوڑکر روتے ہوئے کہا "بیوی! اپنے مرنے کا خیال دل میں نہ لاؤ تم بہت تھک گئی ہو اور کمزور ہو۔ پلنگ پر لیٹ جاؤ اور تھوڑی دیر آرام کر لو۔" لڑکی "نہیں۔ میری زندگی کی صرف چند گھڑیاں باقی ہیں۔ اب راحت و آرام کا وقت نہیں۔ تم جاؤ۔ جب مجھے ضرورت ہوگی تو بلالونگی۔"

جب مندانہ چلی گئی تو اس نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ اپنے مصری بھجن گانا شروع کئے۔ زردشتی تعلیم و تلقین بھول گئی اور اُس کی تمام توجہ اپنے وطن کے دیوتاؤں کی طرف مبذول ہوگئی اور انہیں سے اپنی آیندہ زندگی کی بہتری کے لئے دعائیں مانگنے لگی۔ یہ وہ روحانی زندگی تھی جو اسکے اعتقاد کے مطابق عالم تحت الثریٰ میں بسر ہوتی تھی۔ جہاں آسیرس کا راج تھا۔ جہاں مردہ کی روح اولاً ایک میزان میں سچائی کی دیوی اور کاتب آسمانی یعنی تھاتھ کے سامنے تولی جاتی تھی۔ پھر بارہ ججوں کے سامنے لائی جاتی تھی جو اُسکی حالت پر غور و خوض کرکے اپنا فیصلہ سُناتے تھے۔ یہی وہ زندگی تھی جہاں اُسے اپنے پیاروں و عزیزوں سے ملنے کی امید تھی بشرطیکہ اس کا جسم جو حامل روح ہے محفوظ رہ سکے[لہ] اور ججوں کا فیصلہ اُسکے خلاف نہ ہو۔ ورنہ اسی دنیا

[لہ] اگر جسم محفوظ ہے تو مردہ تحت الثریٰ میں پہنچتے ہی اپنے اعضا سے کام لے سکیگا۔ اگر جسم میں کسی لباس یا عضو وغیرہ کی کمی ہے تو وہی اسکے ہمزاد یا سایہ میں پائی جائے گی۔ مصریوں کی اُمرد روح جو تحت الثریٰ میں داخل ہوتی ہے۔ اگر حساب کتاب میں پوری اُتری تو روح عالم یعنی آسرس سے ملحق ہوکر مشرقی نور کی ٹھنڈی ٹھنڈی شعاعوں میں عیش کے ساتھ بسر کرتی ہے۔ اور آرو کے سرسبز و شاداب میدانوں میں بلا مشقت کھیتی کرتی ہے ورنہ نہایت خوفناک سزاؤں کے بعد تحت الثریٰ سے نکال دیا جاتا ہے۔ اور مختلف جانوروں کے جسموں میں اُسی

میں مختلف جانوروں کی شکلوں میں اُسے بار بار سرگرداں و پریشان رہنا پڑیگا۔ مصری مذہب کا یہ عقیدہ کہ روح کی آیندہ قسمت کا دار و مدار تمام تر جسم کی حفاظت پر منحصر ہے۔ ملتیس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) متواتر جنم لینا پڑتے ہیں۔ بعدۂ ایک مدت دراز کے بعد یا تو اُسے آسرس کا وصل نصیب ہوتا ہے۔ یا تزکیہ و صفائی کی تکمیل کے لئے از سر نو اپنا کٹھن راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتی ہے (پروفیسر ایبرا)

سفر روح کے متعلق مصریوں کے عجیب و غریب اعتقاد تھے۔

(۱) مرنیکے بعد روح کو بڑے بڑے جنگل بیابان طے کرنا پڑتے ہیں۔ خونخوار درندے اور نہایت مہیب جانور راستہ میں ملتے ہیں۔ پھر ایک کنول کی جھیل نظر آتی ہے جسے پار کرنا دشوار ہے۔ بالآخر شغال روانوبس دیوتا کی رہنمائی میں داخل جنت ہوتی ہے۔

(۲)۔ ایک زینہ کے ذریعہ آسمان پر چڑھتی ہے یا چڑیا بنکر بادلوں پر سوار ہو کر جاتی ہے۔

(۳) دیوی ماتانوت اپنی گود میں اُٹھا کر لے جاتی ہے۔ لوہے کا آسمان راہ میں پڑتا ہے جسکے دروازے منتر پڑھنے سے کھلتے ہیں۔

(۴) بعض کا خیال تھا کہ مشرقی افق میں ایک عظیم الشان بھٹی ہے جس میں نیا سورج رہتا ہے۔ جب وہ برآمد ہوتا ہے تو اس بھٹی کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہورس سنہرے باز کی شکل میں روح کو لئے ہوئے داخل ہوتا ہے اور سفر کرتا ہوا ایک جھیل کے پاس پہنچتا ہے جس کے وسط میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جہاں چشمہ حیات کے قریب ایک شجر حیات موجود ہے۔ ہاتھر دیوی نیک روح کو اس چشمہ کا پانی و درخت کا میوہ کھلاتی ہے۔

(۵) فرعون کی روح کے ساتھ خاص مراعات برتی جاتی تھیں۔ وہ کشتی را کے پاس پہنچتے ہی دیوتا کے کاتب کو نکال کر خود سوار ہو جاتی ہے اور روزانہ آسمانی نیل کو طے کرکے بوقت شب زیر زمین دوزخ نیل پر سفر کرتی ہے جہاں بالکل اندھیرا ہے اور صرف را دیوتا روشنی کر سکتا ہے۔ اسکے بارہ حصے ہیں۔ ایک میں آتشیں تالاب ہیں جہاں ارواح بد عذاب میں مبتلا ہیں۔ ہزاروں خونخوار جانور و اژدہے ہیں۔ جو را کو روکنا چاہتے ہیں مگر وہ انہیں مارتا ہوا نکل جاتا ہے۔ یہ جنت پہلے صرف فرعون کے لئے مخصوص تھی مگر بعدہ دوسرے بھی حقدار سمجھے جانے لگے

(۶) آسرس کی جنت یعنی آلو۔ یہاں گنہگار داخل نہیں ہو سکتے صرف نیک روحیں رہتی ہیں۔ جواہد الآباد

دل میں ایسا جاگزیں ہوگیا تھا کہ ہرگز نہ نکل سکتا تھا۔ اس لئے جب وہ خیال کرتی کہ ایرانی رسم کے مطابق ممکن ہے کہ اس کا جسم چیل کوؤں وکتوں کو کھلا دیا جائے تو کانپ اٹھتی اور اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تک کھیتی باڑی کرتی ہیں اور دنیا کی طرح مختلف انتظامات اور لطف کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتی ہیں۔ اس جنت میں داخل ہونے سے پہلے روح کو ایک ایوان عدالت میں لایا جاتا ہے یہاں آسرس ایک تخت پر جلوہ گر ہے۔ اس کے قریب آسس اور نیتھی کھڑی ہیں اور سامنے دو طرفہ مصر کے مختلف صوبوں کے دیوتا بیٹھے ہیں۔ وسط ہال میں ایک میزان ہے جس کے ایک پلڑہ پر روح کا دل (ضمیر) اور دوسرے پر ایک پر جو نشان یا علامت صداقت ہے رکھا جاتا ہے۔ ہورس اور انوبس دیوتا تولنے والے ہیں اور تھوتھ کاتب میزان ہے۔ قریب ہی ایک نہایت مہیب شکل دیونی نظر آتی ہے۔ جس کا سر مگرمچھ، جسم گینڈے اور پچھلے پیر شیرنی کی طرح ہیں۔ یہ اپنا منہ پھیلائے بیٹھی ہے اور ارواح بد کو نگل جاتی ہے۔ غرضکہ مردہ جب اس ہال میں پہنچتا ہے تو سب سے پہلے وہ آسرس کی حمد و ثنا پڑھتا ہے پھر ۴۲ گناہوں سے (ظلم۔ بزدلی۔ جھوٹ۔ چوری۔ قتل۔ آگ بجھانا۔ متبرک جانوروں یا پرندوں کو مارنا۔ پڑوسی کے کھیت کا پانی نکال لے جانا وغیرہ وغیرہ) اپنی معصومیت کا اقرار کرتا ہے۔ یہ سنکر سب دیوتا خاموش رہتے ہیں اور میزان میں اس کا دل (ضمیر) تولا جاتا ہے اگر پورا اُترا اور بارہ ججوں نے اسکے موافق فیصلہ کر دیا تو خیر ہے ورنہ دیونی لپک کر اسے نگل جاتی ہے یا سؤر کی شکل بنا کر باہر نکال دیا جاتا ہے۔ بعض وقت دل خود گواہی دیتا تھا جس سے مصری بہت ڈرتے تھے اور اپنے پروہتوں سے ایک تعویذ لیتے تھے جس کے اثر سے ضمیر خاموش اور مردہ کو الزام دینے سے باز رہتا تھا۔ غرضکہ نیکوں کی روح جب اس امتحان میں پوری اُترتی ہے تو تھوتھ (جس کا سر پرند کا ہے) اسے نہایت سرسبز شاداب میدانوں میں لیجا کر دوسرے دیوتاؤں سے ملاتا ہے۔ یہاں وہ آسمانی نیل پر سفر کرتی ہے کھیتی باڑی میں مصروف ہوتی ہے اور دیگر تمام دنیاوی مشاغل سے حظ اُٹھاتی ہے۔ نیز اپنے دوستوں و عزیزوں سے بھی مل سکتی ہے اور دنیوی جسم بھی بآسانی اختیار کر سکتی ہے۔ یہ تو معمولی لوگوں کا حال تھا۔ بادشاہ اپنی حسب حیثیت رہتے تھے اور عموماً دیوتاؤں کا مرتبہ پاکر انہیں کی صحبت و مجلس میں وقت بسر کرتے تھے (پروفیسر ولکنس)

نجات سے بالکل ناامید ہو جاتی۔ کبھی سوچتی تھی کہ اس نئے مذہب کے مقابلہ میں شاید اُسی کے دیوتا جھوٹے ہوں۔ شاید یہی سچ ہو کہ مردہ جسم اپنے عناصر مادی سے ملکر فنا ہو جاتا ہے اور روح کا اس سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ شاید وہی آفتاب عالمتاب جو اس وقت وادی فرات سے طلوع ہو رہا ہے مظہر حقیقی کا پرتو ہے۔ یہ خیال آتے ہی قریب تھا کہ متھرا کی حمد و ثنا میں۔ ایرانی موبدوں کے سکھاتے ہوئے بھجن گاتی۔ مگر اسکی زبان یکایک رک جاتی۔ اُسے شمس کی صورت میں اپنے وطن کا بڑا دیوتا را نظر آتا اور بجائے زردشتی دعاؤں کے وہ گیت گانے لگتی جو مصری بروایت طلوع آفتاب کے وقت عموماً گایا کرتے تھے

گردن جھکاؤ سامنے اُس دیوتا کے تم
سر اُسکے سامنے تم اطاعت سے خم کرو
قدرت سے اپنی آپ ہی پیدا ہوا ہے وہ
اے را تمام عزت و شاں ہیں ترے لئے
تیری ہی ذات سے ہیں یہ زرخیزیاں تمام
جو پاک دل ہیں اُنکا نگہباں ہے تو مدام
ہے عزت و جلال یہ زیبا ترے لئے
ان کھیتیوں پہ جو کہ ہیں سرسبز نیلگوں
آمد کو تیری دیکھ کے فرط نشاط سے

سب دیوتاؤں میں ہے بڑا جس کا مرتبا
فرزند آسماں ہے یہ صاحب جلال را
پاتا ہے روز از سر نو صبحدم بقا
تو بحر آسماں میں ہے کرتا سفر سدا
مخلوق سب ترے ہیں سمک سے یہ تا سما
کرتی ہیں زندگی انہیں کرنیں تری عطا
اے آسمان پیر کے فرزند دلکشا
کھائی سے آسماں کی ہے توڑا لتا ضیا
بے اختیار جھومنے لگتے ہیں دیوتا

(از کتبہ لوح تابوت مصری در برلن میوزیم)

اس گیت سے اُسے بڑی تسکین ہو گئی اُسے اپنے بچپن کا زمانہ یاد آگیا اور آبدیدہ ہو کر بڑی حسرت و یاس سے آفتاب کو جس کی کرنیں ابھی ایسی تیز نہ تھیں کہ آنکھوں کو چکا چوند کر دیں تکنے لگی۔ پھر اُسکی نگاہ اس سامنے والے میدان پر پڑی جہاں فرات کی لہریں دریائے نیل کی طرح دور سے زرد نظر آرہی تھیں۔ اسے اپنے وطن سے مشابہ یہاں بھی لہلہاتے ہوئے

کھیتوں وانجیر کی جھاڑیوں میں چھوٹے چھوٹے گانوں چھپے ہوئے نظر آئے۔ جانب مغرب
شاہی رمنے وباغات جن میں بکثرت کھجور۔ بادام۔ اخروٹ اور صنوبر وشمشاد کے درخت تھے
میلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسکے قریب محل کے چاروں طرف خوشنما چمن تھے جن کی
پھول پتیوں پر صبح کی شبنم اس وقت موتیوں کی طرح جھلک رہی تھی۔ پھولوں کی خوشبو سے
بسی ہوئی شمیم انگیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ مرغان سحرائی نغمہ سنجی میں مصروف تھے۔ نسیم
سحری کے جھونکے درختوں کی نازک ٹہنیوں کو جنبش دیکر اسطرح آپس سے اٹھکھیلیاں کر رہے
تھے کہ گویاں ہزاروں پریاں رقص کر رہی ہیں۔ یہ ایسا تماشہ تھا جسے شاہزادی ہر روز اپنے
دریچے میں بیٹھ کر دیکھا کرتی اور اُسے اکثر خیال آتا کہ کیا عجب ہے وہ عجیب وغریب پرند
بھی کبھی آتا ہو جسے فینکس[1] کہتے ہیں اور جو بقول برہنوں کے ہر پانچ سو برس بعد

[1] فینکس یا عنقا ایک پرند ہے جس کے عجیب وغریب حالات پُرانی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے
"میں نے اُسے خود نہیں دیکھا لیکن اُسکی تصویر مشاہدہ کی ہے۔ اُسکے بازو سنہرے سرخی مائل ہیں اور شکل عقاب کی طرح
ہے۔ کہتے ہیں کہ شہر ہیلیوپولس میں وہ ہر پانچ سو برس کے بعد آتا ہے یہاں کے باشندے اسکے متعلق ایک عجیب
واقعہ بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ پرند جس کا وطن ملک عرب ہے۔ جب اس کا باپ مرجاتا ہے تو پہلے انڈے کی شکل کا
مہندی کا ایک بڑا سا گولا بناتا ہے پھر اس میں سوراخ کر کے باپ کی لاش اندر رکھ کر اوپر سے بند کر دیتا ہے اور مصر کا
رُخ کرتا ہے۔ جہاں شمس دیوتا کے مندر میں آکر وہ گولا دفن کر دیتا ہے۔"
پلنی کا بیان ہے "فینکس عرب کا ایک بہت بڑا پرند ہے جسکی عمر ۶۶۰ برس کی ہوتی ہے۔ جب بوڑھا ہو جاتا
ہے اور اسکے مرنیکے کا زمانہ قریب آتا ہے تو تیج پات اور لوبان وغیرہ کی شاخوں کا ایک گھونسلا بناتا ہے۔ اُسے بخورات
سے بھرتا ہے پھر اس پر بیٹھکر مرجاتا ہے۔ بعدہٗ اسکی ہڈی وگودے سے ایک کیڑا نکلتا ہے جو بڑا ہوکر اسی کا ہم شکل
ہوتا ہے اور گھونسلا پنجوں میں دباکر ہیلیوپولس آتا ہے۔ اور سورج دیوتا کے مندر میں باپ کی لاش رکھ کر چلا جاتا ہے
اسکی آمد کا زمانہ وہ وقت ہے جب ۳۶۵ دن کا شمسی سال ۳۶۵¼ دن کے معینہ یا سوتھک سال سے ملجاتا ہے
(یعنی ۱۴۶۰ برس کے بعد) اور تمام سیارے گردش کر کے اپنی پرانی جگہ واپس آجاتے ہیں۔"

را کے مندر واقع ہیلیو پولس[۵۱] میں حاضر ہوتا ہے اور اسکے متبرک شعلہائے آتش میں جلکر مرجاتا ہے پھر اسکی خاک سے ایک نیا پرند نمودار ہوتا ہے جو پہلے سے بھی زیادہ خوشنما ہوتا ہے اور اپنے وطن کی طرف اُڑکر چلاجاتا ہے۔ وہ انہی خیالات میں محو تھی اور دل میں کہہ رہی تھی اے کاش مجھے بھی ان تمام مصیبتوں کے بعد فینکس کی طرح ایک نئی اور خوش آیند زندگی نصیب ہوتی کہ اتنے میں کیا دیکھتی ہے کہ ایک طائر بزرگ جسکے دونوں بازو نہایت خوشنما وچمکدار تھے صنوبر کے اس درخت سے جو اسکے بیدرد عاشق کے محل میں تھا۔ اڑکر آسمان پر بلند ہوا اور منڈلاتا ہوا اُترکے اس تاڑ کے درخت پر بیٹھ گیا جو اسکے دریچے کے بالکل ہی قریب تھا نمتیس نے ایسا عجیب وغریب پرند جس کے پیروں میں ایک طلائی زنجیر بندھی تھی آج تک نہ دیکھا تھا۔ اُسے اسکی دم بجائے پروں کے سورج کی کرنوں کی معلوم ہوئی۔ وہ سمجھی کہ شاید یہی بنو[۵۲] یعنی را دیوتا کا مقبول پرند ہے اور بڑے ادب سے دوزانو بیٹھ کر اسکی طرف نگاہ جمائے ہوئے یہ پرانا گیت گانے لگی۔

انسانکے سروں سے بہت اونچا ہوں میں اُڑتا	لیجاتے ہیں بازو مرے افلاک بریں پر
آتا مری شوکت میں ہے پرتو نظر اس کا	پیدا کیا جس نے مجھے وہ خالق اکبر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فینکس کی تصاویر مصری فتوحات کی یادگاروں۔ اُنکے محلات کے ستونوں وجھاڑوں کے مستولوں پر بھی نظر آتی ہیں ان میں وہ اپنے بازو پھیلائے ہوئے پچھلے پنجوں پر بیٹھا ہوا۔ اگلے پنجے انسان کے ہاتھ کی طرح دعا کے لیئے اٹھائے ہوئے ہے بعض تصاویر میں اس کا چہرہ مثل انسان بنایا ہو دو بازو ہیں۔ سر پر بالوں کی کلغی ہے اور ہاتھ دعا کے لیئے بلند ہیں۔ ایک ستارہ بھی اسکے قریب موجود ہے۔

(پروفیسر ولکنس)

[۵۱] ہیلیو پولس یعنی الشمس یا بیت الشمس۔ جس کا نام بائبل میں آن یا اون آیا ہے۔ قدیم مصر کا ایک نہایت مشہور شہر تھا جسکے آثار قاہرہ کے نزدیک پائے جاتے ہیں۔

[۵۲] قدیم مصری فینکس کو بنو کہتے تھے۔ (امیر)

میں حسن میں کمتر نہیں اُن پھولوں سے ہرگز	جو کھلتے ہیں دنیا کے چمن زاروں میں اکثر
دیکھے مری تابش کوئی اُسوقت کہ حسب دم	ہے ڈالتا تیزی سے کرن مہر منور
خلقت کا مری راز کسی پر نہیں ظاہر	ہے مجھ پہ کھلا ماضی و آیندہ کا دفتر
میں روح ہوں اُس رآ کی جسے کہتے ہیں خورشید	دائم جو چمکتا ہے سر اہل جہاں پر

(از باب ۴۳ - کتاب مردگان)

طائر یہ گیت بظاہر بڑے شوق سے سنتا رہا - اور اسکے ختم ہوتے ہی اپنی گردن و پر ہلا کر اُڑ گیا نتیتیس اُسے عنقا سمجھی مگر حقیقت میں وہ ایک راج ہنس تھا جو شاہی چڑیا خانہ سے اپنی زنجیریں توڑ کر باہر نکل آیا تھا - اسے دیکھتے ہی غریب لڑکی سمجھی کہ رادیوتا نے خاص اسی کی تسکین قلب کے لئے اپنا پرند بھیجا ہے - یہ خیال آتے ہی اسکی امیدیں از سر نو تازہ ہو گئیں اور دل مسرت و خوشی سے بھر گیا - قاعدہ ہے کہ جب تک امید کا رشتہ منقطع نہیں ہوتا انسان بڑی بڑی مصیبتیں جھیل سکتا ہے اور گو اسے خوشی فوراً نصیب نہ بھی ہو تاہم اسکا تصور ہی تسکین و تشفی کے لئے کافی ہے اور اس کے دل کے نازک کنول کو کملانے و مرجھانے سے باز رکھتا ہے -

نتیتیس نے زہر کھانے کا ارادہ ترک کر دیا - اور تھکی ماندی تو تھی مسہری پر لیٹتے ہی خواب خرگوش کے مزے لینے لگی -

جن بدنصیب و جفاکشوں کی رات آہ و زاری میں جاگتے کٹتی ہے وہ صبح صادق کی نورانی تجلی دیکھ کر خوش ہوتے ہیں مگر بد باطن و گنہگار ظلمت و تاریکی ہی کو پسند کرتے ہیں اور سورج کی پاک روشنی دیکھ کر گھبراتے و پریشان ہوتے ہیں - نتیتیس آرام سے سو رہی تھی مگر اسکی خادمہ منداتہ سرہانے بیٹھی ہوئی ابھی تک جاگ رہی تھی - اسکے دل میں ایک عجب جدوجہد ایک عجب پیچ و تاب تھا - کبھی کہتی ہائے افسوس کاش یہ سورج جو اُسکی نیک و مہربان بیوی کی موت کا پیش خیمہ ہے نہ نکلتا اور ہمیشہ رات ہی رہتی جو گذشتہ افسوسناک

واقعات پر اپنا پردہ ڈالے رہتی اور انکا اثر زائل کر دیتی۔ کبھی اپنے نفس کو حد درجہ ملامت و نفریں کرتی اور کہتی میں ہی بیحیا و گنہگار قابل سرزنش و سزا ہوں۔ میری ہی گردن پر اس غریب کے خون ناحق کا عذاب رہیگا۔ پھر کئی بار اسے خیال آیا کہ اپنی حرکات کا اقبال کر کے شہزادی کو موت کے پنجہ سے چھڑا لے۔ مگر جان بڑی عزیز ہوتی ہے اس کا خوف اس ارادہ پر غالب رہا۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ اگر سچ سچ کہدیگی تو یقیناً گردن مار کر پیوند زمین کر دیجائیگی اور قبر کی گیلی گیلی مٹی جسم پر پڑیگی جس کے خیال ہی سے اُسے جھرجھری آجاتی تھی۔ اور آنکھ بند کر کے کانپنے لگتی تھی۔ پھر یہ کہہ کر اپنے دل کو تسکین دینے لگتی کہ ابھی تو میں جوان و نوعمر ہوں۔ نہ تو زندگی کے مزے اٹھا سکی ہوں نہ میری امنگیں و ارمان پورے ہوئے ہیں۔ اگر یہ امید ہوتی کہ حبس دوام سے زیادہ سزا نہ ملے گی تو شاید سب کچھ کہہ دیتی مگر جان کیوں دوں اور اگر دنیا بھی چاہوں تو بھی شاید بے سود ہو اور شاہزادی رہائی نہ پاسکے کیونکہ اُسے بردیہ کے خط کا حال معلوم تھا اور یہ بھی جانتی تھی کہ بادشاہ کی نظر سے وہ گذر چکا ہے۔ شہزادی کا قصور ثابت ہو چکا ہے اور وہ کسی طرح موت کے پنجہ سے بچ نہیں سکتی۔ انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب کوئی خطا کرتا ہے تو خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتا بلکہ طرح طرح کی بہانہ بازیوں سے اپنے آپ کو بیقصور و بری الذمہ بنانیکی کوششیں کرتا ہے یہی حال مندانہ کا تھا لیکن وہ شریر و بد طبیعت نہ تھی اور اپنی مالکہ سے کسی قدر الفت بھی رکھتی تھی۔ اس لئے جب کوئی تدبیر بن نہ آئی تو اسکے پلنگ کے نیچے دو زانو بیٹھ کر زار و قطار رونے لگی۔

بوگس کی رات بھی جاگتے گذری تھی اس کا رقیب خواجہ سرا کندلیس جس سے اُسے سخت نفرت تھی۔ تغافل در شوت ستانی کے جرم میں بادشاہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا تھا۔ اسے ذلیل و حقیر سمجھنے والی نیتتس نہ صرف اپنے اعلیٰ مرتبہ سے نیچے گر گئی تھی بلکہ ایک شرمناک طریقہ سے موت کی سزا پانیوالی تھی۔ مادرشاہ کا بھی اثر بہت کچھ زائل ہو گیا تھا مختصر یہ کہ اب اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ اور یہ سب کچھ اُسی کی ہوشیاری و چالاکی کا نتیجہ تھا۔

جس پر اُسے بڑا گھمنڈ تھا اور دل میں بہت خوش تھا کہ اب عنقریب اپنی چہیتی فدیما کو بادشاہ
کے زانو بہ زانو ایک ذی اقتدار و منظورِ نظر ملکہ کی حیثیت سے دیکھے گا۔ گریسس دو نوجوان
امیرزادوں کے لئے فرمان قتل جاری ہونا بھی عین اسکی خواہش و منشار دلی کے مطابق تھا
کیونکہ وہ اگر زندہ رہتے تو ممکن تھا کہ اُسکی سازشوں کا پتہ کسی طرح لگ جاتا اور بڑی مصیبت
کا سامنا ہوتا۔ صبح ہوتے ہی اس نے بادشاہ کے محل سے رخصت ہوکر حرم کا رُخ کیا۔ یہاں
فدیما ابھی تک جاگ رہی تھی مختلف افواہیں اسکے کان تک پہنچ چکی تھیں اور بڑی بےچینی سے
خواجہ سرا کی آمد کی منتظر تھی۔ وہ اپنے سنگار کے کمرے میں ایک آرام دہ کوچ پر ایک باریک
وریشمی لباس پہنے لیٹی ہوئی تھی۔ اسکے پیروں میں موتی و فیروزے جڑی ہوئی زرد رنگ کی
پاپوشیں تھیں۔ اسکے اردگرد بیس پچیس خواصیں دست بستہ کھڑی تھیں۔ جیوں ہی اس نے
بوگس کے آنےکی آہٹ سُنی فوراً ان سب کو رخصت کرکے بےتحاشہ بھاگتی ہوئی خواجہ سرا
کے سامنے آئی اور چھوٹتے ہی اس قدر سوالوں کی بھرمار کردی کہ وہ بھی گھبرا گیا۔
بوگس (اپنا بھدا ہاتھ اسکے شانے پر رکھ کے بڑے پیار سے) "صبر۔ میری بلبل! صبر سے
کام لو۔ ذرا مجھے دم تو لینے دو۔ دیکھو تنگ نہ کرو۔ میں جو کچھ کہوں اُسے چپ چاپ بغیر زبان ہلائے
سُنے جاؤ۔ اگر بات پر ٹوکا تو کبھی میری گفتگو ختم ہی نہ ہوگی۔ اور آج مجھے بہت سے کام ہیں
اول تو مصریہ کی گدھے کی سواری کا تماشہ دیکھنا ہے۔ دوسرے اسکے قتل کے وقت بھی
موجود رہنا ضروری ہے۔ (فدیما خوشی کے مارے اچھل پڑتی ہے) تم چاہو ہنسو۔ چلاؤ یا چہلاتیں
مار کر اپنا اظہار مسرت کرو مگر میری گفتگو میں دخل درمعقولات نہ دینا (فدیما فرطِ مسرت سے خواجہ سرا
کے لپٹ جاتی ہے) ہاں بیشک میں اسی اخلاص و پیار کا مستحق ہوں۔ اچھا آؤ۔ اب آرام سے
اس کوچ پر بیٹھ کر باتیں کریں (ملکہ کے رخساروں کو تھپ تھپاکر) دیکھو اب تمہیں ایک اچھی
سی کہانی سُناتا ہوں۔ کچھ عرصہ گذرا کہ ایران میں ایک بادشاہ تھا جسکی بہت سی بیویاں
تھیں مگر وہ ان سب سے زیادہ اپنی ایک ملکہ سے جس کا نام فدیما تھا الفت و پیار کرتا تھا۔

ایک دن اتفاق سے یکایک اس کا دل بدل گیا اور فرعون مصر کی لڑکی سے کتخدائی کا خواہشمند ہوا۔ اس لئے اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو ایک بڑی سفارت کے ہمراہ مصر روانہ کیا۔"

فدسیا (بیتابانہ چلاکر) "کہاں کی فضول باتیں نکالیں ہیں۔ میں تو یہ سُننا چاہتی ہوں کہ آج کیا ہوا؟"

بوگس ۔ پھر وہی بےصبری و جلدبازی۔ اے ہے تم تو آندھی کے گھوڑے پر سوار ہو۔ سچ کہتا ہوں اگر اگلی بار لقمہ دیا تو باہر نکل کر شجرو حجر سے اپنا قصہ کہنے لگونگا۔ ذرا مجھے اپنی کامیابی کا دل بھر کے لطف تو اُٹھا لینے دو۔ مجھے اسکے بیان سے ایسی ہی مسرت ہوتی ہے جیسے کوئی بت تراش اپنا ایک لاجواب نمونہ صناعی سامنے رکھ کر بار بار اسکی دید سے حظ اُٹھائے۔"

فدسیا "میں گذشتہ باتوں کے سُننے سے باز آئی۔ اب مجھے صبر کی تاب نہیں۔ معلوم نہیں یہ گھنٹے کس طرح تڑپ تڑپ کے گذرے ہیں۔ نوکر چاکر طرح طرح کی خبریں سناتے ہیں جس سے میری بے چینی لحظہ بلحظہ بڑھتی جاتی ہے۔ ہر مزد کا واسطہ اب نتیجہ سے آگاہ کر دو۔ ورنہ پھر کہے گا تو رات بھر تیری داستان سُنتی رہونگی۔"

بوگس ۔ (مسکرا کر اور بڑے اطمینان سے دونوں ہاتھ ملکر) "بچپن کے زمانہ میں جب میں کسی مچھلی کو اپنے کانٹے میں تڑپتا دیکھتا تھا تو خوشی کے مارے تالیاں بجاتا تھا۔ اسی طرح اس وقت بھی ایک خوبصورت سنہری مچھلی بیتاب ہے اور جبتک میں اچھی طرح اس کے تڑپنے کا تماشہ دیکھ نہ لونگا اُسے رہا نہ کرونگا۔"

یہ سُننا تھا کہ **فدسیا** اپنے پیروں کو زمین پر زور سے پٹکنے لگی اور ایک شریر بچے کی طرح مُنہ تھتا کر ٹھنکنے اور ضد کرنے لگی۔ خواجہ سرا جسے اُسے چٹخانے وچھیڑنے میں بڑا لطف آتا تھا یہ حالت دیکھکر اور بھی خوش ہوا اور اس قدر ہنسا کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ پھر جب متعدد جام شراب اپنی خشمگین حسینہ کی صحت کے چڑھا چکا تو اس طرح گویا ہوا۔ "مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ

شہنشاہ نے اپنے بھائی کو مہم تیوری پر محض اپنے رشک وحسد کی بنا پر بھیجا تھا۔ اسے خواہ مخواہ یہ وہم ہو گیا تھا کہ شاید منصریہ اس پر عاشق ہے مگر میں بخوبی جانتا تھا کہ وہ بڑی مستقل مزاج و مغرور عورت ہے اور شہزادہ کے حسن وجمال کی اتنی بھی پرواہ نہیں کرتی جتنی ایک یہودی سور کے گوشت یا مصری مٹر کی پھلیوں کی طرف رغبت ظاہر کرتا ہے[۵۱] لیکن مجھے ایک اچھا ذریعہ ہاتھ آگیا اور میں نے دل میں ٹھان لیا کہ بادشاہ کی اسی کمزوری سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور اسکے رشک وحسد کو بھڑکا کر اس عورت کو زک دینا چاہیئے جسنے ہم دونوں کی عزت خاک میں ملادی تھی۔ ایک عرصہ تک میں اسی ادھیڑ بن میں رہا لیکن کوئی معقول تدبیر ذہن میں نہ آئی آخرکار جب جشن نوروز کا زمانہ آیا۔ اور تمام ملک کے پروہت بابل میں جمع ہونے لگے۔ آٹھ دن تک تمام شہر میں خوشیاں و رنگ رلیاں منائی گئیں اور دربار میں بھی ایک بڑی دعوت وجشن کے سامان ہونے لگے۔ تو مجھے یہ موقعہ نہایت موزوں معلوم ہوا۔ مگر کوئی ذریعہ یا وسیلہ نہ پاکر میں کسی قدر ناامید ہو چلا تھا کہ ایک دن اتفاقاً امشاسپند کے فضل وکرم سے ایک ایسے نوجوان پر میری نظر پڑی جسے گویا خود اہرمن نے میری تدابیر کی کامیابی کے لئے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ یہ شخص گوماتا برادر موبد اعظم ارسپتس تھا جو بابل جشن نوروز کے تماشہ کی غرض سے آیا تھا۔ جب میں نے سب سے پہلے اسے اپنے بھائی کے مکان پر دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا اور سوچنے لگا کہ کوئی ہمزاد یا دیو تو نہیں ہے۔ کیونکہ شہزادہ بردیہ سے وہ اس قدر مشابہ تھا کہ میں نے آج تک ایسے توام بھائی بھی کبھی نہیں دیکھے۔ غرضکہ میں نے اُسے اپنے دام میں لانے کا ارادہ کیا اور ادھر اُدھر کی باتیں کر کے ایسا شیشہ میں اُتارا کہ وہ میرے یہاں آنے پر آمادہ ہو گیا۔ میں نے اُسکی بڑی دھوم سے دعوت کی اور نہایت عمدہ شرابیں پلائیں تاکہ اُس کا حجاب وتکلف دور ہو جائے۔ آخر یہی ہوا اور اس نے شراب کے

[۵۱] بعض قسم کی پھلیاں و دالیں وغیرہ قدیم مصریوں کو کھانا منع تھیں۔ اکثر سور کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے (دنکنس)

نشہ میں اپنا تمام رازِ دل کہہ سنایا یعنی وہ بابل صرف قربانی وغیرہ کا تماشہ دیکھنے نہیں آیا ہی
بلکہ اپنی معشوقہ سے جو دختر فرعون کی خواص ہے ملنے کی آرزو و تمنا رکھتا ہے۔ وہ اس
لڑکی پر بچپن سے عاشق تھا مگر اسکے بھائی نے کسی مصلحت سے دونوں کو جدا کر دیا اور منداتہ کو
بادشاہ کی منظور نظر سنگیتر کی خدمت کے لئے بھیجدیا۔ اب وہ اُس سے ملنے کے لئے تڑپ رہا
تھا اور مجھ سے بڑی عاجزی سے کہنے لگا کہ کوئی تدبیر نکالوں۔ میں نے بھی بڑی ہمدردی
جتاکر کہا کہ یہ تو نہایت مشکل ہے مگر دیکھو کوشش کرونگا تم مجھ سے پھر کل آکر ملو۔ دوسرے
دن وہ آیا تو میں نے کہا کہ اس شرط پر مدد دینے کے لئے تیار ہوں کہ جو کہوں تم اس پر آنکھ بند
کرکے عمل کرنا۔ وہ بخوشی راضی ہوگیا اور میری ہدایت کے بموجب راغنہ چلا گیا جہاں سے چھپکر
چند روز ہوئے کہ واپس آیا تھا اور میرے ہی مکان میں مقیم ہوا تھا۔ اسی اثنا میں شہزادہ بردیہ
بھی بابل آگئے۔ میں نے سوچا کہ اب موقع ہے بادشاہ کو دہوکہ دیکر ایک ہی وار میں مصریہ
کا خاتمہ کر دونگا۔ سب سے پہلے میں نے تمہاری تحقیر و مذلت کا علانیہ اظہار کرکے تمہارے عزیز
و اقربا کو بھڑکایا اور انکے دلوں میں تمہارے رقیب کی طرف سے خصومت و عناد پیدا کیا۔
پھر اتفاق سے قسمت نے میری ایک عجیب طریقہ سے یاوری کی۔ تمہیں یاد ہوگا کہ
نتتیتس۔ بردیہ کی شادی کی خبر سُنکر بیہوش ہوگئی تھی۔ مگر شاید یہ نہ جانتی ہوگی کہ
اُسی شام اس نے اپنے باغ کے ایک مالی کے ہاتھ ایک خط بھی شہزادہ کو روانہ کیا تھا
یہ بیوقوف لڑکا خط لئے ہوئے راستہ ہی میں پکڑا گیا۔ اور بادشاہ کے حکم سے فوراً قتل کر دیا
گیا۔ پھر میں نے یہ انتظام کیا کہ شہزادی اپنے دوستوں سے کچھ خط و کتابت نہ کرنے
پائے اور نہ کوئی اُس سے مل سکے۔ باقی جو گذرا وہ تمہیں معلوم ہی ہوگیا ہے"۔

فیدیما "یہ تو بتاؤ گوماتا باغ سے کس طرح اپنی جان بچاکر نکل گیا"۔

بوگسس "۔ یہ بھی میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ باغ میں ایک چور دروازہ ہے جس کا
حال صرف مجھی کو معلوم ہے۔ میں نے اسے خبردار کر دیا تھا وہ بآسانی اُس سے نکل کر

روپوش ہوگیا۔ علاوہ اس کے اتفاق سے بردیہ کا دہ خنجر بھی میرے ہاتھ آگیا جو شکار میں اسکی پیٹی سے کھلکر گر گیا تھا۔ اُسے میں نے دختر فرعون کی کھڑکی کے نیچے پھینکدیا۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ شہزادہ کو دور رکھنا چاہئے اور بادشاہ یا کسی ایسے شخص سے ملنے نہ دینا چاہئے جو اُسکی بریت کی گواہی دے سکیں۔ اس لئے میں نے ایک یونانی سوداگر کو جو آجکل اس شہر میں کپڑے وغیرہ بیچنے آیا ہے آمادہ کیا کہ اپنی زبان میں ایک خط لکھ کر شہزادہ کو بوقت طلوع ستارہ تستر کسی تنہا جگہ اس بہانہ سے کہ اُسکی معشوقہ سافو نے ایک ضروری پیغام بھیجا ہے ملنے کے لئے بلائے۔ مگر بدقسمتی سے قاصد کی حماقت کی وجہ سے یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی اور جب میں نے بعدہٗ سُنا کہ شاہزادہ اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ دعوت مے نوشی میں مصروف ہے تو نہایت خوفزدہ و مضطرب ہوا مگر کیا کرتا مجبور تھا۔ بہرحال تمہارے والد اور دیگر امرا کی شہادت کے سامنے انکے نوجوان لڑکوں کے بیانات کیا وقعت رکھ سکتے ہیں۔ بادشاہ کے سامنے اُنہوں نے ایک دوسرے کی تردید کی مگر شکر ہے کہ نتیجہ میرے ہی موافق نکلا اور شہزادہ۔ اسکے دوست اور کریسس بھی جو بادشاہ سے گستاخانہ پیش آیا تھا سب قید میں ڈال دیئے گئے۔ اور عنقریب دار پر چڑھا دیئے جائیں گے۔ اب اپنی سوتن دختر فرعون کے لئے جو فرمان بادشاہ کی طرف سے کاتب شاہی نے نافذ کیا ہے اُسے بھی بغور سُن لو۔ اور اپنا دل ٹھنڈا کرو۔ دیکھو کیا پرلطف ہے۔ لکھتا ہے:۔

”نتتیس مصر کی شہزادی کو اسکی بدکاریوں کی سزا میں ایک گدھے پر سوار کر کے بابل کی تمام سڑکوں پر گشت کرایا جائے تا کہ لوگ اُسے دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور جانیں کہ شہنشاہ عالم پناہ کو قانون و انصاف کی پابندی اس قدر مدنظر ہے کہ ایک شہزادی و معمولی عورت دونوں اس کی نگاہ میں یکساں ہیں اور اپنے کردار کی سزا بے کم و کاست پاتی ہیں۔ یہ بدنصیب عورت بعد اپنی تشہیر و تذلیل کے آفتاب غروب

ہوتے ہی زندہ جلادی جائے اور ان احکام کی بجاآوری بوگس سردار خواجہ سرا کے سپرد کی جائے۔ بحکم شہنشاہ عالی جاہ کمبوجیہ۔ دستخط میر کاتب آریابگا۔"

میں یہ فرمان لیکر اپنی جیب میں رکھ چکا تھا کہ اتنے میں مادر شاہ و اتوسا دونوں آشفتہ حال۔ بال پریشان و پیرہن دریدہ دربار میں داخل ہوئیں اور بڑی آہ و بکا۔ منت و التجا سے عفو و رحم کی خواستگار ہوئیں مگر بادشاہ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس کا غیظ و غضب اور بھڑک اٹھا اور اگر اپنے والد مرحوم کے نام و ناموس کا خیال نہ ہوتا تو ان دونوں عورتوں کو بھی سزائے موت کا حکم سنا دیتا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ کاسندانہ نے نتیتس کی رہائی کے لئے ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہ نکالا بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ اسے بھی اسکے جرم کا یقین ہے۔ گوماتا کے متعلق ہمیں بالکل فکر نہ کرنا چاہئے۔ میں نے تین آدمیوں کو خوب زر و جواہر دیکر اسکے ہمراہ کردیا ہے کہ جیوں ہی وہ راغہ پہنچے اُسے پکڑ کر دریائے فرات کے اندر ایک ایسا غوطہ دیں کہ پھر کبھی سانس نہ لے سکے۔ مچھلیوں و کیڑوں کے مزے ہیں۔ خوب شکار انکے ہاتھ لگے گا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔"

فدیما بھی قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ اور بوگس کی بہت ثنا و صفت کے بعد ایک مرصع جواہرات کا ہار اسکے گلے میں پہنا کر کہنے لگی "میرے پیارے محسن یہ تمہاری بیش بہا خدمات کا ایک ادنیٰ صلہ ہے۔ ہرمزد وہ دن لائے اور میں اپنا پرانا مرتبہ و عزت پاؤں پھر دیکھو تمہیں کیسا مالامال کرتی ہوں۔"

